افغانستان

پر کیا گزری؟

طارق اسمٰعیل ساگر



فہرست

عرضِ مصنف

نائن الیون نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا!

یہ وہ تلخ سچائی ہے جس کا سب کو علم ہے جس سے انکار کسی بھی صورت ممکن نہیں۔ اس سے قطع نظر کہ یہ حادثہ کیوں رونما ہوا؟ اس کے محرکات کیا تھے؟ اور کیا سچ واقعی وہی ہے جو امریکن دنیا کو بتانا اور دکھانا چاہتے ہیں یا سچائی کچھ اور ہے جس پر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منافقت، ریاکاری اور سیاسی چلتر بازیوں کی گرد مسلسل جم رہی ہے جس کے نیچے سچ دبتا چلا جا رہا ہے؟ کیا وہ تمام تحقیقاتی رپورٹس، فلمیں، کتابیں، مضامین جھوٹے ہیں جو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ نائن الیون امریکہ کے اندر سے ہونے والی کارروائی ہے جس کی باقاعدہ پلاننگ کی گئی اور جس سے پھر "ملٹی پرپز" فوائد حاصل کئے گئے؟ اور صرف سچ وہ ہے جو امریکہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ہمارے دماغوں میں ٹھونس رہا ہے!

افغان پالیسی پر ہمارا "یوٹرن" عرصے سے زیر بحث ہے اور عرصہ تک رہے گا لیکن یہ صرف ایک ہی واقعہ کا مرہون منت نہیں۔ جی ہاں! جان لیجئے کہ بلندی پر پہنچنا شاید اتنا مشکل نہیں جتنا وہاں مستقل مزاجی سے قدم جمائے رکھنا۔ جب کسی بھی طرح افغان مجاہدین نے وہ "بلندی" حاصل کر لی جس کے لئے انہوں نے لاکھوں جانوں کے نذرانے دیئے تھے تو کیا وہ استقامت برقرار رکھ سکے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ اموال کی تقسیم بدقسمتی سے مسلمانوں کے درمیان باعث

نزاع بن جایا کرتی ہے۔ اس لئے جنگ سے زیادہ فتح کا ڈسپلن خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ہماری تاریخ ایسے متعدد واقعات سے بھری پڑی ہے جب ہم میدان جنگ میں جیتے اور مذاکرات میں ہار گئے۔

آیئے اس تلخ حقیقت کا اقرار کر لیں کہ "جہاد افغانستان" جن طاقتوں نے آغاز کروایا تھا وہ اس کا انجام بھی ہماری نہیں اپنی مرضی کے مطابق دیکھنا چاہتے تھے۔ میں نے 1995ء میں نوائے وقت کی طرف سے جنرل (ر) حمید گل کا شاید کسی اخبار کے لئے پہلا باقاعدہ اور طویل انٹرویو کیا تھا۔ آج تک اس انٹرویو کی سرخی میں نہیں بھولا جو جنرل صاحب کے ایک سوال کے جواب میں کہی بات پر میں نے رکھی تھی۔ جنرل صاحب نے فرمایا تھا "ہم نے افغانستان میں نو سال تک امریکہ کی جنگ لڑی ہے"۔ یہ انٹرویو شائع ہوا۔ آج بھی نوائے وقت کے ریکارڈ پر موجود اور محفوظ ہے۔ ہمارے ایک معروف لکھاری میجر (ر) جمیل ڈار جو کبھی "ابوذر غفاری" کے قلمی نام سے بھی لکھتے رہے ہیں۔ جہاد افغانستان کے میرے علم کی حد تک سب سے زیادہ "باخبر" فوجی اور صحافی ہیں۔ جو مولوی یونس خالص کے قریبی ساتھی اور طویل عرصہ تک اس جہاد کا حصہ بنے رہے۔ آپ نے روسی فوجوں کی افغانستان سے روانگی کے بعد اس حوالے سے جو کچھ لکھا وہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے ہر قاری کے علم میں ہے۔ درجنوں ایسی شہادتیں دی جا سکتی ہیں کہ لوگ جب اندھیرے سے روشنی میں آئے تو حقائق سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

قارئین کرام! اگر جہاد افغانستان نے روس کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ سینٹرل ایشیا کی مسلم ریاستوں کو آزادی نصیب ہوئی مشرقی یورپ کو کمیونزم کے تسلط سے رہائی ملی تو ان انقلابات سے کون "فیض یاب" ہوا؟ ہم یا امریکہ؟ بدقسمتی سے ہمارے حصے میں مہاجرین کا سیلاب، کلاشنکوف کلچر اور ہیروئن ہی آئے۔ 30 لاکھ افغان مہاجرین کی مہمان نوازی کا حاصل کیا ہے؟ صدر کرزئی کے بیانات یا لاہور، اسلام آباد اور ملک کے بڑے بڑے شہروں سے گرفتار ہونے والے افغانی ڈاکوؤں کے گروہ؟ جہاد کے ثمرات سے کوئی مسلمان منکر نہیں ہو سکتا لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ "واللہ خیر الماکرین" (اللہ سے بڑھ کر مکر کرنے والا کوئی نہیں۔ القرآن)

ہماری چالاکیوں، ہوشیاریوں نے ہمیں ذلتوں اور خواریوں کے سوا دیا کیا ہے؟

آج ہم دنیا میں کہاں کھڑے ہیں؟ حکومت کے لفاظی گورکھ دھندے کو چھوڑیئے۔

حقائق کی آنکھوں سے صورتحال کا جائزہ لیجئے۔ ہماری وہ شمالی سرحدیں جہاں کبھی باقاعدہ آرمی کے دس فوجی بھی تعینات نہیں تھے وہاں آج چالیس ہزار پاکستان آرمی کے جوان حالت جنگ میں پہرہ دے رہے ہیں اور حکومت کی طرف سے پاک افغان سرحد پر خاردار تار اور بارودی سرنگیں بچھانے کے اعلانات الگ سے ہو رہے ہیں۔

شمالی سرحدوں کے ساتھ افغانستان میں موجود ہمارے ماضی کے مضبوط مراکز آج ''را'' کے دہشت گردی کیمپوں میں تبدیل ہوگئے ہیں جہاں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں ہمارے بلوچی گمراہ نوجوانوں کو تخریب کاری کی تربیت دے کر پاکستان کے لئے مستقل عذاب کھڑا کر رہی ہیں۔

یہ سب کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ افغانوں کے ساتھ کس نے کیا کھیل کھیلا؟ القاعدہ، طالبان، قابض افواج، عالمی سازشیں، بھارتی کردار اور آمدہ خطرات۔ میں نے اپنی اس تصنیف میں اپنے علم کی حد تک اللہ کو حاضر ناظر جان کر ان سوالات کے جوابات تلاش کئے ہیں۔ اگر اس کے مطالعے سے آپ کی تیوریوں پر بل آئے تو مجھے برا بھلا کہنے کے بجائے اصلاح احوال کی کوشش کیجئے۔ اگر آپ کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہیں! کم از کم میں تو یہی کرسکتا تھا۔

طارق اسماعیل ساگر

فروری 2007ء



انقلابات کی سرزمین

کوہ ہندوکش، ہمالیہ اور پامیر کے درمیان موجود مردان جفاکش کا مسکن افغانستان 1838ء میں پہلی مرتبہ عالمی نقشے پر دکھائی دیا، اس سے پہلے اس نام کے کسی ملک کا وجود نہیں ملتا، البتہ ولایت ہرات، ولایت کابل یا ولایت قندھار نام کی مختلف ولایتیں ضرور موجود تھیں۔ جن میں سے کسی ایک کو تب بھی افغانستان کہہ دیا جاتا تھا۔ مختلف ادوار میں یہاں ایرانی، ہندوستانی اور برطانوی استبداد قائم رہا لیکن دوام کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ سید جمال الدین افغانیؒ کا کہنا ہے کہ اس خطے میں آباد لوگوں کو افغانی کا نام اہل ایران نے دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ جب شہنشاہ بخت نصر نے انہیں تاراج کیا اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹے تو یہ لوگ بڑی آہ وفغاں کیا کرتے تھے، ہندوستانی حکمرانوں نے انہیں پٹھان کا لقب دیا جبکہ پاکستان کی شمالی مغربی سرحد کے ساتھ خوست، باجوڑ اور کرم ایجنسی کے آباد کار خود کو پختون کہا کرتے تھے معلوم افغان تہذیب تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پرانی ہے۔

فرنگیوں نے جب مغلوں کو مفتوح کیا تو انہوں نے افغانستان کو بھی ہندوستان کا ایک حصہ جانتے ہوئے مادر ملکہ برطانیہ کے ماتحت جانا لیکن انہیں ہندوستان کے برعکس یہاں بہت مختلف اور ہولناک تجربات سے گزرنا پڑا۔ جب کبھی یہاں انگریز قابض ہوئے، مفتوحہ علاقے ان کے حلق میں ہڈی کی طرح اٹک جاتے جنہیں نہ نگلتے بنتی اور نہ اگلتے اور فرنگیوں کی ہر مہم جوئی کا

انجام کچھ عرصہ قبضہ برقرار رکھنے کے بعد ایک تباہ کن پسپائی کی صورت میں ہی برآمد ہوتا رہا۔ طویل اور تلخ تجربات نے بالآخر انگریزوں کو یہ عقل دی کہ افغانستان کو ایک الگ ملک کی حیثیت سے ہی تسلیم کرنا چاہئے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

1889ء میں سر ہنری مارٹر ڈیورنڈ کی سربراہی میں سلطنت انگلشیہ کا ایک وفد کابل پہنچا، جس نے برطانوی ہند اور افغانستان کی سرحدات کا تعین کیا۔ اس کمیشن کی متعین کردہ افغانستان کی جنوبی اور مشرقی سرحدات کو ''ڈیورنڈ لائن'' کہا جاتا ہے اور کم وبیش یہی ''ڈیورنڈ لائن'' پاکستان اور افغانستان کے درمیان ''برائے نام'' سرحد بھی ہے، جو کنڑ کے پہاڑوں سے درۂ خیبر اور علی مسجد تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔

اس خطے کا محل وقوع تھا یا یہاں کے موسمی شدائد یا پھر اسے کوئی اور نام دے لیجئے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس خطے کے مکینوں نے دنیا کے دیگر باشندوں کی طرح نہ تو دوسری تہذیبوں کا اثر قبول کیا نہ ہی ان کا حصہ بنے شاید یہی وجہ ہے کہ یہ خطہ کرۂ ارض کی مادی آسائشوں سے کچھ زیادہ بہرہ مند بھی نہ ہوسکا اور یہاں کے مکینوں نے کہ بقول اقبال جو فطرت کے مقاصد کی کرتے تھے نگہبانی، خود کو یہیں تک محدود کیا۔

مردان کہستان نے اپنے قبائلی ازم کو ہی ہمیشہ اپنے نظام حیات پر غالب رکھا، قبیلوں میں بٹ کر زندہ رہے جرگہ سسٹم کو رواج دیا صرف ان کی طرف مائل ہوئے جن سے ان قبائلیوں کو قربت تھی گویا ان کی مکمل دنیا ان کا قبیلہ اور خاندان اس کی اکائی تھی۔ 21ویں صدی میں بھی افغان معاشرے پر یہی طرز حیات غالب دکھائی دیتا ہے۔ جدید ترین ٹیکنالوجی، نظریات، تمدن، غرض کسی بھی نوعیت کا کوئی انقلاب، ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ جدیدیت سنگلاخ پہاڑوں سے سر ٹکرا کر پاش پاش ہوتی رہی۔ دشوار گزار اور عام انسان کے لئے ناقابل عبور راستوں، سنگلاخ اور سربکف پہاڑوں نے صدیوں سے افغانوں کی مقامی معاشرت کو غیر افغانی نظریات کی یلغار سے محفوظ تو رکھا لیکن افسوس کہ جدیدیت کے ثمرات سے بھی انہیں کبھی بہرہ مند نہیں ہونے دیا۔ اگر کوئی سخت کوش حملہ آور سنگلاخ چٹانوں کو چیرتا یہاں تک پہنچ ہی گیا تو اس میں اتنا دم خم ہی باقی نہیں رہ جاتا تھا کہ وہ مقامی قبائلیوں کی جوابی یلغار کا سامنا کر پاتا۔ اسلام واحد دین مبین ہے جس کو ان لوگوں نے دل وجان سے قبول کیا اور اسے اپنا فخر بھی مانتے ہیں۔ اسلام نے ساتویں صدی عیسوی

کے وسط میں افغانوں کے قلب منور کئے۔

جب بلاد عرب میں آمد مصطفیٰ ﷺ سے ایمان وایقان کی شمعیں روشن ہوئیں اور یہودی بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو انہوں نے خالد نامی شخص کو یہاں دعوت اسلام پھیلانے کے لئے بھیجا جس کے بعد افغانوں کی ایک جماعت خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوئی۔ حضور ﷺ نے ان کے امیر قیس کو ''الرشید'' نام سے نوازا اور امیر کا لقب عطا فرما کر واپس لوٹایا۔ افغان صحابیوںؓ کی یہ جماعت فتح مکہ کی مہم میں ختمی المرتبت ﷺ کے ہمرکاب تھی۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد مدینہ کی ایک جماعت کو ان کے ہم رکاب کیا اور ان سب کو ''کوہستان غور'' کی طرف روانہ کیا۔ اس جماعت کی تبلیغ سے تمام لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

افغانستان میں قائم ہونے والی سلطنتوں میں نویں سے بارہویں صدی عیسوی تک قائم رہنے والی ''غزنوی سلطنت'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ 13ویں سے 14ویں صدی عیسوی تک یہاں منگول حکومتیں قائم ہوئیں۔ جس کے بعد علاقائی اور مقامی قبائل کے درمیان خون ریزیوں کا طویل سلسلہ دکھائی دیتا ہے۔ جس نے شاہراہ ریشم کے ذریعے صدیوں سے ہونے والی تجارت کو قریباً تہس نہس کر کے رکھ دیا، بعد میں پرتگالی، فرانسیسی اور برطانوی تجارتی قافلے اس طرف آئے جنہوں نے نئے تجارتی راستے تلاش کئے۔ فارس کے صفوی اور ہندوستان کے مغلوں نے یہاں تسلط جمانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ 16ویں اور 17ویں صدی عیسوی میں دونوں کے درمیان اس علاقے میں جنگیں لڑی گئیں لیکن دونوں کو اپنا بوریا بستر یہاں سے سمیٹنا پڑا۔ روس کے ''زار'' اور برطانوی حکومت کے درمیان اس علاقے پر تسلط جمانے کی دوڑ شروع ہوگئی۔ افغانوں کی آخری عظیم الشان سلطنت احمد شاہ درانی کی حکومت کو ہی کہا جاتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ منتشر قبائل کو مجتمع کر کے ایک جھنڈے تلے جمع کرنا تھا لیکن لسانی اور قبائلی عصبیتوں نے بالآخر اپنا رنگ جمایا اور 19ویں صدی کے اوائل میں یہاں مغربی استعمار کو دخل اندازی کا موقع مل گیا۔

افغانستان میں غیر ملکی مداخلت کی تحریک یوں تو خاصی پرانی ہے لیکن انیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں برطانوی استعمار نے جب برصغیر پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تو اسے افغانستان کی فکر دامن گیر ہوئی کیونکہ فرنگیوں نے اپنے مقبوضات کی بنیاد شمالی ہند کی شرقی

سرحدوں پر ڈالی تھی لیکن ان کی نظر ہمیشہ زارشاہی پر جمی رہیں اور زاروں کے نزدیک پہنچنے کے لئے لازم تھا کہ وہ وادی سندھ کی طرف اپنا سفر آغاز کریں اس مقصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی افواج نے سندھ کی طرف بڑی احتیاط اور آہستگی سے یلغار شروع کی۔ انگریزوں کو یہ دھڑکا ہمیشہ لگا رہتا تھا کہ روسی افواج کبھی نہ کبھی افغانستان کے راستے جس کی سرحدوں کا تعین اس وقت تک نہیں ہوسکا تھا ہندوستان میں داخل ہوجائیں گی اور فی الوقت فرنگی استعمار براہ راست روس کی زارشاہی سے ٹکرانے کی قوت بھی نہیں رکھتا تھا البتہ انگریزوں کو اس علاقے میں اپنی سرحدوں کے تعین کی فکر ضرور دامن گیر رہی تا کہ وہ روس کو کم از کم ان سرحدوں تک پابند رکھ سکیں۔

یہی وہ حکمت عملی تھی جس نے برطانوی سرکار کو 19ویں صدی میں ایشیائی ممالک کے لئے اپنی خصوصی خارجہ پالیسی بنانے کی راہ سجھائی۔ جنوبی ایشیا میں اس پالیسی کا خالق لارڈ رچرڈ کولے ولزلی کو سمجھا جاتا ہے جس نے امیر افغانستان اور شاہ فارس کے درباروں میں اپنے خصوصی وفود روانہ کئے۔ ان وفود نے شاہان ایران و افغانستان کو فرانسیسی استعماریت کے بڑھتے ہوئے طوفان سے ڈرایا دھمکایا اور برطانوی حکومت کی طرف سے ان ممکنہ اقدامات کی نشاندہی بھی کردی جن کے تحت برطانوی انہیں فرانسیسی غلبے سے محفوظ رکھ سکتے تھے اور ساتھ ہی برطانوی ہند کو فرانسیسی حملہ آوروں سے بچانے کے لئے دونوں حکومتوں سے تعاون کی درخواست بھی کردی۔

یہ وفود 19ویں صدی کے آغاز سے بمشکل ڈیڑھ سال پہلے ان دنوں افغانستان اور فارس میں آئے تھے جب نپولین بوناپارٹ نے 1798ء میں اپنی خصوصی افواج ARMY OF THE NILE کو متحرک کیا اور انہیں ہندوستان اور ایران کی طرف بڑھنے کے لئے ترتیب دی تھی۔ نپولین بوناپارٹ پہلے مرحلے پر ایران اس کے بعد ہندوستان پر جھنڈے گاڑنے کا خواہاں تھا اس کی بدقسمتی کہ بحیرہ ہند میں موجود ایڈمرل نیلسن کے جنگی بیڑے نے نپولین کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا کیونکہ نپولین کا بحری بیڑہ برطانوی سمندری بیڑے کے مقابلے میں بہت کمزور تھا۔

اس صورتحال نے نپولین پر گھبراہٹ کے بجائے غصہ طاری کردیا اور اس نے اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کرنے کا عزم دھراتے ہوئے زارروس سے برطانیہ کے خلاف جنگی معاہدہ

کرلیا جس کے بعد 1801ء میں ''فرانکوریشین مہم'' کا آغاز ہوا۔ اس مہم کے تحت فرانس نے 35 ہزار افواج جمع کرنی تھیں جبکہ روسیوں نے بطور خاص ''کوساکس'' یعنی مارشل روسی نسل اتنے ہی سپاہ فراہم کرنی تھیں دونوں افواج کا اجتماع ''استراخان'' پر ہوتا اور انہوں نے افغانستان پر ہرات کی سرحد سے حملے کا آغاز کرتے ہوئے آگے بڑھ کر انگریز کو لگام دینی تھی۔ فرانکوریشین لشکر نے ہرات سے قندھار کے راستے وادی سندھ میں داخل ہونا تھا مزے کی بات یہ تھی کہ اس منصوبے میں ان افواج کو شاہ فارس کی مکمل ہم آہنگی اور مدد بھی حاصل تھی۔ فرنگیوں کی خوش قسمتی ہی کہا جائے کہ عین آخری مراحل پر زارروس پال کا انتقال ہوگیا۔ روسی افواج ان دنوں دریائے والگا کو عبور کررہی تھیں۔ زار کی موت کی خبر سے فوجیں یہیں رک گئیں اور ان کے کمانداروں نے ''استرا خان'' کی طرف جانے کے بجائے ماسکو کی طرف واپسی کا سفر شروع کردیا۔

دوسری طرف نپولین کو IBERIA میں زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ زخمیوں کی تعداد بڑھ رہی تھی اور مقامی طور پر انتظامی معاملات روز بروز الجھتے جارہے تھے۔ زار کی موت کے بعد روسی لشکر کی ماسکو واپسی نے نپولین کے ارادوں پر پانی پھیر دیا اور اس نے افغانستان کے راستے ہندوستان پر مہم جوئی کا ارادہ ترک کردیا اس کے بعد بیماری اور موت نے نپولین کو مہلت نہیں دی جبکہ انگریزوں نے اس کو بھی نظرانداز نہ کیا اور وہ روس کی افغانستان پر لشکر کشی سے پہلے ہی افغانستان پر غلبہ پانے کے لئے کوشاں ہوگئے جس کا آغاز انہوں نے افغانستان اور فارس میں وفود بھیجنے سے کیا۔

اپنے منصوبے ''لڑاؤ حکومت کرو'' کا آغاز انگریزوں نے افغانستان کی قبائلی چپقلش کو ہوا دے کر کیا ایک قبیلے کے سردار کو تحائف کے ذریعے اپنا ہمنوا بنا کر دوسرے کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرنے کی فرنگی پالیسی کامیابی سے جاری رہی ان معاندانہ سرگرمیوں کے نتیجے میں 1812ء میں سدوزئی قبیلے کے شاہ شجاع نے تخت کابل پر قبضہ کرلیا جس کے سات سال بعد بارک زئی قبیلہ کے دوست محمد خان نے شاہ شجاع کا تختہ الٹ دیا۔ شاہ شجاع بھاگ کر انگریزوں کی پناہ میں پہنچا اور لدھیانہ (پنجاب) میں انگریزوں کے نمک خوار کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگا۔ 1863ء تک دوست محمد خان امیر افغانستان بنا رہا اس دوران صرف تین سال کے لئے اس سے امارت چھینی گئی جس پر اس نے دوبارہ قبضہ کرلیا۔

دوست محمد خان کی اس طویل بادشاہت کا راز اس کی چالاکی اور ہوشیاری تھی اس نے انگریزوں کو آخر دم تک یقین دلائے رکھا کہ وہ ان کا سب سے بڑا نمک خوار ہے۔ گورنر جنرل آک لینڈ کو ایک خط میں یہاں تک کہا کہ مجھے اور میری مملکت کو اپنا ہی سمجھیں۔

انگریزوں کے اپنے مفادات تھے۔ انہوں نے دوست محمد خان کی طرف سے دوستی کی پیشکش کو طویل عرصہ تک اس لئے برداشت کیا کہ فی الوقت انگریز افغانستان پر لشکر کشی کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے لیکن تابہ کہ بالآخر ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔ انگریز گورنر جنرل کو اس کے برطانوی مشیروں نے مشورہ دیا کہ شاہ شجاع جواب تک لدھیانہ میں بیٹھا ہے۔ اس کا آخر کب استعمال کیا جائے گا؟ ان مشیروں نے منصوبہ بنایا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ حاکم پنجاب کی فوج کو ساتھ ملا کر شاہ شجاع کو آگے بڑھایا جائے اور اسے دوست محمد خان سے ٹکرا کر اپنا الو سیدھا کیا جائے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1806ء میں انگریزوں سے دوستی کا ایک معاہدہ کیا تھا۔

انگریز شاید کچھ اور صبر بھی کر لیتے لیکن 1823ء میں زار روس پیٹر اعظم کے لئے جب فارس نے خلاف توقع اپنے دروازے کھول دیئے اور روسی تہران پہنچ گئے تو انگریزوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں ان سے پہلے روس ہی افغانستان پر قبضہ نہ جما لے۔ انگریزوں کو اس تاریخی حقیقت کا شدت سے ادراک تھا کہ ایک مرتبہ اگر کسی حملہ آور نے خیبر کو عبور کر لیا تو پھر دہلی تک اس کا راستہ روکنا مشکل ہوتا ہے اور انگریز محسوس کر رہے تھے کہ زار شاہی کے منہ زور لشکری درہ خیبر کو عبور کرنے کے بعد پھر خلیج تک کہیں نہیں رکیں گے کیونکہ گرم پانیوں تک رسائی ان کا دیرینہ خواب ہے۔

1839ء میں اپنی وفات سے پہلے شاہ شجاع نے انگریزوں سے باقاعدہ معاہدہ کیا تھا۔ اس سے پہلے 1837ء میں برطانوی خارجہ سیکرٹری لارڈ پالمرسٹون نے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ افغانستان کو اب روس کے لئے آزاد نہیں چھوڑ سکتے۔ انگریزوں کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ شاہ فارس کے ساتھ روسیوں کی دوستی کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں کہ روس افغانستان پر لشکر کشی کرنا چاہتا ہے۔

برطانیہ میں ایک طبقہ اس سوچ کی شدت سے مخالفت بھی کر رہا تھا یہ وہ برطانوی تھے جو افغانستان کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے اور انہیں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ برطانیہ کی طرف

سے افغانستان پر لشکر کشی سوائے انگریزوں کو بربادی اور بدنامی کے اور کچھ نہیں دے پائے گی۔ اس طبقہ فکر کی نمائندگی برطانوی ہاؤس آف لارڈز میں مشہور برطانوی شخصیت سر ہنری ڈیورنڈ کر رہا تھا یہ وہی ہنری ڈیورنڈ ہے جس نے بعد میں برطانیہ اور افغانستان کے درمیان سولہ سو کلومیٹر طویل ڈیورنڈ لائن کھینچ کر سرحد کی نشاندہی کر دی تھی۔ ڈیورنڈ نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی لیکن اس کی آواز جب زیادہ موثر ثابت نہ ہوئی اور برطانوی فوجیں 1830ء میں خلیج فارس کے جزیرہ ترک پر لنگر انداز ہو گئیں اور انگریزوں نے کلکتہ سے بحری پیش قدمی کا آغاز کر دیا۔

یکم اکتوبر 1839ء کو لارڈ آک لینڈ نے شملہ میں افغانستان کے خلاف ''اعلان جنگ'' بھی داغ دیا جس کے تحت ARMY OF INDUS حملے کے لئے روانہ کر دی گئی۔ انگریزوں نے حسب روایت اس حملے کے لئے عجیب وغریب قسم کی الزام تراشی کی جس میں کہا گیا کہ امیر افغانستان دوست محمد نے برطانیہ کے پرانے دوست مہاراجہ رنجیت سنگھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی ہے اور وہ فارس کے حکمرانوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف ساز باز بھی کر رہا ہے۔

انگریزوں کی سوچ یہ تھی کہ وہ پنجاب اور پشاور سے بخیریت گزر گئے تو کابل تک کوئی ان کا راستہ نہیں روک سکے گا۔ پنجاب میں ان کا دیرینہ دوست مہاراجہ رنجیت سنگھ اپنی سپاہ سمیت استقبال کے لئے موجود تھا۔ انگریزوں نے ''سندھی افواج'' کو ''خالصہ افواج'' کی معاونت سے آگے بڑھایا۔ ان کا سربراہ شاہ شجاع کو بنا دیا تا کہ افغانوں کو بھی تسلی رہے کہ انگریز نہیں دراصل ان کا اپنا ہی سابقہ حکمران شاہ شجاع کابل کے موجودہ حکمران دوست محمد سے جس نے شاہ شجاع سے تخت چھینا تھا اپنا بدلہ لینے آ رہا ہے۔

امیر دوست محمد خان نے جب اس لشکر جرار کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے انگریزوں کے سامنے ہاتھ باندھ دیئے اور کابل سے فرار ہو کر ان کا قیدی بن گیا جبکہ انگریز لاؤ لشکر اور شاہ شجاع سمیت یہاں پہنچ گئے اور ساڑھے سولہ ہزار کا لشکر کابل میں ڈیرے جما کر بیٹھ رہا۔

انگریزوں کو تو یہی امید تھی کہ مقامی آبادی شاہ شجاع کا استقبال کرے گی لیکن یہاں گنگا الٹی بہہ رہی تھی۔ افغانوں کو جہاں امیر دوست محمد کی بزدلی پر غصہ تھا وہاں شاہ شجاع کی بے غیرتی پر

بھی بیخ پاتے جو انگریز لاؤ لشکر کے ساتھ یہاں آ گیا تھا۔ دوست محمد تو ان کے اختیار سے باہر انگریز کا قیدی تھا اس کا وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے البتہ شاہ شجاع کے خلاف انہوں نے اپنی نفرت کا کھل کر اظہار کیا۔ افغانوں نے خود کو گھروں میں مقید کر لیا اور انگریزی لشکر کو مزہ چکھانے کے لئے مناسب وقت کے منتظر ہو کر بیٹھ رہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اکا دکا انگریزوں کا شکار بھی شروع کر دیا۔

انگریز کمانڈر کو جب افغانوں کے قہر و غضب کا اندازہ ہوا تو اس نے شاہ برطانیہ کو ایک خط کے ذریعے صورتحال سے آگاہ کر کے اگلے احکامات طلب کرتے ہوئے درخواست گزاری کہ برطانوی فوج کی تعداد میں کم از کم دوگنا اضافہ کر دیا جائے کیونکہ فوجیوں پر سخت خوف طاری ہے۔ وہ چھاؤنی سے باہر کسی کام کے لئے نکلتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ شاہ برطانیہ کے لئے مزید فوج کی کمک بھیجنا ممکن نہیں تھا جبکہ فوج کا مورال روز بروز گرنے لگا تھا۔ صورتحال کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے آک لینڈ نے وطن واپسی کو ترجیح دی اور یہ منصوبہ طے پایا کہ 1841ء کے موسم سرما کا انتظار کیا جائے تا کہ موسم کی شدت کا فائدہ اٹھا کر برطانوی فوج بحفاظت نکل سکے۔

اب صورتحال یہ تھی کہ ایک طرف تو برطانوی لشکر جرار پسپائی کے اقدامات کر رہا تھا جبکہ دوسری طرف افغان ان ساڑھے سولہ ہزار لشکریوں کو افغانستان میں مداخلت کا مزہ چکھانے کے لئے پر تول رہے تے۔ انگریزوں نے بہترین جنگی حکمت عملی اپناتے ہوئے راہ فرار اختیار کرنا چاہی۔ وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر اپنی توپوں کے مورچے بنانے اور پیدل لشکر کو بحفاظت درمیان سے گزارنے کی حکمت عملی اپنا رہے تھے لیکن حیرت انگیز طور پر ان کی گنتی روز بروز کم ہوتی جا رہی تھی۔

افغان گھڑ سوار پیدل انگریزوں کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور موقعہ پاتے ہی انہیں دبوچ لیتے۔ انگریز مارے جاتے ان کا اسباب لوٹ کر افغانی راہ فرار اختیار کرتے۔ اچانک حملوں اور شب خون کے خوف میں مبتلا برطانوی سپاہ نفسیاتی مریض بننے لگی تھی۔ ان کی کوئی جنگی تدبیر کام نہ آئی اور اس بھاگتی ہوئی فوج کا افغانی حملہ آوروں نے مسلسل تعاقب کر کے اسے تہ و تیغ کر ڈالا۔ جلال آباد پہنچنے تک ساڑھے سولہ ہزار فوج میں سے صرف دو شدید زخمی باقی بچے تھے۔ افغانوں کو امید تھی کہ ان میں سے ایک ضرور برطانوی ہند کے اہلکاروں کو اس ''لشکر جرار''

کے انجام سے آگاہ کر دے گا اور ان کی سوچ صحیح ثابت ہوئی۔ ایک سپاہی راستے میں مر گیا جبکہ دوسرے نے پشاور پہنچ کر اپنے آقاؤں کو ساری رام کہانی سنائی۔ انگریزوں سے نمٹنے کے بعد افغانوں نے شاہ شجاع کو گھیر لیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مار ڈالا۔ دوست محمد دوبارہ واپس آ گیا اور اس نے افغانوں سے معافی مانگ کر افغانستان کی تعمیر و ترقی کا آغاز کیا۔ انگریزوں نے آئندہ کے لئے افغانستان پر مہم جوئی سے توبہ کی اور دوبارہ اپنے عرصہ اقتدار میں کبھی اس غلطی کو نہیں دہرایا۔



1979ء میں اس سانحہ کے قریباً ڈیڑھ سو سال بعد روسیوں نے وہی غلطی دہرائی جس کے مرتکب برطانوی ہوئے تھے شاید روسیوں کو یہ گمان گزرا ہو گا کہ برطانوی خیبر سے داخل ہوئے تھے اس لئے اس انجام سے دوچار ہوئے جبکہ وہ آمو دریا کو عبور کریں گے اور افغانستان میں داخل ہو جائیں گے لیکن جس طرح شاہ شجاع کے لشکر کو خوش آمدید کہنے والا کوئی نہیں تھا اسی طرح سرخ فوج کے لئے مقامی اشتراکیوں کا تعاون ڈراؤنا خواب بن کر رہ گیا جس کی تعبیر ان کی توقعات سے زیادہ بھیانک ثابت ہوئی۔

روس اور افغانستان کے درمیان باقاعدہ تعلقات کا آغاز 1920ء میں امیر افغانستان امان اللہ خان کے لینن کے نام لکھے خط سے ہوا جسے امان اللہ خان نے اپنے معتمد خصوصی محمد ولی کے ہاتھ ماسکو بھیجا تھا۔ لینن نے وفد کا پرتپاک استقبال کیا اور دونوں ممالک کے درمیان دوستی کے معاہدے کی دستاویز لکھی گئی۔ برطانوی وزارت خارجہ نے اس پر زبردست تشویش ظاہر کی اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی حکمت عملی اپناتے 1921ء میں روس نے بخارا اور خیوا پر قبضہ کر لیا جس سے افغانی مسلمانوں کے جذبات کو زبردست ٹھیس لگی۔ امیر بخارا نے افغانستان میں پناہ حاصل کی تھی۔ اس صورتحال نے امان اللہ خان کے تیزی سے ماسکو کی طرف بڑھتے قدم روک دیئے۔ برطانوی سرکار نے اس موقعہ کا فائدہ اٹھانے کے لئے افغانستان کی امداد میں اضافہ کر دیا لیکن 1924ء میں روسی وفد نے جب امان اللہ خان کو طیاروں کا تحفہ پیش کیا تو تجدید تعلقات ہو گئی۔ یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ 1927ء میں کابل اور روس کے سرحدی علاقے ''ترمیز'' کے درمیان فضائی

سروس کا آغاز ہوگیا۔

امان اللہ خان یورپ کے دورے پر آیا تو واپسی نصیب نہ ہوئی کیونکہ نادر شاہ اس کا تختہ پلٹ کر حاکم بن گیا تھا جس نے 1931ء میں روس کے ساتھ عدم جارحیت کا معاہدہ بھی کر لیا۔ نادر شاہ کو بھی زیادہ مہلت نہ ملی۔ 1933ء میں امان اللہ خان کے ایک قریبی ساتھی نے اسے قتل کر دیا اور تخت کابل پر بطور وزیر اعظم نادر شاہ کے بھائی ہاشم خان کو بٹھا دیا گیا کیونکہ نادر شاہ کا بیٹا ظاہر شاہ ان دنوں کم عمر تھا البتہ نادر شاہ کی انگریز دوستی کام آئی جس نے اس کے صاحبزادے ظاہر شاہ کو تخت کابل پر بٹھا دیا۔ ظاہر شاہ باپ سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ اس نے برطانوی حکومت سے باپ کے تعلقات بھی برقرار رکھے اور روس سے سلسلہ جنبانی بھی بنائے رکھا اور 1936ء میں روس کے ساتھ ایک تجارتی معاہدے پر دستخط بھی ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم میں ظاہر شاہ نے پہلے تو ''غیر جانبداری'' اختیار کی لیکن اتحادیوں کی کامیابیوں کو دیکھ کر ''نام نہاد غیر جانبداری'' کا ڈھونگ ختم کر کے برطانیہ اور روس دونوں سے مل گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر ساری دنیا میں بادشاہت کے خلاف نفرت کی ایک تحریک نے جنم لیا اور ''عوامی حقوق'' کی باتیں ہونے لگیں۔ اس صورتحال سے گھبرا کر 1946ء میں ہاشم خان نے وزارت عظمٰی اپنے بھائی شاہ محمود خان کو منتقل کر دی۔ اس دور میں امریکی افغانستان میں داخل ہوئے۔ وہ اس ملک کی جغرافیائی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ امریکیوں نے کابل کے لئے کھلے دل سے امداد کا اعلان کیا اور یہاں کی سنگلاخ زمینوں کو آباد کرنے لگے۔ روسیوں نے امریکی چال کو سمجھتے ہوئے 1952ء میں کابل میں اپنا کمرشل آفس قائم کر دیا۔ روسیوں نے فوراً کے جی بی (KGB) کا جال کابل کی درسگاہوں میں پھیلایا اور 1953ء میں ''افغان نوجوان'' نامی سوشلسٹ نوجوانوں کی تنظیم نے محل میں بغاوت کر کے شاہ محمود خان کو چلتا کیا اور ظاہر شاہ کے ہم جماعت داؤد خان کو وزیر اعظم بنوا دیا۔

سردار داؤد جو عرصہ سے اشتراکی مقاصد کے لئے کام کر رہا تھا وزیر اعظم بنتے ہی روس کی گود میں بیٹھ گیا۔ 1955ء میں خروشیف اور بلگانن نے کابل کا دورہ کیا اور افغانستان کے لئے 100 ملین ڈالر کی امداد کا اعلان کر دیا۔ روسیوں نے کابل میں قدم جمائے رکھنے کے منصوبے پر

کام شروع کر دیا تھا۔ بگرام اور کابل کے ہوائی اڈے روس نے ہی تعمیر کئے جہاں پر روسی فوجیں ٹھہری ہوئی تھیں۔ امریکہ نے 1955ء میں روسی اثر ورسوخ کو توڑنے کے لئے کابل کو ''سینٹو'' (معاہدۂ بغداد) میں باندھنے کی کوشش کی لیکن کابل حکومت نے یہ پیشکش قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ انہیں معاہدۂ بغداد کے تحت پاکستان کو ملنے والی امداد پر بھارت کی طرح بڑے اعتراضات تھے۔ اس کے ساتھ ہی کے جی بی نے سردار داؤد کے ذریعے پاکستان کے خلاف مسئلہ پختونستان کو ہوا دینی شروع کی اور اسے 2 کروڑ 90 لاکھ پٹھانوں کا مسئلہ بنا کر پاکستان کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ شروع کر دیا۔ 1956ء تک روس نے اس امداد میں مزید 30 فیصد اضافہ کر دیا۔ روسیوں نے کمال ہوشیاری سے افغانوں کو برطانوی اسلحہ سے بے نیاز کر کے روسی اسلحہ کی طرف راغب کیا۔

اس مرحلے پر مغربی دنیا کے تعصب اور لاپروائی نے روس کے لئے بڑی آسانیاں پیدا کیں۔ انہوں نے افغان نوجوانوں کو روسی اکیڈمیوں میں فوجی تربیت دینا شروع کی اور ان پر ثابت کرنے لگے کہ مغربی دنیا ان کی دشمن اور روس ان کا بہترین دوست ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کابل میں تعمیرات اور تنصیبات کا آغاز کیا۔ سردار داؤد کے دور حکومت میں افغانستان میں پہلی مرتبہ ملحدانہ اور اشتراکی زبان نے فروغ پایا اور افغان معاشرے کی روایات دم توڑنے لگیں۔ افغان روس معاہدے کے تحت افغانی پھل اور دیگر نقد آور اجناس ہوائی جہازوں کے ذریعے یورپی منڈیوں تک براہ راست جانے لگیں تو ڈیورنڈ لائن کے آر پار رہنے والے قبائل نے شمال کی طرف سے اٹھنے والی آندھی کی شدت کو محسوس کیا اور انہیں اندازہ ہوا کہ ان کے عقائد ہی نہیں تجارتی مفادات بھی خطرے میں پڑنے لگے ہیں۔ جس پر مزاحمت کا آغاز ہو گیا۔ قبائل اور حکومت کے درمیان مفادات کا توازن بگڑنے لگا تو روسیوں سے نفرت میں اضافہ ہوا اور 1963ء میں محمد داؤد خان کو مستعفی ہونا پڑا۔ وزارت عظمٰی کا قلمدان ڈاکٹر محمد یوسف نے سنبھال لیا۔ ظاہر شاہ کے خاندانی روابط مغربی ممالک سے بھی تھے لیکن داؤد خان کے دس سالہ اقتدار نے یہاں روسیوں کے قدم بڑی مضبوطی سے جما دیئے۔

1964ء میں نیا آئین بنایا گیا جسے ''لوئی جرگہ'' نے منظور کر لیا۔ اسی جرگہ نے ظاہر شاہ

کو آئینی بادشاہت کی دستار بھی پہنادی اور آئینی بادشاہت کے تحت ''عوامی دور'' کا آغاز ہوا۔ دو ایوان پارلیمنٹ بنے۔ ڈاکٹر عبدالظاہر کو ایوان زیریں کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ اس مرحلے پر روسیوں کو شک گزرا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ انہوں نے اپنے دیرینہ نمک خوار کابل یونیورسٹی کے سٹوڈنٹس لیڈر ببرک کارمل کو آگے بڑھایا جس نے تحریک چلا کر ڈاکٹر یوسف کی چھٹی کروادی اور محمد ہاشم میوندوال کو وزیراعظم بنوادیا۔ اس کے ساتھ ہی ''جمہوریت، خودمختاری اور آزادی'' کی نام نہاد تحریک بھی روس نے شروع کروادی۔ کابل میں آئے روز ہنگامے ہونے لگے۔ نور محمد نے خود کو نمایاں کرنے کے لئے ''خلق'' نام کا اخبار نکال لیا جسے ''جمہوری آواز'' گردانا جانے لگا۔

1967ء میں میوندوال نے امریکی صدر جانسن سے ملاقات کی اور امریکہ نے افغانستان میں پنج سالہ ترقیاتی پروگرام شروع کردیا۔ روسیوں نے اس کا نوٹس لیا اور روسی صدر پوڈگرانی نے کابل کا دورہ کر کے یہاں ایک پاور پلانٹ کا افتتاح کردیا۔ اس کے ساتھ ہی افغانستان میں 568 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری بھی کردی جبکہ امریکہ کی کل سرمایہ کاری 338 ملین ڈالر تھی۔

روسیوں نے طالب علموں کی طاقت کے ذریعے 1967ء میں میوندوال کی چھٹی بھی کروادی اور کابل یونیورسٹی کے ریکٹر نور محمد اعتمادی نے اس کی جگہ سنبھال لی۔ جنوری 1968ء میں روسی وزیرخارجہ کوسگین نے کابل کا دورہ کیا اور فراخدلانہ اقتصادی امداد کی پیش کش کی۔ 1969ء میں بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے کابل کا دورہ کیا تو کابل کو بھارتی برآمدات کا حجم پانچ گنا بڑھ گیا۔ مئی 1969ء میں کوسگین دوبارہ کابل آئے اور آزادی کی 5ویں سالگرہ میں شرکت فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی پختونستان مسئلے نے زور پکڑا۔ پاکستان اور افغانستان میں تناؤ بڑھنے لگا اور روس نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر 125 ملین لمبی گیس پائپ لائن تعمیر کر کے افغانستان سے نکلنے والی گیس روس پہنچانا شروع کردی۔ اس کے ساتھ ہی افغانستان میں لگے الیکٹرک پلانٹ سے بجلی کی ترسیل بھی روس کو ہونے لگی۔

1969ء کے انتخابات میں بھی اشتراکیوں کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ نئی پارلیمنٹ کے 216 ارکان ظاہر شاہ کے وفادار تھے۔ 1971ء کے وسط میں وزیراعظم نور محمد نے استعفیٰ

دے دیا۔ اس پر ظاہر شاہ نے روم سے اپنے سفیر عبدالظاہر کو بلا کر وزیراعظم مقرر کردیا۔ ایک سال بعد ہی اسے استعفیٰ دینا پڑا اور محمد شفیق وزیراعظم بن گیا۔ کابل کسی مغربی ملک کے شہر کا منظر پیش کرنے لگا۔ اس صورتحال کا علماء اور ملا دونوں نے سخت نوٹس لیا اور روسی پالیسیوں کے خلاف احتجاج شروع ہوگیا۔ ''نوجوانان اسلام'' کی طرف سے سوشلزم کے خلاف سرگرمیاں شروع ہوئیں اور ان کی تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے والے جامعہ الاظہر کے فارغ التحصیل موسیٰ شفیق وزیراعظم بن گئے۔ کمیونسٹوں نے اس صورتحال کا سخت نوٹس لیا۔ ظاہر شاہ غیر ملکی دورے پر گیا ہوا تھا تو اس کے چچازاد لیفٹیننٹ جنرل محمد داؤد خان نے بادشاہت ختم کر کے جمہوری افغانستان کا صدر اور وزیراعظم ہونے کا اعلان کردیا۔ 1974ء میں داؤد نے روس کا دورہ کیا اور 1977ء میں لوئی جرگہ بلا کر نئے دستور کی منظوری بھی لے لی۔ اس کے ساتھ ہی افغانستان میں اینٹی سوشلزم تحریک مزاحمت نے زور پکڑا اور مہاجروں کا ریلا پاکستان کی طرف امڈنے لگا۔ داؤد کی گرفت مضبوط ہوتی گئی لیکن روسیوں کے نزدیک وہ ''قابل اعتماد'' نہیں تھا۔

اپریل 1978ء میں داؤد کو اس کے خاندان کے درجنوں افراد سمیت موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ایک خونی انقلاب کے ذریعے نور محمد ترکئی نے 35 رکنی انقلابی کابینہ کے ساتھ زمام اقتدار سنبھال لی۔ دسمبر 1978ء میں ترکئی نے روس کا دورہ کر کے 20 سالہ معاہدہ روس پر دستخط کئے جس نے مزاحمتی تحریک کو زیادہ تیز کردیا اور افغانی فوج کے ساتھ اسلام پسندوں کی جھڑپیں معمول بننے لگیں۔ مغربی اور جنوبی افغانستان مزاحمتی تحریکوں کے مراکز بننے لگے۔ روس نے ترکئی کی مدد کے لئے 6 ہزار مشاور کابل بھیج دیئے جنہوں نے افغانستان کی فوج کی جدید پیمانے پر صف بندی شروع کی تب افغان فوج کی نفری ایک لاکھ تھی جو آرمڈ ڈویژن، 10 انفنٹری ڈویژن اور 144 جنگی طیاروں پر مشتمل تھی۔ ایئرفورس 10 ہزار افراد پر مشتمل تھی اس دور میں 35 ہزار فوجی بھگوڑے ہو کر تحریک مزاحمت کا حصہ بن گئے۔

16 ستمبر 1979ء کو ترکئی کو قتل کر کے اس کا ڈپٹی وزیرخارجہ حفیظ اللہ امین کابل کی مسند اقتدار پر بیٹھ گیا حفیظ اللہ امین نظریاتی کمیونسٹ تھا اس نے روسی ٹینکوں اور 21 مگ طیاروں اور ایس یو 20 بمباروں کی مدد سے مزاحمتی تحریک کچلنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن مزاحمتی گروپوں

نے پاکستان جیسا مضبوط بیس کیمپ آئی ایس آئی اور سی آئی اے کی تربیت اسلحہ اور اپنے جذبہ ایمانی کے بل بوتے پر حفیظ اللہ امین کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور 1979ء کے آغاز میں صورتحال یہ تھی کہ حفیظ اللہ امین کی حکومت عملاً شہری مراکز تک سمٹ گئی تھی جبکہ مضافات اور سرحدی علاقوں پر عملاً مجاہدین قابض تھے۔اس دوران 5 لاکھ افغان مہاجرین پاکستان میں پناہ بھی حاصل کر چکے تھے۔

دسمبر 1979ء میں جب روسیوں کو یقین ہو گیا کہ اب معاملہ حفیظ اللہ امین کے بس سے باہر ہے اور دوسری طرف امریکہ ایران میں پھنس چکا ہے تو انہوں نے اپنی ایک لاکھ 20 ہزار افواج افغانستان میں داخل کر دیں اور حفیظ اللہ کی چھٹی کروا کر کابل یونیورسٹی سے اپنے کامریڈ ببرک کارمل کو لا کر کابل کے تخت پر سجا دیا۔



دسمبر 1979ء سے فروری 1989ء میں روسی فوج کی ہزیمت اور انتہائی ذلت آمیز پسپائی تک پاکستان عالمی افق پر نمایاں دکھائی دیتا ہے روسی افواج کی موجودگی سے پہلے بھی پاکستانی سرحدی علاقوں سے افغانستان کی روس نواز حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کا سلسلہ جاری تھا لیکن روس کی آمد کے بعد سے تو پاکستان نہ چاہتے ہوئے بھی اس جنگ کا حصہ بن کر رہ گیا۔ روسی فوج کی آمد کے ساتھ ہی پاکستان کی شمالی سرحدوں پر مہاجرین کا طوفان امڈ پڑا اور پاکستانی حکومت جو اب فرنٹ لائن سٹیٹ کی حیثیت اختیار کر چکی تھی سنگین صورتحال سے دوچار ہوئی۔ پاکستان نے ابتدا میں سفارتی سطح پر اپنی کوششوں کا آغاز او آئی سی کے اجلاس سے کیا ان کوششوں کا اختتام......جنیوا معاہدہ کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔

1980ء کے آغاز ہی میں پاکستان میں 10 لاکھ سے زیادہ رجسٹرڈ افغان مہاجرین موجود تھے جن کی ضروریات پوری کرنا پاکستان کی عالمی برادری کا لائن مین کی حیثیت سے تو ذمہ داری تھی ہی لیکن بطور ایک مسلم ہمسایہ ملک کے ان ذمہ داریوں کی شدت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔اس مرحلے پر پاکستان نے افغان مجاہدین کی عسکری معاونت کی گو کہ اس ضمن میں پاکستان کو امریکہ اور مغربی دنیا کی مکمل آشیرواد حاصل تھی۔

ببرک کارمل کے بے پناہ مظالم کے باوجود تحریک مزاحمت روز بروز مضبوط ہو رہی تھی۔

1981ء تک گو روسیوں نے اپنی رسد کے راستے محفوظ کرنے کے بعد شہری مراکز پر اپنا کنٹرول بحال کر لیا تھا لیکن وہ افغان افواج سے ذہنی مطابقت پیدا نہ کر سکے اور 1981ء کے آخر تک صورتحال یہ تھی کہ 60 فیصد افغان فوج بھگوڑی ہو کر مجاہدین کے ساتھ شامل ہو چکی تھی۔امریکی صدر جمی کارٹر نے گو کہ روسی فوج کے خلاف بڑے سخت بیانات دیئے اور ممکنہ حد تک افغانوں کی مدد بھی کی لیکن یہ مدد کافی نہیں تھی۔اقوام متحدہ کے 104 ممالک نے اس فوجی مداخلت کے خلاف قرارداد بھی پاس کی اور فروری 1981ء میں امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر نے پاکستان کا دورہ کر کے جنرل ضیاء اور آغا شاہی سے مذاکرات کئے۔جمی کارٹر نے پاکستان کو 400 ملین ڈالر کی پیشکش کی لیکن بھارت کو بھی کہہ دیا کہ امریکہ اسے ہر ممکن مدد دے گا جس میں ممبئی میں قائم ایٹمی پلانٹ کے لئے ایٹمی ایندھن بھی شامل ہے۔

پاکستان ان دنوں صرف دو نکاتی فارمولے کے تحت افغانستان کی مدد کر رہا تھا ایک تو وہاں سے روسی فوجوں کا مکمل انخلاء اور دوسرا مقصد مجاہدین کی حکومت کا قیام تھا کیونکہ ایسی حکومت قائم ہونے سے پاکستان کی پشت محفوظ رہ سکتی تھی۔افغانوں کو امریکہ کی طرف سے بھرپور معاونت کا آغاز ریگن دور میں ہوا جس نے فوری طور پر پاکستان کیلئے تین اعشاریہ 2 بلین ڈالر کی امداد کا اعلان کر دیا۔صدر ریگن کو اس کے "ماہرین" نے یقین دلا دیا تھا کہ امریکہ چاہے تو افغانوں کی مدد سے کابل کو روسی افواج کا قبرستان بنا سکتا ہے۔اس سلسلے میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر ولیم کیسی کا کردار بڑا اہم ہے جنہوں نے اپنے تمام اختیارات کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے افغان تحریک مزاحمت کو بے پناہ تقویت پہنچائی۔

افغانوں نے اپنی روایتی حکمت عملی کا استعمال کیا حملہ آور فوج کو افغانستان میں داخل ہوتے ہی ہلاک کرنا شروع کر دیا وہ چھپ کر گھات لگاتے اور روسی فوج پر اس طرح جھپٹتے کہ ان کی ساری تربیت اور جدید اسلحہ دھرے کے دھرے رہ جاتے۔روس کے اربوں روپے افغانستان پر قبضہ برقرار رکھنے کی بھینٹ چڑھ رہے تھے۔معاشی بوجھ سے روسیوں کی کمر دوہری ہو رہی تھی۔ مجاہدین مسلسل فتح کی اور روس معاشی تباہی کی سمت بڑھ رہا تھا۔وسط ایشیا کے 60 کلومیٹر اندر تک افغان مجاہدین نے کامیاب آپریشن کر کے روسیوں کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔1985-86ء میں

روس کے اس علاقے پر جسے وہ ''نرم پیٹ'' کہتے تھے اتنی شدید ضربات لگ چکی تھیں کہ اس نے بوکھلاہٹ میں شہری آبادی پر اندھا دھند بمباری شروع کروادی۔

1986ء میں بالآخر گورباچوف کو کہنا پڑا کہ افغانستان رستا ہوزخم ہے اور انہوں نے روسی فوج کی واپسی کا اشارہ بھی دے دیا۔ اصولی طور پر تو یہ اعلان مجاہدین کی فتح پر منطبق ہونا چاہئے تھا جنہوں نے لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر طویل جدوجہد کے بعد دنیا کی سپر پاور کو شکست ماننے پر مجبور کردیا تھا لیکن ہوا اس کے برعکس۔ اس اعلان کے فوراً بعد محلاتی سازشوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا جس نے افغانیوں کو آج تک سکون کی نیند نہیں سونے دیا۔

روسی افغانستان کو چھوڑتے ہوئے نجیب اللہ کو اپنا جانشین بنا گئے تھے۔ 1986ء کے بعد سے جنرل ضیاء الحق نے بھی جو افغان جہاد کے بڑے پرجوش اور سرگرمی داعی سمجھے جاتے تھے مجاہدین پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا تھا کہ وہ ایسی حکومت قائم کرنے پر اتفاق کرلیں جس میں مجاہدین اور نجیب اللہ کے نمائندے شامل ہوں اور جسے ظاہر شاہ کی ہمنوائی بھی نصیب ہو لیکن مجاہدین کو یہ قبول نہیں تھا۔ مجددی، ربانی اور نبی محمدی کو تو حکومت پاکستان نے اس بات کا قائل کر لیا لیکن حکمت یار، ربانی، سیاف، خالص جیسے مجاہد لیڈروں نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا بلکہ بعض نے تو اس تجویز پر سخت ناراضگی کا اظہار بھی کھلے بندوں کرنا شروع کردیا ادھر پاکستان پر مسلسل امریکی دباؤ بڑھ رہا تھا کہ وہ مجاہدین کو وسیع البنیاد حکومت قائم کرنے پر رضامند کریں کیونکہ امریکہ کو بھی جو افغان مجاہدین کا سب سے بڑا پشت پناہ تھا یہ بات ہرگز گوارہ نہیں تھی کہ افغانستان میں روس کے جانے کے بعد ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہوجائے۔ 1986ء میں گورباچوف کی طرف سے روسی فوج کی واپسی کا عندیہ دینے کے بعد ہمارے فارن آفس کے پاس صورتحال سے نمٹنے کا کوئی متبادل منصوبہ بھی موجود نہیں تھا۔ روسی عسکری ہزیمت کے جس خواب کو افغان مجاہدین نے حقیقت بنا دیا تھا وہ ہماری غلط حکمت عملی کی وجہ سے کبھی مجاہدین کی سیاسی فتح میں تبدیل نہ ہوسکا اس نالائقی کا خمیازہ افغانوں کی طرح آج تک ہم بھی بھگت رہے ہیں۔ افغانوں نے بہرحال دنیا کی اس سپر پاور کو جو دسمبر 1979ء میں بڑے زعم کے ساتھ ایک لاکھ سپاہ اور آتش و آہن کا سیلاب لا۔لے کر افغانستان میں داخل ہوئی تھی فروری 1989ء میں

افغانستان سے ذلت آمیز واپسی پر مجبور کردیا تھا۔ روسی فوجوں کی اس شکست۔۔نے روس جیسی سپر پاور کا شیرازہ منتشر کردیا اسے ٹکڑوں میں تقسیم کردیا۔ دنیا سے سوشلزم کا جنازہ اٹھ گیا لیکن افسوس اس کے بعد بھی آج تک افغانستان کو کبھی امن نصیب نہ ہوا۔

آخر اس ''جہاد'' کے نتائج کیوں حاصل نہ ہو سکے روس کی روانگی کے ساتھ ہی افغانستان جہاد کے بجائے ''سرزمین فساد'' کیوں بن گئی؟ وہ اللہ کے پراسرار بندے غازی اور مجاہد جو روس کے سامنے اپنے کمتر وسائل کے باوجود محض اپنی دینی غیرت یا غیرت ملی کے تحت سیسہ پلائی دیوار بن گئے تھے ایک دوسرے کے ساتھ کیوں دست و گریباں ہونے لگے۔ وہ اتحاد جو روس کی موجودگی میں قائم تھا اس کے جاتے ہی تنکوں کی طرح کیسے بکھر گیا۔ آیئے اس صورتحال پر ٹھنڈے دل، تعصبات اور ذاتی نظریات سے بالاتر ہو کر غور کریں اور ان بدبختیوں کا جائزہ لیں جو قربانیوں کی لازوال تاریخ کی حامل اور لاکھوں شہیدوں کا نذرانہ پیش کرنے والی اس حریت پسند قوم کے لئے مستقل روگ بن کر رہ گئیں۔



سی آئی اے کا کھیل شروع ہوتا ہے

ہماری من حیث القوم بدقسمتی یہ رہی ہے کہ ہم اچھا کام بری نیت سے شروع کرتے ہیں اور اس کا انجام قانون فطرت کے منافی پازیٹو POSITIVE چاہتے ہیں۔ جہاد افغانستان کا یہی المیہ ہے۔ لاکھوں انسانوں نے اپنی جانیں کیمونسٹ لا مذہب اور اسلام دشمن روس کے خلاف جہاد کرتے ہوئے قربان کیں لیکن ان لاکھوں میں سے بمشکل چند درجن ایسے ہوں گے جو اس کی اصلیت سے آگاہ تھے؟ مجھے 2005ء میں جارج کرائیل GEORGE CRILE کی افغان جہاد پر لکھی کتاب پڑھنے کا موقعہ ملا کتاب کا نام ہی ہمارے ان عقل کے اندھوں کے چودہ طبق روشن کرنے کے لئے کافی ہے جو محض اپنی انا کی تسکین کے لئے اس ''جہاد'' کی اصلیت پر پردہ ڈال کر دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کو الو بناتے رہے۔ کتاب کا نام ہے۔

CHARLIE WILSON'S WAR

The Extraordinary Story of the Largest Covert Opration in History

چارلی ولسن ایک امریکی کانگریس مین کا نام ہے جو جنگ ویت نام کا زخم خوردہ فوجی تھا اور جس کے دل میں یہ خواہش ہمیشہ موجود رہی کہ وہ ویت نام میں اپنے ساتھیوں کی موت، ذلت آمیز پسپائی اور امریکیوں کے بزدلانہ فرار کا بدلہ روس سے لے۔ سی آئی اے سے اپنے خصوصی تعلقات کی بنیاد پر اس نے ''جہاد افغانستان'' کا جہادی آپریشن ترتیب دیا۔ جس کی تفصیلات آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

کتاب کے آغاز میں ''عرض مصنف'' کے عنوان سے لکھے دیباچے کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمائیں۔ جارج کرائیل لکھتا ہے:

''افغانستان سی آئی اے کی شاندار خفیہ جنگ تھی جو اس نے کانگریس میں بحث اور گلیوں بازاروں میں جلسے جلوسوں کا درد سر مول لئے بغیر لڑی اور جیت گئی۔ یہ نہ صرف سی آئی اے کا ایک بڑا آپریشن تھا بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ کافی حد تک امریکیوں کو بھی اس کی ہوا نہیں لگنے دی گئی۔ جب نائن الیون کے تناظر میں اس کی گونج امریکی کانوں تک پہنچی تو ماضی میں اتنے بڑے پیمانے پر مسلم انتہا پسندوں کی بڑی فوج کو امریکی امداد پر تنقید ہونے لگی اور اسے غیر ضروری خیال کیا جانے لگا۔ دس سالہ دور جنگ میں سی آئی اے نے کروڑوں کی تعداد میں گولیاں اور گولے ہزاروں کی تعداد میں مختلف نوعیت کے انتہائی خطرناک ہتھیار بین الاقوامی سرحد کے آر پار خچروں، اونٹوں اور گدھوں پر سمگل کر کے افغانستان پہنچائے۔ ایک ایسا دور بھی آیا جب تین لاکھ مسلم ''فنڈامنٹلسٹ'' سی آئی اے کے فراہم کردہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر افغانستان میں موجود تھے۔ ان میں سے ہزاروں کو امریکیوں نے گوریلا جنگ کی جدید ترین تربیت دی تھی اور سی آئی اے کے تربیت یافتہ ان انتہا پسند مسلمانوں نے 28 ہزار روسی فوجیوں کو قتل کیا۔

15 فروری 1989ء کو جب آخری روسی سپاہی نے افغان سرحد سے قدم باہر رکھے تو سی آئی اے نے فتح کا جشن منایا۔ اس روز اسلام آباد میں سی آئی اے کے ذیلی ہیڈ کوارٹر سے جو کیبل پیغام آن ایئر گیا وہ تھا "WE WON" (ہم جیت گئے)۔

مصنف اس بات پر شاکی دکھائی دیتا ہے کہ روس کی شکست و ریخت کا کریڈٹ مسلمان صرف ''اللہ'' کو کیوں دیتے ہیں؟ جبکہ اس جنگ کی فتح میں مرکزی کردار سی آئی اے اور امریکی ڈالروں نے ادا کیا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس ''جہاد'' کی کامیابی میں امریکہ کے مرکزی کردار کو نظر انداز کرنا زیادتی ہے اور اس نے یہ کتاب دراصل اسی لئے لکھی ہے کہ اس بنیادی غلطی کی اصلاح ممکن ہو کہ اس جہاد کی فتح میں سب سے اہم کردار ''سی آئی اے'' نے ادا کیا تھا۔

کتاب کا آغاز "Introduction : A Strange Awart At Langley" کے عنوان سے ہوتا ہے جس میں مصنف نے چارلی ولسن کا تعارف کروایا ہے۔ جارج کرائیل لکھتا ہے ''جون 1993ء کے ایک گرم دن جارج واشنگٹن میموریل پارک جو دریائے

پوٹامک اور وائیٹ ہاؤس سے دس منٹ کی دوری پر واقع ہے کہ دروازے سے ایک ائرکنڈیشنڈ آرام دہ بس داخل ہو رہی تھی۔ "لینگلے ہیڈ کوارٹر سی آئی اے" کی پارکنگ ڈولی میڈلین بولیوارڈ کے پاس یہ بس رکی جہاں سامنے گھاس سے لہلہاتی گراؤنڈ کے ایک کونے میں پھولوں کی ٹوکریاں ایک چھوٹی سی یادگار کے سامنے دھری تھیں یہ ان دو امریکی سی آئی اے آفیسرز کی یادگار تھی جو تین ماہ پہلے اسی جگہ ایک پاکستانی سی آئی اے ایجنٹ کے ہاتھوں اے کے 47 کی گولیوں سے مارے گئے تھے۔ سی آئی اے کے آفس میں داخلہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن اس بس کو سکیورٹی چیک کے مراحل سے بھی نہیں گذرنا پڑا۔ کیونکہ اس میں وہ شخص سوار تھا جس نے سی آئی اے کی 46 سالہ سرد جنگ یعنی کولڈ وار COLD WAR کے خاتمے میں سب سے اہم کردار ادا کیا تھا۔ آخری چیک پوسٹ پر بس رکی تو سی آئی اے سکیورٹی کا افسر آگے بڑھا جسے دیکھ کر ایک شخص باہر آیا اور اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا......

"میں کانگریس مین چارلی ولسن ہوں اور میرے ساتھ بس میں وہ لوگ سوار ہیں جو اس تقریب میں شرکت کرنے آئے ہیں"۔

سکیورٹی چیف نے ریاست ٹیکساس کے اس لمبے تڑنگے کانگریس مین کے حاکمانہ انداز گفتگو کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے تعظیم دی اور ڈائریکٹر انٹیلی جنس کو اس کے مہمانوں کی آمد سے باخبر کرتے ہوئے بس کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

یہ 9 جون 1993ء کا دن ہے جب چارلی ولسن کی عمر سات دن کم 60 سال ہو گئی ہے۔ لکڑی کے فرش سے بنے ایک خوبصورت ہال میں سی آئی اے کی اہم شخصیات اور امریکہ کے چنیدہ مہمانوں کے ساتھ یہ لوگ یہاں جشن فتح منانے اور اس فتح میں چارلی ولسن کی عظیم خدمات کو نذرانہ عقیدت گزارنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ مہمانوں کی تواضع دنیا کی قیمتی شراب اور شباب سے کی گئی جس کے بعد سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے ایک آڈیٹوریم میں سب کو جمع کیا گیا جہاں ان سب کو یہ بتانے کے لئے کہ انہیں یہاں کیوں زحمت دی گئی ہے ایک بڑی سکرین لگائی گئی تھی جس پر لکھا تھا......

"CHARLIE DID IT"

President Zia-ul-Haq of Pakistan explaining the defeat of the Russia in Afghanistan.

جی ہاں! جسے ہم جذبہ جہاد، لاکھوں جان و مال کی قربانی، قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسا جذبہ وغیرہ وغیرہ کا مرہون منت جانتے رہے اسے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق جو اس جنگ میں "گاڈ فادر" کی حیثیت رکھتے ہیں نے صرف تین الفاظ میں سمجھا دیا کہ یہ جنگ "چارلی نے جیتی تھی" (Charlie did it) کتاب کا پہلا باب "A HOT TUB IN LASVEGAS" بتاتا ہے کہ شراب اور عورتوں کے رسیا چھ فٹ چار انچ لمبے چارلی ولسن نامی کاؤبوائے ٹائپ ٹیکساس کے کانگریس مین نے "لاس ویگاس" کے اس جوئے خانے میں شراب و ثباب کی خصوصی محفل 27 جون 1980ء کو سی آئی اے کی کچھ اہم شخصیات اور امریکی حکومت پر اثر نداز ہونے والی اہم شخصیات کے لئے سجا کر اس "جہاد" کی بنیاد رکھی تھی۔ چارلی ولسن نے اپنے ثر ورسوخ سے امریکی حکومت کو آمادہ کیا کہ وہ اس "خفیہ آپریشن" کو بقول صدر ضیاء الحق "مونگ پھلی کے دانوں" سے چلانے کے بجائے پوری قوت سے چلائے اور ویت نام کا قرضہ بمعہ سود صول کرے۔ چارلی ولسن کی کوششوں کی کہانی اس کتاب کے تمام ابواب پر پھیلی ہوئی ہے۔ کچھ نتخب ابواب کا ترجمہ اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امریکہ کے اندر خصوصاً سی آئی اے اور دیگر امریکی اداروں میں ایسے لوگ موجود تھے جو امریکہ لو اس جنگ میں کھل کر حصہ لینے سے روک رہے تھے ان کے خیال سے اس طرح عالمی جنگ کے نظرات بڑھ جاتے۔ دوسرے گروپ میں وہ لوگ شامل تھے جو چاہتے تھے کہ روس کو افغانستان بں سبق ضرور سکھایا جائے اس کے لئے بڑا احتیاط انداز اختیار کیا جائے اور اس آپریشن کو اس انداز بں چلایا جائے جس انداز میں اب تک سی آئی اے روس کے خلاف "سرد جنگ" لڑتی آ رہی تھی۔

تیسرا گروپ جس کی سربراہی کانگریس مین چارلی ولسن کر رہا تھا ان پرجوش امریکیوں بشتمل تھا جس کی خواہش تھی کہ امریکی حکومت تمام پابندیاں ہٹا کر سی آئی اے کو کھلی چھوٹ دے ،روہ افغانستان میں روس کے خلاف برسرپیکار مجاہدین کی ہر ممکن مدد کریں۔ اس جنگ کا باقاعدہ صہ بنیں اور روس کو توڑنے اور ویت نام کا بدلہ چکانے کا یہ تاریخی موقعہ ہرگز ہاتھ سے نہ جانے یں۔ اس گروپ نے کس انداز سے اپنی حکومت کے اندر ایک لمبی لڑائی لڑی اور کس کس انداز سے کستان کی مدد سے سی آئی اے کے اس "خفیہ آپریشن" کو کامیابی سے دوچار کیا اس کی کچھ جھلک گلے ابواب میں دکھائی دے گی جو "چارلی ولسن وار" سے لئے گئے ہیں۔

A Hot Tub in Las Vegas

ٹیکساس سے تعلق رکھنے والا عیاش طبیعت کا مالک کانگریس مین چارلی ولسن ویک اینڈ پر لاس ویگاس پہنچا تو اس کے ذہن میں کوئی کنفیوژن نہیں تھا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے۔ اس نے شراب اور شباب کیلئے سیزر پیلس کا انتخاب کیا تھا۔ ہوٹل میں داخل ہوا تو اسے ملازموں کے لباس سے اندازہ ہوگیا وہ بالکل صحیح جگہ پر آیا ہے۔ کاؤبوائے بوٹ پہنے، 6 فٹ 7 انچ قد چارلی ولسن وجیہہ نظر آ رہا تھا۔ اسے اس پر مطلق ندامت نہیں تھی کہ جوئے کے مرکز پر وہ کیا کر رہا ہے مرکزی سٹیج کی طرف جاتے ہوئے وہ اونچی آواز میں نغمہ سرا تھا، لابی میں موجود اس کی اس حرکت پر تمام لوگ اسے مڑمڑ کر دیکھ رہے تھے۔ دیکھنے میں وہ ارب پتی لگ رہا تھا۔ حقیقت میں ٹیکساس کے قانون ساز کے پاس دکھانے کو کچھ نہیں تھا۔ حکومت کی طرف سے دی جانے والی 70 ہزار ڈالر سالانہ تنخواہ اس کے لائف سٹائل کے مطابق کم تھی۔ چارلی ولسن کے کالج کے ساتھی ممتاز پروفیسر چارلس سمپسن نے اسے پہلی مرتبہ کانگریس کا رکن منتخب ہونے پر مشورہ دیا کہ وہ اب تمام تر توجہ اپنی نئی ذمہ داری پر مرکوز کر دے۔ سمپسن کہتا ہے کہ چارلی انتہائی ذہین ہے۔ اس میں ایک پراسرار خداداد صلاحیت ہے وہ پیچیدہ سے پیچیدہ ایشو بڑی آسانی سے حل کر لیتا ہے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی مسئلہ اس کے سامنے آئے اور وہ اس کا حل نہ نکال سکے۔ اس کا اصل ٹارگٹ وزیر دفاع بننا تھا۔ اس کا سینٹ جانے کا بھی ارادہ بنا تھا،، سمپسن کو بتدریج اندازہ ہوا کہ اس کے باس میں ایک بہت بڑی خامی بھی ہے۔ اس خامی کی تاکید 1950ء کی دہائی کے آخر میں اس کے نیول کمانڈر کی

رپورٹ سے بھی ہوتی ہے۔ ''چارلی ولسن سمندر کے اندر خدمات انجام دیتے ہوئے بہترین افسر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ساحل پر بہت بُرا ہے''۔ اِن دنوں سمپسن کے ذہن میں یہ سوال بھی گردش کرتا رہتا تھا کہ چارلی بلا کا شراب نوش تھا لیکن اس نے پی کر بھی کبھی حواس نہیں کھوئے تھے۔ محفلوں میں بھی وہ زبردست طریقے سے پیتا تھا۔ اس کی ایک عادت بن گئی تھی کہ شراب نوشی کے بعد وہ وہیں لیٹ جاتا۔ ایک گھنٹے بعد اٹھتا تو ایسا فریش ہوتا جیسے بارہ گھنٹے تک سونے کے بعد جاگا ہو۔ سوتے میں اسے اردگرد کی پروا تک نہ ہوتی تھی۔ وہ گھنٹے بعد اٹھتا اور دوبارہ شروع ہو جاتا تھا۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس پر یقین کرنا مشکل ہے لیکن چارلی میں واقعی یہ بھی ایک عجیب وغریب خوبی تھی۔

چارلی ولسن کو 1980ء کی دہائی کے شروع میں میڈیا میں جگہ ملنی شروع ہوئی، افواہ ساز کالم نگار انہیں ''گڈ ٹائم چارلی'' کہتے تھے۔ چارلی وائٹ ہاؤس اور سفارتی پارٹیوں میں جاتے تو حسیناؤں کی فوج ان کے گرد ہوتی تھی۔ ٹیکساس کے ایک اخبار نے چارلی کو کانگریس میں سب سے بڑا پلے بوائے قرار دیا تھا۔ چارلی کے لائف سٹائل پر بات ہوتی تو وہ کہتا کہ ''میں سرکاری کتے کی طرح اِدھر اُدھر کیوں دیکھوں۔ میرے پاس اپنی زندگی کیلئے وقت ہے''۔

سچی بات یہ ہے کہ 47 سال کی عمر میں جب اس کی کانگریس میں چوتھی ٹرم شروع ہوئی وہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا۔ حکام ہمیشہ احمقانہ حرکتیں کرتے ہیں لیکن وہ گرم ٹب میں برہنہ حسینہ اور کوکین کے ساتھ داخل نہیں ہوتے جب تک وہ اپنے مستقبل کو داؤ پر نہ لگا لیں۔ حال ہی میں بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے والے کانگرس مین کے بارے میں یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں مشکل نہ تھا کہ وہ فری فار آل آدمی تھا جس نے تباہی کا پروگرام بنا لیا ہو۔ بعد میں ولسن نے خود کہا ''میں زندگی کے سخت ترین بحران میں گھر چکا تھا میں نے کسی شخص کو زک نہیں پہنچائی لیکن یقیناً وہ سب کچھ بے مقصد تھا''۔ چارلی کی زندگی کے بحران کا موازنہ امریکہ کے جاری بحران سے کسی طور پر نہیں کیا جا سکتا۔ اسی رات ٹیڈ کوپل نے چارلی کو بتایا ''آج ایران میں امریکیوں کو یرغمال بنائے جانے کی 237 ویں رات ہے''۔

امریکہ جس کا سالانہ دفاعی بجٹ 200 ڈالر سالانہ ہے۔ اپنے 52 شہریوں کو تہران سے رہا نہ کروا سکا اور جب ایسا کرنے کی کوشش کی تو صحرا کی ریت نے پائلٹ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا

کر دیا، نہ صرف امریکہ کا اپنے شہریوں کی رہائی کا مشن ناکام ہو گیا بلکہ اس کا ایک ہیلی کاپٹر تباہ ہوا اور اس کے 8 فوجی مارے بھی گئے۔ ایک جہاز بھی امریکہ کو وہیں صحرا میں لینڈنگ سٹرپ پر چھوڑنا پڑا تھا۔ بار بار یہ کہا جا رہا تھا ویتنام میں جو کچھ ہوا اس نے امریکہ کی روح کو گھائل کر دیا۔ 1980ء کے موسم گرما میں رونالڈ ریگن کی زیر قیادت کنزرویٹو پارٹی نے روس کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں خبردار کرنا شروع کر دیا تھا۔ کہا جا رہا تھا کہ روس ایٹمی پروگرام کے حوالے سے برتری حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسری آوازوں نے بھی بے چینی پیدا کی کہ دعویٰ کیا جانے لگا کہ روس کے جی بی مغربی انٹیلی جنس سروسز میں سرایت کر گئی ہے اور وہ تباہ کن ڈس انفارمیشن پھیلا رہی ہے۔ اس وقت امریکہ کے صدر جمی کارٹر کے ذہن پر بھی عیسائیت کے مقابلے میں کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثرات نے خوف طاری کر رکھا تھا۔ جارجیا سے تعلق رکھنے والے مونگ پھلی کے کاشتکار جمی کارٹر کو خارجہ امور کا تجربہ نہیں تھا لیکن انہوں نے لوگوں کو ویتنام اور واٹر گیٹ کے حوالے سے قائل کر کے انتخابات میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔

1970ء کی دہائی کے آخر میں منظر عام پر آنے والے سے انٹیلی جنس سکینڈلز کے تناظر میں کہا جاتا تھا کہ سی آئی اے کنٹرول سے باہر ہو چکی ہے۔ اس نے حکومت کے اندر حکومت قائم کر لی ہے۔ کارٹر نے عہد کیا کہ وہ سی آئی اے کی گندی چالیں ختم کر دے گا۔ صدر کارٹر نے سی آئی اے میں ڈسپلن قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ تجویز تقریباً حتمی شکل اختیار کر گئی کہ اب وقت آ گیا ہے ایجنسی اپنے خفیہ آپریشن بند کر دے۔ صدر کے مقرر کردہ ایجنسی کے چیف ایڈمرل سٹیفن فیلڈ ٹرنر نے ان سے دو قدم آگے جاتے ہوئے کہا کہ ایجنسی کو بدمعاشانہ آپریشنز سے پاک ہونا چاہئے۔ 1979ء کے آخر تک صدر نے ایجنسی کیلئے نئے ضوابط بنا دیئے۔

قوانین کی تبدیلی میں کانگریس کو بھی کافی وقت لگا تھا۔ ایجنسی کے بہادر اہلکار نئے قوانین بننے پر اپنے متوقع مخدوش مستقبل سے خوفزدہ تھے۔ 1979ء کے آخر میں سی آئی کے ڈائریکٹر۔ گندی چالوں سے باہر رہنے کے لئے خود کو رضا کارانہ طور پر سی آئی اے سے الگ کر لیا۔

کرسمس کے قریب روس نے افغانستان پر حملہ کیا تو یہ جمی کارٹر کے لئے حیرانگی کا باعث تھا اس پر وہ مشتعل بھی ہوا۔ اس نے فوری طور پر یقین کر لیا کہ سوویت یونین واقعی ایک برائی ہے ا اس کے ساتھ نپٹنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ طاقت استعمال کی جائے۔ اس کے نائب واٹر مونڈ

نے یہ کہہ کر طاقت استعمال کرنے کی تجویز مسترد کر دی کہ "میں نہیں جانتا کہ روس کی اس کارروائی پر ہمارا ردعمل "خوف" لفظ سے واضح ہو سکتا ہے"۔

روس کی افغانستان کے حوالے سے پالیسی امریکہ کے لئے دوسری جنگ عظیم کے بعد دردسر بنی ہوئی تھی۔ امریکی صدر نے روس کی افغانستان پر جارحیت کو اپنی فارن پالیسی کا بہت بڑا بحران قرار دیا اور کارٹر نے ماسکو میں ہونیوالی اولمپکس کھیلوں کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا روس کو گندم کی فروخت بند کر دی، وسیع پیمانے پر دفاعی اقدامات کا کہہ دیا اور فوری طور پر تعینات کی جانے والی فوج کی تیاری کا بھی حکم دیدیا۔ اسے روس کی طرف سے مزید جارحیت کا بھی خدشہ تھا۔ "کارٹر اصول" کے مطابق مڈل ایسٹ کے تیل کے ذخائر کو محفوظ بنانا تھا۔ صدر کارٹر نے بہت سی خفیہ قانونی دستاویزات پر بھی دستخط کئے اور سی آئی اے کو ریڈ آرمی کے خلاف کارروائی کا حکم دیا۔

سی آئی اے نے اسلحہ کی افغانستان میں باغیوں کیلئے جو پہلی کھیپ بھیجی وہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے صرف ایک ہزار مجاہدین کو مسلح کرنے کیلئے تھی۔ یہ روس کے بنے ہوئے ہتھیار تھے جو سی آئی اے نے ایسی ہی کسی کارروائی کے لئے جمع کر رکھے تھے۔ روسی جارحیت کے ابتدائی دنوں میں ہی سان انٹونیو سے اسلحہ سے بھرے جہاز آ کر اسلام آباد اترتے تھے۔ یہاں سے یہ اسلحہ افغان مجاہدین میں تقسیم کرنے کے لئے ضیاء الحق کی سیکرٹ سروس کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔

جمی کارٹر کے لئے جنرل ضیاء الحق کا تعاون حاصل کرنا آسان نہ تھا۔ کارٹر نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے حوالے سے جنرل محمد ضیا الحق کو بھی نکارا گوا کے صدر تا کو سموزا کے ساتھ ٹارگٹ بنا رکھا تھا۔ اس نے پاکستان کے ساتھ فوجی تعاون بھی ختم کر دیا تھا۔ اب صدر کارٹر کو روس کی افغانستان میں بڑھتی ہوئی جارحیت روکنے کے لئے پاکستان کا تعاون درکار تھا۔ اس موقع پر کارٹر کو پاکستان کے حوالے سے پالیسی پر 180 درجے کا ٹرن لینا پڑا۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے تعاون کے لئے کڑی شرط رکھ دی۔

"سی آئی اے مجاہدین کو ہتھیار سپلائی کر سکتی ہے لیکن مجاہدین میں تقسیم کے لئے یہ اسلحہ پاکستانی سیکرٹ ایجنسی کے حوالے کرنا ہوگا۔ امریکی ایجنسی افغانستان میں جو کچھ بھی کرنا چاہتی ہے وہ پاکستانیوں کے ذریعے کرنا ہوگا"۔

اسلحہ کی پہلی کھیپ کے ساتھ ہی افغانیوں کو جلد ہی مصر، سعودی عرب اور دیگر اسلامی ممالک کی

طرف سے ہتھیار اور مالی امداد ملنا شروع ہوگئی پہلے پہل چپل پہنے قبائلیوں کو جن کی کوئی مخصوص یونیفارم نہیں تھی عام سے ہتھیار دیئے گئے تھے۔ان لوگوں کی جنگ کے حوالے سے کوئی تربیت بھی نہیں ہوئی تھی۔ابتدائی دنوں میں سی آئی اے کو مجاہدین کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا جن کے مقابلے میں سوویت یونین کی مسلح چالیسویں آرمی تھی۔جس کو بعد میں مجاہدین نے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔روس کے بھاری بھرکم II-76 ٹرانسپورٹ طیارے افغانستان میں یکے بعد دیگر اترتے رہتے تھے۔یہ اپنے فوجیوں کے لئے ٹینک خوراک کا سامان بھی لاتے تھے۔شہروں میں ہزاروں کی تعداد میں ٹینک گشت کرتے تھے۔اس کے ساتھ ساتھ جنگی فائٹر طیارے اور ہیلی کاپٹر آسمان پر چھائے رہتے تھے۔

افغانستان میں مجاہدین کی مدد کرنے کی امریکہ کے پاس کئی دیگر وجوہات بھی تھیں۔مجاہدین کو اسلحہ ملنے سے روس بھی چوکنا ہوگیا اور اس نے خلیج فارس اور پاکستان کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ترک کر دیا۔اس جنگ میں چونکہ بنیاد پرست اسلامی لوگ شامل ہو گئے تھے۔جس سے امریکہ کو بہترین موقع مل گیا کہ وہ اسلامی ممالک کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا سکے۔جو اسرائیل اور شاہ ایران کے ساتھ امریکہ کی دوستی کی وجہ سے دور ہٹ گئے تھے۔روسی فوج نے افغانستان میں تباہی مچا رکھی تھی۔دیہاتوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا جا رہا تھا اس صورت میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ سرحد عبور کر کے پاکستان جا رہے تھے۔مجاہدین جس تیزی سے روسی فوج کو قتل کر رہے تھے۔اس کے ردعمل میں وہ بھی کارروائیاں تیز تر کر دیتے تھے۔اس کا بھی امریکہ نے فائدہ اٹھایا اور روس کو دنیا بھر میں بدنام کر کے رکھ دیا۔اس حوالے سے میڈیا کو استعمال کیا گیا۔دنیا بھر کے اخبارات اور جرائد میں روسی ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف مضامین شائع کرائے گئے۔یہ سب سی آئی اے کر رہی تھی کئی ممالک میں کتابیں بھی لکھوائی گئیں۔

روسی فوجی قبائلیوں سے بہت زیادہ خوفزدہ رہتے تھے یہاں تعینات روسی فوجی نئے آنے والے اپنے ساتھیوں کو مختلف کہانیاں سنا کر مزید خوفزدہ کر دیتے تھے۔ان میں ایک یہ بھی تھی ''افغانستان میں داخلے کے بعد بگرام ایئربیس پر دوسرے روز روسی فوجی نے رن وے کے ایک طرف 5 بیگ پڑے دیکھے۔پہلے تو اس نے کوئی نوٹس نہ لیا تھوڑی دیر بعد اس نے اپنی گن کی سنگین ان میں گھسیڑی تو زمین پر خون بہنے لگا۔ماہرین کو بلا کر تمام بیگ کھولے گئے تو ہر ایک میں روسی فوجی بند تھا۔قبائلیوں نے ان کے پیٹ سے چمڑی کاٹ لی تاہم وہ زندہ تھے۔ان کے گھٹنے گردنوں

کے ساتھ باندھے گئے تھے۔یہ روسی حکمرانوں کیلئے ایسا ہی پیغام تھا جو ایک 143 سال قبل 1842ء میں افغان قبائلی چیف نے برطانوی جنرل کو دیا تھا۔اس وقت برطانوی جنرل نے افغانستان سے اپنی فوج کے انخلاء کی شرائط قبائلی کمانڈر کے سامنے رکھیں ابھی جنرل کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ کمانڈر نے قہقہہ لگا دیا۔برطانوی جنرل نے ششدر ہوتے ہوئے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو اس کا جواب تھا ''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ افغانستان سے کیسے نکل سکیں گے کیونکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا یہاں آنا کتنا آسان تھا اور لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ یہاں سے نکل کیسے سکیں گے؟'' 138 سال بعد ملاؤں نے پھر جہاد کا اعلان کیا تھا۔اسے مقدس جنگ کا نام دیا تھا۔یہ نکاراگوا میں سی آئی کی جنگ کی قسم کی جنگ نہ تھی۔یہاں سے لوگ میامی فرار ہوتے وقت سرحد پر اسلحہ جمع کرا دیتے تھے۔افغانستان میں ملاؤں کے جہاد کے اعلان پر پوری اسلام دنیا نے خوش آمدید کہا۔افغانستان میں روسی فوجوں کے داخلے کے ایک ماہ بعد ہی قبائلیوں اور باغیوں سے باور کرانے کا فیصلہ کر لیا کہ حقیقت میں سپر پاور صرف ایک ہی ہے۔

کابل کے ایک ہوٹل میں موجود روسی صحافی گنیڈی بچاروف بتاتا ہے ''ہوٹل کے اردگرد پگڑیاں باندھے افراد اور نقاب اوڑھے ہوئے عورتیں مردہ باد، مردہ باد، روس مردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔میں بھاگ کر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔یہاں روسی سفارتکار اور کابل میں تعینات فوجی کمانڈر موجود تھے۔اس وقت تمام فون کاٹ دیئے گئے تھے''۔وہ کہتا ہے کہ ہم تمام لوگ موت کے خوف سے کانپ رہے تھے۔اس موقع پر یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ اب ہوٹل میں موجود ہر آدمی کے ٹکڑے کر دیں گے۔کان اور جسم کے دیگر اعضا کاٹ دیئے جائیں گے۔یہ جان کر ہم پر کپکپی طاری تھی اور خود پر قابو پانا بلکہ اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہونا ممکن نہیں تھا۔ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے روسی فوجی دستہ وہاں پہنچ گیا جس سے سب کی جان بچ گئی''۔

روسی فوج نے افغانستان میں تباہی مچا رکھی تھی۔روسی جہاز بمباری کر کے دیہات کو ملیامیٹ کر رہے تھے لاکھوں افراد اپنے گھر چھوڑ کر پاکستان اور ایران میں پناہ لینے کے لئے آ رہے تھے۔مجاہدین بندوقوں اور گرنیڈوں کے ساتھ روس کے ٹینکوں اور بمبار جہازوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔



ابتدائی مہینوں میں ڈان ردر بھیس بدل کر افغانستان جا پہنچا اس کی بھیجی ہوئی رپورٹ واشنگٹن پوسٹ میں چھپی تو چارلی ولسن رپورٹ دیکھ کر ششدر رہ گیا اس کی رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ سی آئی اے کی طرف سے مجاہدین کو دی جانے والی امداد بے مقصد ہے کیونکہ مجاہدین معمولی گنوں کے ساتھ روسی گن شپ جہازوں اور ٹینکوں کے سامنے کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔

1980ء کے وسط میں مجاہدین پر مایوسی طاری ہو چکی تھی۔ چارلی ولسن ہاؤس کے فلور سے سپیکر کی لابی میں چلا گیا۔ چارلی کو خبروں کا خبط تھا۔ اس نے رائٹرز، اے پی پی اور یو پی آئی کی افغانستان سے متعلق رپورٹیں پڑھنا شروع کیں۔ خبروں میں لاکھوں افغانیوں کا اپنے گھر چھوڑ کر دیگر ممالک میں پناہ لینے کی تفصیلات دی گئی تھیں۔ روسی گن شپ ہیلی کاپٹروں کی طرف سے دیہات کو ملیامیٹ کرنے اور بڑی تعداد میں مقامی لوگوں کے قتل عام کی اطلاعات تھیں۔ ایسے لوگوں کو بھی مارا جا رہا تھا جن پر مجاہدین کی مدد کا شبہ تھا تاہم یہ بتایا گیا تھا کہ بہت سے لوگوں نے اپنا ملک چھوڑنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ روسی فوجوں کے مقابل ہیں اور یہ لوگ کس طرح روسی فوجیوں کو چھریوں اور پستولوں کے ساتھ ہلاک کر رہے ہیں۔ پورے ملک میں ریڈ آرمی کے خلاف بغاوت سر اٹھا رہی ہے۔

افغانستان میں جو کچھ ہو رہا تھا اس پر کسی کی توجہ نہیں تھی امریکی حکومت نے بھی اسے زیادہ سیریس نہیں لیا۔ چارلی ولسن نے فون اٹھایا اور اپیروپری ایشن کمیشن کمیٹی کے سٹاف سے بات کی۔ یہ سٹاف سی آئی اے کی کمیٹی کے ''بلیک اپروپری ایشن'' فنڈز کو ڈیل کرتا تھا۔ اس آدمی کا نام ہم وان ویگنن تھا۔ یہ کسی دور میں ایف بی آئی کا ایجنٹ رہ چکا تھا۔ چارلی ولسن سی آئی اے کے آپریشن کے لئے ہاؤس فنڈز جاری کرنے والی بارہ رکنی کمیٹی کا ممبر تھا۔ چارلی کو کمیٹی کے اختیارات بارے معلوم تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ کن مواقع پر اس کمیٹی کا کارکن فنڈز جاری کر سکتا ہے۔ چارلی نے وین ویگنن سے پوچھا ''اس وقت افغانستان کو کتنے فنڈز دے رہے ہیں''۔

''پانچ ملین'' وین نے جواب دیا۔

ایک لمحے خاموشی کے بعد چارلی ولسن نے کہا ''اسے دوگنا کر دو''۔

▪ ▪ ▪

The Secret Life of Charlie Wilson

سیاستدان عوام میں اپنا امیج بہتر بنانے کے لئے کئی طریقے اپناتے ہیں اکثر نے پریس سیکرٹریز بھی رکھے ہوئے ہیں۔ کوئی سیاستدان کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ عوام میں اس کی ساکھ متاثر ہو۔ اس کی ہمیشہ کوشش رہے گی کہ عوام میں اس کی پزیرائی بڑھتی رہے لیکن چارلی ولسن کا معاملہ بالکل برعکس تھا۔ اس نے ہمیشہ اپنی برائیوں کو اجاگر کرنے اور اچھائیوں کو پس منظر میں لے جانے کی کوشش کی۔ 1996ء میں جب چارلی ولسن 1980ء کے مقابلے بہت معروف تھا۔ نیویارک ٹائمز نے اس کی صلاحیتوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اسے کانگریس کا سب سے بڑا جانور قرار دیا۔ چارلی نے با اثر ہونے کے باوجود کوئی نوٹس نہ لیا۔ چارلی نے ہاؤس میں شاید ہی کبھی کوئی بات کی ہو۔

ایوان نمائندگان کے ماہرین چارلی کے دوہرے کردار سے واقف تھے۔ وہ واشنگٹن میں سب سے طاقتور جگہ پر بیٹھ کر اپنا مشن بھرپور طریقے سے جاری رکھے ہوئے تھا۔ واشنگٹن پوسٹ کے کالم نگار جیک اینڈرسن نے پس پردہ رہ کر کامیابی سے پالیسی چلانے والوں کی لسٹ تیار کی۔ واشنگٹن کے ان دس پاورفل اور با اثر افراد میں چارلی ولسن کا نام بھی شامل تھا۔ چارلی کے بظاہر نظر آنے والے مجرمانہ لائف سٹائل نے اس کے کام کی نوعیت کے حوالے سے اس کی پوزیشن کو بہتر بنایا۔

چارلی ولسن نے 1976ء میں اپنی پارٹی میں اس وقت اہمیت اختیار کی جب اس نے ٹیکساس کے وفد میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور اسے طاقتور "اپروپری ایشن کمیٹی" کا ممبر بنا دیا گیا۔ چارلی کے اس اقدام نے اس کو سیاست کا کھلاڑی ثابت کر دیا۔ پچاس ممبران پر مشتمل کمیٹی کے ہر ممبر کا ایک ووٹ مانا جاتا ہے۔ یہی کمیٹی فیصلہ کرتی ہے کہ امریکہ کا 500 ارب ڈالر کا بجٹ کیسے بنایا جائے۔ کمیٹی اتنی طاقتور ہے کہ اس کے 12 سب کمیٹی چیئرمینوں کو "کالج آف کارڈینیل" کا نام دیا جاتا ہے۔ اپروپری ایشن کمیٹی کی حکومت کے تمام مالی معاملات پر نظر ہوتی ہے۔ سب کمیٹی میں لمبے عرصے تک رہنے والے ممبر کو سب معلوم ہوتا ہے کہ اسے کیسے ایجنسیوں پر اثر انداز ہونے اور اپنی پالیسی کو منوانا ہے۔ مالی طور پر خود کو مضبوط تر کرنے کے لئے بھی کمیٹی کا ممبر ہونے سے منافع بخش کوئی عہدہ نہیں سمجھا جاتا۔ کمیٹی ممبر بننے کے بعد چارلی نے دو سب کمیٹیوں میں بھی جگہ بنا لی۔ جن کا تعلق قومی سلامتی سے متعلق مالی معاملات سے تھا۔ ان کمیٹیوں میں چارلی کی شمولیت کے لئے اس کے ایک یہودی دوست نے مدد کی تھی اس دوران چارلی نے گھاگ سیاستدانوں سے پالیسیوں اور بجٹ پر اثر انداز ہونے کے گُر سیکھ لئے تھے۔ جب اس نے فارن آپریشنز سب کمیٹی کی سیٹ جیتی تو اسے اسرائیل کی 3 ارب ڈالر امدادی پیکج کی منصوبہ بندی کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے بیرون ممالک اخراجات کے معاملات بھی اس کے اختیار میں آ گئے۔ جس سے اس کی سب کمیٹی کے چیئرمین کے طور پر ایک پوزیشن ہو گئی جس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں تھا سب کمیٹیوں کے بارہ چیئرمینوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اہمیت اور اختیارات کے پیشِ نظر امریکی سفیر اور وزیر بھی ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہیں۔

1980ء میں اپنے چوتھی مرتبہ انتخاب سے چند ہفتے قبل چارلی ولسن کو ڈیفنس اپروپری ایشن کمیٹی میں بھی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ ساتھ ہی پنٹاگان اور سی آئی اے کو اس کی اہمیت اور اختیارات سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے مکمل تعاون کی ہدایت بھی کر دی گئی۔

چارلی ولسن دو اہم ذمہ داریوں کی وجہ سے اختیارات کے حوالے سے بڑا طاقتور تھا۔ اسے زبردست سکیورٹی، فاضل سٹاف اور ساؤنڈ پروف دفتر فراہم کر دیا گیا۔ اس کی ٹیبل کے اردگرد بارہ کرسیاں لگی تھیں یہاں وہ سب کمیٹی چیئرمینوں کے اجلاس کی صدارت کرتا تھا۔ یہ کمرہ نہ صرف

عام لوگوں بلکہ ممبران ہاؤس کیلئے بھی غیر ممنوعہ تھا۔ اس پر بہت ہی کم لکھا گیا ہے کہ اس بارہ کرسیوں پر مشتمل چیمبر میں کیا ہوتا تھا۔ یہاں ہر سال سیکرٹ میٹنگ منعقد ہوتی یہاں بڑے بڑے معاہدے اور پالیسیاں بنائی اور ختم کی جاتی تھیں۔ اربوں ڈالر کے فنڈز اس کمیٹی کے ممبران کی صوابدید پر تھے۔ امریکہ بہت بڑا ملک ہے ہر کوئی اس میں پسندیدہ اور بہترین ہتھیار رکھنا چاہتا ہے۔ ہر سفارتخانہ کو آرائش و زیبائش کے لئے اخراجات درکار ہیں۔ تجارت ہونی چاہئے، وائٹ ہاؤس، دفاعی ٹھیکیدار، ملٹری سروسز اور کانگریس مین اور لابیسٹ فنڈز کی فراہمی کے لئے آپروپری ایشن کمیٹی کی طرف دیکھتے ہیں۔ وہ اپنے طور پر آپروپری ایشن کمیٹی کے ممبران کی اثر و رسوخ کے حوالے سے لسٹ بناتے تھے۔ اس لسٹ میں چارلی ولسن اپنے دوست جان مارتھا کے بعد ہمیشہ پہلے نمبر پر رہے۔ جان مارتھا چونکہ اپروپری ایشن کمیٹی کے چیئرمین تھے اس لئے ان کا لسٹ میں پہلا نمبر تھا۔

ڈینس اونیل واشنگٹن کا ایک بڑا لابیسٹ تھا۔ اس کی چارلی ولسن سے دوستی تھی۔ وہ کہتا ہے اگر تمہارے پاس اچھے ساتھی نہیں ہیں تو اسے کھیل کا خاتمہ سمجھو ساتھ ہی اس نے کہا کہ چارلی کے واقعی بہت سے اچھے ساتھی ہیں اور وہ مختلف عہدوں اور مقامات پر ہیں۔

اس وقت اونیل خارجہ امور پر اتھارٹی سمجھے جانے والے لوگوں میں سے تھا۔ اس کی کمیٹی نیل اینڈ کمیٹی نے پاکستان، مصر، اردن اور مراکش کو امریکی اسلحے کا خریدار بنایا تھا۔ نیل کہتا تھا کہ اگر آپ یہودی نہیں ہیں تو یہودیوں کی محفل میں نہیں بیٹھ سکتے لیکن چارلی ایسا کرتا تھا۔ اگر آپ کالے نہیں ہیں تو ان کے اجلاس میں نہیں بیٹھ سکتے لیکن چارلی ایسا کر لیتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر تاش کھیلتا تھا۔ ان میں صرف یہی ایک گورا ہوتا تھا۔

1980ء تک چارلی کی کانگریس کے اہم پاور سنٹرز میں کافی زیادہ اہمیت ہو چکی تھی۔ یہ اس کی صرف اپروپری ایشن کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ یہ سب کچھ اس نے اپنی اہلیت، قابلیت اور معاملہ فہمی سے حاصل کیا تھا۔ اسے یہودی، کالے لوگوں کے حلقوں میں اہمیت دی جاتی تھی۔ عورتوں میں بھی وہ یکساں اہمیت اختیار کر گیا تھا اسے کسی حد تک اس سال ہاؤس کا طاقتور ترین شخص قرار دیا جا سکتا ہے۔ ٹپ اونیل نے بحیثیت سپیکر اس سال چارلی ولسن کا ہاؤس ایتھکس کمیٹی اور کینیڈی سنٹر کے بورڈ آف پرفارمنگ آرٹ میں تقرر کیا تھا۔ ان دو عہدوں پر چارلی کی سپیکر کی طرف سے

نامزدگی کو عجیب قرار دیا جا رہا تھا۔

جب صحافیوں نے ولسن سے پوچھا کہ تمام لوگوں میں سے صرف آپ کو ہی ایسے سنجیدہ کام کے لئے کیوں چنا گیا ہے تو چارلی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا'' کیونکہ پورے ہاؤس میں میں ہی ہوں جو عورت اور شراب کا رسیا ہے اور ہمیں یہ پیش کرنے کی ضرورت ہے'' چارلی کے بے ساختہ پن سے رپورٹر ہکے بکے رہ گئے۔ یہ وہ دور تھا جب امریکہ میں نیا سکینڈل منظر عام پر آیا تھا۔ اس دور میں ایف بی آئی کے ایجنٹ نے عرب شیخ کے بھیس میں 6 کانگریس مینوں اور ایک سینیٹر کو ایک ہی جگہ پر باری باری 50 ہزار ڈالر رشوت دی تھی اور یہ سب باقاعدہ کیمروں نے ریکارڈ کیا تھا۔ جو ایف بی آئی نے امریکی قوم کے سامنے رکھ دیا۔ اس سے امریکی رائے عامہ پر برا اثر پڑا لوگ اپنے نمائندوں کو چور سمجھنے لگے تھے۔ اونیل کے لئے یہ بہت بڑا موقع تھا خصوصاً رشوت لینے والے کانگریس مین ڈیموکریٹس تھے۔ اونیل نے عوام کا تاثر زائل کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہ وہ دور تھا جب سینٹ میں ری پبلیکن اور وائٹ ہاؤس پر ریگن کی حکمرانی کے جھنڈے لہرانے لگے تھے لیکن اونیل نے ملک میں ڈیموکریٹس کو کمزور نہ ہونے دیا۔ اسے معلوم تھا کہ اب اس نے ABSCM کیس کی انکوائری آہستہ آہستہ آگے بڑھے گی۔ وہ لوگوں کا اعتماد بحال کرنا چاہتا تھا لیکن اس کے سامنے جو حقیقی بحران تھا وہ اس کے اندرونی حلقے کے لوگ تھے جو خطرے سے دوچار ہو چکے تھے ان کو بچانا ہی اصل میں اس کا امتحان تھا۔ ہاؤس چلانے میں یہی لوگ اس کے معاون تھے۔

ایک سپیشل پراسیکیوٹر بیری پریٹی مین نے ہاؤس کو مشورہ دیا کہ کیس میں ملوث ایک کانگریس مین کو ہاؤس سے نکال دیا جائے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ کیس کے دائرے میں ان چھ کے علاوہ بھی کئی افراد کو لایا جا رہا تھا۔ کیس سپیکر کو پیش کرنے کے لئے ثبوت اکٹھے کئے جا رہے تھے۔ پراسیکیوٹر کی کوشش کا مقصد اونیل کے دوست جان مرتھا کو ہاؤس سے نکلوانا تھا۔

اونیل نے چارلی ولسن کو فوری طور پر ایتھکس کمیٹی میں جانے کو کہا۔ چارلی اسے مذاق سمجھ رہا تھا۔ اونیل نے اسے کئی طرح کی مراعات دینے کا لالچ دیکر ایتھکس کمیٹی میں جانے پر راضی کر لیا۔ اس میں اسے کینیڈی سنز کی لائف ٹائم ممبرشپ بنانے کا وعدہ بھی تھا اور اونیل نے ایسا کر دیا۔ مرتھا کو رشوت دینے کی پیشکش کی گئی تو اس نے واضح طور پر انکار نہیں کیا اور مستقبل میں ایسا کرنے

کا اشارہ دیتے ہوئے کہا تھا'' تم نے جو پیشکش کی ہے آئندہ ہو سکتا ہے کہ میرا ذہن بدل جائے''۔ چارلی سمجھتا تھا کہ ویتنام میں رضاکارانہ طور پر خدمات انجام دینے والے مرتھا نے کوئی غلط اقدام نہیں کیا۔ صرف دل میں لالچ پیدا ہونے پر کسی کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایتھکس کمیٹی کا کام ہاؤس کے اندر معاملات پر اتفاق رائے پیدا کرنا اور ہاؤس ممبران کے متعلق ضوابط بنانا بھی تھا۔ کمیٹی کے کام کا طریقہ کار یہ تھا کہ تمام ممبران میز کے گرد بڑی سنجیدگی سے بیٹھ کر متعلقہ معاملے پر غور کرتے تھے۔ ثبوتوں کا جائزہ لیتے اور اپنی رولنگ دیتے تھے۔ چارلی ولسن قانون توڑنے اور لال کپڑے کے پیچھے بھاگنے کے حوالے سے مشہور تھا۔ کمرے میں تمام ممبران موجود تھے پریٹی مین اپنے بھرپور دلائل جاری رکھے ہوئے چارلی کمرے میں داخل ہوا تو صورتحال یکسر بدل گئی۔ پراسیکیوٹر کو بتایا کہ'' کمیٹی اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ انویسٹی گیشن کا کوئی جواز نہیں یوں یہ کیس بند کیا جاتا ہے''۔ یہ فیصلہ ایتھکس کمیٹی کے نئے چیئرمین لوئیس سٹوک نے سنایا تھا یہ بھی سپیکر کا دوست تھا۔ فیصلہ سن کر پریٹی مین سکتے میں آ گیا لیکن وہ اپنے حلف کے مطابق کمرے میں ہونے والی کوئی بات لیک آؤٹ نہ کرنے کا پابند تھا۔ اب اس کے سامنے فیصلہ قبول نہ کرنے کی صورت میں صرف استعفیٰ دینا ہی باقی تھا۔ دوسری طرف مرتھا اپنی جان کی خلاصی پر چارلی اور اس کے ساتھیوں کا بے حد ممنون تھا۔ اس واقعے پر چارلی بڑا خوش تھا۔ اسے اپنی افغان پالیسی چلانے میں بھی اس واقعہ سے بڑی مدد ملی۔ کیس سے بچ نکلنے والے اب اس کے زبردست حامی بن گئے تھے۔



جوئین ہیرنگ چارلی کی کانگریس سے باہر کے دوستوں میں سے تھی جسے چارلی کی صلاحیتوں کا اندازہ تھا۔ اسے اس کی بری عادتوں کا بھی پتہ تھا اس نے چارلی کی کبھی دل شکنی نہیں کی۔ وہ اس کے کان میں کہتی تھی'' چارلی تم تاریخ کو بدل سکتے ہو۔ مجاہدین کو تمہاری ضرورت ہے۔ ان کے لئے کچھ کرو۔ تم جو اپنے دماغ میں ٹھان لیتے ہو کر سکتے ہو''۔ چارلی نے اپنے آپ کو اس کے زیر اثر آتا ہوا محسوس کیا وہ اٹھا اور اس نے نئی منزل کا فیصلہ کر لیا۔

یہ جنگ افغانوں کے لئے سود مند ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ ان کی جرأت کو عالمی طور پر مانا جاتا تھا۔ لیکن کامیابی کی شرح مایوس کن تھی۔ اس کی وجہ ان کے پاس سی آئی اے کا دیا ہوا پرانا اسلحہ

تھا جس کی نشاندہی وہاں موجود ایک امریکی صحافی نے اپنے خط میں کی تھی۔ نیویارک میں موجود رائسٹ خاتون نے اس معاملے میں ریگن کے دروازے پر دستک دینے کی کوشش کی تھی اور اس کے بعد جوئین کے دوست چارلس فرنیلے فیکٹ نے بھی کوشش کی۔ فرنیلے نے افغانستان میں جنگ پر فلم بنانے میں انتھک محنت کی۔ اس پر 1981ء میں جنرل ضیاء الحق نے اسے پاکستان کا سب سے بڑا سول ایوارڈ دیا۔ فرنیلے اپنی اس فلم "جرات ہمارا ہتھیار ہے" کو لے کر مختلف ممالک گیا اور اس نے روسی فوجوں کے خلاف عالمی رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی بالآخر وہ یہ فلم اس جنگ کے سب سے بڑے ڈائریکٹر ولیم کیسی کو دکھانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے یہ فلم سی آئی اے ہیڈ کوارٹر میں دیکھی۔ ویک اینڈ پر چارلی اپنی محبوبہ جوئین کے ریور اوکس مینشن گیا تو اس نے چارلی فرنیلے سے اس کی ملاقات کرادی تاکہ یہ دونوں ایک دوسرے کو جان سکیں۔ ملاقات کے بعد چارلی نے بتایا کہ وہ پاکستان جائے گا اور جنرل ضیاء الحق سے ملے گا۔ چارلی ولسن نے جوئین کو یہ تو بتا دیا کہ وہ پاکستان جائے گا لیکن یہ نہ بتایا کہ وہ اسرائیل کے دورے کے اختتام پر جائے گا۔ ہاؤس میں چارلی کی کامیابیاں یہودی لابی کی مرہون منت تھیں۔ اس کے لئے اس سال بھی سب سے بڑا ایشو اسرائیل کا تحفظ تھا۔

1982ء کے وسط میں اسرائیل نے جنرل ایریل شیرون کی قیادت میں لبنان پر حملہ کیا تو امریکہ میں موجود ایک خاصے اہم حلقے نے اس پر ناراضگی ظاہر کی۔ یہ حملہ پی ایل او کے لبنان پر مضبوط کنٹرول کو ختم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ ولسن لبنان جانے کے لئے روانہ ہوا تو اس حملے کی بڑی مخالفت جاری تھی۔ چارلی جنگ زدہ علاقے کا دو روز تک دورہ کرنے کے بعد یروشلم گیا۔ یہاں اس نے پریس کانفرنس میں ایریل شیرون کے ایکشن کو درست قرار دیا۔ اس نے بتایا کہ میں جس ضلع سے تعلق رکھتا ہوں وہاں چار لاکھ گورے ایک لاکھ کالے رہتے ہیں جبکہ وہاں یہودیوں کی تعداد محض چند سو ہے۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اسرائیل اگر لبنانیوں کی آزادی کے لئے کام کرتے ہیں تو ان کو اسرائیل کی کارروائیوں پر شکایت نہیں ہوگی اب بھی ان کو کوئی شکایت نہیں سوائے اس کے کہ ان کے گھر جل چکے ہیں۔ اس پریس کانفرنس میں اس نے کہا "شیرون کو لبنان میں پی ایل او کا مکمل صفایا کرنے دو" اس سے پہلے کہ دنیا میں اس پر وسیع پیمانے پر شور شرابہ شروع ہو جائے۔

گیلن چارلی کی اس تجویز پر خوشی سے اچھل پڑا۔ چارلی کے لبنان اور اسرائیل کے دورے کا روس نے نوٹس لیا۔ روس کے ڈیلی ازوسٹیا نے اپنے کالم میں لکھا کہ امریکی کانگریس مین وارزون میں کیا کر رہا ہے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسے یہاں یہودی آرگنائزیشن لائی تھی۔ چارلی کو روسی شکایت کا علم سی آئی اے کے ذریعے ہوا سی آئی اے نے روسی اخبار کو مانیٹر کیا اور اس کی ایک کاپی چارلی کو بھیجی تھی۔ یہ بھی چارلی کے لئے خوشی کا مقام تھا کہ وہ اسرائیل کے لئے جو کچھ کر رہا تھا منظر عام پر آ گیا اس دورے کے دوران بھی اسرائیلی حکام نے چارلی ولسن سے درخواست کی کہ اس کی ایئرفورس کیلئے امریکہ فنڈز فراہم کرے جس کے لئے 500 کروڑ ڈالر کی ضرورت تھی۔ چارلی کچھ عرصہ قبل افغانستان کے لئے فنڈز وصول کر چکا تھا۔ اب اس نے سکون کا سانس تب لیا جب اسرائیل کے لئے فنڈز کی فراہمی کی یقین دہانی حاصل کر لی۔ اب افغان جنگ کے معاملے پر پوری یہودی لابی اس کی پشت پر تھی۔



Dr Doom Declares Charlie Dead

امریکہ کی خارجہ پالیسی کا کنٹرول صدر کے ہاتھ میں سمجھا جاتا ہے۔ رونالڈ ریگن جیسے پاپولر صدر خارجہ پالیسی بغیر کسی چیلنج کے بڑے اچھے طریقے سے چلاتے رہے ہیں لیکن 1985ء میں ٹپ اونیل نے ڈیموکریٹس کے ساتھ مل کر اہم وجوہات کے باعث دو صدور کا فارن پالیسی پر کنٹرول منجمد کر کے رکھ دیا۔ اُس سال اخبارات کا مطالعہ کرنے والے لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ اونیل اور ڈیموکریٹس نے ایسا کیوں کیا۔ سی آئی اے اس دور میں نکاراگوا میں کونٹرا باغیوں کی پشت پر تھی۔ صدر ریگن نے اس معاملے پر کانگریس کا مشترکہ اجلاس بلانے کی اپیل کی اس کے باوجود ڈیموکریٹس نے سی آئی اے کے اس آپریشن کے لئے تمام فنڈز بند کر دیئے۔

اُس دور میں جب سی آئی اے ونٹرا باغیوں کو فنڈز کی مد میں ایک پیسہ دینے کا اختیار نہ رکھتی تھی چارلی ولسن نے افغانستان میں روس کیخلاف مجاہدین کی امداد کے لئے 5 ملین ڈالر سالانہ کی امداد کا انتظام کر لیا۔ عملی اقدامات کرتے ہوئے چارلی ولسن نے امریکہ کی خارجہ پالیسی کو یرغمال بنا کے رکھ دیا۔ یہ سب کیسے ہوا؟ اس کی ایک ہی وجہ تھی کہ ٹپ اونیل نے چارلی ولسن کو افغانستان میں آپریشن کا لائسنس دے رکھا تھا۔ ڈیموکریٹس اور ٹپ اونیل کے بل بوتے پر چارلی ولسن پس منظر میں رہ کر اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ وہ ایسی پالیسی چلا رہا تھا جسے ٹیکنیکلی، غیر قانونی سمجھا جاتا تھا اس وقت وائٹ ہاؤس مصر کے وزیر دفاع کے ساتھ ہتھیاروں کا معاہدہ ختم کر رہا تھا۔ اسرائیل کے

ساتھ سی آئی اے کے لئے ہتھیاروں کی فراہمی کی بات ہو رہی تھی۔

تمام متنازعہ معاملات پر امریکہ اہم ترین اتحادی جنرل ضیاء الحق کے ساتھ صلاح مشورے جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس دوران ایسا موقع بھی آیا جب لندن میں ایک ہوٹل کے باہر چارلی اسرائیل اور پاکستان کے وفود کو ایک دوسرے سے متعارف کرا رہا تھا۔ یہ چارلی کے ذاتی اقدامات تھے۔ جس سے بناوٹی دشمنی رکھنے والے دو ممالک میں بیک چینل شروع ہو گیا۔ وفود کی اس ملاقات کے کافی عرصے بعد چارلی ولسن نے کہا کہ یہ میں ہی تھا جس نے دونوں ممالک کو اکھٹا کر دکھایا یہ کام شاید کوئی دوسرا نہ کر سکتا تھا۔ چارلی ولسن کو اپنے کئے ہوئے اقدامات کی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے منظوری لینے کی ضرورت نہ تھی۔ پالیسی کے مطابق امریکی کانگریس میں غیر ملکی دورے کے دوران اگر میزبان ملک کے اعلیٰ حکام سے ملاقات کرتا ہے تو وہاں تعینات ایک امریکی سفارتکار کا ملاقات میں موجود ہونا لازمی ہے۔ ان دنوں پاکستان میں ڈین ہینٹن امریکہ کے سفیر تھے۔ چارلی ولسن جتنی مرتبہ بھی پاکستان گیا جنرل ضیاء الحق ان سے ون ٹو ون ملاقات کرنے پر اصرار کرتے تھے۔

اس کو دو پارٹنرز کے درمیان گفتگو کہا جا سکتا ہے حقیقت میں دونوں سازشیں اور گٹھ جوڑ کرنے کے حوالے سے ایک دوسرے کے معاون تھے۔ چارلی ولسن کی پاک آرمی کے لئے امریکہ کی طرف سے امداد جاری رکھنے کی کمٹمنٹ ضیاء الحق کے لئے پتھر پر لکیر کے مترادف تھی۔ اس حوالے سے چارلی سے زیادہ وعدوں پر عملدرآمد کے لئے کسی دوسرے امریکی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ دونوں آدمی ہارس ٹریڈنگ کرتے۔ منصوبے بناتے اور جب دونوں حساس معاملات پر بات چیت مکمل کر لیتے ولسن اپنے سفیر کو باقی ملاقات میں بیٹھنے کے لئے بلا لیتا تھا۔

اگرچہ یہ سازشی قسم کی پارٹنرشپ تھی تاہم چارلی کے پاس سب کچھ کرنے کا اختیار تھا۔ اب اس میں ایوراکوٹوس بھی شامل ہو چکا تھا۔ گسٹ نے اب اس کے دفتر آنے کو معمول بنا لیا تھا وہ ہفتے میں ایک بار ضرور آتا اور کبھی کبھار دو بار بھی آ جاتا تھا البتہ فون پر دونوں میں مسلسل رابطہ رہتا تھا۔ چارلی اپنے رے برن بلڈنگ کے دفتر میں بیٹھتا تھا 25 فٹ اونچے کمرے کی ایک دیوار پر دنیا کا بہت بڑا نقشہ لگا تھا۔ اس موقع پر گسٹ آ دھمکا، یہ چارلی کے لئے بہت ہی بڑی مہم جوئی تھی وہ سی آئی

اے کے ساتھ مسلسل میٹنگوں میں مصروف رہا تھا۔ سی آئی اے کا ڈویژنل چیف گسٹ اکیلا آیا تھا۔ اس کے پاس ایسی آپریشنل تفصیلات تھیں جن کے بارے میں سینیٹروں اور کانگریس مینوں کو بھی جاننے کی اجازت نہ تھی۔ درحقیقت یہ معلومات کو خفیہ رکھنے کا ایک تقاضا تھا۔ چارلی نے کیا کیا اس کا علم سی آئی اے کے دوسرے ایریا کے ڈویژنل چیف کو بھی نہیں تھا۔ چارلی نے بعد میں کہا تھا ''ابتدائی دنوں میں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں کسی جاسوسی ناول کا بہت بڑا کردار ہوں''۔

1985ء کے شروع تک چارلی نے کئی علاقوں کے خفیہ دورے کئے وہ تیزی سے اِدھر اُدھر جاتا کسی دوسرے کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ واشنگٹن پوسٹ میں باب وڈورڈ نے اپنے آرٹیکل میں چارلی ولسن کے اہم کردار کو اجاگر کرتے ہوئے اسے ''دی کیٹالسٹ'' کا خطاب دیا۔ جو ویتنام کے بعد سب سے بڑے خفیہ آپریشن کے لئے فنڈز فراہم کرنے کا ذمہ دار تھا۔ ڈویژنل چیف گسٹ اس کا امیج بہتر بنانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے چارلی کی سی آئی اے میں موجود اپنے ساتھیوں سے صلاحیتیں منوانے کے لئے تیزی سے کام کیا۔ اس موقع پر چارلی نے بھی واشنگٹن میں اپنی اہمیت کے بارے میں نوٹس لینا شروع کیا تو اس پر پہلی مرتبہ آشکار ہوا کہ لوگوں کے دل میں اس کے بارے میں واقعی عزت واحترام ہے۔

پنٹاگان کے سینئر حکام صدر ریگن کے قریبی ساتھی اور کانگریس کے ارکان بھی اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کررہے تھے۔ ان میں سے کچھ تو افغانستان کو ''چارلی کی جنگ'' کہتے تھے۔

مجاہدین واشنگٹن آکر چارلی سے ملاقات کرتے تو اس کے دفتر آتے ہوئے ایسے لگتے جیسے کسی مجلس میں شامل ہونے آئے ہیں۔ وہ چارلی کی پرجوش بات بڑے خوشگوار موڈ اور ماحول میں سنتے تھے۔ چارلی ان کو اپنے میز پر پڑے اورلیکن کا ماڈل دکھاتے ہوئے کہتا کہ یہ ہتھیار آپ کے ہاتھ میں ہوگا جس سے روسی پائنڈز گرائے جاسکیں گے۔

کینیڈی سنٹر میں موج میلے کے لئے چارلی ولسن کو ہر سال ایک حسینہ کی ضرورت تھی۔ اس سال اس کی نظر سابق مس امریکہ جوڈی اینڈرسن پر پڑ گئی۔ یہی بیوٹی کوئین چارلی کے ساتھ لمبے عرصے تک رہی وہ جتنی مرتبہ افغانستان وار کے حوالے سے اس علاقے میں آیا وہ اس کے ساتھ تھی۔ جوڈی کو ولسن نے پاکستان کے دورے کے دوران صدر جنرل محمد ضیاء الحق سے بھی ملوایا تھا۔

چارلی الشنکو نامی خاتون کے ساتھ بھی دوسرے ممالک کے دورے کرتا رہا۔ وہ اس کے ساتھ فرانس گیا تو زیادہ شراب نوشی کے باعث اس کی حالت غیر ہوگئی۔ پھر اس کو کئی ماہ تک فرانس وربالآخر امریکہ میں زیرعلاج رہنا پڑا پھر آٹھ ڈاکٹروں کے بورڈ نے اسے شراب نوشی سے منع کر دیا۔



Charlie's Irregulars

چارلی ولسن ہر روز صبح ممبران کو ساتھ لے کر اپنے ریبرن آفس سے کیپٹل چلا جاتا یہاں
سر بفلک گنبد نما عمارت میں داخل ہونے کے بعد نیچے کمرے میں داخل ہوتا۔ گیٹ میں داخلے
سے لے کر کمرے کے اندر جانے تک سکیورٹی گارڈ احترام سے کھڑے رہتے تھے۔ اس مخصوص
کمرے میں چارلی اور اس کے ساتھ آئے ممبران کے علاوہ کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔
اس حساس ترین کمرے میں سی آئی اے کی بریفنگ کے ساتھ ساتھ اسے نیشنل انٹیلی جنس کی کاپی
فراہم کی جاتی تھی۔ چارلی واحد کانگریس مین تھا جسے افغانستان میں جاری روسیوں کے خلاف
مجاہدین کی لڑائی اور روسیوں کی ہلاکتوں کے بارے میں لحہ بہ لحہ باخبر رکھا جاتا تھا۔ اس کمرے میں
گسٹ بریفنگ دیتا تھا۔ چارلی ہمیشہ بریفنگ کے دوران یہ ظاہر کرتا کہ اس کے پاس وقت کم ہے۔
وہ ایوراکوٹوس سے ایک ہی سوال کرتا جس سے ایوراکوٹوس کو جواب دینے سے چڑ سی تھی وہ پوچھتا
تھا۔ ''ایوراکوٹوس! تم نے افغانستان میں کتنے ہائنڈز (Hinds) مار گرائے ہیں؟'' جواب میں
گسٹ کہتا'' چارلی! اس میں ابھی وقت لگے گا'' ایوراکوٹوس کو افغانستان جانا ہوگا تاکہ یہ مجاہدین کو
سکھا سکے کہ نئے ہتھیار کیسے استعمال کرتے ہیں چارلی کو ایوراکوٹوس پر پورا بھروسا تھا لیکن وہ اسے
اس خطرناک علاقے میں نہیں بھیجنا چاہتا تھا۔

1985ء کے آخر میں چارلی نے فیصلہ کیا کہ اسے افغانستان میں اپریشن کے لئے صرف سی

آئی اے پر ہی تکیہ نہیں کرنا چاہئے۔ ایرو پری ایشن نے اسے اہلیت دی ہے کہ وہ موقع کے مطابق
اپریشن کرے۔ یہیں سے شنیبل سامنے آتا ہے۔ شنیبل چارلی ولسن کے لئے امریکہ افغان لابی کرتا
تھا۔ اس دوران چارلی ولسن کو چند ہفتے ہسپتال میں گزارنا پڑے تو شنیبل اس کے مشن کو آگے
بڑھاتا رہا۔ وان فورسٹ عام سا کانگریس مین تھا۔ شنیبل نے اسے چارلی سے ملانے کی کوشش
کی۔ چارلی اسے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن جب اسے بتایا گیا کہ وہ افغانستان گیا تھا اور ویتنام جنگ
کے دوران وہاں میڈیکل سٹاف کا ممبر تھا تو چارلی ولسن نے اس سے ملنے کی حامی بھر لی۔ امریکی
حکومت نے اپنے کسی بھی ملازم پر افغان وار زون میں داخل ہونے کو ممنوع قرار دے رکھا تھا۔
اس کے باوجود فوریسٹ وہاں چلا گیا۔ اسے مجاہدین کے کاز سے دلچسپی اور مکمل اتفاق تھا۔ وہ
کیتھولک مشن کے ساتھ پاکستان آیا تو افغانستان گیا تھا۔ اس وقت تک مجاہدین کو جدید ترین اور
خطرناک اسلحہ فراہم نہیں کیا گیا تھا۔ یہ 1984ء کی بات ہے۔ اسے سی آئی اے یا پنٹاگان کے کسی
پروگرام سے آگاہی نہیں تھی۔ اس نے اپنے ویتنام کے تجربے کے پیش نظر اپنے طور پر پروگرام
تشکیل دینا شروع کر دیا۔ فوریسٹ کیتھولک مشن جو نا'' نائٹس آف مالٹا'' کے ممبران پر مشتمل تھا۔
واشنگٹن میں ایک تقریب کے دوران فوریسٹ کو بھی اس کا ممبر بنا دیا گیا تھا۔ نائٹس آف مالٹا میں
دنیا کی بہت اہم مشنری شخصیات شامل تھیں۔ فوریسٹ پاکستان سے واپسی پر روم گیا تو اس نے
بڑے معززین سے ملاقاتیں کیں۔ واشنگٹن پہنچنے پر اس نے روم فون کر کے کہا'' مجھے یقین ہے کہ
مفتی اعظم روم میرے بارے میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر کیسی کو خط لکھیں گے کہ کیا افغانستان
کے معاملات پر میری رائے نہیں لی جاسکتی؟''

فوریسٹ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی تیزی سے پیش رفت ہوگی۔ چند دن بعد وہ کیسی کے
دفتر میں تھا۔ اب یہ ایک نائٹ کی دوسرے نائٹ سے ملاقات ہو رہی تھی۔ کیسی نے اس کی افغان
پالیسی پر دلچسپی کا خیر مقدم کیا اور اسے سی آئی اے میں موجود ایک اچھے کیتھولک ایڈ جگ سے ملا
دیا، وہ سی آئی اے میں ایسوسی ایٹ ڈپٹی ڈائریکٹر آف آپریشن تھا۔ اس نے فوریسٹ کو پسند کیا اور
اسے سنجیدگی سے لیا لیکن اسے رائیٹسٹ قرار دیدیا تاہم اس نے آئیڈیاز کو پاکیزہ ضرور قرار دیا۔
اصل میں سی آئی اے میں فوریسٹ جس سے بھی ملا اسے کسی نے لفٹ نہ کرائی اس کو ایوراکوٹوس
نے بھی ملنے سے انکار کر دیا تھا لیکن شنیبل کی سفارش سے وہ اب چارلی ولسن کے سامنے بیٹھا تھا۔

اس نے جو کچھ کہا چارلی نے اسے بہت پسند کیا۔

اس نے چارلی کو بتایا ''افغانستان سے واپسی پر اس نے بیوروکریسی کو چھان مارا لیکن کہیں بھی مجاہدین کے لئے اعلیٰ معیار کے ہتھیاروں کی تیاری کی کوئی کوشش سامنے نہ آ سکی۔ سی آئی اے اور ملٹری میں بھی کمیونسٹ گوریلوں کے خلاف لڑنے کے لئے ایسا کچھ نظر نہیں آیا لیکن میں نے پنٹاگون کے تکنیکی لینڈ وارفر ڈویژن میں ایک گروپ کا پتہ چلایا ہے جو ایسے خطرناک ہتھیار بنا سکتا ہے جن کو گدھے کی پشت پر رکھ کر ادھر ادھر لے جایا جا سکے اور روسیوں کو مارا جا سکے۔ ان کو صرف ایک موقع دینے کی ضرورت ہے پھر وہ سب کچھ کر دکھائیں گے''۔

وان فوریسٹ کی واشنگٹن میں معمولی حیثیت تھی۔ وہ اس قابل بھی نہیں تھا کہ پنٹاگان میں کسی سے بات کر سکے یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اس کے مشورے پر ہتھیار بنانے کے لئے لاکھوں ڈالرز کے فنڈز فراہم کر دیئے جائیں۔ چارلی ولسن اس کی تجاویز کا قائل ہو چکا تھا۔ اب ان خطرناک ہتھیاروں کی تیاری کیلئے فنڈز کی ضرورت تھی۔ منظوری کے لئے کانگریس روٹین کی کارروائی کرتی تو اس کے لئے اسے کم از کم 3 سال درکار تھے۔ چارلی اس کے لئے شارٹ کٹ چاہتا تھا لیکن یہ وزیر خارجہ کی منظوری کے بغیر ممکن نہیں تھا۔



چارلی کو معلوم ہوا کہ اس کی دوست جوئین نے ایک پارٹی کا اہتمام کر رکھا ہے۔ جس میں وزیر دفاع وائین برگر مدعو تھے۔ چارلی کے ڈیموکریٹ ہونے کے باوجود کیسپر وائین برگر کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ دونوں اپروپری ایشن کی ڈیفنس سب کمیٹی میں شامل تھے۔ چارلی لبرل ڈیموکریٹ تھا۔ اس نے ریگن کے وسیع تر ہتھیاروں کی تیاری کے معاملے میں ہر مرتبہ حکومت کی حمایت میں ووٹ دیا تھا۔ ایسے ہی موقع پر چارلی نے وزیر خارجہ وائن برگر سے کہا تھا ''مسٹر سیکرٹری! بہت سی چیزیں ہیں جن کو میں سمجھتا نہیں اور کچھ ایسی ہیں جن سے مجھے اتفاق نہیں، لیکن آپ کہتے ہیں کہ وہ اہم ہیں تو میں ان تمام کی حمایت میں ووٹ دے دیتا ہوں'' چارلی نے وائن برگر کے لئے جو کچھ کیا اب وہ کیش کرانے کا موقع تھا۔

ناشتے پر چارلی نے وزیر دفاع سے کہنا شروع کیا مجھے 10 ملین ڈالر دیئے جائیں۔ پنٹاگان پر اس پروگرام کے حوالے سے کوئی پابندی نہ ہو، کسی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں۔ فزیبلٹی

پورس جائیں نہ ٹھیکیداری کے لئے نیلامی ہمارے پاس وقت نہ ہونے کے برابر ہے۔ مجاہدین امریکہ کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ امریکہ کی خاطر مر رہے ہیں۔ وہ امریکہ کے بڑے دشمن کے خلاف امریکہ کی جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں لیکن حکومت میں ایسا کوئی نہیں جو مجاہدین کو جدید اور غیر روایتی اسلحہ کی فراہمی کی کوشش کر رہا ہو۔ روپیہ پیسہ کوئی ایشو نہیں، یہ ایک جنگ ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ پنٹاگان کے اسلحہ بنانے کا یماہرین کو چھوٹے اور بڑے ہتھیار بنانے کے لئے آزاد چھوڑ دیں تا کہ یہ چند ہفتوں میں مجاہدین تک پہنچا دیئے جائیں۔ آخر میں میں اجازت چاہوں گا کہ اس پروگرام پر مجھے کچھ کنٹرول بھی دیا جائے''۔

چارلی نے بات ختم کی تو وائن برگر نے پروگرام کی قانونی حیثیت پر تحفظات کا اظہار کیا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے ہاں کر دی اور چارلی کو مکمل حمایت کا یقین دلا دیا۔

اب چارلی کے لئے اپروپری ایشن کی سب کمیٹی سے اس پروگرام کی منظوری لینا کوئی چیلنج نہیں تھا۔ پہلے تو چارلی نے اس پروگرام پر سی آئی اے کے ذریعے عمل کرنے کا ارادہ کیا تا کہ گسٹ اس پروگرام کو چلا سکے لیکن ایورا کوٹوس ایسا نہیں چاہتا تھا۔ پھر چارلی نے لابی کرنا شروع کر دی کہ مجاہدین کے لئے ہتھیار بنانے کا ٹھیکہ زیڈ وی آئی انجینئرز کو دیا جائے تاہم چارلی ہارس کا کنٹریکٹ اسرائیل کو بھی ملنا چاہیے۔

ایورا کوٹوس مسلم جہاد میں اسرائیلی ہتھیاروں کی کسی بھی سطح پر فراہمی کو مناسب قرار نہیں دیتا تھا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ اس سے سعودی عرب کی ناراضگی کا خدشہ تھا۔ جو اس پروگرام کے لئے آدھی رقم دیتا تھا۔ اگر یہ بات منظر عام پر آ گئی کہ سی آئی اے مجاہدین کو اسرائیل کے تیار کردہ ہتھیار فراہم کر رہا ہے تو عالم اسلام کے سرگرم رہنما امریکہ کی حمایت سے دست کش ہو جائیں گے۔ ایورا کوٹوس کے اس سے بھی زیادہ تحفظات تھے جو وہ چارلی کے ساتھ ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بوجوہ ویپن اپ گریڈ پروگرام سی آئی اے کے بجائے پنٹاگان کے پاس چلا گیا اس معاملے پر چارلی نے بھی زیادہ آواز نہ اٹھائی۔ چارلی نے کئی سال بعد کہا کہ پنٹاگان میں موجود یہ چھوٹے سائنسدان بیوروکریسی کی پابندیوں سے آزاد ہو کر بہت کچھ کر سکتے تھے، ہم نے ان کو تھوڑی سی رقم دی اور ان کو تمام قانونی بندشوں سے آزاد کر دیا۔ وہ جنونی قسم کے سائنسدان تھے۔ وہ آتشیں اسلحہ بنانے سے محبت کرتے تھے لیکن ان کو کاغذی کارروائی، طریقہ کار کی پیچیدگیوں اور انتظار کرنے

سے نفرت تھی۔اس پروگرام کے اہم کرداروں میں برنارڈ اور اس کا بھائی تھا۔وہ اپنے والد کے
گیراج میں کام کرتے تھے،ان قلعی گرقسم کے کاریگروں کو اتنی رقم دی گئی تھی جس سے بمشکل ٹاٹا
کی 600 سیٹیں خریدی جاسکتی ہیں۔

چارلی ولسن کی مہربانی کی وجہ سے ان کاریگروں نے دن رات ایک کر کے چند ہفتوں
تباہ کن قسم کا اسلحہ تیار کر دیا۔ان میں سے ایک کا نام سپینی مارٹر رکھا گیا یہ آج کے دور کے لیزر گا
میزائلوں کی مانند تھا۔مجاہدین امریکن نیوگیشن سیارہ کے ذریعے اسے ٹارگٹ تک پھینکنے پر قاد
چکے تھے۔نشانے میں یہ چند انچ بھی ادھر ادھر نہیں ہوتا تھا۔یہ جدید ترین ہتھیار ایسے لوگوں
پاس تھا جن کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ٹائلٹ کیا ہوتا ہے۔

بلٹ برنارڈ سٹیشن چیف جس کا بعدازاں جنگ پر کافی کنٹرول تھا کی حکمت تھی کہ مجاہد
ہر تین ماہ بعد دشمن کو خوفزدہ رکھنے کے لئے نیا تباہ کن ہتھیار دے دیا جائے اس کا مقصد یہ تھا ک
آرمی کو یقین ہو جائے کہ مجاہدین کے پاس اس سے بھی زیادہ تباہ کن ہتھیار آ سکتے ہیں۔سپینی
پہلی بار استعمال کیا گیا تو اس نے ریڈ آرمی کی پوری "سپیناز" (کمانڈو) کمپنی مکمل طور پر تباہ
اور اس پوسٹ کا کمانڈر ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔

برنارڈ بڑا پرجوش تھا اس کی سوچ تھی کہ ایسے لوگ جو ریڈ آرمی کو غلیل تیر کمان اور ہلکے
ہتھیاروں سے مار رہے ہوں ان کے پاس سیٹلائٹ مارٹر آ جائیں تو طاقتور ترین دشمن کو بے بس
کے رکھ دیں گے۔تباہ کن ہتھیار کو سپینی مارٹر نام صرف اس کی اصلیت کو چھپانے کے لئے دیا گ
حالانکہ اس کا سپین سے کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا۔اس میں استعمال ہونے والے زیادہ تر پرز
اسرائیل کے بنے ہوئے تھے۔

شنیبل اور فوریسٹ اس اسلحہ پروگرام کا سرکاری طور پر کبھی حصہ نہیں رہے تنظیمی چارٹ
چارلی ولسن کا نام بھی کبھی نہیں لکھا گیا لیکن اس پروگرام میں دونوں پوری طرح ملوث تھے
دونوں کی چارلی سے میٹنگ ہوتی تھی کاریگروں کو یہی ہدایات دیتے تھے کہ کس قسم کا اسلحہ بنانا
میٹنگ میں تینوں آنے والے تباہ کن اسلحہ کی تیاری بارے بڑے دوستانہ ماحول میں بات کر
تھے ان میں سے ایک نے لیٹتے ہوئے کہا"میں اس مجاہد کے چہرے کے تاثرات دیکھنا چاہتا
جو اپنے گدھے پر یہ اسلحہ لاد کر چلانے کے لئے لے جا رہا ہو"۔

چارلی ولسن مولوی یونس خالص کے سامنے سپینش اسلحہ کے بارے میں شیخی بگھار رہا تھا کہ
خ داڑھی رکھنے والے افغان کمانڈر نے اسے کہا کہ روس نے افغانستان میں لاکھوں بارودی
نیں بچھا دی ہیں کیا مجاہدین کو ان سے بچانے کے لئے حفاظتی سوٹ فراہم نہیں کر سکتا؟

"نہیں" چارلی نے جواب دیا اور ساتھ ہی وضاحت کر دی کہ مجاہدین کے پاس جلد اس
ے بھی جدید آلات ہونگے۔کسی پہاڑی چوٹی پر بیٹھ کر بارلیش مجاہد ایک آلے کے ذریعے میلوں
ر روسی کیا ؤنڈ میں ہونے والی تمام نقل و حمل ویڈیو کیمرے سے دیکھ سکے گا اور اسے تباہ کر سکے گا۔
لہ ساز ٹنکرز پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ایک فری لانس ٹنکرز نے بھی ایک خطرناک ہتھیار بنا ڈالا۔وہ
ہتھیار چارلی کو دکھانے کے لئے لے جا رہا تھا کہ راستے میں خود بخود چل گیا جس نے ایک گیس
یشن کو آگ لگا دی۔یہ سٹیشن کیپٹل کے قریب واقع تھا۔ایک لمحے کو ایسا لگا کہ اب سارا پروگرام
م ہو جائے گا۔اس حادثے کا ذمہ دار فورسینا کا جاننے والا پرتگیزی کرنل تھا۔اس پائلٹ نے
یتنام کی جنگ میں 200 مشن کئے تھے۔اس نے زمین سے ہوا میں مار کرنے والا **سٹنگر**
زائل تیار کیا تھا کندھے پر رکھ کر چلانے والے اس میزائل سے جہاز بھی تباہ کیا جا سکتا تھا۔اسے
ہدین آسانی سے لے کر گھوم پھر سکتے تھے۔یہ کرنل بھی مجاہدین کا زبردست حامی تھا۔اسے یہ
ھیار تیار کرنے کے لئے معمولی سی رقم دی گئی تھی۔کرنل یہ ہتھیار شنیل اور فوریسٹ کو دکھانے لایا
ا۔اگلے دن اسے چارلی کے سامنے پیش کرنا تھا۔کرنل نے شراب پیتے ہوئے شیخی بگھیری اور انکو
ہتھیار دکھانے کے لئے انہیں پک اپ کے پاس لے گیا۔اس نے اٹھا کر اسے سیدھا ہی کیا تھا
لہ وہ فائر ہو گیا اس نے بڑی گن لائیو اسلحہ سے لوڈ کر دی تھی۔وہ اس موقع پر بتا دیا تھا کہ یہ ہتھیار
یلوں دور روسی قلعے کی کنکریٹ کی دیوار میں 4 فٹ گہرا شگاف ڈال سکتا ہے۔اس کے فائر ہوتے
ہ اس نے پہلے ایک ٹرک کو نشانہ بنایا پھر کار کو اڑا کر رکھ دیا اور آخر میں دو گیس پمپوں کو آگ لگا
ی۔کرنل بل ڈلگر اپنی جیپ میں فرار ہو گیا اس نے اس اسلحہ بارے مینوئل کا پشتو میں ترجمہ کرایا
ا۔یہ مینوئل بھی وہیں اسلحہ کے ساتھ گر پڑا تھا۔اس حادثے کی خبریں فوری طور پر ٹی وی چینلو سے
ر ہونے لگیں۔خبروں میں اسے دہشت گردی قرار دیا گیا وہاں سے ملنے والے پشتو مینوئل کو
ہشت گردانہ لٹریچر کہا جا رہا تھا۔ڈلگر وہاں سے بھاگ نکلا تھا تھوڑی دیر بعد اس کے حواس درست
وئے تو وہ واپس موقع پر پہنچ گیا۔اس دوران حکام کو یقین ہو گیا تھا کہ کرنل ڈلگر دہشت گرد ہے۔

اس کے بعد حساس اور پیچیدہ صورتحال پر بات ہوئی تاہم ڈلگر کو نہایت ہی غیر ذمہ دار حرکہ کا مرتکب قرار دیتے ہوئے اسے تمام نقصان پورا کرنے پر مجبور کیا گیا شنیل کی کار تباہ ہوگئی تھی لیکہ اس نے کوئی کلیم نہیں کیا تھا یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سی آئی اے نے یہ اسلحہ نہیں خریدا تھا۔

چارلی اور اس پروگرام پر کام کرنے والے تمام لوگ سکینڈل سے بچ نکلے تاہم اس واقعہ افسوس اپنی جگہ ضرور رہا۔ اس کے باوجود پروگرام جاری رہا البتہ یہ یقیناً ثابت کر گیا کہ حکومتی ڈسپلہ کے بغیر کوئی بھی کام منظم طور پر نہیں ہو سکتا۔



1985ء کے آخر میں فوریسٹ نے ایک بڑی اچھی تجویز دی جس پر عمل کرانے کے لہ چارلی ولسن نے اپروپری ایشن کمیٹی کے اجلاس میں اٹھانے کی حامی بھری۔ نائٹ آف مالٹا بتایا کہ مہاجر کیمپ اور وارزون کے دورے کے دوران اس نے نوٹ کیا کہ مجاہدین اور ان کی فیملیز تقریباً ہر ضرورت زندگی درکار ہے۔ ان کو جوتے، ٹینٹ، کمبل، ادویات، کپڑوں اور دیگر سامان ضرورت ہے۔ ہماری فوج کے ویئر ہاؤس ایسی چیزوں سے بھرے پڑے ہیں اور یہ سامان یہا پڑا خراب ہو رہا ہے۔ کیوں نہ یہ مجاہدین اور ان کے خاندانوں کے لئے بھجوا دیا جائے۔ فوریس قانون کا مطالعہ کیا اور بتایا کہ پنٹاگون فالتو سامان مجاہدین کو انسانی ہمدردی کے تحت تحفتاً دے سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ سامان وہاں تک پہنچانے کا چیلنج تھا۔ یہ مسئلہ بھی فوریسٹ نے حل کر دیا۔ اس نے ولسن کو بتایا کہ امریکی ایئرفورس کے پائلٹ اپنی تربیت کے لئے ہر ماہ اپنے فلائنگ آور پورے کرنے کے لئے C-5A کارگو جہازوں کو کئی کئی گھنٹے خالی اڑاتے ہیں کیوں نہ ان جہازوں کو امدادی سامان سے بھر کر اسلام آباد پہنچا دیا جائے اس سے پائلٹوں اور نیوی گیٹروں کی تربیت بھی ہوتی رہے گی اور امریکہ کا بھی کوئی خرچ نہ ہوگا۔ فوریسٹ نے چارلی سے درخواست کی کہ ان فلائٹس کا نام ان کے کسی حد تک جانے والے باس کانگریس مین بل میک کولم کے نام پر رکھا جائے (اس طرح سے انسانی ہمدردی کے تحت پروازوں کی آسانی سے اجازت مل جائے گی)۔

سرکاری طور پر میک کولم پروازیں امریکہ کی کھلی انسانی حقوق مشن کا ایک حصہ تھیں لیکن پاکستان نے ابتداء میں یہ پروازیں پاکستان اترنے کی مطلق اجازت نہ دی تاہم ولسن نے صد جنرل محمد ضیاء الحق پر اپنا رسوخ استعمال کرتے ہوئے کلیئرنس حاصل کر لی لیکن سخت ترین پابندیا

کے ساتھ کہ یہ جہاز آدھی رات کو اُتریں گے اور سورج نکلنے سے قبل پرواز کر جائیں گے۔ بعض اوقات یہ عجیب وغریب صورتحال پیش جاتی کہ دیوہیکل سی آے 5 کارگو جہاز شام کو اسلام آباد پہنچ جاتا تو اندھیرا ہونے کے انتظار میں اسلام آباد کے اردگرد چکر لگاتا رہتا تھا جہاز رن وے پر اترتا تو پورا رن وے پاکستانیوں اور امریکیوں سے گھرا ہوتا تھا۔ آدھے فٹ گراؤنڈ کے سائز جتنے جہاز میں لائے گئے سامان کا وزن اڑھائی لاکھ پاؤنڈ ہوتا تھا۔ جس میں سلیپنگ بیگ، ادویات، ٹینٹ، کپڑے، کمبل اور بوٹ وغیرہ ہوتے تھے۔ سارا سامان امریکی ایئرمینوں کی سپرویژن میں اتارا جاتا تھا۔ جہازوں کے ٹچ ڈاؤن اور ٹیک آف شو آئی ایس آئی کی زیرنگرانی ہوتا تھا۔

میک کولم پرواز کو اسلام آباد آنے تک دو دن لگتے تھے راستے میں اسے ترکی یا سعودی عرب میں رکنا پڑتا تھا۔ یہاں امریکی سفارتخانے کو بعض اوقات میک کولم پروازوں کی شناخت میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ غلط فہمی کی بنا پر دوسری امریکی ایجنسی کی نگرانی میں جہاز سے سامان اتارا گیا تھا۔ یہ آپریشن شنیل کی نگرانی میں جاری رہا اس دوران وہ 12 مرتبہ پاکستان آیا یہ کسی بھی امریکی کا سب سے زیادہ پاکستان آنے کا ریکارڈ ہے۔ اس دوران اس کا سی آئی اے، آئی ایس آئی، امریکی سفارتی اور افغان کمانڈروں سے رابطہ رہتا تھا۔

ان پروازوں کو شنیل نہ صرف چھوٹے ہتھیاروں اور وا کی ٹاکی بستوں کی سمگلنگ کے لئے استعمال کرتا بلکہ واپسی پر روسی فوجیوں سے چھینے گئے فر کے کوٹ بھی ساتھ لے جاتا اور اپنے باس اور دوستوں کو تحفے میں دیتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کلاشنکوفیں اس کے 2 ہزار راؤنڈ تین رائفل گرنیڈ اور ایک ٹوکریف پستول کارپٹ میں لپیٹ کر سمگل کر کے لے گیا تھا۔

شنیل کے لئے یہ پروازیں بڑی مہم جوئی کا باعث بنیں اس دوران شاہراہ ریشم پر سیر و سیاحت کرتا اور شکار کئے ہوئے جانور اپنے دوستوں کو تحفے میں بھی دیتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے ٹیکساس کے ساتھی کو 60 کالے ہرن تحفے میں دیئے اور اسی نسل کے مزید جانوروں کی سپلائی بھی اپنے دوستوں کو جاری رکھی۔ شنیل نے حکام کو قائل کر لیا تھا کہ میک کولم پروازوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

ابھی تک شنیل اور چارلی ولسن واشنگٹن میں افغان لابی جاری رکھے ہوئے تھے۔ خصوصی طور

پر ان کا افغان فری کمیٹی سے مسلسل رابطہ رہتا۔اس کمیٹی کے ڈائریکٹر میری سپنسر کی افغانستان کے حوالے سے گہری دلچسپی تھی۔وہ مسلسل ان سے زخمی مجاہدین کے بارے میں پوچھتا رہتا اور ان کے علاج کے لئے فنڈز جمع کرنے کے بارے بھی بات کرتا تھا۔شنیل نے اس فنڈ کے لئے ضرورت سے زیادہ وقت ضائع کر دیا تھا لیکن ان زخمیوں کو امریکہ لے جانے کے لئے ٹکٹوں کا بندوبست نہ ہوسکا تھا۔ایک رات شنیل کے ذہن میں اچانک یہ بات آئی کہ میک کولم پروازیں واپسی پر خالی جاتی ہیں کیوں نہ ان میں زخمی مجاہدین کو بٹھا دیا جایا کرے۔اس نے یہ آئیڈیا چارلی ولسن کے سامنے رکھا۔چارلی نے اسے بہت پسند کیا۔اگلی مرتبہ چارلی پاکستان آیا تو اس نے افغان کمانڈروں کے گروپ کو بتایا کہ اگلی پرواز میں زخمی مجاہدین امریکہ چلے جائیں گے۔

چارلی نے مجاہدین کی امریکہ آمد کا بندوبست کر لیا تھا۔اس دوران صورتحال کبھی رقت انگیز اور کبھی مضحکہ خیز ہو جاتی تھی۔ان لوگوں کی عظمت اور شجاعت سے متاثر ہو کر جوئین ہیرنگ نے سیاست سے کنارہ کشی کر لی اور پہلی پرواز کے ذریعے ہوسٹن آنے والے مجاہدین کا استقبال کرنے ایئرپورٹ پر موجود تھی۔یہ ایک ڈرامائی صورتحال تھی پہلے پہل تو یہ حیران کن نظر آتا تھا زخمی مجاہدین کو ویل چیئرز کے ذریعے اتارا جا رہا تھا۔ان کے سروں پر آزادی کے ہیٹ تھے۔شام 6 بجے کی خبروں میں مقامی افغانیوں کو خوشی کا اظہار کرتے اور روسی پرچم کو پاؤں تلے روندتے دکھایا گیا۔امریکہ میں کئی ہسپتالوں میں ان غازیوں کو ٹھہرایا گیا۔ان بارے میں ہمدردانہ اور ان کے مشن کی کہانیاں سنی اور سنائی جا رہی تھیں۔

یہ پہاڑوں پر زندگی گزارنے والے بنیاد پرست مسلمان امریکی ہسپتالوں میں زیر علاج تھے۔یہاں نرسیں جو عموماً آدھی ننگی ہوتی ہیں۔وہ سر نہیں ڈھانپتیں، بازو اور پنڈلیاں ننگی ہوتی ہیں آدھا سینہ بھی لباس سے خالی ہوتا ہے۔یہ لوگ اپنی خواتین کو برقعے میں رکھتے ہیں۔یہاں کی نرسوں کا لباس ان کے لئے مسئلہ بن گیا تھا اور بعض تو ان حسیناؤں کو دیکھ کر باقاعدہ شیطان کے بہکاوے میں آ کر ''پھسلتے'' معلوم ہوتے تھے۔بعض زخمیوں کے رویئے کی نرسوں نے باقاعدہ شکایات بھی کیں۔اس سب کی ذمہ داری شنیل کے کندھوں پر ہی آتی تھی۔وہ معاملات سلجھانے کی بروقت کوشش کرتا رہتا۔اب جبکہ ہسپتال والوں نے شکایت کی کہ ان لوگوں نے ہسپتال کو میدان جنگ بنا لیا ہے تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کا کیا جواب دے۔

بات اس وقت بڑھی جب مولوی یونس خالص گروپ کا ایک کمانڈر آفریدی بھی زخمیوں کے ساتھ ہسپتال داخل ہوا۔آفریدی کو ایک حساس مسئلہ تھا۔اس کی بیوی ماں نہیں بن سکی تھی۔آفریدی نے اپنی بیوی کو بھی ساتھ لیا اور کسی طریقے سے میک کولم پرواز میں جگہ حاصل کر لی۔وہ اپنی بیوی کا علاج کرانا چاہتا تھا تاکہ صاحب اولاد ہو جائے۔کچھ ٹیسٹوں نے ثابت کر دیا کہ مسئلہ آفریدی کو تھا اس کی بیوی نارمل تھی۔شنیل کہتا ہے کہ آفریدی کی اپنی ہی بندوق خالی تھی اس کی بیوی کا کوئی قصور نہیں تھا۔اس ہسپتال میں دوسرے قبیلے کے لوگ بھی تھے۔آفریدی کے حامی بھی تھے۔ان لوگوں میں بنیاد پرست اور غیر بنیاد پرست کا جھگڑا چل نکلا ان کے جھگڑے نے نرسوں کو ہراساں اور خوفزدہ کر دیا۔شنیل کو فوری طور پر واشنگٹن میں اطلاع دی گئی کہ ہسپتال میں قتل عام کا خطرہ ہے اپنے قبائلیوں کو آ کر سنبھالو۔

شنیل اسی دن آخری فلائٹ سے ڈلاس آ پہنچا۔قبائلی مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔مخالف گروپ وہاں چاقو لہرا رہے تھے۔شنیل نے کہا ''میں نے سنا ہے کہ تم لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہتے ہو اگر تم راہ راست پر نہ آئے تو اگلی پرواز میں میں تمہیں واپس بھجوا دونگا۔لاؤ اپنے چاقو میرے حوالے کر دو''۔اس کی آواز پر وہ خاموش رہے پھر اس مشترکہ کاز کی بات کی ''اللہ تم سب سے محبت کرتا ہے'' اس نے دونوں دھڑوں کے درمیان کھڑے ہو کر ایک طرف اشارہ کر کے کہا ''اللہ تم سے پیار کرتا ہے اسی طرح ان سے بھی پیار کرتا ہے۔ایک دوسرے کے گلے مت کاٹو اللہ تم سے محبت کرتا ہے''۔شنیل کی ان پر اثر باتوں پر بھی وہ آپس میں ایک دوسرے پر کچھ دیر تک انگلیاں اٹھا کر یہ کہتے رہے کہ ''یہ پاگل ہو گیا وغیرہ وغیرہ''۔لیکن تھوڑی دیر بعد وہ صابر و شاکر ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ گلے ملنے لگے۔ان کے شکوے دور ہو گئے۔شنیل نے شکر کا کلمہ پڑھا وہ اس وقوعے کو خوش اسلوبی سے حل کرانے پر اپنے آپ کو ہیرو سمجھ رہا تھا اور واشنگٹن لوٹ آیا لیکن کچھ دنوں بعد اسے پھر متوقع جنگ و جدل کی اطلاع پہنچ گئی اب یہ معاملہ کافی سنجیدہ تھا۔

بنیاد پرست افغانیوں کو ہسپتال میں دی جانے والی خوراک پر بھی اعتراض تھا۔وہ کھانوں میں استعمال ہونے والا گوشت حرام سمجھتے اور نہیں کھاتے تھے۔یہ مسئلہ اٹھانے میں آفریدی سب سے آگے تھا۔مسئلہ حل کرانے کے لئے شنیل نے آفریدی کو ساتھ لیا اسے چکن ذبح کرنے والے پلانٹ پر لے گیا یہاں پر مرغی کے ذبح ہونے پر آفریدی، بسم اللہ، اللہ اکبر، اللہ اکبر پڑھتا جاتا

تھا۔اس رات مجاہدین نے پیٹ بھر کر مرغی کا گوشت کھایا۔

آفریدی یہاں شنیل اور ہسپتال انتظامیہ کے لئے دردسر بنا ہوا تھا۔اسے کموڈ (ٹائل
سیٹ) پر بھی اعتراض تھا۔اس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ ہر مجاہد کو ہفتے میں دوبار اپنے گھر والو
سے فون پر بات کرنے کا حق حاصل ہے۔ساتھ والے وارڈ میں موجود رشید ہر ہفتے دو کالیں کر
ہے۔ہمیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔اس معاملے پر بھی وہاں چاقو نکل آئے۔شنیل
نے اس معاملے میں پشاور میں موجود افغان کمانڈر سے بات کی۔اس نے آفریدی کو فون پر ا
کیا"تم افغان جہاد سے غداری کر رہے ہو تمہارا انجام عبرتناک ہوگا"۔اس کے باوجود آفرید
کے رویئے میں کوئی فرق نہ آیا۔شنیل کہتا ہے کہ جب آفریدی لیک کولم پرواز سے واپس اپنے قبی
میں پہنچا تو ان لوگوں نے اسے پھانسی دے کر اس کی لاش کو عبرت کے لئے باہر پھینک دیا۔

ہسپتالوں میں مزید بھی کئی بدمزگیاں ہوئیں لیکن زخمیوں کے اس پروگرام سے افغان جنگ
سے لاعلم امریکیوں کو کافی حد تک آگاہی ہوئی۔اب ہسپتالوں سے ان مجاہدین کے حوالے
خبریں اور کہانیاں نکل کر اخبارات کی زینت بن رہی تھیں۔ان زخمیوں کو جہاد کا ہیرو قرار دیا جا
تھا وہ روس کے خلاف امریکہ کی جنگ لڑ رہے تھے۔

چارلی ولسن تمام پروگرام کو بتدریج پھیلاتا جا رہا تھا۔اب خود ان کی زندگیاں خطرے
دوچار تھیں۔اس دوران اس کا دفتر بالی ووڈ کی فلموں کے سٹیج کا منظر پیش کرتا تھا۔اس کے دفتر م
بار ریش افغان کمانڈروں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔پاکستانی جرنیل آ رہے ہیں۔اسرائیل سے موسا
کے ایجنٹوں، سعودی شہزادوں،، مصر کے اسلحہ ایجنٹوں اور فیلڈ مارشلوں سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں
سی آئی اے سیشن سربراہ، ڈویژنل سربراہ، پنٹاگان کے اسلحہ ساز، انٹیلی جنس، تجزیہ نگار، ر
ماہرین اور اسلحہ ماہرین آتے جاتے رہتے تھے۔ان سب کے ساتھ جنگ کے حوالے سے با
ہوتی تھی۔روسیوں کو تہ تیغ کرنے کی بات ہوتی تھی۔یہ سلسلہ امریکہ سے ہزاروں میل دور جار
تھا۔ان ملاقاتوں میں تباہ کن ہتھیاروں کی تیاری کے خیالات کو آخری شکل دی جاتی تھی۔



The Silver Bullet

کیلیفورنیا میں ڈائنامک پلانٹ لگایا گیا تھا۔اس علاقے کو رانچو کوکا مونگا کے نام سے جانا
جاتا ہے۔اس بلڈنگ میں 600 مقامی عورتیں جن کی عمریں 20 سے تیس سال کے درمیان تھیں
مختلف پرزے جوڑ کر سلور بلٹ بناتی تھیں۔یہ سلور بلٹ افغانستان میں موجود روسی فوجیوں کا قلع
قمع کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔اس عمارت میں تقریباً تمام عورتیں ہی کام کرتی تھیں۔
ان عورتوں میں اکثر خوبصورت اور سمارٹ تھیں۔جینز ان کا لباس تھا۔متعدد عورتیں بچوں والی
تھیں۔ان کا کام چھوٹی چھوٹی تاروں کو جوڑنا، مائیکروسکوپ اور میگنیفائر کے ذریعے سرکٹ کی
مولڈنگ کرنا تھا۔اس کام کے لئے نہایت احتیاط کی ضرورت تھی۔ان خواتین کو شروع میں 4.80
ڈالر فی گھنٹہ اجرت دی جاتی تھی اور سنیارٹی کے حوالے سے بعض کی اجرت 11 ڈالر ہو گئی تھی۔یہ
خواتین 8 گھنٹے کی شفٹوں میں کام کرتی تھیں لیکن 1985ء میں امریکہ کے لئے سٹنگرز کی اشد
ضرورت محسوس کی گئی تو بلڈنگ 600 میں چوبیس گھنٹے کام ہونے لگا۔اس عمارت کے کچھ حصے
بالکل ممنوعہ علاقے قرار دیئے گئے تھے۔یہ کسی ہسپتال کے آپریشن تھیٹر کی مانند تھے۔ان کمروں
میں داخل ہونے والی خواتین اور کچھ مرد سفید گاؤنز اور پلاسٹک کی ٹوپیاں پہنتے تھے۔یہ
جیروسکوپس، مائیکروسائز کی جوڑوں اور کوائلز پر کام کرتے تھے۔بعض پارٹ کے درمیان فاصلہ
ایک انچ کا پانچ ہزاروں حصہ ہوتا تھا۔یہ لوگ یہیں پر ان کی فٹنگ کرتے تھے۔آخر میں کیا معرض

وجود میں آتا تھا 25 پاؤنڈ وزنی گہری سبز ٹیوب جسے گراؤنڈ پر لڑھکایا جا سکتا تھا، فریز کیا جا سکتا تھا جھیل میں پھینکا جا سکتا یا کہیں بھی سٹور کیا جا سکتا تھا۔ یہاں موجود انجینئر اور سائنسدان یہی جانتے تھے کہ یہ امریکی فوج کی ضرورت کے لئے بنائے جا رہے ہیں۔ اس کا استعمال نہایت سادہ اور آسان تھا کہ ایک معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا اور تربیت یافتہ آدمی اسے کندھے پر رکھ کر فائر کر سکتا تھا۔ جس سے سگ یا رینج میں آنے والا کروڑوں ڈالر مالیت کا ہیلی کاپٹر منہ کے بل زمین پر گر جانا یقینی تھا۔

امریکی فوج کا خیال تھا کہ ان دنوں جاری سرد جنگوں کے لئے جس قدر بھی زیادہ ہو سکے سٹاک یورپی ممالک میں سٹور کر دیا جائے۔ جائنٹ چیفس نے زور دیا تھا کہ یہ اسلحہ یورپ میں ریڈ آرمی کے خلاف استعمال کیا جائے گا اور اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ افغانستان میں روسی فوج کے خلاف استعمال کے لئے ایک بھی **سٹنگر** سی آئی اے کے ہاتھ نہیں لگنا چاہئے۔ افغان جنگ کے کٹر مخالف ڈپٹی ڈائریکٹر میک مہن کو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کا مجاہدین تک پہنچنا ناممکن بنا دے۔ ویئر ہاؤس کی دیواروں پر جہاں یہ اینٹی ائرکرافٹ میزائل پڑے تھے۔ ماٹو لکھا تھا "اگر یہ اڑے گا تو مار گرائے گا" 1985ء کے آخر تک یہ میزائل امریکی حکومت نے افغانستان میں استعمال کرنے پر غور نہیں کیا تھا۔ چارلی ولسن کی سب سے بڑی خواہش اس وقت یہ تھی کہ مجاہدین کے پاس ایسا اسلحہ آ جائے جس سے روسی پائنڈز کو نشانہ بنایا جا سکے جب سی آئی اے کے ڈائریکٹر بل کیسی نے چارلی کو بتایا کہ اب تک کوئی سلور بلٹ موجود نہیں ہے جس سے روسی گن شپ ہیلی کاپٹروں اور جہازوں کو مار گرایا جائے۔ چارلی کو یقین تھا برائی کے علمبردار وہ دشمن کی طاقت کو نابود کرنے کے لئے کہیں نہ کہیں جادوئی ہتھیار ضرور موجود ہوتا ہے۔

ان دنوں افغان جنگ میں ایم آئی 24 پائنڈ گن شپ کو جنگ کا سپر ویپن قرار دیا جاتا تھا۔ یہ اسلحہ مجاہدین کی کامیابی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ ان گن شپ ہیلی کاپٹروں کے سوار یکطرفہ طور پر کارروائیاں کر کے بڑے لطف اندوز ہوتے تھے۔ ان کو اوپر سے مجاہدین کے گروہ چیونٹیوں کی مانند نظر آتے۔ ان کے لئے یہ فیصلہ کرنا ہوتا تھا کہ کس گروہ پر پہلے وار کیا جائے۔ ان کے ہزاروں گولیوں پر مشتمل برسٹ سے مجاہدین جام شہادت نوش کر جاتے جبکہ یہ پائنڈ اپنا مشن مکمل کر کے بلا خوف و خطر واپس اپنے ایئر بیس پر لینڈ کر جاتے تھے اور ان کے پائلٹ شراب و

کباب کی محفلوں میں شریک ہو جاتے۔

کسی گن شپ پائنڈ کو گرانا مجاہدین کا خواب تھا اور کسی حد تک چارلی ولسن کا بھی کنیڈی نے روس کو آگے بڑھتا دیکھا تو اس نے آدمی چاند پر پہنچا دیا لیکن چارلی کی نظر میں اب یہ بے بسی تھی کہ آخر امریکہ کے پاس ایسا کچھ کیوں نہیں جس سے مجاہدین روسی جہازوں کو نشانہ بنا سکیں۔

چارلی کو **سٹنگر** کی تیاری کا پتہ تھا لیکن 1985ء تک سی آئی اے نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بھی امریکی ساختہ ویپن افغانستان میں متعارف کرایا جائے جس سے ریڈ سکوائر حلقوں میں تاثر پھیلے کہ سی آئی اے اس جنگ میں ملوث ہے۔ اگر سی آئی اے یہ **سٹنگر** مقدس جنگ کرنے والوں کے حوالے کر دیتی ہے تو ان کو کنٹرول کون کرے گا۔ **سٹنگر** کے ذریعے خمینی کی وفاداروں کی طرف سے ٹی ڈبلیو اے گرانے کا تجربہ ان کے لئے کافی تھا۔ چارلی کہتا تھا کہ پائنڈز کے مقابلے کے لئے کوئی نہ کوئی ویپن تو ہونا چاہئے۔ یہ سوئس اور اسرائیلی چارلی ہارس، سویڈش RBS-7 کی نئی شکل ہو سکتی ہے۔ ان ہتھیاروں کو نئی شکل دیکر استعمال نہیں کیا جا سکتا تو فاسفورس چارج 12.7 ایم ایم مشین گن استعمال کی جا سکتی ہے۔

گسٹ ایوراکوتوس بھی ایسا ہی چاہتے تھے کہ ایک ہی ایسا ویپن ہو جو مجاہدین استعمال کر کے روسی جہازوں کو ملیا میٹ کر دیں۔ اس دوران ان کی ملاقات ایجنسی کے ایک اسلحہ ماہر سام سے ہو گئی سام کا بیٹا ویتنام جنگ میں مارا گیا تھا۔ انہوں نے اس کے سامنے اپنا مدعا رکھا۔ اس نے بتایا کہ مختلف ویپنز کے پارٹس استعمال کر کے وہ سلور بلٹ بنا سکتا ہے لیکن اس کے نام کا مسئلہ ہے۔ چارلی نے کہا نام کو دفع کرو یہ خفیہ جنگ ہے جس میں اسے استعمال کرنا ہے لیکن اس کی تیاری کے لئے چھ ماہ کی ضرورت تھی۔ ادھر مجاہدین مصیبت میں تھے 20 ہزار روسی فوج پاکستان سے ملحقہ بارڈر پر بھی لگا دی گئی تھی۔ افغانیوں پر تباہی اتر رہی تھی۔ اس کے باوجود ٹائمز میگزین کے مضمون میں ایک مجاہد کمانڈر کے حوالے سے لکھا گیا کہ ہم نے بہت سی جانیں گنوا دی ہیں لیکن جنگ نہیں ہاریں گے۔ افغانستان میں مکمل تباہی نظر آ رہی تھی لیکن اس نے گسٹ کو بتایا کہ خوست میں پریشانی والی کوئی بات نہیں۔ یہ ویتنام جیسی جنگوں کی طرح بڑی جنگ ہے۔ فوج نے کتنے اچھے طریقے سے ہمبر گر کی جنگ جیتی تھی۔ یہاں بہت سے امریکی فوجی مارے گئے۔ انہوں نے شاندار کامیابی حاصل کی لیکن پھر انہوں نے خاموشی سے ہمبر گر ہل کو چھوڑ دیا تو ویتکانگ پھر سے وہاں قابض ہو

گئے۔

ویتنام میں امریکہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اب دگرکو آئینے میں سب کچھ اس کے ساتھ افغانستان میں ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ روسیوں کا یہ فرض بنتا تھا کہ افغان حکومت کی مدد کریں اگر چہ یہ کٹھ پتلی حکومت تھی بظاہر ریڈ آرمی افغان حکومت کے لئے ایک شیر کے طور پر کام کر رہی تھی جس کے اس ملک میں ایک لاکھ فوجی تھے۔ ملک پر مکمل کنٹرول اسلحہ اور پیسے کے زور پر حاصل کیا گیا تھا۔ ریڈ آرمی کے سامنے کوئی قابل ذکر مزاحمت بھی نہیں تھی جس پر اس نے 70 ہزار فوج واپس بھجوا کر صرف 30 ہزار سے کام چلانا شروع کر دیا تھا۔ انہیں مزاحمت کی کوئی توقع بھی نہ تھی ایسا ہی امریکہ نے ویتنام کے بارے میں سوچا تھا۔ وہاں امریکہ اپنی فضائیہ پر انحصار کر رہا تھا یہاں روس بھی ایسا ہی کر رہا تھا۔

وکر خوست کی شکست پر زیادہ متردد نہیں تھا کیونکہ اس کے سامنے مجاہدین کی کچھ کامیاب کارروائیاں بھی تھیں۔ مجاہدین کے پاس جدید ہتھیاروں کی آمد اب چند ماہ کی دیر تھی۔ وکر سیٹلائٹ سے لی گئی روسی قافلے کی تباہی کی تصاویر دیکھ رہا تھا۔ اس قافلے پر مجاہدین نے حملہ کیا علاقے میں ہر طرف گنیں گولیاں ٹرانسمیٹر اور دیگر سامان بکھرا پڑا تھا اور مجاہدین یہ حملے مسلسل کر رہے تھے۔ وکر نے چارلی کو بتایا کہ اگر چہ یہ محدود پیمانے پر مجاہدین کی کارروائیاں ہیں لیکن یہ ایسے اسلحے سے کی تھیں جس کو برائے نام کہا جا سکتا ہے۔ اگر ان کو خطرناک اسلحہ تھما دیا جائے تو یہ کیا کچھ نہ کر گزریں گے۔ گردیز سے کابل تک مجاہدین متحرک تھے۔ وکر کی نظر میں اب ریڈ آرمی کے پاس خوست سے نکلنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اگر وہ ٹھہرتے ہیں تو ریڈ آرمی مجاہدین کے۔ پاکستان کے ذریعے سپلائی لائن سے واضح ٹارگٹ ہوگا۔ آج تک کسی جارحیت کے خلاف مزاحمت کرنے والوں کو اس وسیع پیمانے پر حمایت نہیں ملی جتنی افغان مجاہدین کو حاصل تھی۔ پاکستان نے مجاہدین کے لئے سب کچھ وقف کر دیا تھا۔ تربیت ہتھیار حتیٰ کہ مجاہدین کے ساتھ پاکستانی فوجی ایڈوائزر بھی بھیجے جاتے تھے۔ سعودی عرب کے ایک بینکر نے خزانے کے منہ کھول دیئے تھے۔ مصر اور چین بھی ہتھیار فراہم کرتے تھے۔ امریکہ سی آئی اے کے ذریعے بھی مجاہدین کی پشت پر تھا۔ مسلم ممالک اور بہت سی اسلامی تنظیمیں بھی ان کی ہر قسم کی مدد کرتی تھیں۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی سنگاپور اور دوسرے ممالک کی انٹیلی جنس سروسز بھی ان کے ساتھ تھیں۔ وکر کو واضح نظر آ رہا تھا

آخر فتح مجاہدین کی ہوگی۔

افغانستان میں مجاہدین کو لاکھوں رائفلوں، گولیوں اور مشین گنوں کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے بے تحاشا بجٹ چاہئے تھا وگر اور آیورا کوٹوس فکر مند تھے کہ سی آئی اے کیا اس مہنگی جنگ کی متحمل ہو سکے گی۔ اس وقت وہاں چارلی آ پہنچا۔ اس نے پوچھا ''کیا تم مزید 300 ملین ڈالر استعمال کرو گے؟'' یہ 300 ملین ڈالر وہ رقم تھی جو وار فیئر پروگرام کے لئے رواں مالی سال میں خرچ نہ کی جاتی تو واپس خزانے میں چلی جاتی اور مالی سال ختم ہونے میں صرف 8 دن باقی تھے۔ چارلی نے کہا کہ وہ پنٹاگان سے رقم افغان جنگ کے لئے مانگے گا اگر سی آئی اے بھی اس معاملے میں سپورٹ کرے تو معاملہ آسانی سے حل ہو جائے گا گسٹ کے مطابق سی آئی اے کے ذریعے یہ رقم افغان جنگ کے لئے مختص کرانے میں بیورو کریسی کم از کم نو ماہ لے گی۔

اس رقم کی ریلیز میں سب سے پہلی رکاوٹ پنٹاگان کی طرف سے ڈالی گئی۔ اس نے یہ رقم دینے سے انکار کر دیا۔ چارلی نے اس موقع پر پنٹاگان کے حکام پر واضح کر دیا کہ 300 ملین ڈالر اگر افغان جنگ کے لئے ریلیز نہیں کئے جاتے تو اگلے پنٹاگان کے بجٹ میں 3 بلین کٹوا دوں گا اور میں جو کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔

چارلی ولسن اس جنگ کو واضح طور پر صلیبی جنگ قرار دیتا تھا۔ اس کا اظہار اس نے ایک مرتبہ نہیں بار بار کیا تھا۔ اس جنگ میں ہر کوئی خفیہ طور پر حصہ لے رہا تھا۔ اس میں برطانوی، فرانسیسی، کینیڈین اور جرمن انٹیلی جنس سروسز حصہ لے رہی تھیں حتیٰ کہ سنگاپور کی خفیہ ایجنسی بھی ملوث تھی۔

چارلی ولسن واضح طور پر کہتا تھا کہ اب ہماری باری ہے کہ روسی جوانوں کی لاشیں بیگوں میں بند کر کے ان کے گھروں کو روانہ کی جائیں۔ جس طرح ہمارے جوانوں کی لاشیں اُس نے بھیجی تھیں۔ آؤ افغانستان کو روس کے لئے ویتنام بنا دیں۔ وہ کانگریس ہاؤس لبرل ڈیموکریٹس اور اپنے ساتھی کمیٹی ممبران کو اس مقدس جنگ کے لئے فنڈز فراہم کرنے پر محب وطن قرار دیتا تھا۔

یہ عظیم کیمونسٹ دشمن صدر، پنٹاگون، سی آئی اے یا ریاست کی جنگ نہیں تھی۔ یہ کانگریس کی جنگ تھی۔ وہ سب کمیٹی کے بانی ممبر 11 ممبران سے کہتا یہ تمہاری جنگ ہے۔ چارلی نے 300 ملین ڈالر اس وقت حاصل کر لئے جب سی آئی اے چیف سعودی عرب گیا اور یہاں سے اس نے 60 ملین ڈالر میچنگ فنڈز حاصل کر لئے۔ اب گسٹ وکر اور چارلی کے پاس 300 کی بجائے

900 ملین ڈالر کے فنڈز آ چکے تھے۔ بہت سے دوسرے امریکی باحیثیت لوگوں کی طرح
پلو بری بھی افغان پالیسی کا زبردست حامی تھا۔ یہ اس وقت پنٹاگون میں ڈپٹی انڈر سیکرٹری
آپریشن تھا۔ 1985ء میں اس نے کوشش کی کہ امریکی ساختہ ہتھیار افغانستان میں مہ
کرائے جائیں۔ ان میں وہ زمین سے فضا میں مار کرنے والے **سٹنگر** کو اہم قرار دیتا تھا
نے جتنی دفعہ بھی ان **سٹنگرز** کے افغانستان میں استعمال کی منظوری کی کوشش کی اسے
ہوئی۔ اس کے پاس اسسٹنٹ انڈر سیکرٹری دفاع فریڈ الک نے اسے کوشش ترک کرنے کو کہ
پلو بری نے جدوجہد ڈبل کر دی۔ اس سلسلے میں سفیر مورٹ البراموز، سٹیٹ سیکرٹری کے
جنس چیف اور دوسرے کنزرویٹو سفیروں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

پلو بری اور اس کے سینٹ میں حامی حتمی رائے قائم کر چکے تھے کہ مجاہدین کو با مقص
نہیں دی جا رہی۔ سی آئی اے میں موجود ضرورت سے زیادہ محتاط اور بزدل افسر مجاہ
سٹنگرز فراہم کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ پلو بری کو ایسی اطلاعات سی آئی اے کے ما
کنیس نے دی تھیں۔ جسے وائٹ ہاؤس نے انٹیلی جنس آپریشن کا ریویوانگ انچارج مقرر
کنیس بھی پلو بری کی طرح مجاہدین کا حامی اور کمیونسٹوں کا دشمن تھا۔ اسی نے پلو بری کو بتا
آئی اے میں کلیئر جارج اور میک مہن سٹنگرز کی فراہمی کی راہ میں اصل رکاوٹ ہیں۔ کنیس
ریوا کو بھی میک مہن کی مجاہدین سے دشمنی کے بارے میں آگاہ کیا۔ اس پر ایوا نے فری دی
سے مل کر ایک مہم چلائی جس میں اپنے روایت پسند حلقے کے ذمے داروں کو ہزاروں خط لکھے
جس میں لکھا ہوتا ''سی آئی اے افغان مجاہدین کو موثر ہتھیار فراہم کرنے میں ناکام کیوں۔
آئی اے نے مجاہدین کو پرانے، خراب اور ناقابل استعمال ہتھیار کیوں بھجوائے؟ اس تباہ کن
کے پیچھے آخر کون ہے؟ دیانتداری سے بتاتا ہوں کہ اس کے پیچھے میک میمن ہے جو اس
پالیسی کو ناکام بنا رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ خط سائن کر کے وائٹ ہاؤس کے چیف
سٹاف ڈونلڈ ریگن کو بھیجیں۔ اس طریقے سے میک میمن یقیناً اپنی پالیسی بدل لے گا۔

فری دی ایگل کے بانی نیل بلیئر نے ڈونلڈ ریگن کو اس حوالے سے ٹارگٹ کیا ہوا
بھی افغان جنگ کے حوالے سے روایت پرستوں کا حامی تھا۔ اس نے ایک دن ڈونلڈ
ہاؤس کے استقبالیے پر اس وقت گھیر لیا جب دونوں ایک ڈنر میں شریک ہونے والے تھے

نے کتیا کے بچے میک میمن کو سی آئی اے کے سر پر کیوں چڑھا رکھا ہے؟'' بلیئر اپنی بات کہنے میں
کسی رکھ رکھاؤ کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ پھر اس نے افغان وار کی مختصر تاریخ اس کے گوش گزار کی۔

سی آئی اے کے اعلیٰ حکام پریشان تھے کہ اب کیا کیا جائے۔ وہ تاریخ کی سب سے بڑی
بے رحم خفیہ جنگ کو مشتہر کرنے کا رسک نہیں لے سکتے تھے۔ وہ خود کو بھی پردے کے پیچھے رکھنا
چاہتے تھے۔ ان کے لئے کیسے ممکن تھا کہ وہ اسلامی انتہا پسندوں کے سر پر سوار ہو جائیں۔ میک
میمن سی آئی اے کے چیف کیسی کو خبردار کرتا رہتا تھا۔ وہ کونٹرا اور ایران کے حوالے سے معاملات
پر آزردہ تھا۔ وہ روسی جارحیت کو پاکستان کی طرف سے لگائی گئی آگ قرار دیتا تھا لیکن اس کے
تحفظات نہایت ہی نامعقول اور مضحکہ خیز تھے۔ سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر نے پہلے تو رائفلوں
کی فراہمی پر بندش کی بات کی اور **سٹنگرز** کی فراہمی کے معاملے میں تو وہ باقاعدہ ایک مخالف
پارٹی بن گیا۔ اس کے لئے اس نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔

1985-86ء میں حالات نے ایسا رخ اختیار کر لیا کہ میک میمن کے پاس خاموش رہنے
کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اس موقع پر اس نے کہا ''ہمارے پاس افغانستان میں مداخلت کرنے کا
کوئی جواز نہیں اب میرے پاس اپنے یا ایجنسی کے دفاع میں کہنے کو کچھ نہیں''۔

بالآخر پلو بری نے افغان مجاہدین کو **سٹنگرز** کی فراہمی کی جنگ جیت لی۔ اس نے اب
208 کمیٹی کے تمام ممبران کا دورہ پاکستان کا انتظام کروایا تاکہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو مجاہدین کو
سٹنگر میزائلوں کی فراہمی کے معاملات پر گفتگو کی جائے اور ان کو اس حوالے سے قائل اور مائل
کیا جا سکے۔ جنرل ضیاء الحق مجاہدین کو نئے سے نیا ویپن دینے کے حامی تھے۔ چھ ماہ قبل امریکی
آرمڈ سروسز کمیٹی کے چیئرمین سام نن کو مجاہدین کو **سٹنگرز** کی فراہمی کے حوالے سے این او سی
دے چکے تھے۔ اس وقت گسٹ بھی نن کے ساتھ تھا۔ سی آئی اے کو اس دوران ہی معلوم ہوا تھا کہ
صدر ضیاء الحق امریکہ کے ساتھ ڈبل گیم کھیلتے ہیں۔ وہ امریکہ سے کچھ کہتے اور اپنے انٹیلی جنس
چیف سے اس سے الٹ کرنے کو کہتے تھے۔ اب ضیاء الحق کی سینٹ کے وفد سے میٹنگ واشنگٹن
میں موضوع بحث بنی ہوئی تھی۔ سینیٹرز کے دورے کے بعد پلو بری کے باپ فریڈ الک نے جائنٹ
چیفس کے اعتراضات بھی ختم کرا دیئے، سی آئی اے نے بھی مخالفت ترک کر دی۔ سینٹ سیکرٹری
جارج شلز بھی مجاہدین کے حامیوں کے قافلے میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ روسیوں کو مشکلات میں

ڈالنے کے لئے جلد سٹنگرز وہاں پہنچانا چاہتے تھے اور روس کے لئے اس جنگ کو مہنگا کر
کے خواہشمند تھے۔ نیشنل سیکیورٹی کونسل نے حمایت کی حامی بھرلی تھی صدر ریگن نے دستخط کر د
جس کے فوری بعد بلڈنگ 600 میں خواتین اللہ کے سپاہیوں کے لئے سٹنگرز میزائل اسم
کر رہی تھیں۔

اس سنگ میل کو عبور کرنے کا کریڈٹ نصف درجن سے زائد حکام لینے کے دعویدار تھے
ان میں پلو بری اور کینس بھی تھے۔ ایوراکونوف اور ولسن نے ایسا کوئی کریڈٹ لینے کی کوشش نہ
کی حقیقت میں ولسن یہ جنگ دو سال قبل جیت چکا تھا جب اس نے سی آئی اے کو سوئس اور لی
خریدنے پر مجبور کیا تھا۔ یہ چارلی کے اور لیکن کی فتح تھی جس نے برطانوی بلو پائپ اور امر
سٹنگر کا دروازہ کھولا تھا۔ اب اہم یہ تھا کہ ایجنسی سالانہ پون کروڑ ڈالر بجٹ حاصل کر رہی تھ
اس جنگ میں امریکہ کا جھنڈا کہیں نظر نہیں آیا تھا۔

ولسن کہتا ہے کہ اب بھی یہ سوال سامنے تھا کہ آیا ضیاء الحق افغانستان میں سٹنگر میزائلو
کے استعمال کی اجازت دیتے ہیں؟ فروری میں اسلام آباد میں ایک ڈنر کے موقع پر چارلی
موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ضیاء الحق سے اس حوالے سے گفتگو کی۔ ضیاء الحق اس جنگ
باپ جانے جاتے تھے۔ وہ چارلی کی بات یوں سن رہے تھے جیسے وہ ان کا اپنا ایڈوائزر ہو۔ ج
ضیاء الحق نے ان میزائلوں کے افغانستان میں استعمال کو غیر یقینی قرار دیا تو چارلی نے کہنا شر
کیا۔ افغان جنگ میں ان میزائلوں کا استعمال مجاہدین کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس
پاکستان اور امریکہ کے درمیان تعلقات بہتر ہونگے۔ جنرل ضیاء اور ریگن انتظامیہ کے درم
فاصلے کم ہو جائیں گے۔ میں پاکستان کے لئے امریکہ کی طرف سے فوجی اور اقتصادی تعاو
آسان تر بنا دونگا۔ چارلی کی باتوں سے ضیاء الحق بڑے متاثر ہو رہے تھے۔ وہ تو پہلے ہی ا
جہاد میں پوری طرح ملوث تھے اور فوجی آمر پاکستان کو اس جنگ کا بیس کیمپ بنا چکے تھے۔ یہ
ضیاء کے بغیر ممکن نہ تھا لیکن امریکہ کی بھاری فوجی اور اقتصادی امداد پاکستان کو دی گئی۔ اس کا
ڈکٹیٹر پاکستان کی قربانیوں کے حوالے سے کوئی جواز پیش کرنے کے قابل نہ تھا۔ اس د
پاکستان امریکہ سے غیر ملکی امداد کی مد میں امداد وصول کرنے والا تیسرا ملک تھا اور سال بہ
چارلی ولسن تنہا اس امداد میں لاکھوں ڈالر اضافہ کرانے کا ذمہ دار تھا۔

ہر سال اپروپری ایشن سب کمیٹی ممبر پاکستان کی امداد کے حوالے سے اپنے تحفظات کا اظہار
کرتے کہ پاکستان اسلامی بم بنانے میں مصروف ہے۔ چارلی اکیلا ان کا مقابلہ کرتا۔ چارلی سی
ئی اے اور ہر کسی کو معلوم تھا کہ پاکستان بم بنانے میں مصروف ہے اور اس کے رکنے کا کوئی
کان بھی نہیں۔ اس کی ایک بات سنجیدہ تھی کہ تمام پاکستانی سیاستدان اسے بنانے کے حامی تھے۔
ں کو یقین تھا کہ بھارت کی فوجی طاقت کا مقابلہ صرف اور صرف ایٹم بم بنا کے کیا جا سکتا ہے۔
ارت پہلے ہی پاکستان پر 3 جنگیں مسلط کر چکا تھا۔

ضیاء الحق کو معلوم تھا کہ جب تک وہ مجاہدین کی پشت پناہی کرتے ہیں چارلی ولسن ان کے
اتھ ہے۔ پاکستان بم بنائے یا نہ بنائے۔ چارلی نے فروری میں ضیاء الحق سے جو مذاکرات کئے
ریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اس سے بہت خائف تھا۔ معمول کے مطابق اس رات چارلی ولسن جب
قات کے بعد ضیاء الحق کی رہائش گاہ سے روانہ ہوا تو اس کے ذہن میں یہ پوری طرح بیٹھ چکا تھا
ہ ضیاء الحق کا ہمیشہ سے خیال رہا ہے کہ امریکہ اس جنگ میں پوری طرح ملوث رہے اور اب ایسا
رہا تھا۔

بلڈنگ 600 میں تیار ہونے والے اس بارود کے ڈھیر پر صرف جنرل ڈائنا مک کے الفاظ
ج تھے۔ مجاہدین کی اکثریت انگلش پڑھنے لکھنے سے قاصر تھی ان کو ان پر لکھے ہوئے الفاظ سے کوئی
ض نہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے ان کی مدد اللہ تعالیٰ کر رہا ہے اور یہ سلور بلٹ بھی عطیہ خداوندی ہے۔



The Other Silver Bullet

ملٹ بیرڈن کواسلام آباد میں سی آئی سٹیشن کا خوش قسمت ترین چیف کہا جائے تو غلط نہ ہو
اپنے تین سالہ قیام کے دوران اس نے افغان پروگرام کو بڑے اچھے طریقے سے چلایا۔ ا
یہاں وراثت میں کامیابیوں کا سلسلہ ملا تھا جسے اس نے انحطاط پذیر نہ ہونے دیا۔

اسلام آباد سٹیشن کا چارج سنبھالنے سے قبل ایورا کوٹوس نے 1986ء میں اس کی ذاتی
پر تربیت کی تھی۔ اس سے قبل ہوورڈ ہاٹ کے چلے جانے کے بعد بل پکنی سٹیشن چلا رہا تھا۔ وہ ا
افسر تو تھا لیکن کمزور شخصیت کا حامل تھا گسٹ اس کی کمزوری کا فائدہ اٹھا چکا تھا۔ اس کے یہ بتا
کہ پکنی چارلی کی رقم کا غلط استعمال کرتے ہوئے ایجنسی کی روایات کو بری طرح پامال کر رہا
پکنی کی لینگلے سے ڈانٹ ڈپٹ ہونے لگی۔ پکنی کے حامی وکر کا فروری 1986ء میں مشن مکمل
تو پکنی مسائل میں گھر گیا۔ اس بے چارے کو غلط طور پر منی سکینڈل میں پھنسایا گیا تھا۔ جس
سیاسی منظر نامہ دھندلا ہو گیا او گسٹ کو موقع مل گیا کہ پکنی کو قبل از وقت روانہ ہونا پڑے گسٹ کو ما
تھا کہ آپ کی طاقت واشنگٹن میں ہونی چاہئے یا فیلڈ میں۔ وکر اس مشن کی تکمیل کے بعد چاہ
کہ یہاں اول درجے کے کمانڈر کی ضرورت ہے۔ بلٹ ایسا شخص نہیں تھا جو ایورا کوٹوس
ہاتھوں میں کھلونا بن جائے جبکہ ایورا کوٹوس ایسا چاہتا تھا۔ بیرڈن ٹیکساس کا رہائشی اور بڑا ا
تھا۔ وہ قدرتی طور پر ایک سیلز مین اور بہت سخت کسٹمر تھا۔ جب ایورا کوٹوس اسے ملا تو وہ کوئی

بڑا ماہر نہیں تھا لیکن 25 سالہ ملازمت کے دوران دنیا گھوم چکا تھا اور اس کا سوڈان کے جعفر
النمیری جیسے آمروں سے بھی واسطہ رہا تھا۔ اس نے گسٹ سے بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا تھا
جب گسٹ بوسٹن میں سٹیشن چلا رہا تھا اور دونوں کی اچھی جوڑی بن گئی تھی۔ اس کے بعد ایورا کوٹوس
نے اس کے ساتھ ٹیکساس میں مے نوشی میں شام بتا دی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا جب
لسٹ کو معلوم ہوا کہ بیرڈن مشرق بعید میں ڈپٹی ڈویژن چیف کا عہدہ حاصل کرنے کے لئے بیقرار
ہے۔ یہ ایک متاثر کن ٹائٹل ہے اور یہاں سے دو سال سے فیلڈ میں واپسی کا کوئی امکان نہیں۔
اس نے گسٹ کو ایک پیشکش کی۔

”میں نے تمہارے لئے جاب ڈھونڈی ہے جو تمہیں حیرت زدہ کر دے گی“۔

”اگر یہ اتنی ہی اچھی ہے تو تم خود کیوں نہیں کر لیتے؟“

”میں ضرور حاصل کر لیتا لیکن کلیئر مجھے حاصل نہیں کرنے دے گا“۔

”مجھے مزید بتاؤ“ گسٹ نے کہا۔

پھر گسٹ نے اسے پروگرام کے حوالے سے خوش کن تفصیلات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اس
پروگرام کے پیچھے ٹیکساس کا کانگریس مین چارلی ہے۔ پھر چارلی اور بیرڈن میں رابطہ ہوا تو دونوں
ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے۔ وہ اس کی وجہ دونوں کا ٹیکساس سے ہونا بھی تھا۔

اسلام آباد میں آمد پر پروگرام کے حوالے سے بہت کچھ ایسا تھا جس کا اس کو پہلے علم نہ تھا۔
اس کے لئے یہ عجیب تھا کہ امریکی صحافی افغان پروگرام کے حوالے سے کوئی سوال نہیں کرتے
تھے۔ یہ بھی عجیب و غریب تھا کہ کانگریس اور پریس کو سی آئی اے کے سب سے بڑے خفیہ آپریشن
سے کوئی سروکار نظر نہیں آتا تھا۔ جس میں سی آئی اے ہزاروں روسیوں کی ہلاکت کی کوششوں میں
معاون تھی۔ سی آئی اے بہت گندی جنگ لڑ رہی تھی۔ جس میں سی آئی اے نے لاکھوں بنیاد
پرست مجاہدین کو مسلح کیا۔ بیرڈن کو واقعتاً علم نہ ہو سکا کہ امریکہ اس جنگ سے لاتعلق کیوں ہے لیکن
اسے خود اس سے محبت تھی۔ رپورٹروں کی ایک ہی خواہش ہوتی تھی کہ ان کو جنگی علاقوں میں جانے
کا موقع مل جائے یہاں وہ مجاہدین سے ملاقاتیں کر کے نئی سے نئی کہانی بناتے رہیں۔

بیرڈن کیلئے ایک اور خوش قسمتی نیو یارک ٹائمز کا مضمون تھا جس میں پاکستان میں موجود اس
کے نمائندے آرتھر بونر نے لکھا کہ حقیقت میں میں جنگ ختم ہو گئی ہے۔ اس کی ہیڈ لائن تھی

"گوریلے تقسیم ہو گئے ہیں اور ان کی تسخیر کا خطرہ ہے"۔ یہ مضمون بیرڈن کے اسلام آباد پہنچ
شائع ہوا تھا۔ اس سے یہی تاثر ملتا تھا کہ بیرڈن کے آنے سے قبل جنگ ختم ہو چکی تھی۔ یہ تو
جانتے ہیں کہ امریکہ میں ٹائمز کو سیاست میں رائے کے حوالے سے بائبل کا درجہ دیا جاتا
بیرڈن نے محسوس کیا کہ اس آپریشن کے لئے اب کوئی جگہ نہیں ہے۔ خصوصی طور پر جب ڈان
کی خصوصی رپورٹ منظر عام پر آئی جس میں بتایا گیا تھا "سب کچھ ختم ہو گیا اور رپورٹر آگے
کے قابل نہیں ہیں"۔

گسٹ نے اسے بتایا صورتحال پہلے ہی بدل رہی تھی۔ امریکی صحافیوں اور سیاستدانوں کی
جنگ پر عدم اطمینانی کی ایک وجہ ہے۔ وہ اس جنگ کو دولت کا ضیاع سمجھتے ہیں کیونکہ غربت
خاتمے کے لئے جو رقم تھی اس سے غربت کا خاتمہ نہیں ہو سکا۔ غربت پروگرام نے غربت
مسائل حل نہیں کئے بلکہ غربت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ویتنام میں اربوں ڈالر جھونک دیئے
یہاں ناکامی کے سوا کچھ نہ ملا۔ واشنگٹن پوسٹ کے کارٹونسٹ نے اس صورتحال کو وزیر دفاع
برگر کے گلے میں ہزاروں ٹائلٹ سیٹوں کا ہار پہنا کر دنیا میں گھومتے دکھایا تھا۔ ہر کوئی سمجھتا
ناکامی کی ذمہ داری سی آئی اے ہے۔

غالباً صحافی افغان مجاہدین سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اُس وقت مجاہدین کی جدوجہد کو عا
پراجاگر کیا گیا تھا۔ صحافیوں کو ان مجاہدین کے پیچھے سی آئی اے کا کوئی کردار نظر نہیں آتا تھا۔
خوش تھا کہ وہ کسی طرف سے بھی تنقید کا نشانہ نہیں بنا۔ اس کی خوش قسمتی کہ 26 اگست کو کابل
روسی فوج کے اسلحہ کا بہت بڑا ذخیرہ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ اس کے شعلے بڑی دور دور تک
گئے۔ اس کی امریکی سیٹلائٹ کے ذریعے تصویریں بھی لی گئیں۔ اس پر ہر طرف سے خوشی
شادیانے بجائے گئے۔ سی آئی اے اپنے مجاہدین کے اس کارنامے پر بڑا فخر ظاہر کر رہی تھی
روس کا سب سے بڑا اسلحہ کا ڈپو تھا۔

بیرڈن نے اپنے کارناموں کا کریڈٹ لینے میں کبھی جھجک محسوس نہیں کی لیکن روسی فو
ڈپو کی تباہی کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی قرار دیتا تھا اس میں کسی کی بہادری یا
شامل نہ تھی۔

بیرڈن اس واقعہ کی تفصیلات یوں بیان کرتا ہے "کابل کے قریب مجاہد لکی محمد 37 ا

راکٹ اپنے گدھے کی پشت پر لادے جا رہا تھا۔ راستے میں اس کا گدھا مر گیا۔ لکی محمد نے راکٹ
کندھے پر اٹھا لیا اور پہاڑی علاقے میں بنے ایک جھونپڑی نما ہوٹل میں آ کر رک گیا۔ یہاں اس
نے راکٹ زمین پر رکھا اور تھکے ہارے مجاہد نے چائے کا آرڈر دیدیا۔ اس دوران تندور سے اس
کے راکٹ نے آگ پکڑ لی اور فائر ہو گیا۔ اس نے پرواز پکڑتے ہی پہلے ایک فاختہ کو نشانہ بنایا
جس سے اس کا ہلکا سا رخ ایک جانب ہو گیا۔ اس کے بعد یہ ایک دھوئیں کے پیچھے چل پڑا جو روسی
فوج کے اسلحہ ڈپو کے قریب سے اٹھ رہا تھا۔ اس کے بعد وہ راکٹ وہاں کھپا تو نظارہ دور دور تک
دکھائی دیا اگلے روز مجاہدین کے حملے کی کہانیاں زبان زد عام تھیں" گسٹ کہتا ہے کہ اس 37 ایم ایم
راکٹ کی قیمت 92 ڈالر تھی۔ جس نے 50 ہزار ٹن وزنی اسلحہ کے ڈپو کو تباہ کر کے رکھ دیا گسٹ کے
سامعین کو معلوم ہو گیا کہ یہ سی آئی اے کا کارنامہ نہیں تھا گسٹ نے بتایا کہ فائر راکٹ تو فری راکٹ
ہی ہوتا ہے جدھر رخ ہو جائے ادھر چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد بیرڈن دوبارہ بریفنگ دینے لگا۔ اس نے بتایا کہ اس واقعے کے دوسرے روز
سی آئی اے نے شعلے اگلتے اسلحہ ڈپو کی تصاویر اور ویڈیو پوری دنیا میں پھیلا دی۔ اس دوران میڈیا
کے پسندیدہ مجاہد کمانڈر عبدالحق نے دعویٰ کر دیا کہ یہ اسلحہ ڈپو اس کے گروپ کے مجاہدین نے اڑایا
ہے اس نے اپنی پارٹی کے بروشرز میں تصاویر شائع کیں دوسری طرف بیرڈن اس پر بھی خوش تھا
کہ روس نے اسے مجاہدین کی پر مغز کارروائی قرار دیا تھا۔ یہ اگرچہ قدرتی طور پر ہوا تھا۔ جسے کمانڈر
عبدالحق نے اپنے کھاتے میں شامل کر لیا تھا ہر کسی کو ایک ہیرو کی ضرورت ہوتی ہے گسٹ کہتا ہے کہ
ہم نے عبدالحق کو ان کا ہیرو بننے کا موقع دیدیا۔

لکی محمد جیسے مجاہد ہر روز کابل پر راکٹ فائر کرتے تھے لیکن سوویت فوج نے شہر کے گرد حصار
قائم کر لیا تھا اس لئے مجاہدین کے فائر کردہ راکٹ نشانے تک پہنچ نہیں پاتے تھے۔ مجاہدین کو اس
دوران گن شپ ہیلی کاپٹروں کی زد میں آنے اور پکڑے جانے کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ محفوظ رہنے
کے لئے مجاہدین اپنی کارروائیاں زیادہ تر رات کو کرتے تھے۔

مجاہدین ہر وقت کابل پر راکٹ باری کرتے رہتے تھے۔ یہ بھی گسٹ کی بریفنگ کا نتیجہ تھا۔
وہ موقع پر پہنچ کر زیر تربیت مجاہدین کو بتاتا کہ نشانہ لیکر راکٹ چلاتے رہو کوئی نہ کوئی تو نشانے پر
لگے گا اور یہی آپ کی کامیابی ہوگی۔

بیرڈن اسلام آباد پہنچا تو اس کے نواح میں ممنوعہ علاقے میں مجاہدین کی تربیت کا کام جا
تھا یہاں منتخب مجاہدین کو سٹنگرز چلانے کی تربیت دی جاتی تھی۔ انجینئر غفار کامیاب تر
میزائل چلانے والے مجاہدین میں سے ایک تھا۔ اس کا تعلق حزب اسلامی سے تھا۔ جس کے سر
گلبدین حکمت یار تھے۔ اس کے حوالے سٹنگر میزائل کیا گیا تو پہلے پہل وہ بڑا حیران ہوا اسا
بیرڈن افغان سرحد تک اسے الوداع کہنے کے لئے گیا تھا۔ یہاں سے وہ میزائلوں کے ساتھ ا
اور اپنے دین کے دشمنوں کے ساتھ لڑنے کیلئے افغانستان میں دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ا
ہوگیا۔ وہ ان میزائلوں کے ساتھ جنوبی افغانستان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اور اس کے ساتھی ا
آباؤ اجداد سے ذرا سا مختلف دکھائی دے رہے تھے۔ جنہوں نے انیسویں صدی میں برطا
فوج کو دو مرتبہ شکست سے دوچار کیا تھا۔ یہ سٹنگر پہلی مرتبہ اس جنگ میں استعمال ہونے وا
تھی۔ ان کی کامیابی کا سی آئی اے یا آئی ایس آئی کو کوئی علم نہیں تھا۔

سیٹلائٹ کے ذریعے سی آئی اے کی نظر مجاہدین کی کارروائیوں پر ہر وقت جمی رہتی تھ
انجینئر غفار نے جلال آباد کے قریب اپنا کیمپ لگایا۔ یہ قریب قریب وہی علاقہ تھا جہاں سے ڈ
سو سال قبل ڈاکٹر برائیڈن بڑی کوشش کے بعد اکیلا جان بچانے میں کامیاب ہوا تھا۔ ڈ
برائیڈن دس ماہ قبل کابل پر قبضہ کے لئے آنے والی فوج کا حصہ تھا۔ جنگجوؤں نے اس کو صرف
لئے زندہ چھوڑ دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے عبرتناک انجام سے برطانیہ کو آگاہ کر سکے۔

26 ستمبر 1986ء کی شام کو تین بجے غفار بڑے تفاخر کے ساتھ اپنے آباء کی روایت
عین مطابق کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جلال آباد ایئربیس کی طرف چلنا شر
کیا۔ وہ آئی ایس آئی کی تربیت کے مطابق نقشوں کی مدد سے صحیح سمت کی طرف رواں تھے۔
کے ان سپاہیوں کے قدم اس وقت رک گئے جب انہوں نے چار گن شپ ہیلی کاپٹروں کو ج
آباد ایئربیس کے اوپر اڑتے دیکھا۔ 6 سال سے جنگی جہاز اور ہیلی کاپٹر آزادانہ کارروائیاں کر
تھے۔ آج تک ایک بھی ہٹ نہیں ہوا تھا۔

انجینئر غفار کو راکٹ کی ساخت، اس کے سرکٹ، اس میں استعمال ہونے والے کر
پرزے اور اس کے فنکشن سے کوئی غرض نہیں تھی یہ معاملہ ڈیزائنر اور اللہ کے درمیان تھا۔ اس کا
اس کو گن پر فٹ کرنا نشانہ لینا اور اس کا ٹریگر دبانا تھا۔ اس کے بعد کا معاملہ بھی اللہ اور ٹارگٹ

رمیان تھا، اسے یہ معلوم تھا کہ امریکی کہتے ہیں کہ سٹنگر کو چلاؤ اور بھول جاؤ۔ یہ خود اپنے
ارگٹ کا تعاقب کریگا۔

انجینئر غفار نے جلال آباد ایئربیس پر اڑنے والے پائلٹز میں سے ایک کا نشانہ باندھا
ٹریگر دبایا تو اس کے کان کے قریب سے سٹنگر 12 سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے نکلا۔ اس موقع پر
اس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور یہ ہرنعرہ وہ اس کے ساتھ ہر مرتبہ سٹنگر چلانے کے موقع پر لگاتے
تھے۔ اب انجینئر غفار کے ایمان کی آزمائش تھی کیونکہ سٹنگر مس فائر ہوگیا تھا اور تینوں گن شپ
ہیلی کاپٹر اس مقام کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے جہاں سے سٹنگر چلایا گیا تھا۔ اب چند
سیکنڈ کا معاملہ تھا۔ پائلٹز کو اپنا ٹارگٹ سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ان لوگوں کو بھاگنے کا موقع
یئے بغیر تہس نہس کر کے رکھ دینا چاہتے تھے۔ فوری طور پر غفار اٹھا اس نے پہلے میزائل کے مس
ائر ہونے پر قطعاً مایوسی کا اظہار نہیں کیا۔ اسے اب بھی اللہ پر بھروسہ تھا۔ اس نے دوسرا میزائل
ٹھایا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ یہ درمیان والا گن شپ ہیلی کاپٹر تھا جو نشانہ بنا اور کھلونے کی طرح
اوندھے منہ زمین پر آگرا۔ اس کے بعد دوسرا پھر تیسرا سٹنگر فائر کیا تو دوسرے دو گن شپ فضا
میں ٹکڑے ٹکڑے ہوکر زمین پر آرہے۔ ہر مرتبہ سٹنگر کا ٹریگر دباتے ہوئے غفار اللہ اکبر کا نعرہ
لگانا نہیں بھولا تھا۔

افغان وار میں یہ ٹرننگ پوائنٹ تھا۔ سٹنگر نے اپنا کام کر دکھایا۔ مجاہدین سٹنگر
چلانے کے اعلیٰ ترین ماہر مانے جانے لگے تھے۔ سی آئی اے کے اعداد و شمار کے مطابق مجاہدین
کے چلائے ہوئے 10 سٹنگرز میں سے 7 نے روسی ہیلی کاپٹر یا جہاز مار گرائے تھے۔ ہر بگ کی
قیمت 20 ملین سے زائد تھی۔ اس لحاظ سے ہر سٹنگر نے سوویت یونین کو 60 ہزار ڈالر سے 70 ہزار
تک نقصان پہنچایا۔ 6 سال جاری جنگ کے دوران سوویت پائلٹ پہلی مرتبہ پریشان ہوئے
تھے۔ اب جب ان کو سٹنگرز سے مار گرائے جانے کا خدشہ ہوتا تو وہ مسلسل فلیئر پھینکنا شروع
کر دیتے تھے۔ جس سے سٹنگر جہاز کے دھوئیں کے پیچھے جانے کے بجائے فلیئر کی ہیٹ کا
تعاقب کرتا تھا۔ اب وہ نیچی پرواز سے اجتناب کرتے۔ مجاہدین کو جب وہ چاہتے نشانہ بنا لیتے تھے
لیکن اب ان کی ایسی کارروائیاں بہت کم ہوگئیں۔ مجاہدین اس کو اپنی بڑی کامیابی قرار دیتے تھے۔
اب بگرام ایئربیس پر یہ ہیلی کاپٹر بہت اونچائی سے سیدھے نیچے آتے اور سٹنگر کی مار سے بچنے

کے لئے پائلٹ ان کو مسلسل گھماتے ہوئے لاتے تھے۔ مجاہدین اردگرد سے ان کی بازی گری
لطف اندوز ہوتے تھے۔ افغانستان میں سوویت جنرل سٹاف کے ساتھ موجود روسی محا
الیگزینڈر بروخونوف روسی پائلٹوں کے بارے میں کہتا ہے کہ سٹنگر کے افغانستان میں تعار
سے قبل ان کو افغانستان کا بادشاہ کہا جاتا تھا۔ ہر کوئی ان کو سلام کرتا لیکن سٹنگرز کی زد میں
جہازوں کے آنے کے بعد خود کو ان کی رینج سے دور رکھنے کے لئے یہ بہت اونچا اڑتے تھے۔

1987ء تک مجاہدین نے اپنے اسلحہ کے ساتھ ہر روز ایک افغان فوجی جہاز یا روسی جہاز
گرانا معمول بنالیا تھا۔ گن شپ ہیلی کاپٹر مار گرائے جانے کے ڈر سے نیچی پرواز نہیں کرتے تھے
اب اونٹوں، گدھوں اور گھوڑوں کے ذریعے مجاہدین کو اسلحہ کی فراہمی بڑی آسان ہوگئی تھی
مجاہدین کے گروپ پورے افغانستان میں پھیل رہے تھے خصوصاً ایئر فیلڈز کے قریب پہنچ رہے
تھے۔ روسیوں کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا کہ ان کا کہاں انتظار ہو رہا ہے۔ اگلے سال مجاہدین نے د
جہازوں کو مار گرایا تھا۔

سلٹ بیرڈن نے لینگلے کو بھیجی جانے والی رپورٹ میں لکھا کہ سٹنگرز کے آنے
مجاہدین کا حوصلہ بلند ہوا ہے۔ اب ان کو ایک نفسیاتی برتری حاصل ہوگئی ہے۔ فضائیہ کے بغیر
کچھ بھی نہیں تھے۔ سٹنگرز آنے کے بعد اب لگی محمد کا حوصلہ بڑھ گیا اور اس کی کارروائیوں
بھی اضافہ ہوا تھا۔ مجاہدین اب روسی جہازوں کے حملوں سے بے نیاز ہوگئے تھے۔ اب جنگ
توازن یکسر بدل گیا تھا۔ سٹنگرز رکھنے والے مجاہدین اب گن شپ ہیلی کاپٹروں کو دیکھ
بھاگتے نہیں تھے بلکہ گن شپس مجاہدین کی موجودگی کا خطرہ سونگھتے ہی بھاگ نکلتے تھے۔ مجاہدین
صرف اب لینڈنگ سٹرپس کو نشانہ بناتے تھے بلکہ سوویت یونین کی بری فوج کے ٹھکانوں پر
شیلنگ کرتے۔ فوجی ٹھکانوں پر حملے اس لئے کئے جاتے تھے کہ روسی گن شپ باہر آئیں اور ان
مار گرایا جائے۔ برڈن کہتا ہے "پہلے مجاہدین شہادت کے لئے لڑتے تھے اب وہ روسیوں
مشکلات میں ڈالنے کے لئے بھی کوشاں رہتے تھے"۔

انجینئر غفار نے تین ہیلی کاپٹروں کو نشانہ بنایا تو اسے اور ساتھیوں کو پہاڑوں میں جا کر چھ
کی جلدی تھی لیکن اس نے سب سے پہلے چاروں سٹنگرز کے خول اٹھائے ان کو سنبھالا
ساتھ لیکر غائب ہوگیا۔ یہ اس نے اس لئے کیا کہ دوسرا لائیو سٹنگر دینے سے قبل پہلے کے خو

وصول کئے جاتے تھے۔ اس پر سختی سے عمل ہوتا تھا۔ انجینئر غفار نے افغانستان میں ان سٹنگرز
سے پہلا گن شپ مار گرایا تھا۔ اس لئے بھی ان خول کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ اسے اپنے دوستوں کو
بڑے فخر سے یہ خول دکھاتا تھا۔

انجینئر غفار نے 26 اگست 1987ء کی سہ پہر کو اسلام آباد میں بیرڈن کو تین گن شپ مار
گرانے کی خوشخبری سنائی تو وہ رات بھر جاگتا رہا۔ صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ اس کو اطلاع مل
گئی کہ سی آئی اے کے سیٹلائیٹ نے گن شپس کے ملبے کی تصاویر بنالی ہیں۔ تصاویر اس جگہ سے
جلال آباد ایئر بیس تک بنائی گئی تھیں۔ واقعہ کے تھوڑی دیر بعد افغان ٹاسک فورس کے چیف نے
چارلی ولسن کو مطلع کردیا "سٹنگرز نے کام کر دکھایا ہے، مجاہدین نے تین گن شپ گرا لئے ہیں"۔

چارلی ولسن تین سال سے مسلسل رات کو سوتا تو صبح اس کو یہ بتا کر اٹھایا جاتا کہ افغانستان میں
گن شپ ہیلی کاپٹروں اور جہازوں نے کہاں کہاں تباہی مچائی ہے۔ اس لئے عموماً افغانستان سے
منحوس اطلاعات ہی آتی تھیں لیکن اس کے لئے زندگی کی سب سے اہم اطلاع یہی تھی کہ
سٹنگرز نے کامیابی سے کام کر دکھایا ہے۔ اس کے بعد چارلی کو گن شپس کی تباہی کے بارے
کبھی بھی بتا کر نہ جگایا گیا۔

اگلے دنوں اور ہفتوں میں مزید گن شپ مار گرائے جانے کی اطلاعات چارلی تک پہنچتی
رہی وہ تین سال سے ایسی خبریں سننے کا منتظر تھا۔ کامیابی کی پہلی کال پر اس نے اپنے سیکرٹری کو بتایا
کہ اب اس کے ساتھیوں کے جشن منانے کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی۔

اس دن جب گسٹ ایورا کوتوس کو معلوم ہوا کہ وکر سی آئی اے کو چھوڑ کر چلا گیا ہے تو وہ بہت
مایوس ہوا وہ حکمت عملی کے حوالے سے کسی کو بھی اس متبادل نہیں سمجھتا تھا۔ ایورا کوتوس کسی پر انحصار
نہیں کرتا تھا لیکن گسٹ ایورا کوٹوس وکر کے ساتھ ڈیڑھ سال رہا تو وہ اسے اپنا دایاں ہاتھ، استاد،
ٹربل شوٹر اور جنگ کے حوالے سے تمام پہلوؤں پر اپنا مشیر سمجھنے لگا تھا۔ وکر نے اسے سکھایا تھا کہ
وسیع تناظر میں سوچو، افراتفری اور عارضی مسائل میں نہ الجھو، اس نے اسے بالکل نیا وژن دیا کہ
اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو کیسے تربیت دینی ہے۔ جو پہلے ہی اپنی جان ہتھیلی پر رکھے گھوم رہے ہیں
اور ناقابل تسخیر روسی فوج سے ٹکرا رہے ہیں۔ وکر نے ہی اسے بتایا تھا کہ افغان جنگ جیتی جاسکتی
ہے لیکن یہ کہہ کر بھی کہ اس جنگ کی قیمت بہت زیادہ ہے سی آئی اے کے تصور سے بھی زیادہ۔ وکر

نے اس کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

1985 میں جب افغان مہم پر سالانہ 50 کروڑ ڈالر خرچ ہو رہے تھے۔ یک مین پنٹاگان کو افغان پالیسی پر نظرثانی کرنے کے لئے کہا جائنٹ چیفس کے پاس اس پر تنقید کا کوئی جو نہیں تھا۔ جب وائٹ ہاؤس نے بدعنوانی کے الزامات کی اطلاعات پر پوری پالیسی پر نظرثانی حکم دیا تو وکر نے معاملہ اپنے سر لے لیا۔ اس نے صرف کرپشن پر تحفظات کے حوالے سے بات بلکہ بڑی کامیابی سے دلائل دیئے اور کہا ''صدر کو یہ خون آمیز پالیسی بند کر دینی چاہئے۔ ریڈ آر کو باہر نکالنے کے لئے نئی پالیسی اپنانی چاہئے اور اس کے لئے جو ہو کر گزرنا چاہئے''۔

ایوراکونوف کے لئے وکر کے بغیر افغان پروگرام کو چلانا ایسا ہی تھا جیسے اسے بتایا جائے اس کا ایک بازو اتار لیا گیا ہے۔ ایسا موقع تھا جب پریس مکمل تباہی اور شکست کی پیشین گوئیاں کر تھا۔ وکر نے گسٹ کو بتایا تھا کہ اس کے ذمے جو کام لگایا گیا تھا وہ مکمل ہو چکا ہے۔ اسیہ کے بار میں تمام فیصلے ہو چکے ہیں۔ تربیتی پروگرام چل رہا ہے اور سپلائی کے انتظامات مکمل ہیں۔ ٹاسک فورس منصوبے بنا رہی ہے اب ہر کام ایک ضابطے کے تحت ہی چل رہا ہے۔

ایوراکونوف کے لئے وکر کی باتوں پر یقین کرنا مشکل تھا کیونکہ اس نے اسے پاکستان م بتایا تھا کہ اب اس کا بڑا کام یہی رہ گیا ہے کہ سٹنگرز کو افغانستان میں لایا جائے او مجاہدین کو ا کے چلانے کی تربیت دی جائے۔ اسے یقین تھا کہ سٹنگر ہی روسی فوجوں کے خلاف لڑنے کا ا ترین ہتھیار ہے۔ وہ مجاہدین کی اس حوالے سے تربیت کو یقینی بنانا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے امر ماہرین پاکستانی آئی ایس آئی کو تربیت دیتے تھے۔ وہ آئی ایس آئی مجاہدین کو ٹریننگ دیتی تھی۔ و کی تجویز تھی کہ امریکی ماہرین مجاہدین کے لباس میں تربیتی کیمپوں میں داخل ہو کر مجاہدین سٹنگرز چلانے کی تربیت دیں اور آئی ایس آئی کو درمیان سے نکال دیا جائے۔ وہ جہازوں کو گرانے کی حکمت عملی سے پرامید تھا۔

اب سٹنگر کے آنے سے اس کا اصرار تھا کہ اس کا تین سالہ ماسٹر پلان مکمل ہو گیا ہے۔

1986ء کے شروع میں وکر کو احساس ہوا کہ اس پر بجٹ کے اخراجات کے حوالے سے تنق ہو رہی ہے۔ اس وقت وہ سی آئی اے کی سب سے بڑی پیراملٹری مہم چلا رہا تھا۔ اس احساس اب وہ صدمے سے دوچار تھا کہ اخراجات کے حوالے سے کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ گرچہ وہ خف

آپریشن کا انچارج تھا لیکن بیوروکریسی کو تو حساب کتاب چاہئے تھا۔ سی آئی اے میں 23 افراد ملازم ہیں بیوروکریسی کسی کو اختیارات دیتی ہے تو اس سے ذمہ داری پورے کرنے کی بھی توقع رکھتی ہے۔ گیسٹ کہتا تھا کہ وکر ایک آرمی فیلڈ کمانڈر کے طور پر کام کرتا ہے لیکن سرکاری ریکارڈ کے مطابق وہ کیپٹن یا میجر کے برابر ہے۔ یقیناً میجر رینگ کا افسر جنرل سوارزکوف جیسا کام نہیں کر سکتا۔

ٹام ٹوئین بحیثیت جونیئر ایسٹ ڈویژن ڈپٹی چیف ایوراکوٹوف کا باس تھا۔ یہ دو سال اس کا باس رہا لیکن وہ اسے خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس نے ولسن کیسی اور ڈن سے براہ راست رابطہ رکھا ہوا تھا۔ گیسٹ اور ٹوئین سے عموماً توہین آمیز لہجے میں بات کرتا اور اس کے احکام کو بھی نظرانداز کر دیتا تھا۔ چارلی ولسن اور گسٹ کے درمیان بہت جلد دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے۔

ٹوئین کی فون کال پر بھی گسٹ ایسا ہی کرتا۔ کافی دیر ہولڈ کرانے کے بعد بات کرتا تھا اور احساس دلاتا کہ وہ ضروری کام میں مصروف تھا۔ فون سے وہ ڈسٹرب ہوا ہے۔ اس سے قبل ایک اور بری صورتحال پیش آ چکی تھی۔ اولیور نارتھ نے ایجنسی پر چڑھائی کر دی کہ امریکی یرغمالیوں کی رہائی کے معاملے میں رقم فوری طور پر سوئس اکاؤنٹ میں جمع کرائی جائے۔ ٹوئین نے کہا کہ اس معاملے پر وائٹ ہاؤس کو مطمئن کیا جائے گسٹ نے کہا ''نہیں''۔

سعودی عرب افغان مجاہدین کے لئے فنڈز سی آئی اے کو دیتا تھا۔ یہ فنڈز بھی سوئس بنک میں رکھے گئے تھے۔ ٹوئین سی آئی اے کے فنڈز اور سعودی عرب کے فنڈز کو یکجا کرنا چاہتا تھا۔ جس کی گسٹ نے مخالفت کی ٹوئین نے اس سے ایک مرتبہ سعودی فنڈز کا بنک اکاؤنٹ نمبر مانگا تو گیسٹ کا سوال تھا ''کس لئے؟'' اور گیسٹ نے اس کو نمبر بتانے سے انکار کر دیا۔ اس دوران دونوں کی فون پر کافی بدمزگی ہوئی بالآخر ٹوئین نے ہیڈ آف فنانس سے یہ نمبر حاصل کر لیا۔



The Brown Bomber

گیسٹ ایوراکوٹوس کے لئے یہ بیک وقت تلخ اور شیریں لمحہ تھا جب اسے بتایا گیا کہ سٹنگر
نے گن شپ ہیلی کاپٹر مار گرایا ہے۔ ستمبر 1986ء تک اس کی عادت رہی تھی کہ ایسی کوئی بھ
اطلاع اسے موصول ہوئی تو وہ فوری طور پر چارلی سے رابطہ کرتا لیکن اب اسے افریقہ میں جانے ک
تار موصول ہوا اور بتایا گیا کہ اب اس کا افغان پروگرام کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔ اب
اسے چارلی کے ساتھ فون پر بات کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

ولسن کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کیا ہوا ہے؟ جب گیسٹ اس کے کمرے میں داخل ہوا اور کہ
''مجھے افغان پروگرام سے ہٹا کر نیا پروگرام دے دیا گیا ہے'' ساتھ ہی اس نے اپنے جانشین کا ت
تعارف کرا دیا یہ ایک دراز قد آئرش تھا۔ چارلی نے اسے خوش آمدید کہا۔ گیسٹ جتنی تیزی سے
کمرے میں داخل ہوا تھا اتنی تیزی سے باہر چلا گیا۔ ولسن نے اس کی تبدیلی کی سی آئی اے میں
تعینات کوآرڈینیٹر سے بات کی تو اس کا جواب تھا کہ یہ ایک سٹینڈرڈ آپریٹنگ پروسیجر تھا اب
گیسٹ کو اس سے اہم ذمہ داری تفویض کر دی گئی ہے۔

حقیقت یہ تھی کہ افغانستان میں پہلے سٹنگر کے ہٹ کے بعد سی آئی اے نے اٹا مک
تعینات افسروں کو سرٹیفکیٹ اور ترقیاں دیں لیکن گیسٹ کے حصے اس پروگرام کے بارے میں
سنہری یادیں رہ گئی تھیں۔ اس ترقی یا انعام نہ ملنے کا قلق نہیں اس نے کہا اپنے فرائض کی بجا آور

کے لئے کیا اور ایسا ہی اس کے باپ آسکر لیسکیر ایوراکوٹوس نے اسے کرنے کا سبق دیا تھا۔

گسٹ نے کلیئر جارج اور نسٹم کے ساتھ پیدا ہونے والے اختلافات کے بارے میں چارلی
سے کبھی بات نہیں کی تھی۔ یہ اختلافات 1985ء میں اس وقت پیدا ہوئے جب گیسٹ پاکستان
روانہ ہونے والا تھا۔ اس وقت گیسٹ ایران کا انچارج تھا۔ اس وقت اس نے وائٹ ہاؤس کو
ایران میں امام خمینی سے ڈیل کا آئیڈیا دیا تھا۔ اس کی مشکلات میں اضافے کی وجہ یہ بنی کہ اولیور
جیسے لوگوں نے بھی ایران کو اسلحہ فروخت کرنے کی تجویز دی ہوئی تھی۔

شروع میں ایجنسی ایرانی معاملات میں زیادہ ملوث نہیں تھی۔ ساری سکیم اسرائیل بنا اور چلا
رہا تھا۔ انہوں نے بڈ مک فرلین اور نارتھ کو قائل کر لیا تھا کہ ایران میں جدت پسند موجود ہیں ان
سے ڈیل کی جائے۔ یہ وہ موقع تھا جب ایران، عراق سے جنگ ہار رہا تھا۔ اس موقع پر اسرائیل کی
خواہش تھی کہ اگر صدر کچھ اپنے امریکی ساختہ ہاک میزائل فروخت کرنے کی اجازت دے دیں تو
اس سے نہ صرف یرغمالیوں کی رہائی میں آسانی ہوگی بلکہ نئے دفاعی اتحاد کی بھی بنیاد رکھی جا سکے گی
جس سے روس کو ایران میں قدم بڑھانے کا موقع نہیں ملے گا۔

ایوراکوٹوس جیسے ماہر سراغ رساں ہمیشہ یہ سوال کرتے ''فائدہ کس کو ہوگا؟'' ایواکوٹوس کا
تجزیہ تھا کہ ایران کو اسلحہ فروخت کرنے کا فائدہ اسرائیل کو ہوگا۔ اسے اس میں امریکہ کا کوئی مفاد
نظر نہیں آتا تھا۔ ایوراکوٹوس ایران اسرائیل تعلقات کی کشیدگی بارے جانتا تھا۔ انقلاب سے پہلے
آدھے ملا موساد کے پے رول پر تھے۔ خمینی کے ساتھ اسرائیل تعلقات کیوں استوار کرنا چاہتا تھا
اس کی بڑی وجہ ایران کی عراق کے ہاتھوں ممکنہ شکست تھی جبکہ اسرائیل صدام حسین کو انتہائی
خطرناک دشمن سمجھتا تھا اور وہ اس کا جنگ میں پلہ بھاری نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اسرائیل ایران کے
ساتھ تعلقات بحال کر کے چاہتا تھا کہ امریکہ اس کی مالی مدد کرے۔

سربیا اور کروشیا کے ''سیاست خانوں'' میں شراب کی فراہمی کے موقع پر گیسٹ کو اندازہ ہوا
کہ ایران میں انقلاب کے بعد امریکہ کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی ہے۔ گیسٹ کی سوچ
خوفناک حد تک پیچیدہ نہیں تھی۔ اسے کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی کہ الیور نارتھ اور نیشنل سکیورٹی کونسل کا
سٹاف ایسی کوشش کیوں کر رہا ہے۔ امریکہ کی دہشت گردوں کے ساتھ سودا بازی کی پالیسی نہیں
ہے خصوصاً یہ کہ ایران کو اسلحہ فراہم نہیں کیا تھا۔ ایران تو ان لوگوں کی پشت پناہی کرتا تھا جنہوں نے

بیروت میں امریکیوں کو یرغمال بنا رکھا تھا۔ ان کا تو سی آئی اے چیف بکلے کو یرغمال بنانے اور اس
تشدد کرنے کے حوالے سے احتساب ہونا چاہئے۔

ایورا کوٹوس بکلے کو پسند نہیں کرتا لیکن وہ اسے بچانا ضرور چاہتا تھا پھر بھی اس نے ایران
ساتھ ڈیل کرنے کا آئیڈیا ٹھکرا دیا تھا۔ ایران کو میزائلوں کی رشوت دے کر بکلے کو آزاد کر
جائے۔ اس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اسے پتہ تھا کہ نارتھ کس پر بھروسا کر رہا ہے۔ اس کے
اسرائیل اور منوچہر غوربانیفر نامی شخص تھا۔ ایورا کوٹوس ڈائریکٹوریٹ آف آپریشن برائے ا
ہونے کے ناطے ایران کے معاملات سے بہت زیادہ باخبر تھا۔ اسے ایران سے بھی رپورٹیں
تھیں کہ یہاں کوئی ماڈریٹ پاور میں نہیں ہے غوربانیفر جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ صرف کمیشن
کرنے کے پیچھے ہے اور اسرائیل کی اس حوالے سے اپنی وجوہات ہیں۔ ایسی ہی کئی وجوہات
پر اسے ایرانی پروگرام سے ہٹا دیا گیا تھا۔

جہاں تک ایورا کوٹوس کا تعلق ہے اب افغانستان میں وہ وقت آ گیا تھا جب سب
مجاہدین کی حمایت میں جا رہا تھا۔ تین سال قبل ایورا کوٹوس یہاں آیا تو صورتحال شکست کی ط
گامزن تھی۔ اب حالات فتح کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ”روس کے خلاف ہمیشہ سے زیادہ کام
پروگرام تھا۔ میں نے اسے شکست سے فتح میں بدل دیا“ ڈن جانتا تھا کہ گیسٹ اس پروگرا
ساتھ بدستور چلنا چاہتا تھا لیکن کلیئر جارج نے اس کے ڈویژن چیف کو اس کے بارے میں بر
کے ساتھ بھیج دیا کہ اس کو افریقہ میں اسائنمنٹ دے دی گئی ہے۔ اس طریقے سے جارج کلیئ
اس سے بدلہ لے لیا تھا۔

گسٹ اپنی ٹرانسفر رکوانے اس لئے کلیئر کے پاس نہیں گیا کہ اسے یقین تھا کہ وہ
احکامات واپس نہیں لے گا اور اسے پریشان دیکھ کر کلیئر مزید خوش ہوگا۔ ایران کے جدت پسند
اسلحہ فروخت کرنے کی کوشش کرنے والوں میں کلیئر جارج بھی شامل تھا۔ ان سب کی راہ میں
گیسٹ رکاوٹ تھا۔ اس نے دیگر ماہرین سے مل کر ساری صورتحال کے حوالے سے رپور
کرائی اور اس پر صرف اپنے دستخط کئے۔ یہ رپورٹ کلیئر جارج کے ذریعے ہی جانا تھی کلیئر
گسٹ رپورٹ لے کر گیا تو وہ مشتعل ہو کر چیخنے لگا اور کہا کیسی سی آئی اے چیف اسے پسند کر
کہہ کر اس نے رپورٹ پھاڑ کر پھینک دی۔ اس موقع پر گسٹ نے کہا تھا کہ اس رپورٹ کو

فالو۔ بھی ایک دن تمہیں مصیبت سے بچائے گی۔ ایسی دیگر باتوں کا کلیئر جارج کو اس پر غصہ تھا۔
ب جبکہ افغانستان میں کامیابی اس کے قدم چومنے لگی تو کلیئر جارج نے اس سے دوبارہ اسائنمنٹ
پس لے لی۔

جارج اور گسٹ دوست رہ چکے تھے۔ وہ دونوں ایتھنز میں ساتھ رہے یہاں گیسٹ نے اسے
کار کے لئے نشانہ باندھنا سکھایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا یہ دوست اس کی زندگی کو قابل عبرت بنا
کتا ہے۔ ایران پروگرام کے حوالے سے گھپلوں کی تحقیقات ہونے والی تھی گسٹ سے زیادہ اس
وگرام اور اس میں ہونے والی بدعنوانیوں کے حوالے سے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

سی آئی اے کا موقع پیش کرنے کے لئے گیسٹ کو بلایا جانا ضروری تھا۔ اس نے وہاں کچھ
ائق بیان کرنا تھے۔ ان سے کلیئر جارج خائف تھا۔ اس لئے بھی اس نے نیئر ایسٹ ڈویژن سے
ں کو افریقہ بھجوا دیا تا کہ اس کے یہاں سے دور ہونے کی وجہ سے کس اور کو سی آئی اے کا موقف
ان کرنے کے لئے بھیجا جائے۔

ولسن نہ صرف ڈیفنس اپروپری ایشن کمیٹی کا ممبر تھا بلکہ وہ انٹیلی جنس کمیٹی کا بھی رکن تھا۔ جو سی
ئی اے کی نگران تھی۔ وہ آسانی سے گیسٹ کو دوبارہ اس پروگرام پر تعینات کر سکتا تھا لیکن گیسٹ
نے سوچا کہ مجھے سزا کے طور پر افریقہ بھیجا جا رہا ہے اور میں سزا کا مردانہ وار مقابلہ کروں گا۔

چارلی سے ملاقات میں اس نے یہی کہا کہ بیک وقت میرے پاس اچھی اور بری خبر ہے۔
ی خبر یہ ہے کہ مجھے افغان پروگرام سے الگ کر دیا گیا ہے اور اچھی یہ کہ میری جگہ ڈیوائن کو لایا گیا
ہے۔ ڈیوائن ایرانی پروگرام کے حوالے سے گیسٹ کا انچارج رہا تھا۔ اس نے چارلی سے کہا کہ
یکرٹ ورلڈ میں چیزیں ایسے ہی چلتی ہیں اب میرے پروگرام سے الگ ہونے کا وقت آ گیا
ہے۔ اب چارلی میرے لئے اور افغان پروگرام کے لئے جو کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ میرے متبادل
ی کامیابی کے لئے ہر ممکن اقدام کرے۔ یہ اس ڈرامے کا افسوسناک پہلو ہے کہ گیسٹ ابھی مک
ن اور جینیا میں موجود تھا۔

یہ رہائش گاہ چارلی کے اس دفتر سے چند منٹ کی مسافت پر تھی یہاں اس نے چارلی سے
خری ملاقات کی۔ اب اسے حکم دیا گیا کہ وہ چارلی کو بتائے کہ وہ افریقہ میں ہے۔ ایک رات
ب چارلی نے اس کے پرانے فون نمبر پر رابطہ کیا تو ٹیپ چل رہا تھا کہ ”فون آؤٹ آف سروس

ہے"۔

انسانی فطرت ہے کہ اپنے متبادل کی کوئی شخص بھی کامیابی کو پسند نہیں کرتا۔ وہ اس کا ڈوبتے دیکھنا چاہتا ہے لیکن گسٹ کو افغان پروگرام سے محبت تھی وہ اس کا فخر تھا اس جنگ امریکہ کو سرخرو ہوتا دیکھنا چاہتا تھا ڈسپلن کا تقاضا تھا کہ وہ جیک دیوائن کو پروگرام کے حوالے بریف کرے۔ وہ اس کے ساتھ ایک مہینہ رہا اس دوران وہ اسے مصر، پاکستان، برطانیہ، چ سعودی عرب لے گیا جہاں اس کو متعلقہ حکام سے ملوایا اور ان سے ذاتی تعلقات کی بنیاد پر سے ہر قسم کا تعاون کرنے کی یقین دہانی حاصل کی بعدازاں اس کے ایک سینئر افسر نے کہا نے آج تک تم جیسا بہترین ٹرانزیشن نہیں دیکھا۔

گسٹ کے لئے یہ بڑا افسوسناک اور خوفناک ٹائم ہوتا جب افغان جنگ کے اہم کردار کی کامیابی پر اسناد دی جاتی تھیں روسی فوج کی شکست کے بعد سی آئی اے اڈیٹوریم میں ایسی تقر ہوتی رہتی تھیں ان میں گیسٹ بھی موجود ہوتا تھا لیکن اس کی اہلیت، قابلیت اور کامیابیوں پر ایک بھی اسے سٹرفکیٹ نہیں دیا گیا۔ ڈیوی کلیئر اور ایلین فرس اس کے بعد افغانستان میں تعینات ہو کی خدمات کا تو اعتراف کیا گیا لیکن کامیابی کی بنیاد رکھنے والے ماہر کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا گیا۔ کو ان کی عظیم ترین خدمات کے پیش نظر 25-25 ہزار ڈالر کے نقد انعامات دیئے گئے تھے بعد ایران کونٹرا اسکینڈل میں زیر تفتیش رہے۔ گسٹ کو کوئی سرکاری ایوارڈ تو نہ مل سکا تاہم سی آئی اے کرنے والے 500 مرد خواتین نے اس کو ایوارڈ دیا جو وہ ہر سال اپنے کسی کالے ساتھی کو دیتے اس مرتبہ سی آئی اے کے ہال میں بڑی بھرپور تقریب میں اس کی خدمات اور انسانی خوبیوں نظر ایوارڈ دیا گیا جس کا نام براؤن بمبر ایوارڈ تھا"۔



It's my War Goddommit

1986ء میں چارلی کے ساتھ پاکستان میں ایک عجیب وغریب اور کسی حد تک ذلت آمیز واقعہ پیش آیا۔ اسے افغان جنگ کے حوالے سے ہیرو مانا جاتا تھا حالانکہ جنگ ابھی جاری تھی۔ وہ جہاں جاتا حکام اسے گرم جوشی سے خوش آمدید کہتے تھے۔ وہ پشاور میں تھا یہاں اس نے آئی آر سی ہسپتال میں خون دینا تھا۔ اس کے بعد اس کی افغان مجاہدین سے ملاقات طے تھی۔ مجاہدین اسے دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ شام کو اسے لاہور میں ایک سرکاری ڈنر میں شرکت کرنی تھی۔ تمام پروگرام معمول اور شیڈول کے مطابق چل رہے تھے۔ شام کو فارغ ہو کر لاہور جانے کے لئے جہاز پر پہنچا تو اس کے لئے بڑی ذلت آمیز صورتحال منتظر تھی۔ پاکستان میں کہیں بھی آنے جانے کے لئے اسے سی آئی اے اسلام آباد سٹیشن کے ڈسپوزل پر فوجی جاسوسی جہاز فراہم کیا جاتا تھا۔ اس روز بھی سی آئی اے کا جہاز اسے اسلام آباد سے پشاور لایا تھا اور اب اس میں ہی اس نے لاہور جانا تھا۔ اس کے ساتھ دوسروں کے علاوہ اس کی گرل فرینڈ سوئٹم بھی موجود تھی۔ یہاں امریکی فوجی اتاشی ایئرفورس کے کرنل نے رولز سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ جہاز میں کانگریس مین کے بیوی اور رشتہ داروں کے علاوہ کوئی اور سویلین یا فوجی جاسوس طیارے میں سفر نہیں کر سکتا۔ سوئٹم سویلین خاتون تھی وہ نہ تو کسی کانگریس مین کی بیوی اور نہ رشتہ دار تھی۔ کرنل نے اسے جہاز میں سوار ہونے سے منع کر دیا۔

کرنل نے پائلٹ کو واضح طور پر حکم دیا کہ سویٹم کو جہاز میں سوار نہ ہونے دے۔ اسے اس
سے کوئی غرض نہیں تھی کہ اس سے قبل اسی جہاز پر چارلی کے ساتھ اس کی گرل فرینڈز سنوفلیک
جوئین حتیٰ کہ اس کی بیلے ڈانسر بھی سفر کر چکی تھی۔ کرنل کو اس کی پروا نہیں تھی کہ چارلی ولسن نے ا
رات لاہور میں ایک ڈنر میں شرکت کرنی ہے اور لاہور کے لئے اگلی کمرشل فلائٹ دوسرے دن
جانا تھی۔ کرنل کو اندازہ نہیں تھا کہ اس نے کیسی خطرناک جنگ کا آغاز کر دیا ہے۔ وہ چارلی کو شیخی
بگھارنے والا معمولی اختیارات کا حامل کانگریس مین سمجھ رہا تھا جسے کرنل نے اپنی دانست میں
رنگے ہاتھوں اس وقت پکڑ لیا تھا جب وہ قیمتی جاسوس جہاز میں اپنی محبوبہ کو غیر قانونی طور پر سو
کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور واضح طور پر اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر رہا تھا۔

چارلی کے محافظوں میں سے ایک نے کرنل کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا
رہا۔ اس نے پنٹاگان کو بھی اس قسم کا تار بھیجا کہ وہ وہاں سے بھی سویٹم کو جہاز پر سوار کرانے سے
انکار کر دیا گیا۔ چارلی ولسن پنٹاگون کے سالانہ بجٹ کی ذمہ دار سب کمیٹی کا مشیر ممبر تھا۔ اس کو معلو
تھا پنٹاگون کانگریس مینوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کس طرح قواعد وضوابط کا کان مر
دیتے ہیں۔ چارلی کرنل کی اس حرکت پر بڑا مشتعل ہوا۔ وہ کہتا ہے" 20 سال میں وہ اتنا کبھی غ
میں نہیں آیا تھا جتنا اس وقت تھا"۔

وہ اس پر بُرے طریقے سے برسا لیکن کرنل کی سوئی جہاں تھی وہاں اٹکی رہی۔ کرنل کو مائل
دیکھ کر چارلی نے اسے حکم دیا کہ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق سے فون پر بات کرائے۔ چار
ولسن نے ضیاء الحق سے کبھی اپنی ذات کے حوالے سے کسی مفاد کی بات نہیں کی تھی۔ اس نے ض
الحق سے بات کی تو وہ فوری طور پر صورتحال کو سمجھ گئے اور کہا کہ میرا جہاز تمہاری سویٹم کے لئے ۔
چاہتا ہے۔ جب ولسن ضیاء الحق کے دیئے ہوئے پاک فضائیہ کے طیارے میں سوار ہو رہا تھا تو ا
نے کرنل سے کہا" کرنل! یہ اس کہانی کا اختتام نہیں ہے" کرنل کو یہ باور کرانے کے لئے کہ اس
کس سے پنگا لیا ہے چارلی نے اسے حکم دیا کہ ڈی آئی اے کا جہاز یہاں پشاور سے اسلام آباد نہیں
بلکہ ضیاء الحق کے طیارے کے ساتھ ساتھ سامان لے کر لاہور جائے گا۔ اسی شام کرنل اور پائلٹ
اسلام آباد میں اپنے دفتر کی پکنک میں شریک ہونا تھا۔

صدر ضیاء الحق نے بڑی متانت کے ساتھ چارلی کو مبارکباد دی تھی لیکن چارلی نے انت

کے لئے کمر کس لی تھی۔ وہ واشنگٹن پہنچا تو اس نے اپنے اپروپری ایشن کمیٹی کے ساتھیوں کو اپنی بے
عزتی کے بارے میں بتایا اور کہا کہ اس کا بدلہ لیا جائے وہ اپنی محبوبہ کی بے عزتی پر بھی بہت ناراض
تھا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی اسے برا محسوس کیا اور پنٹاگان کو اپنی حیثیت کا احساس دلایا۔ اس
دوران تمام سٹوری نیویارک ٹائمز نے شائع کر دی بالآخر کانگریس نے حکم دیا جس کے مطابق
جاسوسی ایجنسی سے نہ صرف یہ جہاز بلکہ اس کے ساتھ اس کو دیا ہوا دوسرا جہاز بھی واپس لے کر
ٹیکساس ایئر نیشنل گارڈ کو دیدیا گیا۔



افغان جہاد کو مسلسل تقویت پہنچانے پر ضیاء الحق چارلی کو بہت پسند کرتے اور اس کی مدد کے
لئے ہر وقت تیار رہتے۔ ضیاء الحق اس کی مدد کر کے خوشی محسوس کرتے تھے لیکن چارلی کے اگلے
دورے کے موقع پر جب اسے ایک اور فوجی افسر کی طرح مشکلات کا سامنا تھا تو اس موقع پر اُس
نے ضیاء الحق کو ایک نئی شکل میں دیکھا۔

15 نومبر 1986ء کی رات بریگیڈئر محمد یوسف بستر پر لیٹے سوچ رہے تھے کہ ان کے ذمہ جو کام
لگایا گیا ہے ان کی آخرت سنوار دے گا۔ دو سال سے مجاہدین کے ساتھ تھے وہ آئی ایس آئی کے سپر
سیکرٹ افغان سیل کے انچارج تھے اور دنیا کے سب سے بڑے جدید جہاد کے کمانڈر تھے۔ بریگیڈئر
یوسف مجاہدین کو اسلحہ سپلائی، خصوصی آپریشنز کی منصوبہ بندی، تربیت، کوآرڈی نیشن سی۔4 اسلحہ اور
سٹنگرز کا کنٹرول ان کے ذمے تھا ان کے افسران کا افغان کمانڈروں سے وائرلیس پر ہر وقت رابطہ
رہتا۔ ان کی ہدایت پر آئی ایس آئی کے سپاہیوں کی ٹیمیں مجاہدین کے ساتھ مل کر افغانستان کے
اندر خصوصی آپریشن بھی کرتی تھی۔ بریگیڈئر یوسف کی ہر معاملے پر نظر تھی۔ اب انہیں یقین تھا کہ
مجاہدین روس کے خلاف یہ جنگ جیت لیں گے۔ وہ امریکیوں کی زیادہ پروا نہیں کرتے تھے۔ ان
کو تربیتی کیمپ کے حوالے سے بے عزتی بھی یاد تھی۔ جب امریکیوں کی اس سکول میں تمام
کارروائیوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا پھر انہوں نے زبردست ایکشن لیا اور سی آئی اے کی کھلی چھٹی
بند ہو گئی اور ان کے حکام کو کبھی کبھار تربیتی کیمپ میں جانے کی اجازت دی جاتی تھی۔ ایسٹ
ڈویژن کے ڈپٹی چیف کو صرف رابطے کے وقت مجاہدین کے لباس میں ملبوس ہو کر اس کیمپ کا دورہ
کرنے کی اجازت ملی تھی اور بریگیڈئر نے یہ موقع بھی ٹوئین کی 22 مرتبہ دورے کی درخواست

کے بعد دیا تھا۔

ان کے لئے سی آئی اے ضروری برائی تھی۔ وہ اس کو ہمیشہ محدود رکھتے تھے۔ وہ جانتے تھ
کہ جس جنگ میں ان کا ملک کود چکا ہے اسے جیتنے کے لئے امریکہ کی مدد ناگزیر ہے لیکن وہ یہ بھ
جانتے تھے کہ امریکیوں کو دراصل ان کے مادر وطن سے نفرت ہے وہ اگر پاکستان کے ساتھ کندھ
سے کندھا ملائے ہوئے تو صرف کمیونسٹ ملک کے خلاف لڑنے کی وجہ سے۔ سی آئی اے پاکستا
کی مجاہدین کے حوالے سے مدد کر رہی ہے اور ساتھ ساتھ اس کے ملک کے لئے نہایت ضرور
اسلامی بم کی تیاری میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ بریگیڈئر یوسف کو معلوم تھا کہ سی آئی اے مجاہدی
کمانڈروں سے خائف ہے جبکہ گلبدین حکمت یار جیسے کمانڈر آئی ایس آئی کے لئے بڑی اہمی
کے حامل تھے۔ ایک مرتبہ جب امریکی سفارتکاروں اور صحافیوں نے مشورہ دیا کہ یہ جنگ بنیا
پرستوں کے کنٹرول سے نکال کر جدت پسندوں کے حوالے کر دی جائے۔ ان کی یہ بات ما
سے یوسف نے انکار کر دیا تھا۔ ان کی تمام تر وفاداری آئی ایس آئی کے چیف جنرل اخ
عبدالرحمٰن کے ساتھ تھی جنہوں نے اسی رات ان کو ضیاء الحق کی ارجنٹ ہدایت پہنچائی۔

جنرل اختر عبدالرحمٰن نے کہا کہ ایک امریکی آفیشل پاکستان سے ایک خاتون کے ساتھ
افغانستان میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے بریگیڈئر ان کو ہر صورت میں ڈھونڈ نکالیں ا
افغانستان میں داخل ہونے سے روکیں۔ یہ انتہائی اہم ہے لیکن اس سے یہ تاثر نہیں ملنا چاہئے ک
اسے پاکستانی حکومت یا آئی ایس اے نے روکا ہے۔

افغانستان میں داخل ہونے کی کوشش کرنے والا یہ یقیناً چارلی ولسن تھا لیکن ضیاء الحق کی ن
میں خاتون کے لئے وہاں جانا غلط تھا۔ ادھر سویٹم کا افغانستان میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
چارلی کی غیر موجودگی میں پشاور ہی کسی ہوٹل میں رہنا تھا۔ چارلی کے ذہن میں ڈی آئی اے
جہاز والا واقعہ تازہ تھا اور وہ جنرل ضیاء الحق سے کسی اور معاملے میں مدد حاصل نہیں کرنا چاہتا تھا
اس نے اپنے طور پر افغانستان میں جا کر جنگ کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ مجاہدین کو لڑتے د
چاہتا تھا۔ وہ اب اس خفیہ جنگ کا آہستگی سے نقاب الٹنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ٹیکساس
ایک صحافی کو بھی وار زون میں لے جانے کے لئے ساتھ لے لیا۔

چارلی اس نوجوان کو زندگی کے نئے تجربات سے روشناس کرانا چاہتا تھا۔ افغانستان م

قل ہونے کے پروگرام سے ایک دن قبل خیبر پاس لے گیا یہاں سے اس صحافی کی خوفناک روسی
ینکوں پر نظر پڑی۔ چارلی تو آزاد دنیا کا آزاد پنچھی تھا لیکن اس صحافی کے بیوی اور دو معصوم بچے
ں کی کل کائنات تھے۔ ان کی یاد آتے ہی اس کی وار جرنلسٹ بننے کی خواہش ہچکیاں لے کر دم توڑ
ئی اور چارلی نے اسے ساتھ جانے پر مجبور کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ وہ لینڈ کروزر میں بیٹھا۔ اس
ے اردگرد باریش افغانی اے کے 47 پکڑے بیٹھے تھے۔ اے کے 47 کا ایک فالتو سیٹ بھی
اڑی میں موجود تھا۔ جو ضرورت پڑنے پر چارلی نے اٹھانا تھا۔ وہ افغان بارڈر پر پہنچ چکے تھے۔
ں کے خیال میں بارڈر کراس ہو چکا تھا۔

چارلی ولسن سے ایک غلطی سرزد ہوئی تھی۔ اسلام آباد میں ایک رات ڈنر سے قبل اس نے
مدر ضیاء الحق کو اپنے منصوبے بارے بتایا تھا۔ ضیاء الحق نے اس کی پلاننگ سنی تو حسب معمول
سکراہٹ کے ساتھ اس کے ساتھ بات چیت کرتے رہے۔ ضیاء الحق نے بڑے رشک سے اسے
کہا کہ انشاء اللہ تمہاری مہم جوئی کے بعد ملاقات ہو گی۔ چارلی تقریب کے خاتمے کے بعد بمشکل
یاء الحق کی رہائش گاہ کے دروازے سے باہر ہی نکلا ہو گا کہ ضیاء الحق نے جنرل اختر عبدالرحمٰن کو
کم دے دیا کہ اس آدمی کو افغانستان جانے سے روکو ہم اس کو کھونا نہیں چاہتے۔ یہ پاکستان کے
لئے بہت اہم ہے۔

ایسے آپریشن بریگیڈئر یوسف کے لئے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے لیکن انہیں صبح ساڑھے
چار بجے پشاور کے لئے روانہ ہونا پڑا ساڑھے چھ بجے تک انہوں نے پورے صوبہ سرحد میں آئی
یس آئی کے جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا چند ہی گھنٹوں بعد آئی ایس آئی کو معلوم ہو گیا کہ ایک دراز
ند غیر ملکی مجاہد کمانڈر عبدالحق کے کمپاؤنڈ میں دیکھا گیا ہے۔ یہ شخص چارلی کا جہاد کے بارے میں
گائیڈ کرنے والا مجاہد کمانڈر عبدالحق تھا۔ امریکی رپورٹر اسے بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔ وہ
مجاہدین کمانڈر، بہادر اور نوجوان بنیاد پرست تھا۔

بریگیڈئر یوسف نے حق پر دباؤ ڈالا کہ وہ چارلی کو افغانستان جانے سے منع کرے لیکن حق
نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ چارلی کو افغانستان میں داخل
کر دیا جائے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ ضیاء الحق، بریگیڈئر یا اور کوئی کیا کہتا ہے میں چارلی سے
وعدہ کر چکا ہوں۔ وہ اب میری حفاظت میں ہے۔ اس کا مجھے انتظام کرنا ہے کہ وہ افغانستان

جائے اور وہاں سے بحفاظت واپس آ جائے۔ بریگیڈئر یوسف پٹھانوں کی روایات، وعد
انتقام کے حوالے سے روایات سے آگاہ تھا۔

بریگیڈئر یوسف اور آئی ایس آئی کے آہنی کنٹرول کے باوجود اگلے دن کانگریس
عبدالحق کی فور ویل لینڈ کروزر میں بیٹھا تھا اور یہ افغان بارڈر کی طرف رواں دواں تھی۔ چار
کے ساتھ مجاہد کے لباس میں گلے میں بندوق لٹکائے بیٹھا تھا۔ چارلی بڑا جذباتی ہو چکا تھا
نے سوچ رکھا تھا جو بھی ہونا ہو جائے وہ وارزون میں داخل ضرور ہوگا۔ اسی اثنا میں سامنے
ایک جیپ آتی دکھائی دی جس نے ان کو روک کر بتایا کہ آگے دو قبائل میں شدید جنگ
ہے۔ جیپ کے ڈرائیور کے چہرے پر خوف نمایاں تھا۔ اتنی دیر میں ایک پاکستانی گارڈ نے
بتایا کہ روڈ بلاک ہو چکی ہے آگے جانا ممکن نہیں۔ فائرنگ کی آواز ان تک بھی پہنچ رہی تھی۔
کے ڈرائیور نے جیپ کا رخ پشاور کی طرف کیا اور چارلی سے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا کہ
ذمہ داری آپ کو افغانستان کے اندر حفاظت سے لے جانا اور اسی طرح حفاظت سے واپس
لے کر آنا ہے۔ میں آپ کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا اگر آپ کو افغانستان میں پہنچ
قبل ہی کچھ ہو گیا تو عبدالحق مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

ایک لمحے کے اندر چارلی کو اندازہ ہو گیا کہ حقیقت کیا ہے اور وہ پشاور میں موجود کرنل
پر برس پڑا جس نے عبدالحق کو اس سے متعارف کرایا تھا۔ ولسن اس وقت شدید غصے میں تھا۔
معلوم تھا کہ اس کو جان بوجھ کر واپس کیا گیا ہے۔ لوبک نے اس کی بات بڑے حوصلے سے
ساتھ ہی جنرل اختر عبدالرحمٰن کو فون کیا۔ "یہ بری جنگ ہے۔ میں اس کے لئے پے کر رہا ہوں
پتہ ہے کیا کرنا لعنت ہے میرے کام میں مداخلت کی گئی ہے"۔

جنرل اختر عبدالرحمٰن آئی ایس آئی ایمپائر کا بادشاہ تھا۔ وہ ایسی باتیں سننے کا عادی
تھا اس کی کہی ہوئی بات قانون کا درجہ رکھتی تھی۔ انہیں چارلی کے غصے کی پرواہ نہیں تھی۔ ان کا
"اگر چارلی مارا جاتا تو اس کے لئے تو یہ ایک رومانوی کرب تھا لیکن ہم خطرناک ترین صو
میں پھنس جاتے۔ جس کا کوئی بھی فائدہ نہیں تھا"۔

اب یہ بات اختر عبدالرحمٰن کی سطح سے بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے کال ضیاء الحق کو پاس کر
ضیاء الحق کے پاس بہت سی وجوہات تھیں جس کے باعث وہ چاہتے تھے کہ چارلی افغان

جائے۔ ان کو یہ پتہ تھا کہ کسی بھی امریکی کو پاکستان کے راستے افغانستان جانے کی امریکی حکومت
کی طرف سے اجازت نہیں۔ دوسرا یہ سی آئی اے کی خفیہ جنگ جبکہ چارلی اپنے ساتھ ایک رپورٹر کو
بھی لے جا رہا تھا لیکن ضیاء کو ان سب کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

ضیاء الحق چارلی ولسن کے وجود کو پاکستانی دفاع کے لئے ناگزیر سمجھتے تھے۔ ان دنوں
پاکستان کو بھارت سے حملے کا بہت خطرہ تھا بارڈر پر بھارت کی طرف سے فوجوں کی وسیع پیمانے پر
نقل وحرکت جاری تھی۔ صدر اور ان کا سٹاف گہری نظر سے جائزہ لے رہا تھا کہ جنگ کی صورت
میں کیا کرنا ہے تصویر ناقابل یقین حد تک خوفناک تھی کیونکہ بھارت کے پاس ایٹم بم تھا جس کا وہ
1974ء میں تجربہ کر چکا تھا۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ وہ پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹا
سکتا ہے۔ (کتاب کے مصنف کی رائے میں بھارت اس سے قبل تین جنگوں میں پاکستان کو
شکست دے چکا تھا) بھارت روس کا اتحادی تھا اور روس کے جہاز افغانستان میں سٹنگرز میزائلوں
سے گرائے جا رہے تھے اور روسی فوجیوں کی لاشیں بھیجی جا رہی تھیں۔ اس صورتحال میں روس
بھارت کو پاکستان پر حملے کے لئے کہہ سکتا تھا یہ سب ضیاء الحق پر واضح تھا۔

اس وقت ضیاء الحق کے پاس ایٹم بم کے حصول کی کوشش کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس
وقت اگر امریکی کانگریس کو ثبوت مل جاتے کہ پاکستان اسلامی بم بنا رہا ہے تو وہ پاکستان کی ہر قسم کی
امداد بند کرنے کا عمل شروع کر دیتی یہ بھی ایک ناپسندیدہ راز ہے کہ افغان جنگ کے حوالے سے
ضیاء الحق نے شروع میں ریگن سے ایک سہولت حاصل کر لی تھی کہ پاکستان سوویت یونین کے
خلاف سی آئی اے کی مدد کرے گا اور اس کے بدلے میں امریکہ نہ صرف بھاری امداد دے گا بلکہ
پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے بھی صرف نظر کرے گا۔

ضیاء الحق سمجھتے تھے کہ اگر وہ رنگے ہاتھوں پکڑے جاتے ہیں تو کانگریس کے غضب سے ان
کو وائٹ ہاؤس نہیں بچا پائے گا۔ یہ چارلی ولسن تھا جو آڑے وقت میں کام آ سکتا ہے اور ضیاء الحق
کو کانگریس کی پروپری ایشن کمیٹی کی پاکستان کے لئے اہمیت کا مکمل ادراک تھا جس میں چارلی کی
اہم پوزیشن تھی۔

پاکستان کے لئے 1985ء میں یہ ایک نہایت نازک مرحلہ تھا امریکہ میں ایک پاکستانی ہائی
سپیڈ ٹریگر خریدتا ہوا پکڑا گیا تھا یہ کرائٹن ٹریگر نیوکلیئر اسلحہ چلانے کے لئے سوئچنگ ڈیوائس کا کام

کرتے ہیں۔ساؤتھ ایشیا سب کمیٹی کے پاور فل چیئرمین سٹیفن سولارز نے فوری طور پر سماعت کا حکم دے دیا۔یوں نظر آتا تھا کہ سولارز پاکستانی ڈکٹیٹر کی ہر قسم کی امریکی امداد بند کر دے گا۔ خطرے کی بو محسوس کر کے سی آئی اے فوری طور پر متحرک ہوگئی۔اس کی ذمہ داریوں میں ضیاء الحق کے بم کی کوششوں کو ایکسپوز کرنا تھا اور اسلام آباد تعینات ہونے والے ہر سٹیشن چیف اسے اپنی پہلی ترجیح قرار دے رہا تھا۔ایک مرتبہ سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر اور اقوام متحدہ میں ریگن کے سفیر ورنن والٹرز نے پاکستان کا دورہ کیا اور ضیاء الحق کو خبردار کیا کہ اگر اس نے کوششیں جاری رکھیں تو ہم سب کے لئے خطرناک ہوسکتا ہے۔ضیاء الحق نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتایا کہ ان تک جو رپورٹیں پہنچی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں پاکستان کوئی بم نہیں بنا رہا۔بحیثیت سربراہ ملک پر ضیاء الحق کا واضح اور پرخلوص بیان تھا بعد ازاں ایک مرتبہ جب ان سے ایک اور غلط بیانی کے بارے میں پوچھا گیا تو ضیاء الحق نے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے دو اعلیٰ افسران سے کہا ''اسلام کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے'' (It is Permissible to lie for Islam)۔

1985ء میں ضیاء الحق کے پاس کرائٹن ٹریگر کے حوالے سے کوئی وضاحت نہیں تھی۔ضیاء الحق پر پابندیاں لگانے کے لئے سولارز کے پاس یہ مکمل ایشو تھا اور نیویارک سے یہودی کانگریس مین کو اسلامی بم کے خاتمے کا ایک موقع مل گیا تھا۔وائٹ ہاؤس نے کانگریس کو قائل کر لیا تھا کہ پاکستان پر پابندیاں نہ لگائی جائیں۔چارلی کو معلوم تھا کہ یہ جنگ بحث مباحثے سے نہیں جیتی جا سکتی وہ سولارز کے پاس بھارتی ایٹمی پروگرام کے ٹھوس ثبوت لے کر چلا گیا اور اسے بتایا کہ اگر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی بات ہوئی تو بھارت اس سے زیادہ بے نقاب ہوگا۔

یہ بحران ٹل گیا لیکن پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام جاری رکھا۔ضیاء الحق ایٹمی پروگرام کے لئے روز ویلٹ سے کم پرعزم نہیں تھا۔جب روز ویلٹ نے مین ہٹن پروگرام کی منظوری دی تھی۔ کرائٹن ٹریگرز جو صرف امریکہ سے ہی مل سکتے تھے ان کے حصول کی کوشش جاری رکھی ضیاء کہیں سے بھی کیسے بھی پروگرام کو کامیاب بنانا چاہتے تھے خواہ ان کے ایجنٹ اس کام کے دوران پکڑے ہی جائیں۔انہیں چارلی کی ضرورت تھی نیوکلیئر ایشو پر چارلی ان کے دفاع کا آخری مہرہ تھا۔

■ ■ ■

اب ضیاء الحق بڑے پریشر میں تھے۔جب انہوں نے چارلی کو فون پر غصیلے لہجے میں بات رتے سنا۔ضیاء الحق چارلی کے حوالے سے بہت زیادہ لچک کا مظاہرہ کرتے تھے۔وہ بڑے لام پسند اور اسلامی روایات پر سختی سے کاربند تھے۔چارلی اپنے دوروں کے دوران اپنی بصورت گرل فرینڈز کو لاتا تھا بعض اوقات تو بیلے ڈانسر بھی اس کے ساتھ ہوتی تھیں لیکن ضیاء نے چارلی سے کبھی شکایت نہیں کی تھی لیکن اب چارلی مجاہدین کو جنگ لڑتے اپنی آنکھوں سے یکھنا چاہتا تھا اور چاہتا تھا کہ ضیاء الحق اس کو اپنی جان خطرے میں ڈالنے کے لئے مدد کریں۔

صدر ضیاء الحق نے اسے بتایا کہ کل میرا ہیلی کاپٹر تمہیں پشاور سے لے کر اسلام آباد آئے گا ہاں دونوں بیٹھ کر افغانستان میں جانے سے متعلق پروگرام طے کریں گے لیکن چارلی اختر بدالرحمٰن کو موقع دینا چاہتا تھا کہ وہ پروگرام کو فائنل کریں۔اب کوئی رپورٹر ساتھ نہیں ہوگا اور کوئی با قدم نہیں اٹھایا جائے گا جس سے روسیوں کو کوئی شک گزرے۔ٹرپ چارلی کی خواہش کے طابق ہوگا اور اس کی تمام شرائط ضیاء الحق طے کریں گے۔ضیاء الحق نے اس سے وعدہ کر لیا تھا ں پر چارلی بڑا خوش تھا۔ضیاء الحق کو معلوم تھا کہ چارلی نے پاکستان اور اسرائیل کو ایک میز کے رد بٹھا دیا ہے اور اب دونوں ممالک کے مشترکہ باہمی مفادات پر بیک چینل ڈپلومیسی جاری تھی۔ پاکستان کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔دوسری صورت میں پاکستان کو خدشہ تھا کہ اسرائیل کستان کے ایٹمی پروگرام کی تنصیبات کو ہوائی حملے سے یا تخریب کار بھیج کر تباہ کر سکتا ہے۔جیسا ل نے عراق کے ساتھ کیا تھا۔ضیاء الحق کا پیغام موصول ہوا اور چارلی پر واضح کر دیا کہ اس کے اتھ کوئی رپورٹر نہیں جائے گا۔ان کو ویزے پاسپورٹ ساتھ رکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہو۔

■ ■ ■

A Jihad To Remember

صدر جنرل ضیاء الحق نے چارلی ولسن کو افغانستان جانے کی اجازت دے دی تھی۔ ا
افغانستان لے جانے اور وہاں سے بحفاظت واپسی کی ذمہ داری بھی بریگیڈیئر یوسف کے سپر
گئی تھی۔ اس ذمہ داری کو بھی پہلے والی ذمہ داری کی طرح فضول سمجھتا تھا۔ ضیاء الحق نے بڑی گ
جوشی سے چارلی ولسن کو الوداع کیا تھا۔

بریگیڈیئر یوسف اس کے لئے افغان مجاہدین کے دو قسم کے لباس لایا تھا تاکہ ان میں۔
ایک چارلی پسند کر کے پہن لے۔ جب چارلی ولسن گاڑی میں بنوں سے وزیرستان کی طرف جا
تھا تو وہ بریگیڈیئر یوسف اور اس کے ساتھیوں کی پریشانی پر محظوظ ہو رہا تھا۔ یہ وہ علاقہ ہے یہا
کے لوگ کسی کو بھی یرغمال بنانے کے لئے مشہور ہیں۔ اس علاقے میں ان مقامی لوگوں کی اج
داری ہے۔ ان پر حکومت پاکستان کا کوئی کنٹرول نہیں۔ گاڑی میں موجود اس کے ساتھی بڑی تی
سے اس علاقے کو عبور کر لینا چاہتے تھے۔ بارڈر پر پہنچے تو چارلی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی پرا
دور میں چلا گیا ہے۔ دیہاتوں کی گلیوں میں کوئی عورت نظر نہیں آتی تھی۔ قصابوں نے بھیڑ بکر
ذبح کر کے لٹکائی ہوئی تھیں۔ ہر آدمی کے پاس اسلحہ تھا اور ان کی آنکھیں کار کی ہیڈ لائٹس کی طر
چمک رہی تھیں راستے میں یوسف اسے پٹھانوں کی روایات کے بارے میں بتاتا رہا ان میں۔
زیادہ تو اس نے پہلے ہی سن رکھی تھیں لیکن اب اسے معلوم ہو رہا تھا کہ سننے اور دیکھنے میں کتنا ف

اسے بتایا گیا کہ کس طرح بچوں کی تربیت کی جاتی ہے 6 سال کی عمر کے بعد بچے روتے نہیں ہیں۔ دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے یہ لوگ بعض اوقات نسلوں تک کا انتظار کرتے ہیں۔ ان کے لئے سب سے بڑی سعادت شہید ہونا ہے۔ چارلی افغانستان میں صرف چار دن رہا اس دوران اس نے سفید گھوڑے پر سواری کی اسے مجاہدین جیسا لباس پہنایا گیا تھا جو ان کے کمانڈر پہنتے ہیں۔ سر پر چترالی ٹوپی اور وہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ پاکستانی سپیشل سروسز کے کمانڈر اس کی حفاظت کے لئے ساتھ آئے تھے۔ اس کے علاوہ **سٹنگر** میزائلوں سے لیس دو ٹیمیں ہر وقت اس کے ساتھ تھیں۔ چارلی سوچ رہا تھا کہ ایسی حفاظت کے لئے تو شاید چنگیز خان کو بھی گارڈ میسر نہیں ہونگے۔

اگلے روز چارلی اپنے گائیڈ رحیم وردگ کے ساتھ پہاڑیاں پھلانگتے ہوئے خوست کا نظارہ کر رہا تھا۔ چارلی کو رحیم وردگ کے علاوہ بھی ایک گائیڈ مہیا کیا گیا تھا۔ پاکستانی حفاظتی دستے نے ان گائیڈز کو خبردار کیا تھا کہ چارلی دل کا مریض ہے اس کو کم از کم پیدل چلایا جائے لیکن وہ ان کے ساتھ گرم پہاڑوں سے یخ بستہ پہاڑوں تک گھوم رہا تھا۔ وہ اسے گھوڑے پر سوار کرانا چاہتے تھے لیکن اس نے پیدل چلنے پر ہی اصرار کیا تھا۔ چارلی اس وقت بڑا جذباتی اور پرجوش تھا جب اسے روسی فوجی علاقے پر راکٹ فائر کرنے کو کہا اب چارلی کمیونسٹوں کے خلاف الفاظ قانون اور آئین کی جنگ کے بجائے عملی طور پر جنگ لڑ رہا تھا۔ چارلی اب روسی گیریژن پر راکٹ فائر کر رہا تھا۔ یہ سی آئی اے کے ملٹی بیرل راکٹ لانچر تھے۔ اس کی رقم سے یہ میزائل خریدے گئے تھے اور اب اس کی انگلی سے جنگ میں استعمال ہو رہے تھے۔

یہ چارلی کا یکطرفہ ''رومانس'' نہیں تھا۔ روسی فوجیوں نے جوابی کارروائی کی اور علاقہ گولوں کی آواز سے گونج اٹھا ہر طرف دھوئیں اور گرد و غبار کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ چارلی کے ساتھ گیا پاکستانی کرنل بڑی گھبراہٹ میں تھا جبکہ وردگ محظوظ ہو رہا تھا۔ کرنل مجاہد نے چارلی کو چھاڑ ڈالا اور زمین پر لٹا دیا۔ وردگ کہتا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کرنل کو کہا گیا ہو کہ چارلی کو کچھ ہوا تو تمہیں گولی مار دی جائے گی۔ چارلی کے ساتھ تمام پاکستانی پورا دن شدید تناؤ کا شکار رہے وہ چند سیکنڈز کے نوٹس پر چارلی کے دفاع کے لئے الرٹ تھے۔ ولسن کے لئے یہ لمحات اس کی زندگی کے

خوفناک اور حیرت ناک ترین لمحات تھے۔ اس کے اندر تو ہیجان پیدا ہو چکا تھا لیکن ایک سپاہی کی
طرح وہ پرسکون اور خاموش دکھائی دیتا تھا۔ انتھک قسم کے مجاہدین اپنی کارروائی میں مصروف تھے
ایسا لگتا تھا کہ ان پر حملہ کر دیا گیا ہو اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے جوابی کارروائی کر رہے ہیں
پھر وہاں پر مجاہدین نے ہوائی فائرنگ بھی شروع کر دی اسے بتایا گیا کہ یہ تمہاری آمد کی خوشی
جشن منا رہے ہیں۔

اس دوران چارلی کو ایک مرتبہ سراسیمہ اور شرمندہ بھی ہونا پڑا۔ وہاں موجود مجاہدین نے کہا
کہ ہم اپنے مہمان کو اگر روسی گن شپ جہاز مار کر نہ دکھائیں تو یہ ہماری بے عزتی ہوگی۔ اس کے
لئے انہوں نے گن شپ کو ہوائی اڈے سے اڑنے پر مجبور کرنے کے لئے گیریژن کے نزدیک
ایک طاقتور راکٹ داغ دیا۔ تھوڑی دیر بعد دو گن شپ دور سے ان کی طرف آتے دکھائی دیے
لیکن وہ بہت اونچے تھے۔ چارلی کو ڈر تھا کہ یہ نیپام بم یا راکٹ گرا سکتے ہیں جس سے اس کی موت
بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر پاکستانی اسپیشل فورسز کے کمانڈر اسے ایک محفوظ جگہ پر لے گئے
اور اس دوران گن شپ اوپر سے گزر گئے۔

سٹنگر تھامے مجاہدین چارلی کو وہاں سے ہٹانے پر پاکستانی کمانڈوز پر ناراضگی کا اظہار کر
رہے تھے اس دوران جہاز تو جا چکے تھے مجاہدین نے کہنا شروع کیا کہ اب نیچے سڑک پر گاڑیاں
لے جا کر گرد و غبار ابھارا جائے تاکہ یہ جہاز واپس آئیں تو ان کو چارلی کے لئے تحفتاً گرایا جائے
مسلمانوں کی طرح چارلی کو جنت میں جانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ اس نے کمانڈر کو کہا کہ اگر
سب میرے لئے کر رہے ہو تو پلیز اسے بند کر دیں اب گن شپ واپس جا رہے ہیں تو مجاہدین
چارلی کی خواہش پر اپنے **سٹنگرز** کا رخ زمین کی طرف کر لیا۔ بعد میں چارلی نے ان کو ان کی
ہمت، شجاعت اور حوصلے پر شاباش دی۔

اب جنگ کا توازن مجاہدین کی طرف ہو گیا تھا وہ پاکستانی گوریلوں کے ساتھ اس علاقے
میں آزادی سے گھوم رہا تھا۔ مجاہدین کہتے کہ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ چارلی ولسن پکتیا میں آیا۔
معروف مجاہد کمانڈر جلال الدین حقانی کا کہنا تھا کہ اللہ ہی ہے جس سے امریکہ کے دل میں مجاہدین
کی حمایت کرنے کی بات ڈال دی ورنہ ہم تو اکیلے اور نہتے روس جیسے بڑے ملک کا مقابلہ کر رہے
تھے۔

چارلی نے چار روز ان پہاڑوں میں گزارے اسے کھانا بھی پہاڑوں کے غاروں میں ملتا تھا
باریش لوگ اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ جن کے پیچھے صدیوں کی بہادری کے واقعات ہیں ان کی
خوراک گوشت، دودھ اور سادی روٹی تھی۔ چائے پی جاتی تھی اور ان کی زبان پر روسیوں کی موت
کے قصے تھے۔ یہ وہ علاقہ تھا یہاں سے سکندر اعظم گزرا، برطانوی فوج نے حملے کئے اور تمام حملہ
آور سوائے ایک کے، مقامی لوگوں نے مار ڈالا تھا۔ آج چارلی ان لوگوں کے درمیان موجود تھا۔
ان کو یقین تھا کہ وہ دشمن کو بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔

واپسی کے روز آخری صبح جلال الدین حقانی کے کیمپ کے سینکڑوں مجاہد اسے رخصت کرنے
کے لئے آئے تھے یہاں چارلی کو خوبصورت گھوڑے پر بٹھایا اور اس کے ارد گرد تین اور مجاہد ایسے
ہی گھوڑوں پر سوار تھے یہاں ان کی تصاویر بنائی گئیں اور اس کہانی کو پھر "چارلی ولسن کی جنگ" کا
نام دیا گیا۔

بریگیڈئر یوسف چارلی کو واپسی پر جنرل اختر اور ضیاء کے پاس لے گیا تو ماننا پڑا کہ امریکیوں
کے بارے میں جو کہا جاتا ہے وہ سب امریکیوں کے لئے کہنا درست نہیں۔ یوسف نے کہا چارلی
بہادر اور طاقتور ہے۔ جس نے وہاں ہر کسی سے اپنی جرات منوائی۔ اس دوران ضیاء الحق بولے
"میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ یہ ویتنام میں امریکیوں میں بہائے گئے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہے"۔

چارلی کہتا ہے "میں نے اس رات ضیاء الحق اور جنرل اختر کے ساتھ ڈنر کیا اور ان کو
افغانستان میں اپنے چار دن کی مصروفیات سے آگاہ کیا تو وہ اس وقت مجھے حاسدانہ نظروں سے
دیکھ رہے تھے جب میں نے بتایا کہ میں نے روسیوں پر خود راکٹ بازی کی تھی میں ضیاء اور اختر کا
بے حد ممنون ہوں کہ مجھے افغانستان جانے کا موقع دیا"۔

بلٹ بیرڈن چارلی سے ملا تو اس کی گفتگو کا آغاز بڑے غصیلے انداز میں ہوا۔ اس نے
کانگریس کو بتایا کہ تم نے بڑی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ تم نے تمام پروگرام داؤ پر لگا دیا تھا۔
یہاں ہر چیز تہس نہس ہو چکی تھی۔ ریکارڈ کی خاطر یہ باتیں کرنے کے بعد بیرڈن نے قہقہہ لگایا اور
کہا کہ مجھے بتاؤ وہاں سب کیسا رہا؟ چارلی نے اپنے تجربات اسے بتائے اور کہا کہ اس نے
مجاہدین سے پوچھا کہ ایسی کیا کمی ہے جو ابھی تک پوری نہ ہوئی ہو اور مزید کیا کچھ چاہئے۔ مجاہدین
کا جواب تھا ایسا کچھ بھی نہیں ہے جو ہمیں نہ ملا ہو۔ ان انتظامات پر اس نے اسٹیشن چیف بیرڈن کو

مبارکباد دی۔ اس موقع پر بیرڈن نے چارلی کو پارٹی دی اور اس جگہ لے گیا جسے **سٹنگر** کا عجائب
گھر کا نام دیا گیا تھا یہاں پر وہ **سٹنگر** میزائل کا خول رکھا تھا جس سے گن شپ مار گرایا تھا۔

بیرڈن نے اس میوزیم میں کچھ مجاہد کمانڈروں اور آئی ایس آئی افسران کو بھی بلایا تھا۔ اس
میوزیم کے ایک کونے میں انجینئر غفار کا چلایا ہوا **سٹنگر** کا خول بھی تھا۔ یہ ایک خوبصورت فریم
میں نصب کیا گیا تھا جسے چارلی نے میک کولم فلائٹ میں امریکہ بھجوا دیا جو اس کے دفتر کے
دروازے پر فٹ کروا دیا گیا۔

چارلی واپس گیا تو وہ ویسا کانگریس مین نہیں تھا جیسا امریکہ سے گیا تھا اب وہ بڑا آدمی بن
گیا تھا۔ وہ دنیا کا ایسا آدمی تھا جو دنیا کو اپنے الفاظ اور کمیٹی سے چلاتے ہیں فنڈز کے لئے قانون
سازی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کو کیا نہیں کرنا چاہئے۔ اب اس کے ساتھیوں کی نظر میں
چارلی ولسن کی جنگ آ چکی تھی۔ جو اس نے خود روس کے خلاف عملی طور پر لڑی بھی، وہ چارلی کے
سفید گھوڑے پر سواری کی باتیں کرتے تھے۔ اس وقت ڈیموکریٹس ریگن کی پالیسیوں پر تنقید کرتے
تھے ٹی وی ایران کونٹرا سکینڈل کی باتیں کی جاتی تھیں لیکن افغانستان پالیسی کے بارے میں کسی
طرف سے کوئی تنقید نہیں ہوتی تھی یہ اچھی طرح لڑی جانے والی جنگ تھی یہ کانگریس کی جنگ تھی۔

سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے جنیوا میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ روس افغانستان سے واپسی کے لئے
مذاکرات پر تیار ہے۔ اس دوران کانگریس نے پاکستان کے لئے بڑے امدادی پیکج کی منظوری دی
تھی اور اسی دوران فلاڈلفیا سے ارشد پرویز نامی شخص 25 ٹن خصوصی سٹیل الائے خریدتا ہوا پکڑا گیا
جو ایٹم بم کے لئے ضروری ہے اس آدمی کے بارے میں یقین سے کہا جاتا تھا کہ ضیاء الحق کا آدمی
ہے۔ یہ 1985ء کے کرانسٹن ایشو سے بھی زیادہ خطرناک ایشو تھا۔ اب پاکستان پر پابندیوں کے
لئے سولارز ترمیم بالکل تیار تھی اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی طریقہ نظر نہیں آتا تھا۔

اس کے بعد چارلی ولسن نے ضیاء الحق کی فوجی امداد بچانے کی کوششیں شروع کیں۔ اس
سے قبل وہ جو کچھ کرتا تھا وہ خفیہ ہوتا تھا۔ لیکن اب معاملات کھل کر باہر آ گئے تھے۔ اب اسے اصول
پرست لبرل نمائندوں کا سامنا کرنا تھا۔ اسے خود یہ ایک ایسی کوشش نظر آتی تھی جس کی کامیابی
امکان بہت کم تھا۔ ضیاء الحق نے اسلامی بم بنانے کا پروگرام جاری رکھ کر امریکہ کا قانون توڑا تھا
اس کے باوجود وہ اب بھی بہت بڑی امریکی امداد کا مستحق تھا۔ یہ سب کچھ چارلی کو سی آئی اے

جنگ کے لئے کرتا تھا۔

ایٹمی پروگرام کے عدم پھیلاؤ پر امریکی پالیسی بہت سخت تھی۔ جس کی واضح خلاف ورزی کی
گئی تھی اب ریگن کے پاس سولارز ترمیم لاگو کرنے کا واحد انتخاب تھا۔ اگر صدر قومی مفاد میں ایسا
کرنے کا کہتے تو کانگریس مکمل طور پر تیار تھی کہ خود قانون پر عملدرآمد کرا دے۔ چارلی نے اس
کے باوجود کانگریس اراکین کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوششیں ترک نہیں کیں۔ چارلی اور سی آئی
اے کو معلوم تھا کہ اگر امریکہ نے پاکستان کو دنیا کے سامنے رسوا کیا یعنی پابندیاں لگائیں تو ضیاء الحق
افغان جنگ سے ہاتھ کھینچ لیں گے بظاہر تو پاکستان افغان مجاہدین کی مدد نہیں کر رہا تھا لیکن پاکستانی
روسیوں کو معلوم تھا کہ اسی وجہ سے روس پاکستان کی سرحدوں پر بھی بمباری کرتا تھا 30 لاکھ مہاجرین
بھی پاکستان میں موجود تھے اور پاکستان کے اندر روس تخریب کاری بھی کروا رہا تھا دوسری طرف
بھارتی فوجیں بھی پاکستان کے بارڈر پر آ دھمکی تھیں۔ ضیاء الحق یہ سب کچھ کیوں کر رہے تھے اس
کے پیچھے بڑی وجہ امریکی فوجی اور اقتصادی امداد کا حصول تھا اگر یہ امداد بند کر دی جاتی تو ضیاء الحق کو
کیا ضرورت تھی کہ وہ امریکی جنگ لڑنے میں ان کا ساتھ دیں اور افغان جنگ پاکستان کی حمایت
کے بغیر لڑنا اور جیتنا ناممکن تھا۔ زیگنیو برزنسکی نے پاکستان کے سفارتخانے کے ایک ڈنر پر سٹیفن
سولارز کو گھیر لیا اور پوچھا ''پاکستان کی امداد بند کرانے کا اس کا آخر مقصد کیا ہے؟''

''اگر تم نے ایسا کیا تو افغان مزاحمت ختم ہو جائے گی جو روسیوں کے لئے خوشی کا باعث ہو
گی درمیان میں سے پاکستان کی حکومت نکل جائے گی اور پاکستان کے ہاتھ بم لگ گیا تو وہ امریکہ
کی مخالف حکومت کے پاس بم سمجھا جائے گا کیا تم یہی چاہتے ہو؟''

سولارز اور اس کے ساتھی ڈیموکریٹس پورا زور ایٹمی عدم پھیلاؤ پر لگا رہے تھے۔ یہ ایشو بہت
آگے چلا گیا تھا۔ امریکہ کے قانون کی واضح خلاف ورزی ہوئی تھی اور یہ سب پاکستانی ڈکٹیٹر دیدہ
دلیری سے کر رہا تھا۔ ایک موقع پر سولارز نے سی آئی اے کو سماعت ختم کرنے کی دھمکی دی وہ اس پر
برہم تھا کہ سی آئی اے نے اب تک پاکستان کا پروگرام بے نقاب کیوں نہیں کیا تھا۔ ایک
بڑے باصلاحیت افسر نے سماعت کے دوران پاکستان کے ایٹمی انرجی کے حصول کی کوششوں کے
بارے میں بڑے خطرناک ثبوت پیش کر دیئے۔ چارلی بھی اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے کہا کہ
سولارز کے ہاتھ میں پاکستان پر چلانے کے لئے ایک اور تیر آ گیا۔ ضیاء الحق کی وفات سے بہت

پہلے چارلی پاکستان کے امدادی پیکج پر بڑا فکر مند تھا۔ فروری میں چارلی اسلام آباد میں صدر ضیاء
الحق سے ملا اور انہیں بتایا کہ وہ اکیلا زیادہ دیر اس لائن پر کام جاری نہیں رکھ سکتا۔ چارلی کہتا
''میں نے صدر کو بتایا کہ اب عدم پھیلاؤ کے خلاف لابی طاقتور ہوتی جا رہی ہے۔ پاکستان ام
سے امداد حاصل کرنے والا تیسرا بڑا ملک ہے۔ سینٹ میں گلنن اور پریسلر نے بھی سخت موقف
رکھا ہے اور اپروپری ایشن کمیٹی میں بھی مجھے بل کی کشتی ڈوبتی نظر آئی ہے۔ مجھے ایک طاقتور
مل جائے تو کچھ تدبیر کی جاسکتی ہے''۔

ضیاء الحق نے ڈینس نیل کی بطور لابیسٹ خدمات حاصل کر لی تھیں۔ چارلی جانتا تھا
ڈینس نیل بڑا اہم شخص تھا لیکن یہ لڑائی اس کے بس سے باہر تھی۔

ارشد پرویز کی گرفتاری بڑے بُرے وقت میں ہوئی تھی جس پر پاکستان پر پابندی لگا
والے بڑے خوش تھے لیکن چارلی اور اس کے پرانے ساتھی تے اسے جیتنے کے لئے عزم ظاہر
جس کے لئے چارلی نے ایک اور طریقہ سوچا اور ضیاء الحق کو امریکی وفد سے ملنے پر رضا مند کر
واپس امریکہ جا کر اس نے ممبران کی بیویوں کو زندگی کا بہترین تجربہ کرانے کی دعوت دینا شر
کی۔ آخر کار اس نے سات اہم ممبران کا اور ان کی بیویوں کا وفد تیار کیا۔ اس وفد نے پاکستان
دوران کی دعوت شکریئے کے ساتھ قبول کر لی۔ اس وفد میں باب ڈرنن، جارج براؤن اور
باسکٹ بال کھلاڑی ٹام میک ملن بھی شامل تھا۔ وہ ان کو مجاہدین کے تربیتی کیمپ دکھانا چاہتا تھا
ان میں مجاہدین کے ساتھ ہمدردی اور محبت میں اضافہ ہو۔ جن پر پاکستان کے بم کے حصو
کوششوں کے نتیجے میں مصیبت آنے والی تھی اس وفد کو خفیہ تربیتی کیمپوں کا دورہ کروایا گیا۔

اب تک پشاور میں امریکی ڈاکٹروں اور نرسوں کی بھرمار تھی۔ یہ تمام رضا کار تھے
یہاں لانے کے لئے کریڈل سے فنڈز کا اہتمام کیا تھا۔ یہ ایک سرکاری ڈنر تھا جس میں صد
الحق اور چارلی اہم شخصیات تھے۔ اس ڈنر کا اصل لیکن بظاہر نظر نہ آنے والا ایشو ''اسلامی بم
اس ڈنر پر چارلی نے کہا مسٹر صدر تاریخ میں تین ہیرو ونسٹن چرچل، صدر لنکن اور صدر ضیا
ہیں'' یہ کہتے ہوئے وہ اپنے ساتھیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا ''لیکن ضیا
کے بطور صدر کارنامے کی وجہ سے انسانی تاریخ آزاد دنیا مختلف ہوگی۔ افغانستان میں کامیا
بعد روس کا بحیرہ ہند تک رسائی اور دنیا پر حکمرانی کا صدیوں پرانا خواب پورا ہو جائے گا۔ مس

جہاں تک میرا تعلق ہے آپ جتنے چاہیں ایٹم بم بنالیں کیونکہ آپ ہمارے دوست ہیں اور وہ،
بھارتی ہمارے دشمن ہیں اس پر تمام امریکی ایک طرح نہیں سوچتے کچھ اور ان کے دماغ میں کچھ
سوالات ہیں۔ آپ کو ان کا جواب دینا ہے کیونکہ اب یہ ایشو بہت اوپر اٹھ چکا ہے''۔

اپنی تقریر مکمل کر کے چارلی ولسن روسٹرم سے پرے ہوا تو ضیاء الحق ایک ہاتھ میں عینک اور
دوسرے میں لکھی ہوئی تقریر کے کاغذات لے کر روسٹرم پر پہنچ گئے۔ چارلی نے ایک لمحے کے لئے
رک کر صدر کی طرف دیکھا اور بولا ''مسٹر صدر میں نے اپنی تقریر بغیر عینک لگائے اور کاغذات
دیکھے کی ہے آپ بھی لکھی ہوئی تقریر کے بجائے فی البدیہہ تقریر کریں''۔

ضیاء الحق نے کہا ''چارلی میرا اچھا دوست ہے اس نے فی البدیہہ تقریر کرنے کی بات کی
ہے میں اس کی بات نہیں ٹال سکتا''۔ اس کے بعد ضیاء الحق نے ہال میں موجود تمام ملازمین کو باہر
جانے کا کہا اور اے ڈی سی کو کہہ کر ہال کا دروازہ بند کروا کے اندر سے لاک کروالیا اور کہا ''پاکستان
کا نیوکلیئر پروگرام پرامن مقاصد کے لئے اور ہمارا ڈیلیوری سسٹم بنانے کا ارادہ نہیں'' اس کے بعد
ضیاء الحق اپنے اور چارلی کے درمیان دونوں ممالک کے درمیان تعلقات اور معاملات پر تقریر
کرنے لگے۔ افغان جنگ اُس سب مقام پر پہنچ چکی ہے۔ ہمارے امریکی دوستوں کی طرف سے
پاکستان کی امداد بند کرنے یا پابند کرنے کی کوشش تاریخی بے وفائی ہوگی اور تاریخ کا فیصلہ ایسا فیصلہ
کرنے والوں کے لئے بڑا ظالمانہ ہوتا ہے، ہم نے امریکہ کی شرائط تسلیم نہیں کیں''۔ وہ ان شرائط
کی بات کر رہے تھے جب کارٹر نے امداد کی بات کی ضیاء الحق نے اس کو مونگ پھلی کے دانے کہہ کر
ٹھکرا دیا تھا۔ اس امداد کی پیشکش صدر کارٹر نے افغان جنگ کے شروع میں کی تھی اور جب کہ ہم
افغانستان میں اب روسیوں کو آگے لگا چکے ہیں اور ان کا خون بہا رہے ہیں تو امریکہ کیسے توقع رکھ
سکتا ہے کہ ہم اس کی شرائط مان لیں گے۔ امریکہ ہماری امداد کرے یا نہ کرے ہم جنگ جاری
رکھیں گے۔ ہم جنگ جاری رکھیں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس میں کتنی جانوں کا نقصان ہوتا ہے
اور کتنے معذور ہو جاتے ہیں، جاؤ امریکہ میں ہمارے دوستوں کو اور جو ہماری امداد بند کر دینا
چاہتے ہیں ان کو بتا دو کہ ہم ان کی کوئی شرط قبول نہیں کریں گے۔ یہ ٹاسک مشکل ضرور ہے لیکن
چارلی ولسن کے کیپٹل ہل میں ہوتے ہوئے یہ ناممکن نہیں۔



واشنگٹن میں اب چارلی ولسن ڈائریکٹری سے نمبر ڈھونڈ کر ان کانگریس مینوں سے رابطہ کر
تھا جن کے لئے اس نے کبھی کچھ کیا تھا۔ چارلی ان سے کہہ رہا تھا کہ میں نے تمہارے لئے جو کچھ
کیا تھا اب اس کی واپسی کا وقت ہے۔ نیل بتاتا ہے کہ چارلی نے صبح کے پانچ بجے تک کے
دوسرے گروپ سے فتح چھین لی تھی۔

چارلی ضیاء الحق کے لئے رقم چاہتا تھا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ضیاء الحق کے لئے
رقم دیں۔ وہ ان سے پوچھتا کہ تم میرے ساتھ ہو یا سولارز کے ساتھ۔ ہر کوئی یہی سوچتا تھا کہ اگر
آج اس نے چارلی کا ساتھ دیا تو چارلی ہمیشہ اس کا ساتھ دے گا۔

اس دن چارلی جلدی دفتر آ گیا تھا۔ فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی دوسری طرف صدر ضیاء
الحق لائن پر تھے۔ وہ چارلی کا حوصلہ بڑھانا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا "چارلی کو پیغام دیدو کہ ا
جنگ جاری رکھے ہمت سے کام لے"۔

امریکہ مصر اور اسرائیل کے بعد سب سے زیادہ امداد وصول کرنے والا ملک پاکستان تھا۔
امداد اربوں ڈالر سالانہ بنتی تھی۔ اس رات ہاؤس سینٹ کانفرنس میں پاکستان کی امداد بند کرنے
معاملہ انجام کو پہنچنا تھا۔ ڈینس نیل اس مشترکہ اجلاس کو پوکر کے کھیل سے تشبیہہ دیتا تھا اُس کا
تھا کہ پوکر کے کھیل اپنے مدمقابل کے ہر داؤ پیچ پر نظر رکھنا پڑتی ہے اور حکمت عملی ترتیب دی جا
ہے یہاں بھی یہی صورتحال تھی۔ "کھیل شروع ہونے پر لائیسٹ باہر گیٹ پر بیٹھ کر کھیل کے انجا
کا انتظار کرتے رہے"۔

ولسن کو معلوم تھا کہ کمیٹیوں کے ممبران پاکستان کے خلاف پابندیوں کے لئے جمع ہو
چارلی سے انہوں نے براہ راست ووٹ کی بات کی تو چارلی نے انکار کر دیا۔ وہ سب کم
چیئرمین ڈیوڈ اوبے سے ڈیل کر چکا تھا۔ اس نے ڈیوڈ سے بات کر لی تھی کہ اس ایشو پر با
اجلاس کے آخر تک ٹرخا دی جائے جب تمام ممبران تھک چکے ہوں اور ان کو گھر جانے کی جلد
ہو۔ دوسرا یہ کہ ڈیوڈ براہ راست ووٹ کی اجازت نہ دے۔ ڈیوڈ اوبے ضیاء الحق کو انتہا پسند نہ
سمجھتا تھا لیکن وہ ولسن کے ساتھ تھا سب کمیٹی کو کنٹرول کرنے کے لئے چارلی چیئرمین کا د
راست تھا۔ چارلی روایت پسند نہیں تھا وہ لبرل ڈیموکریٹ اور کاؤبوائے مشہور تھا۔ لیکن کمیونزم
خلاف اس سے زیادہ کوئی شدت پسند نہیں تھا۔ اس رات چارلی کی کوششیں بار آور ہوئیں

ستان پابندیوں سے بچ گیا۔

ضیاء الحق امریکہ کے بدستور اتحادی رہے اور مجاہدین ہر روز ایک کے حساب سے روسی گن
پ گراتے رہے۔ تربیت کا پروگرام بھرپور طریقے سے جاری رہا اور یہ وقت پاکباز مجاہدین کو
میابی کی طرف لے جا رہا تھا۔ 1987ء کے آخر اور 1988ء کے شروع کے چند ہفتے افغان
ل کے فیصلہ کن مرحلے کے ہفتے تھے۔

ماسکو میں ریڈ آرمی کی افغانستان سے واپسی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ روس مختصر وقت میں
انستان سے اپنی فوج کا انخلا چاہتا تھا۔ روس کو اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا کہ واشنگٹن میں کیا ہو رہا
ہے اور کس پر پابندی لگائے یا نہ لگانے کی کارروائی چل رہی ہے۔ بہرحال ضیاء الحق کی امداد بچ گئی
ی۔ کریملن میں بھی ہارڈ لائنرز کے لئے بھی کوئی خوش فہمی باقی نہ تھی۔ ان کے لئے بھی اب
ی صورتحال تھی جس سے نکلنے کی کسی کے پاس تدبیر نہیں تھی۔ جنیوا میں ایڈورڈ شیورڈ نارڈزے نے
رج شلز کو ایک طرف لے جا کر رازدارانہ لہجے میں کہا کہ کریملن نے انخلا کا فیصلہ کر لیا ہے"۔
ارلی ولسن کی جنگ ختم ہونے کے قریب تھی۔



The Prince Of Glory

پاکستان میں یہ اتوار کا دن تھا۔ چھٹی کے بعد دوسرا دن، ان دنوں پاکستان میں دوسرے
اسلامی ملکوں کی طرح جمعہ کو ہفتہ وار چھٹی ہوتی تھی۔ اتوار کو لوگ حسب معمول اپنے دفاتر جارہے
تھے۔ بچے کلاسوں میں بیٹھے تھے۔ گاڑیاں، سکوٹر اور موٹر سائیکل سڑکوں پر رواں دواں تھے
ریڑھیوں والے اپنا کام شروع کر چکے تھے کہ جیسے اسلام آباد پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔ زوردار
دھماکوں کی آواز گونج رہی تھیں آدھے میل تک عمارتوں کے شیشے ہل رہے تھے ایک کے بعد دوسرا
دوسرے کے بعد تیسرا دھماکہ پھر مسلسل دھماکے جاری تھے آسمان دھوئیں سے اٹ چکا تھا لوگ
پریشان اور کنفیوژن کا شکار تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ کچھ کو یقین تھا کہ اسلام آباد پر حملہ کیا گیا ہے۔

افرا تفری میں افواہیں جنم لے رہی تھیں۔ سب کو معلوم تھا کہ بھارت کے پاس ایٹم بم
ایک افواہ یہ تھی کہ ریڈ آرمی اپنا بدلہ لے رہی ہے۔ بہت سے لوگ یقین کر چکے تھے کہ اسرائیل
پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نشانہ بنا ڈالا ہے۔ ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ یہ سی آئی اے کا
ہے۔ حیرت انگیز طور پر یہی قیاس آرائی سچ کے قریب تھے۔

بلٹ بیرڈن نے یقیناً یہ حملہ نہیں کرایا تھا جو ان دنوں اسلام آباد سٹیشن میں تھا۔ اس
پاکستانی ان دھماکوں کے باعث مر رہے تھے اور یہ براہ راست سی آئی اے سے آ رہے
راولپنڈی اور اسلام آباد کے قریب اوجڑی کیمپ میں تقریباً 10 ہزار ٹن اسلحہ ذخیرہ کیا گیا تھا۔

افغان مجاہدین کو اسلحہ فراہم کیا جاتا تھا اور اب یہ جنگ ختم ہو چکی تھی جنیوا معاہدے پر دستخط ہو
چکے تھے۔

روسی قوم جنگ عظیم دوم کے بعد سے اس میں حصہ لینے والے اپنے ہیروز کا بڑا احترام کرتی
تھی۔ یہ لوگ میڈل پہن کر باہر نکلتے تو لوگ سلام کرتے تھے۔ ان لوگوں نے نازی جنگ جیتی
تھی۔ ان لوگوں کے احترام کا سلسلہ افغان جنگ کے دوران بھی جاری رہا۔ یکم مئی کو قیدیوں سے
بھرے پھندے ان ہیروز کا سٹیڈیم آنے پر زبردست استقبال ہوتا تھا لیکن افغانستان میں مرنے
بچ جانے والوں کی روسی قوم کو کوئی پروا نہیں تھی جبکہ دوسری جنگ کے ہیروز کو خراج تحسین ہر روز
پیش کیا جاتا تھا۔ روس کی سرکاری پالیسی کے مطابق یہ لوگ افغانستان میں جنگ نہیں لڑ رہے تھے۔
روسی حکومت سوشلزم کو فروغ دے رہی تھی یہ دہشت گردی اور ڈاکوؤں کو ختم کرنے کی مہم تھی۔ ان کی
نظر میں مجاہدین ڈاکو، دہشت گرد اور دشمن تھے۔ افغانستان میں روسی پالیسی کے مطابق کوئی جنگ
نہیں ہو رہی تھی 120000 فوج بھی یہاں تعینات نہیں تھی روسی ہوا باز دیہات کے دیہات
بمباری کر کے صفحہ ہستی سے بھی نہیں مٹا رہی تھی۔ یہاں کوئی آدمی مارا جا رہا تھا نہ زخمی ہو رہا تھا۔ یہ
کتنا عجیب تھا کہ افغانستان سے روسی فوجیوں کی لاشیں واپس جا رہی تھیں۔ ان کو خاموشی کے ساتھ
دفن کر دیا جاتا تھا۔ ان کی ماؤں کو بتایا جاتا کہ یہ جنگ میں نہیں مارے گئے اس لئے ان کو میڈل
نہیں دیا جا سکتا کیونکہ افغانستان میں تو جنگ ہو ہی نہیں رہی۔

لوگوں کو بتایا جاتا تھا کہ بی بی سی اور وائس آف امریکہ جنگ کی جھوٹی خبریں نشر کر رہے ہیں
لیکن پھر جب لاشوں کی واپسی، ہزاروں جوانوں کی لاشوں کی واپسی شروع ہوئی تو یہ روسیوں کے
لئے بڑا عجیب تھا۔ روایتی طور پر روس میں جنگ میں جوان کے مرنے پر اس کی ماں کو اس کی آخری
رسومات ادا کرنا ہوتی ہیں وہ بے چاری اس موقع پر آنسو بہاتی ہے یہ افسوسناک رسوم ہیں لیکن ان
رسوم میں ایک وقار پایا جاتا ہے۔ ان میں رشتے دار پڑوسی اور اہل محلہ بھی شرکت کرتے ہیں لیکن
اس جنگ میں ان ماؤں کو ایسی کوئی رسم ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ روسی پالیسی سازوں
کی نظر میں وہ جنگ میں نہیں مرے تھے۔ ان کی ماؤں کو ان کی بہادری اور حب الوطنی کے بارے
میں بھی نہیں بتایا جاتا تھا۔

اب ماؤں نے منظم ہونا شروع کر دیا تھا۔ جب ایک ماں کا بیٹا ہی مر گیا تو اس کا سب کچھ

لٹ جاتا ہے۔اس پر کوئی دھمکی اثر انداز نہیں ہوتی اس طریقے سے دوسرے کو بھی منظم ہونے لگے تھے۔امریکی ویتنام میں جنگ لڑ رہے تھے تو ان کا ایک ایک آدمی واپس جاتا تھا لیکن روسی افغانستان میں جس طرح اکھٹے گئے تھے اسی طرح یونٹوں کی شکل رکھتے واپس آئے۔روسی فوجی واپس اپنے ملک جنگ کے خاتمے پر گئے تو ان کی زبان پر افغان جنگ کی کہانیاں تھیں۔وہ ان یادوں کو گیتوں اور گانوں کے ذریعے یاد کرتے تھے۔گانوں میں وہ جنگ کی ہسٹری بیان کرتے۔ اپنے ساتھیوں کے مارے جانے اور ان کی لاشوں کی بات کرتے تھے۔وہ اپنے سپنوں کے محل کی تباہی بیان کرتے، مجاہدین اور ان کے کمانڈروں کے قصے بیان کرتے جو جنگ میں کود پڑے تھے۔وہ بلیک ٹولپ (ٹالبوٹ) کی داستانیں سناتے اور ان کی ماؤں کو سنائی جانے والی ہدایات کی بات کرتے تھے جن میں ان خواتین کو جھوٹ بتایا جاتا کہ افغانستان میں کوئی جنگ نہیں ہو رہی۔

لینن اور سٹالن نے جو ڈسپلن قائم کیا تھا وہ بہت بہتر تھا۔اس کی بدولت پانچ سال تک ا روسی حکمرانوں کو جھوٹ کسی نہ کسی حد تک چلتا رہا لیکن گلیوں بازاروں میں گھومتے اس کے فوجی لنگڑے، کچھ بازوؤں سے محروم نوجوان اپنی حکومت کے جھوٹ ثابت کرنے کے لئے کافی تھے۔

مجاہدین جان کی پروا نہیں کرتے تھے وہ مر کر جنت میں سدھار جانے پر یقین رکھتے تھے۔ شہادت ان کی عظیم خواہش ہے۔وہ سائیکلوں پر بم باندھ کر کارروائیاں کرتے، گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں پر اسلحہ لاد کر لے جاتے تھے۔ان کے لئے جنت کا راستہ کھلا تھا جبکہ دوسری طرف دشم کے لئے ایسا کچھ نہیں تھا۔وہ مارے جاتے تو ان کو تابوت میں بند کر دیا جاتا، منہ کے سامنے ایک دروازہ رکھا جاتا تھا یہ لاشیں جب روس پہنچتیں تو ان کی مائیں منہ دیکھنے پر اصرار کرتی تھیں ایسا ا ہوتا کہ ماں نے تابوت کا دروازہ کھولا تو اس میں کوئی اور نوجوان پایا گیا۔اگر اس کا اپنا بیٹا ہوتا اس کی قبر پر لکھ دیا جاتا۔"پیدائش 28 جولائی 1964ء۔وفات 8 فروری 1985ء۔بین الاقوا ڈیوٹی کے دوران مارا گیا"۔

1986ء کی سردیوں تک سوویت کی روح، گورباچوف اور ان کے اندرونی حلقوں میں ز سرایت کر چکا تھا افغانستان میں سال بہ سال ان کے مسائل میں اضافہ ہوا تھا اور صورتحال بد- بدترین ہو گئی تھی۔اب ان کے سامنے مسائل ایک مصیبت بن کر کھڑے تھے۔مزاحمت کے خا کی بجائے تباہی کے لئے اشارے مل رہے تھے۔

روس نے مجاہدین کے بارے میں پراپیگنڈہ شروع کر دیا تھا کہ یہ بہت بُرے اور ظالم ہیں۔ ہ فوجیوں کو اس نے رات کی واک سے منع کر دیا گیا تھا۔کابل کے سٹوروں پر جانا ضروری ہو تو یوں کو ساتھ لے کر جانے کی ہدایت تھی وہ تمام جانتے تھے کہ گلبدین حکمت یار کے شدت پسند یوں کو پکڑ کر ان کے بازو اور ٹانگیں کاٹ کر سڑک پر پھینک دیتے تھے۔وہ چاہتے تھے کہ روسی جیوں کے نئے دستے جہاز لے کر نکلیں تو ان کو سٹنگرز سے مار گرایا جائے۔ان کو خوف لگا رہتا کہ دکاندار جو افغانی ہیں ان کے ساتھ بڑے دوستانہ طریقے سے پیش آتے تھے۔اچانک ہلی سوئی چبھو دیتے تھے جو براہ راست پھیپھڑوں کو ناکارہ بنا دیتی تھی۔اب ہر افغان ان کا ن بن گیا تھا۔بعد میں روسی صحافی آرٹن بورووک لکھتا ہے کہ ان دنوں روسی فوجیوں کی اوسط ہب کی تلاش میں تھی۔دہریوں کو خدا کی تلاش تھی۔وہ دوسرے اسلحہ کے ساتھ ساتھ ایک فالتو ولی بھی رکھتے تھے جس کا مقصد پکڑے جانے کے خطرے کے پیش نظر اپنے آپ کو اڑا لینا تھا۔ ن پر ہر وقت انجانا خوف طاری رہتا تھا۔بہت سے نشیات کے عادی ہو چکے تھے۔ان کو افغانی ل نشیات فروخت کرتے تھے۔رات کو روسی فوجی اکٹھے بیٹھتے تو مجاہدین کی کہانیاں ان کی زبان ہوتی تھیں کہ وہ کیسے ارد گرد ان کے منتظر ہیں۔جب افغان مجاہد روسیوں کے ہتھے چڑھ جاتا وہ س پر تشدد کرتے تو وہ مجاہد کوئی چیخ و پکار نہیں کرتا تھا آنکھیں جھپکتے جھپکتے جان دے دیتا تھا۔

امریکہ کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔گورباچوف گھیرے میں آ چکا تھا۔امریکی جنگ جاری رکھنے پر تیار تھے۔یہ واضح نہیں تھا کہ روسی جنگ کی قیمت ادا کرنے پر تیار ہیں یہ پانچ لاکھ فوجیوں کی زندگی کا سوال تھا۔گورباچوف کو اپنی قوم کے سامنے جا کر بتانا تھا کہ وہ شکست کھا رہا ہے اور یہ ناممکن تھا۔ فروری میں گورباچوف کو تسلیم کرنا پڑا کہ افغانستان ان کے لئے مصیبت بن گیا ہے۔گورباچوف کی تقریر کے چند ماہ بعد تک بھی کسی کو کریملن میں یہ معلوم نہیں تھا کہ راولپنڈی میں اندھیرے میں میک کولم پروازیں چند ماہ قبل اتر رہی تھیں۔سی آئی اے سٹیشن کا چیف سٹنگرز کی ان لوڈنگ کے وقت وہاں موجود ہوتا تھا۔آئی ایس آئی کا بریگیڈیئر رضا بھی وہیں سٹنگرز اترتے دیکھتا تھا۔ رضا ساتھ ہی دوسرے جہاز میں کچھ میزائل لوڈ کرواتا جو 8 ہفتے کی تربیت حاصل کرنے والے مجاہدین کے بارڈر کے قریب کسی جگہ حوالے کر دیئے جاتے تھے۔

روسیوں کے لئے ہر چیز غلط سمت میں جا رہی تھی اپریل میں جب جنگجوؤں کی کارروائیوں کا

نیا آغاز ہوتا ہے جنرل ویرنیکوف کو فوری طور پر کابل سے واپس بلا لیا گیا۔ اس وقت چرنوبل کے
ایٹمی ریکٹر کو تباہ کر دیا گیا تھا جس سے ہزاروں ایکڑ رقبہ زہر آلود ہو گیا تھا۔ ویرنیکوف کے وہاں
پہنچنے پر گورباچوف انڈر گراؤنڈ چلا گیا اور ایسا ظاہر کیا جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو۔ 11 دن بعد عالمی طور
واویلا کرنے پر صرف 2 لاکھ افراد کو ان علاقوں سے نکالا جا سکا اور ماہرین کو تباہ شدہ مقام کی صفائی
کے لئے روانہ کیا گیا۔

پاکستان کی سرحد پر ایک ڈویژن فوج لگانے کے بجائے اس فوج کی جان خطرے میں ڈال
کر چرنوبل میں ملبہ صاف کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ چرنوبل کی تباہی پر دنیا خوفزدہ تھی۔ وائٹ
ہاؤس میں صدر ریگن نے اپنے مشیروں کو کہا کہ اگر چرنوبل جیسا واقعہ امریکہ میں پیش آیا ہوتا تو
ہمارے دفاعی ترقی کا خاتمہ تھا گورباچوف بھی ایسا ہی محسوس کرنے لگا۔ گورباچوف پر پہلے ہی
طرف سے دباؤ تھا۔ روسی معیشت بری طرح گر چکی تھی۔ وہ ریگن کے ساتھ ہتھیاروں کی دوڑ میں
مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی اتنا خرچ کرنا اس کے بس کی بات تھی۔ چرنوبل کا واقعہ روسی نکتہ نظر
سے برے موقع پر پیش آیا تھا۔ روس کی ملٹری اسٹیبلشمنٹ خوفزدہ تھی۔ ایسے برے موقع پر چرنوبل کا
سانحہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ویرنیکوف کو پتا چلا کہ امریکہ نے قذافی کے ٹینٹ پر گائیڈڈ میزائل
سمارٹ بم دے مارا ہے۔ یہ بڑا خطرناک اور دھمکی آمیز واقعہ تھا۔ ویرنیکوف ماہر منصوبہ دان تھا۔
اس کا کہنا تھا کہ سوویت یونین کو یہ چیلنج نظر انداز نہیں کرنا چاہئے لیکن اس کو یہ بھی اس کے ساتھ
وزیر دفاع بازوف نے بتایا کہ روس کی معیشت دیوالیہ ہو چکی ہے۔ اس کی وجہ امریکہ کی دیکھا دیکھی
غیر ضروری اسلحہ کی تیاری تھا۔ اب یہ ایشو غیر متعلق تھا کہ بحران سے کیسے نمٹا جائے۔ گورباچوف کی
سوچ تھی کہ اب مرکز کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھا جا سکتا چنانچہ خزاں میں کریملن میں جو بحث
مباحثہ جاری رہا اس میں افغانستان ایجنڈے پر اہم تھا۔

ضیاء الحق نے اقوام متحدہ کے جنیوا مذاکرات میں ایک ماہ کی تاخیر کرا دی تھی تا کہ سی آئی اے
کو اسلحہ کی فراہمی کے لئے مزید وقت مل جائے۔ معاہدے کے بعد دونوں سپر طاقتیں کوئی اسلحہ نہیں
بھیج سکتی تھیں۔ ضیاء الحق کی خواہش تھی کہ ان کے اور سی آئی اے کے حامی افغان گروپ روس کے
انخلا کے بعد افغانستان میں اقتدار میں آئیں لیکن اس صبح اوجڑی کیمپ اڑا دیا گیا۔ 30 ہزار
راکٹ، لاکھوں گولیاں بڑی تعداد میں بارودی سرنگیں، سٹنگرز، ایس سیون، بلو پائپ، ملن اینٹی

میزائل، ملٹی بیرل راکٹ لانچر اور مارٹرز تباہ ہو گئے۔ سو سے زائد لوگ لقمہ اجل بن گئے اور ہزار
سے زائد زخمی ہوئے۔ گولہ بارود دو دن تک پھٹتا رہا۔

دوسری صبح جب راکٹ مسلسل چل رہے تھے ضیاء الحق نے واشنگٹن میں اپنے سفیر جمشید
مارکر کو واضح الفاظ میں پیغام دیا کہ صبح ویبسٹر اور چارلی سے ملو اور ان سے کہو کہ "خدا کے لئے فوری
طور پر ہر چیز کو بدل دو"۔ جمشید مارکر اپنے صدر کے سخت اعصاب پر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا
"صدر نے مرنے والوں اور زخمیوں کے لئے امداد کی بات نہیں کی تھی وہ صرف ایک چیز چاہتے تھے
وہ مزید میزائل چاہتے تھے"۔

یہ اس انسان کی حیران کن کارکردگی تھی جس کی چند ماہ قبل پوری امداد بند ہونے جا رہی تھی۔
اب وہ سی آئی اے چیف سے اپنے دارالحکومت کے شعلوں میں گھر جانے کے بعد تباہ کن اسلحہ کی
خریداری کے لئے 100 ملین ڈالر مانگ رہا تھا۔ ضیاء الحق نے مارکر کو بتایا کہ اس بارے میں روس
کو بھی علم ہونا چاہئے کہ امریکہ یہ کر رہا ہے تا کہ روس جنیوا معاہدے کو توڑنے کی جرات نہ کرے۔

یہ آخری بار تھی جب ضیاء الحق نے سی آئی اے اور چارلی سے امداد طلب کی۔ یہ سی آئی اے
کا ایک بڑا کارنامہ تھا کہ اگلے 24 گھنٹے کے اندر امریکہ سامان بردار جہاز سے بڑی مقدار میں
سٹنگرز اتارے جا رہے تھے اور دوسرا اسلحہ نیٹو سے براہ راست پہنچانے کا کہہ دیا گیا تھا۔ چارلی
نے اس روز محمد کو پیغام دیا کہ سی آئی اے کو اسلحہ کی شدید ضرورت ہے ابوغزالہ کا جواب تھا "جہاز
بھیج دو، ابوغزالہ نے اپنی فرنٹ لائن سے مارٹر دینے کا حکم دیا تھا۔

اسلام آباد میں فیلڈ کمانڈر بلٹ بیرڈن کے لئے یہ جنگ ایک کھیل بن گئی تھی۔ اوجڑی کیمپ
میں دو دن تک دھماکے ہوتے رہے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنگ تیزی سے اپنے اختتام کی طرف
بڑھ رہی تھی۔ اس جنگ کے لئے لایا جانے والا بہت سی قسم کا اسلحہ ابھی جنگ میں استعمال نہیں ہوا
تھا مثلاً ٹیکساس چن سا، مائر آپٹک وائر گائیڈڈ ڈرون، اسرائیلی چارلی ہارس اور مختلف اقسام کے
پراٹوٹس بھی جنگ میں استعمال نہیں ہوئے تھے۔

بیرڈن کو اسلام آباد میں تفریح کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا۔ وہ روس کی پسپائی کی حوصلہ افزائی
کے لئے اس خفیہ آپریشن کو منظر عام پر لانا چاہتا تھا۔ اوجڑی کیمپ میں تباہ ہونے والے اسلحہ کی جگہ
نیا اسلحہ لانا دراصل روسیوں کے پیٹ میں چاقو گھسا کر اسے گھمانا تھا۔ انہیں باور کروایا گیا تھا کہ

اوجڑی کیمپ کی تباہی سے کوئی فرق نہیں پڑا چنانچہ جب ایمبیسی نے شروع میں اسلحہ کی جہازوں کے ذریعے دوبارہ فراہمی پر اعتراض کیا اور کہا کہ زمین سے یہ جہاز شناخت ہو جائیں گے تو بیرڈن ان پر چلایا اور کہا "جہازوں کو فلورونیسٹ نیپٹ کر کے ان کے اوپر لائٹیں لگا دو"۔

ایمبیسی کے استقبالیہ پر سٹیشن چیف اپنے روسی ہم منصب کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ اسے سامنے باغ میں لے گیا اور آسمان پر کئی امریکی سی 141 اور سی 5 کافی تعداد میں اڑ رہے تھے۔ جو لینڈنگ کے لئے اپنی باری کے منتظر تھے "تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیا ہے" بیرڈن نے پوچھا۔ اس پر وہ اوپر آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا "یہ ایک خوبصورت نظارہ ہے کیا ایسا نہیں؟" بیرڈن کا پیغام بالکل واضح تھا۔

14 اپریل 1988ء کو جنیوا معاہدے کا اعلان ماسکو ٹی وی نے بھی کیا۔ ضیاء الحق نے روسی انخلا پر مذاکرات کو 20 ویں صدی کا سب سے بڑا معجزہ قرار دیا تھا۔ اب افغانستان میں ہر طرف خاموشی تھی۔ روسیوں نے ظالمانہ کارروائیاں بند کر دی تھیں۔ اوجڑی کیمپ کی تباہی پر روس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا وہ انخلا کی پالیسی پر گامزن تھے۔ ان کے پولٹ بیورو نے معاہدے پر عملدرآمد جاری رکھا۔ ریڈ آرمی کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ جہاں بھی گئی وہاں سے کبھی واپس نہیں آئی لیکن افغانستان میں اس کا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ جہاں سے یہ واپس جا رہی تھی روس نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ سوویت یونین کے خاتمے کی طرف گامزن تھا اور اب اسے کوئی بھی اس انجام سے نہیں بچا سکتا تھا۔ ضیاء الحق اور سی آئی اے کو اوجڑی کیمپ کے سانحہ کے حوالے سے مزید فنڈز اور امداد مل گئی تھی۔ سعودی عرب نے چیک فنڈز میں مزید اضافہ کر دیا۔

اوجڑی کیمپ کی تباہی پر آخری خفیہ ادائیگی کی گئی اب حکومت کی کھلی پالیسی کا وقت آ گیا تھا۔ اب جنیوا میں وزیر خارجہ جارج شلز نائب وزیر خارجہ مائیک آرماکوسٹ بیوروکریسی کے ساتھ چارلی کے کردار کی اہمیت پر خراج تحسین پیش کر رہے تھے گورڈن سینیٹر ہم عصر کو افغان پالیسی کے حوالے سے ہیرو قرار دیا گیا۔ جن حکام نے سٹنگرز متعارف کرایا تھا وہ کہہ رہے تھے اس ایک ہتھیار نے جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

چارلی ولسن کے افغان جنگ کے حوالے سے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ چارلی خود بھی کریڈٹ لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس دوران "60 منٹ" کے پروڈیوسر نے اس سے رابطہ کیا اور اس سے کہا اس

ڈر پروگرام کے لئے مدد کی درخواست کی۔ پاکستانیوں نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ولسن پاکستان میں جا کر انٹرویو دینے پر تیار ہو جائے تو پروڈیوسر بھی وہاں جا سکتا ہے۔ اسی کے ئے اس نے چارلی سے مدد مانگی تھی۔ اس موقع پر چارلی نے پہلی مرتبہ سی آئی اے سے ذاتی طور مایت مانگی تھی۔ کچھ عرصہ قبل سی آئی اے چیف بل کیسی دماغ میں رسولی کے باعث مر گیا تھا۔ کی جگہ جج ولیم ویبسٹر چیف تھا۔ چارلی نے اس سے بات کی تو اس نے قانونی موشگافیوں اور کی جان کو لاحق ہونے والے ممکنہ خطرات کا حوالہ دیتے ہوئے اتفاق نہ کیا۔ اس نے یہ بھی بتایا اس سے کانگریس اور ایجنسی کے درمیان مسائل پیدا ہوں گے۔

عملی طور پر چارلی کیپٹل ہل پر ایجنسی کا سٹیشن چیف تھا۔ بعد ازاں اسے سی آئی اے کی بے رگیوں بارے تحقیقاتی کمیٹی کا سربراہ بنایا گیا تو اس نے اپنے لینگلے کے ساتھیوں کو جشن منانے لہہ دیا۔ اس دن اس نے لنچ پر اپنے ساتھیوں سے کہا "جو تم پسند کرتے ہو کرو اب مرغی لومڑی نچے میں آ گئی ہے"۔ سی آئی اے کے سیون فلور پر جو چارلی کو اہمیت دی جاتی تھی وہ کسی کو ل نہیں تھی۔ سی آئی اے کو جب بھی مسائل کا سامنا ہوا چارلی نے ہمیشہ ان کی مدد کی۔ جب ی چیف اور اس کا ڈپٹی باب گیٹس اس کے ساتھ میز پر بیٹھے تو ان کے پاس چارلی کی حمایت نے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ وہ افغانستان میں "60 منٹ" پروگرام کی اجازت چاہتا تھا۔ ے دی گئی۔ دوسروں کی طرح ضیاء الحق نے بھی چارلی کو "60 منٹ" پروگرام کے لئے نستان جانے کی اجازت دے دی کیونکہ چارلی نے ضیاء الحق کے لئے جو ممکن تھا کر دکھایا تھا۔

"60 منٹ" کے کیمرہ مین ٹریننگ پوری دنیا میں گھوما تھا۔ اس نے بے شمار پروگراموں کی بندی کی جس طریقے سے چارلی ولسن کا وار زون میں خطرناک علاقے میں استقبال ہوا تھا۔ استقبال اس نے کسی بھی سیاستدان کا نہیں دیکھا تھا۔ حیرتناک سین اس وقت دکھایا گیا جب ن سرحد میں داخل ہوتے ہی گھوڑوں پر سوار افغان مجاہدین نے چارلی ولسن کو حفاظت کے لئے ے حصار میں لے لیا۔ دیکھنے میں کوئی چنگیز خان کی فوج نظر آتی تھی وہ اپنی حفاظت میں کیمرہ بت سب کو لے کر چل دیئے۔ کارواں اس ٹیم کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں تھا۔ سٹنگر ل تھا۔ پانچ ٹیمیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ ان میزائلوں کا رخ آسمان کی طرف تھا۔ وہ کسی اروی جارحیت کا جواب دینے کے لئے الرٹ تھے۔ گن بردار 200 مجاہدین کا قافلہ چلتے

ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ چاند پر چل رہے ہوں۔ آج ان کی پہلی منزل علی خیل تھا۔ یہاں روسی فوج کوچ کر گئی تھی علی خیل میں مجاہدین چارلی کا استقبال کرنے کے لئے موجود تھے۔ گاڑیوں کے اوپر کھڑے ہو کر نعرے لگا رہے تھے نعروں کی گونج میں چارلی گاڑی سے باہر آ پنگ فلم بناتے ہوئے دوڑ رہا تھا۔ مجاہدین کمانڈرز نے چارلی کو قلعے کے اندر جانے کی دعو دی۔ یہاں روسی فوجی شراب کی کھلی بوتلیں اور بھرے ہوئے گلاس چھوڑ کر بھاگ گئے تھے دکھانا چاہتا تھا کہ روسی فوجی کس طرح جان بچانے کے لئے میزوں پر شراب کے آدھے گلاس چ کر بھاگے ہیں۔ مجاہدین کے لئے یہ بڑے خوش کن لمحات تھے۔ جب وہ اپنی مادرِ وطن کو آزاد دیکھ رہے تھے۔

کمیونین پنگ مجاہدین کے چارلی کے ساتھ سلوک سے بہت زیادہ متاثر ہو رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ پیش آ رہے تھے جیسے چارلی ولسن ان کا فیلڈ مارشل ہو۔ قلعے کے باہر امریکہ کی طر سے فراہم کئے گئے اسلحہ سے لیس مجاہدین کھڑے تھے۔ انہوں نے ہر موقع پر چارلی کے گرد حفا حصار بنائے رکھا تھا۔ چارلی اس دورے کے دوران جب بھی نئی جگہ گیا مجاہدین اسلحہ چلا کر ا استقبال کرتے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے بھی لگاتے تھے۔ فضا دھوئیں سے اٹ جاتی اور ہر ط گھن گرج اور اللہ اکبر کی صدائیں آتی تھیں۔ مجاہدین چارلی کے سامنے سی آئی اے کی طرف دیئے گئے اسلحہ سے نشانہ بازی کا بھی بہترین مظاہرہ کرتے تھے۔ ہر خبر کو کیمرہ مین عکسبند کر رہا افغانستان موجودگی کا پنگ کے لئے ایک لمحہ بھی ایسا نہیں تھا جو مسحور کن نہ ہو۔

چارلی ولسن ایک پہاڑ کی چوٹی پر فلم بنوا رہا تھا۔ یہاں کھانے کا بندوبست کیا گیا مجاہدین روسیوں کے نیپام بم رکھنے والے لکڑی بکسوں کی ٹرے بنا لی تھی۔ وہ اس میں دنبے اور مر روسٹ کیا ہوا گوشت اور سادہ روٹیاں لا رہے تھے۔ منوں کے حساب سے پکائے گئے چاول دہی بھی موجود تھا۔ زمین پر ایک بڑا سا دسترخوان بچھا دیا گیا یہاں 20 مجاہدین کمانڈر چوکڑی بیٹھ گئے۔ چارلی بھی ایسے ہی بیٹھا تھا۔ کمانڈروں نے اپنی رائفلیں سائیڈ پر رکھ لی تھیں لیکن کیمپس بدستور میزائلوں کا رخ آسمان کی طرف کئے کھڑی تھیں۔ اس موقع پر کیمرہ مین بندی جاری رکھی تھی۔

چارلی نے 14.5 ایم ایم سے جب نشانہ لگایا تو مجاہدین نے خوشی کا اظہار کیا اس

چارلی کو سفید گھوڑے پر سواری کرائی گئی تو اپنے آپ کو لارنس آف عریبیہ کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ کیمرہ مین یہاں بھی مناظر عکسبند کرتا رہا۔ پینگ کو نہیں معلوم تھا کہ اس کی عکسبندی کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ یہ ایک سیکرٹ مشن تھا لیکن اس کے لئے ماہر کوریوگرافر کی ضرورت تھی۔ اس کا یہ کام برڈن نے آسان کر دیا۔

افغان ٹرپ کے بعد چارلی اسلام آباد پہنچا تو اس کو بیرڈن نے بتایا ''افغانستان میں شوٹنگ کا سارا پروگرام میں نے ترتیب دیا تھا۔ کسی امریکی کے وارزون میں داخلے پر پابندی کے باوجود میں نے اپنے ساتھی دو افسر وہاں بھیج دیئے تھے تاکہ ان علاقوں میں بارودی سرنگوں کی صفائی کروا دیں یہاں چارلی نے جانا تھا مجاہدین کے ذریعے اس کی حفاظت کے انتظامات اور اسلحہ برداروں کا حصار بھی اس کی پلاننگ کے مطابق بنایا گیا تھا۔ سڑکوں پر متبادل روسی ٹینک بھی کھڑے کرا دیئے تھے۔ چارلی مجاہدین بہت زیادہ سرگرم تھے''۔

اگلے سورج کی پہلی کرن کے نمودار ہونے کے ساتھ ہی ایک ٹویوٹا لینڈ کروزر امریکی ڈپلومیٹک کمپاؤنڈ کا گیٹ کراس کر رہی تھی۔ اس میں تمام افراد افغان مجاہدین کے لباس میں ملبوس تھے۔ گارڈز نے بریگیڈیئر جنرل جنجوعہ کو اس لباس میں بھی پہچان لیا تھا اب بریگیڈیئر جنجوعہ سی آئی اے کا افغان پروگرام چلا رہے تھے۔ گاڑی سفیر کے گھر کے باہر کھڑی تھی اور اس میں سوار افراد بےصبری سے کانگریس مین کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

بریگیڈیئر جنجوعہ چارلی کو فوجی ایئرپورٹ پر لے گیا یہاں اسے ٹوپی اور پگڑیاں پسند کرنے کے لئے کہا چارلی نے ایک پگڑی اور چترالی ٹوپی اٹھا لی۔ رات کو دو سیاروں کے ذریعے بیرڈن نے روسی فوجوں کی بارڈر کے قریب نقل و حرکت کا جائزہ لینے کو کہا تھا۔ وہاں سے او کے رپورٹ ملی تھی۔ یہ رپورٹ علی خیل قلعہ کے متعلق تھی۔ ضیاء الحق نے بارڈر پر تعینات فوج کو پوری طرح چوکس کر دیا تھا۔ چارلی اور اس کا امریکی مہمان افغانستان میں تھے۔ ایف 16 طیاروں کا پورا اسکواڈرن رن وے پر انجن سٹارٹ کئے کال کا منتظر تھا۔ ہیلی کاپٹر اور بچاؤ کی ٹیمیں پوری طرح تیار تھیں۔ جب چارلی 4 دن کے دورے پر افغانستان گیا تھا ایسی ہی تیاریاں کی گئی تھیں لیکن اس مرتبہ دراصل یہ بیرڈن کا شو تھا۔

بارڈر پر جب مجاہدین نمودار ہوئے تو سی آئی اے کہیں موجود نہ تھی لیکن وا کی ٹاکی پر سی آئی

اے پل پل کی خبر رکھ رہی تھی۔ چارلی کے اس قافلے میں بیرڈن اور سٹیشن چیف بھی موجود تھے
چارلی علی خیل پہنچا تو ان دونوں نے قلعے کے اندر داخل ہو کر ہر چیز کا جائزہ لیا تھا۔ سٹیشن چیف
خصوصی طور پر امریکہ سے پاکستان آیا تھا تا کہ وار زون میں چارلی کے انتظامات کو زیادہ سے زیادہ
پرامن بنایا جا سکے۔ بیرڈن اور اینڈرسن نے قلعے کی مکمل تلاشی لی تھی۔ اس موقع پر ان کی جان بھی
خطرے میں تھی۔ چارلی کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے سی آئی اے، اس کا چیف، ڈپٹی چیف
سٹیشن چیف اور اینڈرسن اور اس کا ماتحت بیرڈن ضیاء الحق اور ان کی فوج سب قانون توڑ رہے
تھے۔

''60 منٹ'' میں ضیاء الحق نے چارلی ولسن کو خراج تحسین پیش کیا۔ ضیاء الحق کے بغیر تو
جنگ کا لڑنا اور جیتنا ناممکن تھا۔ ضیاء الحق کے سامنے اس جنگ کا ہر کردار بالکل واضح تھا۔ پروڈیوسر
ہیری ریزنر کو ضیاء الحق نے بتایا ''افغان جنگ میں ایک شخص ایسا ہے جس کا کردار تاریخ میں سنہری
حروف میں لکھا جائے گا وہ ہے چارلی ولسن اس جنگ کا سارا کریڈٹ اسی کو جاتا ہے''۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہوا صرف اکیلے کانگریس مین نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہو؟'' ریزنر
سوال کیا۔

''ریزنر تمہارے سامنے سب کچھ رکھ دینا خطرے سے خالی نہیں یہ قبل از وقت ہوگا لیکن
کہہ سکتا ہوں کہ سب چارلی نے کیا''۔ ضیاء الحق نے جواب دیا۔

یہ 60 منٹ کا آخری سین تھا۔ 1988ء کے موسم خزاں میں روسی فوج افغانستان چھوڑ رہی
تھی۔ چارلی ولسن ''60 منٹ'' ٹیم کو خیبر پاس لے گیا سامنے خیبر پاس اور بیک گراؤنڈ میں
افغانستان نظر آ رہا تھا۔ چارلی تمام امریکہ سے مخاطب تھا۔ اس وقت کئی ہزار روسی فوج افغانستان
میں ابھی تک موجود تھی۔ 30 لاکھ افغان مہاجرین پاکستان میں رہ رہے تھے۔ ان لوگوں کی تعداد کا
کوئی اندازہ نہیں تھا جو بمباری میں بے گناہ مارے گئے۔ بھوک اور سردی سے مارے گئے تھے

چارلی کہہ رہا تھا ''لینن گراڈ کا 20 سالہ نوجوان جنگ میں مارا گیا وہ اس کی موت پر
جشن نہیں منائے گا اس موت پر کوئی خوش نہیں ہوگا کیونکہ اس کے پاس اس کے علاوہ اور کچھ کرنے
کا چارہ نہ تھا لیکن ہیری کو میرے چھوٹے سے ضلع سے 167 نوجوان ویتنام میں مارے گئے
کیلئے بھی اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ میں روس کی شکست پر خوش ہوں۔ میں کہتا ہوں

امریکہ نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا۔ اسے بدلہ لینے کی ضرورت تھی اور وہ یہ بدلہ لے رہا ہے'' ہم
سرحدوں میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ گردیز کو خالی کر رہے ہیں۔ مجھے اس سے محبت ہے۔

لاکھوں ناظرین نے بعد میں دیکھا کہ چارلی نے کیا کچھ کر دکھایا ہے۔ جنیوا معاہدے کے
بعد بہت سے لوگوں نے اسے مبارکباد دی جب روسیوں نے انخلا کا ٹائم ٹیبل دے دیا تھا افغان
معاملات کے حوالے چارلی ہر موقع پر موجود ہوتا تھا۔ افغان جنگ کے حوالے سے چارلی اور ضیاء
الحق کا کردار برابر کا ہے۔ اس کے باوجود کہ دونوں کا مذہب مختلف تھا۔ کلچر مختلف تھا۔ سٹائل اور
بات کا انداز الگ الگ تھا وہ ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر مجاہدین کو سپورٹ
کرتے رہے۔ دونوں کئی سال تک ایک ہی کاز سے منسلک رہے وہ اب دوست بن چکے تھے،
سچے دوست۔ اب کابل کی گلیوں میں اللہ اکبر کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ اس سب کو دنیا کے دو
کونوں میں موجود دو افراد نے مل کر ممکن بنایا تھا۔



Here To You

You Mother Fucker

صبح 9 بجے دفتر میں ہونا چارلی ولسن کا معمول نہیں تھا لیکن 17 اگست 1987ء کو وہ اپنے ڈیسک پر تھا۔ جس پر اسے رچرڈ آرمیٹج انڈر سیکرٹری آف ڈیفنس نے بڑی دکھ بھری خبر سنائی کہ صدر ضیاءالحق کا طیارہ گر گیا ہے۔ جس میں جنرل اختر عبدالرحمٰن، امریکی سفیر رافیل اور امریکی ملٹری اتاشی بھی شامل ہیں۔ ضیاءالحق کے ساتھ 9 اہم اعلیٰ فوجی افسر بھی مارے گئے۔ ہم نے خبر کی تصدیق کر لی ہے۔ چارلی کہتا ہے ''میں نے پوری زندگی میں اس سے بری خبر نہیں سنی تھی میرے لئے یہ نا قابل یقین تھا''۔ خبر سننے کے بعد چارلی اٹھا اور اس نے دفتر کا دروازہ بند کر لیا اور سہ پہر تک وہیں رہا۔ وہ اس نقصان کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا وہ جنرل اختر کو یاد کر رہا تھا جو ریزرو اور ہنس مکھ شخصیت کا حامل تھا۔ دونوں تقریباً ایک ہی ایج گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ جنرل اختر چارلی کو فتنہ انگیز شخصیت سمجھتا تھا لیکن جب ضیاءالحق نے اسے فیلڈ مارشل اعزازی اور خفیہ طور پر بنایا تو اختر بھی اسے پسند کرنے لگا تھا۔ وہ رافیل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ رافیل کی قابلیت کی بنا پر کچھ امریکی اسے مستقبل کا سیکرٹری آف سٹیٹ قرار دیتے تھے۔ رافیل نے چارلی اور سویٹم کے ساتھ کچھ عرصہ قبل ہنزا میں ویک اینڈ گزارا تھا۔ وہ میر آف حمزہ کے ساتھ بھی

ہے جو دنیا کی چھت پر رہتا تھا جس کے بارے میں بڑی دلچسپ پریوں کی کہانیاں وابستہ تھیں۔

چارلی کو رافیل کی موت پر بڑا دکھ ہو رہا تھا۔ اس نے حال ہی میں اپنی ایک ساتھی لڑکی سے شادی کی تھی۔ چارلی کہتا ہے کہ میں تینوں سے محبت کرتا ہوں لیکن ضیاءالحق کی موت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اسلام آباد میں صدر جنرل ضیاءالحق کے جنازے میں لاکھوں لوگوں میں افغان مجاہدین اور غیر ملکی سفارتکار بھی موجود تھے۔ چارلی اختر عبدالرحمٰن کے جانشین حمید گل سے ملا تو آنسو بہاتے ہوئے کہا ''آج میرا باپ مر گیا ہے''۔

چارلی کی کوئی اولاد نہ تھی اس کے والدین فوت ہو چکے تھے۔ وہ واشنگٹن واپس گیا تو شدید صدمے سے دوچار تھا۔ اس نے شنیبل چارلی کو بلایا اور کہا کہ میں اب افغانوں حتیٰ کہ پاکستان کے ساتھ بھی اب معاملات نہیں چلا سکتا تم اکاؤنٹ سنبھال لو۔ چارلی شنیبل کئی سال تک چارلی کے نام سے معاملات چلاتا رہا۔ جب روسی فوجیوں کے انخلا کی آخری تاریخ پہنچی تو چارلی ان معاملات سے لاتعلق تھا جس پر اسے بڑا فخر تھا۔ اب اس کے لئے اس علاقے سے وہ طلسماتی صورتحال نہیں رہی تھی جو ضیاءالحق کے کندھے سے کندھا ملا کر چلنے میں تھی۔ اس نے پھر گیسٹ کو لکھا ''ہم تمہیں مس کرتے ہیں کاش تم یہاں ہوتے امید ہے کہ تم افریقہ میں اچھا وقت گزار رہے ہو گے''۔ گیسٹ کا جواب آیا ''یاد کرنے کا شکریہ، میں یہاں افریقہ میں خوش ہوں''۔ یہ خط افریقہ سے آیا معلوم ہوتا تھا لیکن گیسٹ بدستور میکلین ورجینیا میں موجود تھا۔

چارلی ولسن کے لئے یہ ایک شاندار تحفہ تھا جو اس نے خوش کن دھوپ میں گزارا۔ یہ 60 منٹ نام کی دستاویزی فلم کی تیاری کے لئے تھا۔ اس میں ضیاءالحق نے چارلی کو خراج تحسین پیش کیا تھا۔ ولسن اس جنگ میں شیر تھا۔ جس کی کوشش سے سی آئی اے کی تاریخ کی سب سے بڑی اور مہنگی جنگ جیتی گئی تھی۔ ضیاءالحق نے اس جنگ کو بیسویں صدی کا سب سے بڑا معجزہ قرار دیا تھا۔ 15 فروری 1989ء کو بورس گرموف نے جو اک وقت میں بہترین روسی 40 ویں آرمی کا کمانڈر رہ چکا تھا ٹی وی پر اعلان کیا کہ افغانستان میں موجود آخری روسی سپاہی بھی روس واپس آ گیا ہے۔

اسلام آباد سٹیشن سے بیرڈن نے سادہ تار روانہ کیا ''ہم جیت گئے''۔ چارلی نے اپنے نوٹ کے ساتھ گیسٹ کو لکھ بھیجا ''یہ ہم نے کیا ہے''۔ سہ پہر جج ویبسٹر نے ایک پارٹی کا اہتمام کیا۔ یہ ایک اعلیٰ درجے کی بہترین پارٹی تھی۔ یہاں افغانستان میں روسی ہیلی کاپٹروں اور تباہی کا جشن

منایا جاتا تھا۔ یہاں ہر چیز وافر مقدار میں موجود تھی۔ انواع واقسام کے کھانے اور شراب ہر چ ضیافت میں رکھی گئی تھی۔ اس میں شرکت کرنے والے ایسے بھی تھے جو پہلی مرتبہ ایسی دعوت م آئے تھے۔

یہ کوئی سو افراد کا اجتماع ہوگا۔ چارلی کو یاد ہے یہ لوگ مبارکباد دے رہے تھے۔ میرے پار آرہے تھے کہتے یہ تم نے کیا ہے یہ تم نے کیا ہے۔ تم واحد شخص تھے جس نے عظیم کارنامہ انجام د ہے۔ تمہارے بغیر کوئی بھی ہمارے لئے یہ کارنامہ انجام نہیں دے سکتا تھا۔ تم نے ہمارے بغیر سب کچھ کر دکھایا تم نے ہمارے اوپر یقین کیا۔ میں تم سے ہاتھ ملانا چاہتا ہوں میں گلے ملنا چاہتا ہو ہر طرف سے یہ آوازیں آرہی تھیں کوئی ہاتھ ملا رہا تھا، تو کوئی گلے مل رہا تھا۔ ان میں سے ایسے بھ تھے جن کو میں جانتا تک نہیں تھا۔ ویبسٹر ہنس رہا تھا اور لوگوں کو چارلی سے ملنے کا موقع دے ر تھا۔

ڈائریکٹر کے چارلی کو خراج تحسین کے بعد چارلی کو مائیک پر بلایا گیا۔ جس نے کہنا شرو کیا ''روس کی شکست اور ہماری کامیابی میں بہت سے عوامل کارفرما رہے ہیں۔ ہماری پوری ٹی نے پلاننگ کی اس میں گیسٹ اینڈرسن بیرڈن جیک ڈیوائن اور سب شامل ہیں اس دوران ایسے ک مواقع آئے جن میں ہم شکوک وشبہات کا شکار ہوگئے تھے۔ لیکن جب تک ہم رہے کوئی ہم سے ہماری کامیابی نہ چھین سکا ہم نے شیطانی پاور کو زخم لگایا ہے اس سے وہ ہمیشہ پوری طرح سے بحا نہیں ہوسکے گا۔ کیسی کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا بھی انصاف کے تقاضوں کے منافی ہوگا''۔

چارلی کو یاد ہے ''اس موقع پر بہت سے لوگ اسے بتاتے رہے کہ وہ پاکستان میں مجھ سے مل چکے ہیں۔ وہ سپلائی کے کام پر تعینات تھے۔ آخر میں جج نے مجھے شکریئے کے ساتھ ہال سے جانے کی درخواست کی میں نے بھی اس کا شکریہ ادا کیا مجھے نہیں معلوم کہ میں نے پھر کیا کیا لیکن یقیناً میں نے شراب پی ہوئی، بے تحاشا شراب، گھر میں آگ کے آگے بیٹھ کر ضیاء، اختر اور ارنائی رافیل کے آنر میں شراب پی۔

آدھی رات کو چارلی کی آنکھ کھلی وہ اٹھا اور ٹیرس پر آ گیا۔ وہ اس لمحے جاگتے واشنگٹن کو دیکھ رہا پھر واپس جانے لگا تو اس کی نظر خالی ٹی وی سکرین پر پڑی اس نے اس کو آن کیا تو عجیب منظر تھ روسی فوجوں کی واپسی دکھائی جارہی تھی۔ چارلی ولسن شراب کی بوتل پکڑ کر ٹیرس میں آیا۔ سامنے ل

چل رہا تھا کریموف اپنی فوج کے ساتھ واپس جارہا تھا چارلی ہمیشہ فریج میں جشن منانے کے بوتل ضرور رکھتا تھا۔ بورس کروموف اپنی فوج کے ساتھ واپس جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ یہ لی کے لئے بڑی خوشی کا مقام تھا جس میں آخری فوجی افغانستان چھوڑ رہا تھا۔ چارلی نے گلاس یا اور کہا بورس کروموف یہ تمہارے نام......



اور امریکہ کامیاب رہا!

18 مارچ 1993ء میں کابل کے کٹھ پتلی صدر نجیب نے پہلی مرتبہ حکومت سے دستبردار
ہونے اور مستقبل کی حکومت میں حصہ نہ لینے کا اعلان کیا۔ یہ تھا وہ عنقا جسے مجاہدین نے زیر دام کیا۔
یعنی مجاہدین نے بڑی مہارت اور دور اندیشی کے ساتھ اقوام متحدہ کی کوششوں کے زیر سایہ یہ جال
پھیلایا کہ اقوام متحدہ نے مسئلہ افغانستان کے حل کے لئے جو پانچ نکاتی منصوبہ پیش کیا وہ اس
صورت میں کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہے، جب نجیب اقتدار سے دستبردار ہو اور
پھر ان نکات پر مجاہدین اور اقوام متحدہ کے درمیان گفت وشنید ہوسکتی ہے۔ بصورت دیگر اقوام متحدہ
کی کوششیں خاک میں مل جائیں گی...... ایسا لگتا تھا کہ مجاہدین کی تنظیموں کو اقوام متحدہ کے اس پانچ
نکاتی پروگرام پر کوئی خاص اعتراضات نہیں ہیں۔ باوجود اس حقیقت کے کہ اقوام متحدہ کے اس
پروگرام کے بعض حصے مجاہدین کے پروگرام کے خلاف تھے تاہم مجاہدین نے اقوام متحدہ کو بیم ورجا
کی کیفیت میں رکھتے ہوئے ان سے مذاکرات کا آغاز کردیا۔ مجاہدین کے راہنماؤں اور اقوام
متحدہ کے نمائندے کے درمیان گفتگو شروع ہوگئی۔ اپنی پسند اور مرضی کو مجاہدین پر مسلط کرنے کے
لئے بینن سیوان اور اس کے سرپرست نے بالآخر وہ غلطی کرڈالی جس کا خدشہ مجاہدین کو پہلے سے
تھا اور یوں پلک جھپکتے ہی انہوں نے ان کوششوں کے نتیجے میں ہونے والی گفت وشنید کا رخ بدل
کررکھ دیا۔ اس طرح سارے کھیل کا پانسہ ہی پلٹ کررہ گیا وہ نجیب پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ جلد

ستعفیٰ دے دے۔ لیکن بینن سیوان کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اگر وہ نجیب کو فوری طور پر استعفیٰ
پر مجبور اور آمادہ نہ کرسکا تو پھر اس کی حیثیت ختم ہوجائے گی جس کے باعث مجاہدین اقوام
ے پانچ نکاتی پروگرام کو پوری شدت کے ساتھ مسترد کردیں گے۔

دوسری طرف اقوام متحدہ کے اعلیٰ عہدیداروں کو یقین تھا کہ نجیب کے مستعفی ہونے
ان کی وجہ سے مجاہدین کے پراپیگنڈا کا سب سے خطرناک اور زہریلا تیر کمان سے گر جائے
بالآخر مجاہدین اقوام متحدہ کے تجویز کردہ حل کے سامنے سر تسلیم خم کردیں گے اور اگر مخالفت
گے تو ساری دنیا ان کو لعنت ملامت کرے گی اور وہ تنہا رہ جائیں گے ان دونوں صورت میں
کا تجویز کردہ حل افغانستان پر بزور مسلط کردیا جائے گا۔ جوں ہی نجیب نے اقتدار چھوڑنے
ن کیا تو اسکی حکومت کے اعلیٰ عہدیدار، فوجی آفیسرز اور اس کے اردگرد کے حلقہ کے لوگوں کو
متی اور بقا کی فکر لاحق ہوگئی اور انہوں نے خفیہ طور پر مجاہدین کے ساتھ رابطے استوار کرنے
کردیئے۔ اقوام متحدہ نے ڈوبتی ہوئی کشتی (نجیب) کو تو ڈوبنے دیا مگر اس کی کھونٹی اور
(یعنی نجیب کے اردگرد کے اعلیٰ حکام اور لوگوں کو) سہارا دیا سب سے پہلے افغانستان کے
وبوں میں ملیشیا کی قوتوں نے احمد شاہ مسعود کے ساتھ رابطہ شروع کیا۔ مجاہدین کے ساتھ
کومت کی باقیادت کے روابط کا یہ نکتہ آغاز تھا۔ اسکے بعد سارے ملک میں حکومتی فوجوں نے
ن کے ساتھ رابطے اور گفت وشنید شروع کردی۔

عالمی شاطروں نے نئے کھیل کا آغاز کردیا جب مزار شریف میں ملیشیا نے نجیب
ت سے برات کا اعلان کرتے ہوئے بغاوت کردی۔ ملیشیا کی بغاوت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ
ن نے اقوام متحدہ کے پانچ نکاتی پروگرام کو ناقص اور حالات کے ناموافق قرار دے دیا تھا اور
جگہ یہ مختصر پروگرام اور منصوبہ پیش کیا کہ کوئی جرگہ کی بجائے مجاہد تنظیموں کے متعارف کردہ
زد کردہ غیر متنازعہ افراد پر مشتمل ایک عبوری حکومت (Transit Governmant)
مادی جائے۔ یہ حکومت نجیب سے اقتدار لے اور پھر ایک سال کے اندر منتخب شوریٰ اور
ت وجود میں آجائے اور یہ عبوری حکومت اقتدار اس منتخب حکومت کے حوالے کردے۔

بینن سیوان اور اس کے ہم کار یہ بات بڑی اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ نجیب کے
اسکے اعلان کے بعد ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے وہ مجاہدین پر دباؤ ڈال سکیں اور

دھمکی دے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے عبوری حکومت کے لئے جلدی جلدی اور بڑی عجلت م
پسند کے چندلوگوں کا اعلان کر دیا تا کہ مجاہدین کو جوایک قدم آگے بڑھ گئے تھے دفاعی رو
مجبور کر دیں اس کام میں کیا اہداف اور فوائدان کے پیش نظر تھے؟ ڈاکٹر مفکر احمد لکھتے ہیں۔

1۔ مجاہدین کی توجہ کو منتشر کریں، انہیں اصل مسئلہ پر مرتکز رہنے سے ہٹائیں اور انہیں ا
میں الجھائے رکھیں۔

2۔ مجاہدین کے ساتھ گفت وشنید اور مذاکرات جاری رکھے جائیں اور اگر پانچ دس
آگے پیچھے کرنے پر وہ رضامند ہو جائیں تو ایسا کر لیا جائے کیونکہ اس سے بھی اقوا
مسئلے کے حل کا رخ تبدیل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

3۔ اس مصروفیت اور مخمصے کے الجھاؤ سے نجیب کو تھوڑی سی ہی فرصت مل جائے گی کہ وہ
چھوڑنے میں جلدی نہ کرے اور یوں مغرب اور اقوام متحدہ پر بھی زیادہ دباؤ نہ رہے گا
(افغانستان کی کہانی حقائق کی زبانی صفح

امریکہ کی گرفت حالات پر قائم تھی اور اس کی طرف سے نجیب حکومت
مذاکرات کے لئے کچھ مجاہد گروپس کو آگے بڑھایا گیا۔ مذکورہ بالا حالات اور محمد نبی محمدی، پ
اور صبغت اللہ مجددی کی تنظیموں کے افراد تین دن تک کابل میں رہے اور نجیب سے اقتدار
بارے میں گفت وشنید کرتے رہے۔ دراصل نجیب چاہتا تھا کہ ہر تنظیم کے ساتھ علیحدہ علیحدہ
رکھے اور ان کے درمیان پھوٹ ڈال دے تا کہ وہ اقوام متحدہ کے مقابلے میں مجاہدین کے
متفقہ اور متحدہ پروگرام کا راستہ روک لیں۔ تین تنظیموں کے علاوہ نجیب نے مجاہدین کی
تنظیموں کے ساتھ بھی رابطہ کیا اور یہ اعلان کر کے انہیں یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ وہ
مجاہدین کے حوالے کرنا چاہتا ہے، اس لئے مجاہدین اپنے وفود کابل بھیج دیں۔ جواب میں
تنظیموں کے سربراہوں نے یہ پیغام دیا کہ "نجیب پہلے اقوام متحدہ کے پانچ نکاتی
کو رد کرے اور اس کا وہ بیانگ دھل اعلان کرے، اور پھر اپنا ایک وفد مجاہدین کے آز
علاقے میں بھیج دے تا کہ انتقال اقتدار کی گفت وشنید اور تمام مراحل آزاد علاقے
ہوں۔"

مجاہدین تنظیموں کے سربراہ نجیب کی مذکورہ بالا پیشکش کو اس کا فریب، دجل اد

تصور کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اگر وہ کابل وفود بھیج دیں تو نجیب اس کا دنیا بھر میں پراپیگنڈہ کرے
گا اور اس سے فائدہ اٹھانے (Exploit) کی کوشش کرے گا۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ نجیب اگر اس
پیشکش میں مخلص ہوا تو وہ اقوام متحدہ کے پلان کو مسترد کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرے گا اور
اگر اس نے اس میں رد و کد سے کام لیا اور اقوام متحدہ کے پروگرام کو مسترد کرنے میں پس و پیش
سے کام لیا تو پھر اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ امریکہ اور اقوام متحدہ اسکی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

نجیب نے مجاہدین کی یہ تجویز نہیں مانی اس طرح مجاہدین نجیب کے بچھائے ہوئے
دام سے بچ نکلے اور یوں یہ سازش یہیں دم توڑ گئی۔ مگر مجاہدین کے بعض سربراہ اس جھانسے میں آ
گئے کہ ظاہر شاہ کی حمایت یافتہ تین تنظیموں نے اپنے نمائندے کابل بھیج دیئے ان تین تنظیموں سے
دو کے سربراہوں نے اپنے وفد نجیب کے پاس بھیجنے سے بظاہر انکار کر دیا جبکہ مجددی نے نجیب سے
اقتدار لینے کے لئے گفت وشنید کی خاطر وفد بھیجنے کا اقرار کیا۔ ان تینوں تنظیموں کے وفود اور
نمائندوں کی کابل روانگی کی خبر بڑی تنظیموں کے ان لوگوں نے دی جو کابل حکومت کے اندر خفیہ طور
پر کام کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے وفد کی کابل آمد، کابل سے واپسی، کابل میں انکے قیام کی جگہ
اور نجیب کے ساتھ ہونے والی گفت وشنید کی مکمل تفصیل اور رپورٹ مجاہدین کو بھیج دی اور اس کی
تصدیق نجیب کے وزیر خارجہ عبدالوکیل نے جرمنی کے وزارت عظمیٰ کے ایک مشیر کے ساتھ
ملاقات میں "بن کانفرنس" کی ناکامی کے بعد جرمنی کی طرف سفر کے دوران کی ہلمٹ کوہل کے
اس مشیر نے جرمنی میں مجاہدین کے نمائندے کے ساتھ ملاقات میں عبدالوکیل کے ان انکشافات
کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ تجویز دی کہ مجاہد نجیب کے ساتھ بالمشافہ گفت وشنید اور مذاکرات کریں۔
مجاہدین کے اس نمائندے نے یہ تجویز بڑی سختی کے ساتھ رد کر دی اور یہ سارے حالات اپنی تنظیم
کے سربراہ کو بتا دیئے۔ مجاہدین کی اہم تنظیموں نے نجیب کے ساتھ اس طرح کی ملاقاتوں اور گفت و
شنید کو سختی کے ساتھ مسترد کر دیا اور یہ واضح کیا کہ اس قسم کی ملاقاتوں کے نتیجے میں مجاہدین کے
درمیان اعتماد کی فضا خراب ہوئی ہے اور اس کے نتائج بہت بھیانک ظاہر ہوں گے یہ معاملہ اس
سے آگے نہ چل سکا۔

10 اپریل 1992ء کو ایک بار پھر نجیب نے اعلان کیا کہ عبوری حکومت بنے یا نہ بنے
اپریل کے آخر تک میں اقتدار سے علیحدہ ہو جاؤں گا۔ یہ بیان دراصل جنیوا میں اقوام متحدہ کے

سیکرٹری جنرل کی اس پریس کانفرنس کیلئے فضا ہموار کرنا تھا جس کا موضوع تھا۔ ''مستقبل کے خدشات یہ ہیں''۔

اس کانفرنس میں 15 رکنی کمیٹی کا اعلان ہوا اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بطرس غالی نے اعلان کیا کہ ان لوگوں پر تمام تنظیمیں اور دوسرے ادارے متفق ہیں۔ لیکن نجیب کے اس اعلان استعفیٰ کی وجہ سے حکومت کی باقی ماندہ فوج کی وہ ہمت بھی جواب دے گئی جو اس نے مجاہدین کے ساتھ معاملہ کرنے کے لئے مجتمع کر رکھی تھی۔ دوسری طرف اقوام متحدہ کے سیکرٹری نے 10 رکنی کمیٹی کا اعلان کرتے ہوئے اس بارے میں کسی ایک تنظیم سے بھی مشورہ نہیں کیا۔ انجینئر حکمت یار، استاد سیاف استاد ربانی اور مولوی یونس خالص کو تو چھوڑیئے، اس نے ظاہر شاہ کی حمایت یافتہ تنظیموں سے بھی کچھ پوچھنا گوارا نہ کیا اور یہ تنظیمیں بھی کمیٹی کے ان ناموں سے بے خبر تھیں۔ صبغت اللہ مجددی نے اس اعلان کے متعلق اپنی بے خبری ظاہر کی۔ محمد نبی محمدی نے بی بی سی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے بطرس غالی کے اس اعلان کو مجاہدین کے ساتھ ظلم وزیادتی سے تعبیر کیا اور شکایت کی کہ اس بارے میں ان سے کوئی مشورہ نہیں لیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمیٹی کے اعلان کے بعد تمام مجاہدین کی تنظیموں کی طرف سے متفقہ طور پر اسے مسترد کر دیا گیا اور اس کے ساتھ اقوام متحدہ کا افغانستان میں کردار مشکوک ہو گیا۔ 13 اپریل 1992ء کو حزب اسلامی کے امیر انجینئر گلبدین حکمت یار نے ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا ''کہ ہماری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی کمیٹی افغانستان نہیں جا سکتی اور نہ ہی کسی بیرونی قوت کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ ہمارے لئے حکمرانوں کا انتخاب کرے۔''

جینوا میں بطرس غالی کے اس اعلان کے اتنے گہرے اور برے اثرات مرتب ہوئے کہ 45 گھنٹے بعد ہی 13 اپریل کو بینن سیوان نے جینوا سے ایک وضاحتی بیان جاری کیا جس میں اعتراف کیا کہ ان کی ذمہ داری صرف ان ناموں کے انتخاب تک محدود ہے حکومت افغان عوام اپنے لیڈروں سے مل کر بنائیں گے اور وہ جلد پاکستان آ کر مجاہدین کمانڈرز اور پاکستانی حکومت سے مشورہ بھی کریں گے۔

ڈاکٹر مفکر احمد اس صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں یہ بات بھی انتہائی توجہ طلب ہے کہ اقوام متحدہ کے اعلان کردہ 15 رکنی کمیٹی۔

ان مجاہدین تنظیموں کے ساتھ رابطہ کرتے ان سے اجلاس میں شرکت کرنے کی اجازت مانگتے ہے۔ مجاہدین نے ان کو جواب دیا کہ ''ان کو چاہئے کہ وہ پاکستانی حکومت کی دعوت پر آ جائیں نہ مجاہدین کی دعوت پر'' اور یوں کمیٹی میں ان کا شریک ہونا ان کی انفرادی سوچ قرار دیا۔ اب اگر ہدین کی حمایت کے ساتھ متبادل حل کے طور پر یہ کمیٹی ان پر مسلط ہو جاتی تو یہ سوال بہت اہم تھا نجیب کے جنرل اور فوج تحلیل (Dissolve) ہو جاتے۔ اس صورت میں پھر یہ کمیٹی لاکھوں لح مجاہدین پر کس طرح حکومت کرتی اور کون ہوتا جو کمیٹی کے دفاع خاطر اپنے مجاہدین کو قربانی کا رابناتا اور امن وصلح کی فضا قائم کر سکتا!

افغانستان کے اندر تو اس طرح کی قوت کا ہونا امر محال ہے جو صلح وامن قائم کرنے ...... طاقت اور صلاحیت سے بہرہ مند ہو، کسی دوسرے ملک کی فوج کو وہاں پر لانے کا امکان ہیں۔ بلکہ اس پر تو بحث ہی بے جا ہے۔ ایک راستہ یہ رہ جاتا کہ اقوام متحدہ کی امن فوج کو ض لوگوں کے نزدیک) اس عبوری دور کے لئے کام میں لایا جا سکتا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ اقوام ہ کی امن فوج بھی ان مقامات تک جا سکتی تھی جن پر جنگ کے دونوں فریق متفق ہوں اور وہاں نوں فریق جنگ بندی پر متفق ہوں اور محض یہ مسئلہ ہو کہ دونوں فریق ایک دوسرے پر اعتماد نہ تے ہوں تو اس صورت میں اقوام متحدہ کی اس فوج کو اختیار دیا جا سکتا ہے جبکہ حال یہ ہے اقوام ہ کی اس فوج کا ابھی تک کسی جنگ میں کسی بھی فریق کے خلاف عملی اقدام کرنے کی مثال نہیں ۔ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس تنظیم کے خلاف اپنے آپ کو استعمال ہونے سے بچا کر رکھ ؟ یعنی غیر جانبدار رہ سکے اور اقوام متحدہ کی یہ امن فوج براہ راست کسی فریق کا ساتھ نہ دے ، اور ان مجاہدین کے مقابلے میں کھڑی نہ ہو سکے گی جنہوں نے روسی استعمار کو شکست دی؟ یہ ممکن تھا۔ افغانستان میں فضا سازگار نہیں تھی اور کسی بھی لمحے جنرل نجیب کے فرار کا خطرہ تھا۔

باوثوق ذرائع کے مطابق کابل کے ایئرپورٹ پر ایک جہاز پورے ساز وسامان کے ھ نجیب کے بھاگنے کے لئے تیار کھڑا تھا...... دوسری طرف 30 ہزار سے زیادہ مجاہدین کابل ، اردگرد موجود تھے اور اتنی ہی تعداد میں آئندہ ہفتے کے اختتام تک مزید مجاہدین کابل کے اردگرد نے والے تھے۔ اسلحہ کے ڈپو اور غذائی امداد کے ذخائر پاکستان کی سرحد سے کابل منتقل ہو رہے ۔ کابل میں نجیب مخالف فوجیوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ بڑی تیزی کے

ساتھ مجاہدین کے ساتھ اپنے روابط بڑھا رہے تھے اور نئے نئے پروگرام تشکیل دینے میں مصروف
تھے۔ نجیب کے فرار کے خلاف کوششیں شروع تھیں۔ فضائیہ میں مجاہدین نے اپنے روابط رکھ
والے دوستوں کو حکم دے دیا تھا کہ اگر نجیب ملک سے فرار ہونے کی کوشش کرے تو اس کا جہاز گرا
جائے مجاہدین کی اس تیاری کے پیش نظر اقوام متحدہ چاہتی تھی کہ ان معاملات کو مزید طول دے او
نجیب مخالف فوج کے راستے میں رکاوٹ ڈالے تاکہ وہ مجاہدین کے ساتھ روابط نہ بڑھا سکیں اور
کسی تیسرے راستے کی طرف متوجہ ہو جائیں بالخصوص وہ ان مجاہد تنظیموں کے ساتھ تو بالکل
روابط نہ بڑھائیں جو گزشتہ سات سالوں کے دوران زیادہ فعال اور سرگرم رہی ہیں لیکن اقوام متح
کے لئے ایک مشکل یہ تھی کہ انہیں افغانستان میں کوئی رفسنجانی نہیں ملا تھا تاہم پاکستان کی صور
میں ان کو ایک ٹٹو ہاتھ لگ گیا تھا جس کے ذریعے وہ اپنے مرضی کے حل اور نظام کی ڈولی کابل تک
پہنچا سکتے۔

پاکستانی حکومت کا رویہ بہت عجیب اور حیران کن تھا۔ بلکہ خالص اور سادہ ترین الف
میں اسے منافقت اور دورنگی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ مجاہد تنظیموں کے سربراہوں کے ساتھ بات چ
کے دوران پاکستانی حکومت کے ذمہ داران کہتے رہے کہ "اقوام متحدہ کے لوگ احمق ہیں۔ و
کرتے ہیں کریں بالآخر وہ ناکام ہوں گے جبکہ پاکستان تو مجاہدین کی پشت پناہی کرتا ہے" او
ذمہ داران آئی ایس آئی کے لئے سربراہ کی تبدیلی کو اپنے اخلاص کی دلیل پر منتج کر رہے تھے
رہے کہ اس دوران جنرل اسد درانی کو آئی ایس آئی کی قیادت سے بعض تکنیکی وجوہ کی بناء پر عل
کر کے ان کی جگہ جنرل جاوید ناصر کو نئے سربراہ کے طور پر تعینات کیا گیا تھا۔ لیکن یہ پاکستانی
حکام اس بات پر چپ سادھ لیتے کہ نیا سربراہ بالائی اداروں کے مشورے اور تائید کے بغی
فیصلہ آخر کیسے کر سکتا ہے؟ مجاہدین کی تنظیموں کے ایک اہم سربراہ نے کہا کہ پاکستان کے وزیر
(نواز شریف) کے ساتھ ہر ملاقات میں وہ (پاکستانی وزیر اعظم) ان کی تجاویز اور پروگرام
مکمل اتفاق ظاہر کرتے اور مجاہدین کی مکمل پشت پناہی اور حمایت کا یقین دلاتے مگر عملاً نتیج
ہوتا۔ جبکہ دوسری طرف وہ اقوام متحدہ کے نمائندے کے ساتھ ملاقاتوں میں ان کو اپنی
حمایت اور ہم آہنگی کا وعدہ کرتے بلکہ اس دوران مہاجرین پر راشن بندی، ان کی آمد و
محدود کرنا، وزارت خارجہ کے ذریعے اقوام متحدہ کے پروگراموں کی حمایت کے بار

نات دینا اور پھر نجیب کو دس ہزار ٹن گندم بھیجنا۔ ان اقدامات کو اقوام متحدہ کے پروگراموں کے
اتھ ہم آہنگی کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے۔ خدا جانے کہ یہ سادگی تھی یا چالاکی۔ محسوس ایسا
تا تھا کہ پاکستان بیک وقت دونوں گھوڑوں پر داؤ چلا رہا تھا اور دونوں طرف اپنی شرمندگی اور
لت کے اسباب پیدا کر رہا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ اپریل 1992ء کے دوسرے عشرے کے
ران اسلام آباد، پشاور اور کابل میں سیاسی اور سفارتی سرگرمیوں کے ذریعے افغانستان کی تاریخ
ں ایک ناقابل فراموش خون ریز اور گرم باب تشکیل پا رہا تھا۔

افغانستان کی اندران سرگرمیوں نے نہ صرف پچھلے چار سالہ جمود کو توڑا بلکہ سیاسی اور
جی تبدیلیوں کے پرانے ریکارڈ کو بھی مات کر دیا۔ اس تگ و دو میں اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری
ے خصوصی نمائندے بینن سیوان کی اسلام آباد سے کابل تک بھاگ دوڑ اور پاکستان کی وزارت
رجہ کی انتھک اور بے دریغ کوششوں کے باوجود 16 اپریل 1992ء جمعہ کے روز نجیب نے استعفیٰ
ے کر اقوام متحدہ کے پروگرام پر پانی پھیر دیا۔

(افغانستان کی کہانی حقائق کی زبانی: ڈاکٹر مظفر احمد 71-73)

چودہ سالہ طویل افغان جنگ کے طویل مرحلہ کا ڈاکٹر نجیب اللہ کی غیر آبرومندانہ رخصتی
ے ساتھ خاتمہ ہو گیا لیکن کابل میں کمیونسٹ پارٹی بدستور برسر اقتدار تھی اور مجاہدین کے باہمی
اق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بہتر مستقبل کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی اور مجاہدین کی
اعتیں صورتحال کی نزاکت کا احساس کئے بغیر "میں نہ مانوں" کے موقف پر ڈٹی ہوئی تھیں۔
ابل میں روس کی کٹھ پتلی حکومت کے ماسکو سے مسلط کردہ آخری مہرے پشتون حکمران ڈاکٹر نجیب
للہ کا مستقبل غیر یقینی کی صورتحال کا شکار تھا۔ اس کے باوجود کے بینن سیوان نے ڈاکٹر نجیب کے
ابل سے انخلا کا بندوبست کر لیا لیکن صورتحال غیر واضح تھی کہ انہیں کس طرح افغانستان سے نکالا
جائے گا۔ اقوام متحدہ نے پاکستانی حکام سے بھی تین ہوائی اڈوں پر کسی بھی وقت جہاز اتارنے کی
اجازت حاصل کی تھی جس کے بارے میں یہ بات کہی جا رہی تھی کہ مجاہدین کے کابل میں داخل
ہونے کی صورت میں حکمران کمیونسٹ پارٹی کے ارکان کو کابل سے بحفاظت نکالا جائے گا۔ پشاور
یں افغان مجاہدین کی تمام جماعتوں کے رہنماؤں کے بار بار کے مشترکہ اور گروپس کی صورت میں
ہونے والے اجلاس نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو رہے تھے۔ اس سلسلہ میں آسٹریا کے دورہ پر روانگی سے

قبل پاکستان کے وزیراعظم نوازشریف بھی پشاور آئے اور انہوں نے پاکستان کی دو مذہبی سیا
جماعتوں کے قائدین سینیٹر قاضی حسین احمد اور سینیٹر مولانا سمیع الحق کے ہمراہ کابل میں عبو
رہنماؤں سے سات گھنٹے سے زائد طویل بات کی جس کے دوران کابل میں عبوری انتقا
سنبھالنے والی کونسل کے قیام پر بات چیت کی لیکن محاذ ملی اسلامی اور جمعیت الاسلامی ک
سربراہوں پیر سید احمد گیلانی اور پروفیسر برہان الدین ربانی کے علاوہ کسی جماعت کا سر
وزیراعظم کے اجلاس میں شریک نہیں ہوا۔ بات چیت کے دو دور ہوئے جن میں ایک مرحل
وزیراعظم نے کابل سے ٹیلیفون کرنے والے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے خصوصی نمائند
بینن سیوان کو یہ خوشخبری سنا دی وہ دو گھنٹہ بعد انہیں کونسل کے اراکین کے نام دے دیں گ
وزیراعظم نے تمام کارڈ مجاہدین کے سامنے کھول کر رکھ دیئے لیکن کھانے کے وقفہ سے قبل جوافہا
تفہیم کا منظر نظر آرہا تھا وہ کھانا کھانے کے بعد ختم ہوگیا تھا اور فجر کی اذانوں کے وقت ختم ہو
والے اجلاس میں کوئی ٹھوس بات سامنے نہیں آسکی۔ لیکن پھر بھی وزارت خارجہ کے خیالی ج
میں رہنے والوں نے یہ خوشخبری سنا دی کہ افغان مجاہدین کی جماعتوں میں اتفاق رائے ہوگیا۔
جماعتوں نے نام دے دیئے اور باقی جماعتیں بعد میں نام دے دیں گی لیکن جو مسئلہ کسی نتیج
پہنچے بغیر ختم ہوگیا تھا وہ بعد میں بھی ڈھاک کے تین پات کی طرح نامکمل رہا۔ اس دوران پاک
کی تین مذہبی سیاسی جماعتوں جماعت اسلامی اور جے یو آئی کے دونوں گروپوں کے سربرا
قاضی حسین احمد، مولانا فضل الرحمٰن اور مولانا سمیع الحق نے افغانستان میں مجاہدین کے رہنما
سے رابطے جاری رکھے جبکہ سعودی عرب سے عالم اسلام کے مقتدر علماء کا ایک وفد بھی ا
مجاہدین کے رہنماؤں سے رابطے کرتا رہا جبکہ سعودی سفیر یوسف المطبقانی اپنی کوششوں میں نا
ہو کر واپس چلے گئے۔ صوبہ سرحد کے گورنر امیر گلستان جنجوعہ اور سعودی سفیر نے حکمت یار
وائرلیس پر رابطہ کیا لیکن کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ اس کے بعد وزیر مملکت برائے خارجہ امور ص
کانجو اور آئی ایس آئی کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل جاوید ناصر نے پشاور میں افغان رہنماؤں
تین تین کے گروپوں میں بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس رپورٹ کے فائنل کرنے تک
ملاقاتوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا لیکن تین فارمولوں پر بات ہو رہی تھی کہ افغان مجاہدین کی
بڑی جماعتوں اور ایرانی جماعتوں کے دو اتحادوں پر مشتمل نو جماعتوں پر مشتمل نو جماعتوں کی

ائی جائے۔



گلبدین حکمت یار نے طویل عرصے بعد 26 دسمبر 2006ء کو ایک اہم بیان جاری کیا
ہے جس میں کہا کہ برطانیہ، امریکہ، ایران اور پاکستان نے افغانوں کو اپنے گھناؤنے مقاصد کے
لئے استعمال کیا۔ یہ لوگ افغانستان میں پشتو بولنے والوں کو فارسی بولنے والوں سے اور شیعہ کو سنی
سے لڑا کر اپنا الو سیدھا کرتے رہے۔

(بحوالہ جیو ٹی وی 26 دسمبر 2006)

حالات کی ستم ظریفی نے بالآخر اس مجاہد کو ایسی بات زبان سے نکالنے پر مجبور کر دیا جو
ایدہ آج تک فساد خلق کے خوف سے نہیں کہہ پایا تھا لیکن آج جب اس کے ''دیرینہ دوستوں''
نے اُس سے آنکھیں پھیر لی ہیں تو اس مرد قلندر نے حق بات کہہ ہی دی۔ ماضی کی تاریخ اس کی
لواہ ہے۔ 12 اپریل 1992ء کو بالآخر حکمت یار نے تمام مجاہد کمانڈروں سے کہا اگر دو دن میں
وئی مشترکہ پالیسی نہ بنائی تو حالات بدترین رخ اختیار کرینگے 15 اپریل 1992ء کو مجاہد تنظیموں
ے سربراہی اجلاس میں استاد عبدالرسول رب سیاف اور استاد ربانی اور مولوی یونس خالص نے
رکت کرنے سے انکار کر دیا۔ 14 اپریل 1992ء کو پشاور میں تمام مجاہد تنظیموں کا اجلاس ہوا جن
ں حزب اسلامی اور حرکت انقلاب اسلامی شیعہ تنظیمیں بھی شامل تھیں صبغت اللہ مجددی بضد رہے
کہ سابقہ عبوری حکومت بحال کی جائے۔ دراصل وہ افغان بادشاہ ظاہر شاہ کے ایجنٹ تھے سابق
بوری حکومت کی بحالی کیلئے پیر گیلانی استاد ربانی اور مولوی یونس خالص نے بھی نیم دلی سے ان کا
اتھ دیا۔ 15 اپریل کو ایک مرتبہ پھر 35 نام پیش کئے گئے 28 پر اتفاق ہوگیا جبکہ 8 پر پھر بحث
روع ہوگئی۔ ابھی بحث جاری تھی جب پشاور ایئر پورٹ پر ایک خصوصی جہاز نے لینڈ کیا اور تمام
ہاہد لیڈروں کو اسلام آباد طلب کر لیا گیا۔ حکمت یار، استاد سیاف اور مولوی یونس خالص نے خود
اضروری نہ سمجھا اپنے نمائندے البتہ وہاں بھیج دیئے۔ حالات کی نزاکت کے پیش نظر حکمت یار
نے پشاور میں اپنا قیام ضروری جانا جبکہ احمد شاہ مسعود اپنے کمانڈروں کو ہدایات کابل میں جاری
کرتا رہا حزب اسلامی کے استاد فرید، استاد فتح محمد، انجینئر طارق وغیرہ حکمت یار سے ہدایات لیتے
ہے۔ اسی دوران 13 اپریل کو بینن سیوان نے کابل کا خفیہ دورہ کر کے نجیب سے ملاقات کی جس

نے تین دنوں میں استعفیٰ دینے کا عندیہ دیا۔ بینن سیوان کے بضد ہونے پر نجیب کو اپنا اعلان استعفیٰ موخر کرنا پڑا۔ ادھر اسلام آباد میں نیا کھیل شروع ہو گیا۔

پشاور میں جن 28 ناموں پر اتفاق ہوا تھا یہاں مجاہد کمانڈروں نے انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جبکہ وہ ان پر متفق ہو کر پشاور میں دستخط بھی کر چکے تھے 14 دنوں تک وزیر اعظم نوا شریف آئی ایس آئی، ڈی جی، میجر جنرل جاوید ناصر اور بریگیڈیئر طارق انہیں سمجھاتے رہے لیکن افغان کمانڈروں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ 17 اپریل کو بینن سیوان نے بھی معذرت کر لی حزب اسلامی تو 28 ناموں پر راضی تھی۔ باقی تنظیموں نے پھر مسئلہ کھڑا کر دیا۔ اس روز استا ربانی نے عجیب وغریب تماشا کیا۔ وہ شاید اپنے کمانڈر احمد شاہ مسعود کے خاص پیغام کے منتظر اور معاملے کو خوامخواہ طول دے رہے تھے حتیٰ کہ پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف نے بھی جب دو ظہر کی نماز سے پہلے ان سے دریافت کیا۔

''کابل کی موجودہ صورتحال تبدیل ہو جائے تو آپ اور آپ کے کمانڈر (احمد مسعود) کا فیصلہ کیا ہوگا؟''

استاد ربانی سمجھ گئے کہ آئی ایس آئی کو معاملے کی ہوا لگ گئی ہے انہوں نے جواب

''وقت آنے پر دیکھیں گے''

مغرب کی نماز سے کچھ دیر پہلے وہ ''وقت'' آ گیا استاد ربانی کو کمانڈر احمد شاہ مسعو فون موصول ہوا اور انہوں نے اچانک اعلان کیا۔

''مبارک ہو کابل فتح ہو گیا ہے ہمارے مجاہدین نے وہاں کنٹرول حاصل کر لیا۔ وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ لہٰذا آپ عبوری شوریٰ کی بحث ختم کر دیں۔ اب میں خو معاملات کا جائزہ لینے اپنے مرکزی آفس جا رہا ہوں''۔

یہ کہہ کر موصوف چلے گئے۔ قریباً ایک گھنٹہ بعد منہ لٹکائے واپس تشریف لے آ کیونکہ اطلاع غلط تھی کابل میں تبدیلی ضرور آئی تھی لیکن یہ تبدیلی نجیب کی فوجی شوریٰ کے ہاتھ میں لینے سے متعلق تھی۔ احمد شاہ مسعود کی پوزیشن جوں کی توں تھی۔

حزب اسلامی کا 28 ناموں پر اتفاق تھا۔ بینن سیوان نے کہا آپ لوگ میرے کابل چلیں میں آپ کی حکومت قائم کرواتا ہوں لیکن باقی تنظیمیں تیار نہ ہوئیں۔ انہوں

رام پیش کر دیا کہ ہر تنظیم اپنے دو نمائندے نامزد کرے۔ ایک عسکری دوسرا سیاسی۔ اسے حزب می نے ماننے سے انکار کر دیا جس پر پاکستانی ایجنسیاں پھر حرکت میں آئیں اور انہوں نے ت یار پر دباؤ بڑھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے اسے فوراً اسلام آباد طلب کر لیا۔ گلبدین حکمت یار م آباد پہنچ گئے انہوں نے ڈاکٹر مفکر احمد کے مطابق وہاں تین تجاویز پیش کیں۔

کابل کے اردگرد 35 کمانڈروں کو عبوری حکومت دی جائے ان نمائندوں کی شوریٰ کا اعلان انجینئر حکمت یار نے اسی دن پشاور میں کیا تھا اس شوریٰ میں ساری تنظیموں کے مشہور کمانڈ تھے۔ اس میں ایک ترمیم یہ ہو سکتی تھی کہ کابل کے اطراف میں کمانڈروں کیلئے حدود اور مقررات کی وضاحت ہو جائے کہ کابل کے 50 کلومیٹر علاقے کے کمانڈر یا 100 کلو میٹر کے اندر کے کمانڈر۔ ان حدود کے اندر جس کمانڈر کے پاس قوت ہو وہ اس شوریٰ میں شامل ہو جائے اور یہی شوریٰ کابل کے نظم ونسق کی ذمہ داری ہوگی۔

جہادی قائدین کی سربراہی شوریٰ بنا دی جائے جو عبوری حکومت کی نگرانی کرے اور اس عبوری حکومت میں غیر متنازعہ افراد کو شریک کرے۔

ان 28 ناموں میں سے جن ناموں پر اتفاق ہو جائے ان سے عبوری حکومت اور عبوری شوریٰ تشکیل دی جائے۔

بینن سیوان نے کہا کہ ان تینوں تجاویز میں سے جس پر بھی اتفاق ممکن ہو۔ میں شوریٰ ارکان کو کابل تک پہنچاتا ہوں۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ اس شوریٰ کو اقتدار میں شریک کریں یا اسے مکمل اقتدار دیں گے؟

جمعہ کے دن شام کے وقت جہادی قائدین کا یہ اجلاس بغیر کسی نتیجہ کے ختم ہو گیا اور ہ اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف چل دیئے۔ افسوس کا مقام یہ تھا کہ وہاں پر مجاہدین کو اکٹھا کرنے لی شخصیت کوئی نہیں تھی۔ وزیر اعظم نواز شریف، صدیق کانجو، ائی ایس آئی کے سربراہ جنرل ید ناصر یہ اہلیت نہیں رکھتے تھے کہ وہ مجاہدین کو قائل اور مطمئن کر سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر اس لاس میں قاضی حسین احمد اور جنرل حمید گل شریک ہوتے تو آخری وقت بھی کوئی معجزہ رونما ہونے امکان تھا۔

وزیر اعظم نواز شریف کا جنرل حمید گل کے ساتھ رابطہ تھا مگر چند ''مصلحتوں'' بالخصوص

مغرب اور امریکہ کے دباؤ کے خوف سے حمید گل کو اجلاس میں نہیں بلایا گیا۔ اسی طرح آ
وقت تک قاضی حسین احمد کے متعلق بھی نواز شریف تذبذب کا شکار رہے۔ وہ اس بات کا اند
کر سکے کہ قاضی صاحب جہادی قائدین میں کتنا اثر و رسوخ رکھتے تھے تاہم اجلاس میں
صاحب کو مدعو کیا۔ مگر اس وقت تک پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا تھا۔ دوسری
کابل سے پے در پے مختلف قسم کی خبریں موصول ہو رہی تھیں پہلے نجیب کے فرار پھر اس کی گر
پھر اقوام متحدہ کے دفتر یا فرانس کے سفارت خانے یا بھارت کے سفارت خانے میں پناہ
خبریں پھیل گئی تھیں۔

(ایضاً 79)

کابل میں فرانسیسی سفارت خانہ صدارتی محل کے قریب ہے۔ نجیب کے فرار
بارے میں فرانسیسی سفارت خانے سے پوچھا گیا مگر کسی نے تصدیق نہیں کی جب کہ یہ بھی حقیق
تھی کہ نجیب کے استعفٰی کی خبر سب سے پہلے فرانسیسی پریس ایجنسی (AFP) نے دی۔ آنے وا
دنوں میں فرانس کے اطلاعاتی ادارے (AFP) کا ہی نمائندہ ساری دنیا کے لئے خبروں کا س
سے بڑا مرکز بنا رہا۔ ایسا کیوں تھا؟

کابل میں فوجی شوریٰ کے ارکان میں سے جنرل نبی عظیمی سب سے زیادہ فعال
سرگرم تھا۔ اس کے ہمرکاب جنرل آصف دلاور، جنرل بابا جان، جنرل رشید دوستم اور جنرل مو
بھی تھے موخرالذکر دو جنرلوں کی فوجیں مزار شریف اور کابل میں ہوائی اڈوں کا دفاع اور نگرانی
رہی تھیں۔ یاد رہے کہ یہ سارے جنرل فارسی زبان بولتے ہیں۔ نجیب کے خلاف جو فوجی بغاو
برپا ہوئی تھی۔ اس کی ساری منصوبہ بندی مزار شریف میں ہوئی اور اس پلاننگ پر عمل درآمد بھی م
شریف سے ہی شروع ہوا۔

امر واقع یہ ہے کہ اپریل کے پہلے ہفتے پاکستان میں مقیم ایرانی سفیر "نجفی" آ
وفد کے ہمراہ ایران کے راستے مزار شریف گیا۔ وہاں ایک اہم اجلاس میں نجیب کا تختہ ال
فیصلہ ہوا۔ اس اجلاس میں ایرانی وفد کے علاوہ جنرل رشید دوستم (جو نجیب سے ناراض تھا) ج
نبی عظیمی (کابل میں وزارت دفاع کا معاون) احمد شاہ مسعود (شوریٰ نظار کا سربراہ) اور ج
مومن شریک تھے مسعود کے علاوہ باقی سب جنرلوں کا تعلق نجیب کی مخالف پارٹی (یعنی کیمونز

رٹی کے "پرچم" دھڑے سے تھا یہ فارسی دان نجیب کے مخالف تھے جس کا تعلق کیمونسٹ پارٹی کے
خلق" دھڑے سے تھا اور مذکورہ بالا تاجک جنرل ببرک کارمل کی حمائت کرتے تھے اور یہ سب
بیب کی برتری کے مخالف تھے۔ "خلق پارٹی میں پشتون زبان کیمونسٹ اکثریت کو "پرچم" کے
ارسی زبان کیمونسٹوں نے راستہ دکھایا تھا۔ بالالفاظ دیگر لسانیت کی بنیاد پر متحد ہونے والے "پرچم"
ارٹی کے جنرلوں نے پشتو بولنے والے "خلق" پارٹی کے کیمونسٹ جنرلوں کو بھی متحد ہو کر ان کی
الفت پر اکسایا تھا اور انہیں بھی ردعمل کے طور پر متحد ہو کر تاجکوں کے مدمقابل لا کھڑا کیا تھا۔ خود
بیب نے اقتدار تک پہنچنے کے فوراً بعد ہی بدامنی محسوس کی تھی۔ رشید دوستم کی ناراضگی کا ایک سبب
یہ تھا کہ نجیب نے اس کی روز بروز بڑھتی ہوئی ملیشیا کے آگے بند باندھنے کے لئے اور اس کی نگرانی
کرنے کے لئے اپنے ایک قریبی ساتھی "جمعہ آسک" کو رشید دوستم پر مقرر کر دیا۔ رشید دوستم نے
اس پر سخت احتجاج کیا یہاں تک کہ نجیب جمعہ آسک کو اس منصب سے ہٹانے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن
اسی سبب رشید دوستم نے نجیب سے منہ موڑ لیا اور اس سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔

احمد شاہ مسعود کے ساتھ ان لوگوں نے اس وقت رابطہ کیا۔ جب نجیب کے پرانے وزیر
دفاع اور "خلق پارٹی" کے رکن جنرل شاہنواز تنائی نے انجینئر گلبدین حکمت یار کے ساتھ رابطہ
کرکے فوجی بغاوت برپا کی۔ یہ بغاوت ناکام ہوئی۔ مگر لسانی عصبیت والوں کو نشان راہ دکھا گئی
تاجک قوم اور فارسی زبان کی بنیاد پر رابطے شروع ہو گئے۔

شمالی افغانستان میں پیدا شدہ ان حالات کو ایران نے حتی الوسع ہوا دی۔ وہ پہلے بھی
کابل میں سنی اور شیعہ کی تقسیم کی بنیاد پر حکومت بنانے کی ناکام کوشش کر چکا تھا۔ مذکورہ بالا اجلاس
میں احمد شاہ مسعود کیوں شریک ہوا؟ کیا وہ بھی تاجک قوم پرست تھا؟ اور ان کے ساتھ اقتدار میں
شرکت کا کوئی منصوبہ اسکے پاس تھا؟ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

مسعود نے کابل کے ممکنہ "انقلاب" وانکشافات سے استاد سیاف کو باخبر کیا تھا۔ باخبر
ذرائع کے مطابق احمد شاہ مسعود نے خود ان روابط کے متعلق استاد سیاف کو خبر دی تھی اور ان سے
اعانت طلب کی تھی۔ استاد سیاف کے انجینئر احمد شاہ احمد زئی کے بقول:

"مسعود نے اس کا انکشاف ہم سے کیا کہ وہ (مسعود) فوجی جنرلوں کو استعمال کر کے
مجاہدین کی حکومت بنانے کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کے لئے اس نے ہم سے مدد مانگی تھی۔"

جواب میں استاد سیاف نے معاون سے مشروط مدد کا وعدہ کیا اور اس کو خبردار کیا کہ
"اگر تم ان کے ساتھ برابری کی بنیاد پر اقتدار میں شریک ہوئے تو ہمارا سارا جہاد
تشخص ماند پڑ جائے گا...... اقتدار میں ان کا کم حصہ اور آپ کا زیادہ حصہ بھی ہو تو مخلوط حکو
ہمارا تیرہ سالہ جہاد اور قربانی کے مقاصد اور اہداف کے خلاف ہے ہمارا جہاد بدنام ہو کر رہ جا
گا۔ ہاں اگر وہ (یعنی کمیونسٹ جنرل) غیر مشروط طور پر کابل رژیم سے علیحدہ ہو کر مجاہدین
سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں تو اس صورت میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اس کے برعکس ہم آپ
ساتھ تعاون کرنے سے معذور ہوں گے"۔

انجینئر احمد شاہ زئی کا کہنا ہے کہ مسعود نے ہم سے مسلسل رابطے اور اطلاعات فرا
کرنے کا وعدہ کیا جو آج تک پورا نہیں ہوا۔ ایک دوسرے کو استعمال کرنے کے کھیل میں کو
کامیاب ہوا اور کون ناکام؟ آنے والے ایام نے اس کا جواب دیا۔ لسانی تعصب کی بنیاد پر ا
شاہ مسعود کے ساتھ تعاون کے نام پر یہ کمیونسٹ جنرل متفق ہوئے تھے، تاکہ مسعود کی مدد اور تعاو
سے کابل میں نجیب حکومت کا سقوط عمل میں آجائے اور وہ کابل کے اندر جاسکیں۔ انکے کابل
داخل ہوتے ہی مسعود نے "چاریکار" اور "جبل السراج" پر حملہ کر دیا۔ کابل کے شمال میں بگر
ایئر بیس پر انہوں نے بہت دباؤ ڈالا۔ تاہم پھر بھی مسعود کی فوجیں پیش قدمی کی قوت نہیں رکھ
تھیں کیونکہ بگرام سے لے کر کابل تک سارے علاقے میں مکمل طور پر حزب اسلامی حکمت یار
مجاہدین کا کنٹرول تھا۔ تاہم مسعود کی اس تھوڑی سی مدد اور تعاون سے بھی کمیونسٹوں کو بہت سہارا
اور نجیب کے اقتدار کو سخت دھچکا پہنچا اور اسکی اطلاع اور پیغام نے پہلے سے منتظر جنرل نبی عظیمی
جنرل مومن کو مزار شریف بھیج دیا۔ ادھر رشید دوستم کی ڈویژنل ملیشیا کابل جانے کے لئے تیار کھڑ
تھی۔ بی بی سی کے مطابق اسی رات 15 طیاروں میں چھ سو ملیشیا کے افراد کو خواجہ روش کے
پورٹ اتارا گیا اور انہوں نے فوراً ایئر پورٹ کے دفاع اور نگرانی کے لئے مورچے سنبھال۔
دوستم کی گلیم جم ملیشیا کا کابل پہنچنا تھا کہ کھیل نجیب کے ہاتھ سے نکل گیا۔

مخالف جنرلوں کی کمانڈ میں ایئر پورٹ پر ملیشیا کے تسلط اور کنٹرول کی اطلاع "وا
(امنیت دولت وزارت۔ داخلی سلامتی کی وزارت) کے وزیر جنرل یعقوبی نے دی۔ نجیب
اسے فوری طور پر خواجہ روش ایئر پورٹ روانہ کیا اور ایک جہاز تیار کرنے کا حکم دیا۔ جنرل یعقو

ۂ معاون کے ہمراہ ایئر پورٹ گیا اور جہاز کا مطالبہ کیا۔ ملیشیا نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر
ا جنرل یعقوبی نے مزاحمت کی تو جنرل مومن نے خود اس پر گولیاں برسائیں جس سے یعقوبی
ے ہو گیا جبکہ اس کا معاون زخمی ہوا۔ دوسری طرف وزیر دفاع مسلم وطن جار نے تاجک
بنٹوں کے اقتدار میں زیادہ حصے اور شرکت پر احتجاج کیا تو اس کو بھی گولی مار کر زخمی کر دیا اور پھر
ال میں داخل کر دیا گیا۔ بینن سیوان یہ ساری کارروائی ایک بے بس، لاچار اور بے اختیار شخص
لرح دیکھتا رہا۔ مگر نجیب کے ساتھ دوستی اور وفاداری کے سبب اس نے کابل نہیں چھوڑا۔ بلکہ
حکمرانوں پر اس نے دباؤ ڈالا کہ نجیب کو کابل سے نکالیں جو کہ ابھی تک اقوام متحدہ کے
یں پناہ گزین تھا۔ اقوام متحدہ کا "صلح پلان" اور "امن مشن" ملیامیٹ ہو کر رہ گیا۔ اس کے باوجود
سیوان اپنے وجود اور کردار پر مسلسل اصرار کرتا رہا۔

حقیقت میں نجیب کے سقوط کے ساتھ ہی کابل میں بہت تغیرات رونما ہو چکے تھے
ۂ کے سب سے زیادہ اثرات پاکستان پر مرتب ہوئے۔ جنرل عظیمی اور احمد شاہ مسعود نے
ی حکومت کے تعاون اور پشت پناہی سے کابل پر قبضہ جمالیا تھا اور افغان جہاد کی تاریخ میں
رتبہ سفارتی معاملات اور سرگرمیوں کا مرکز اسلام آباد سے تہران منتقل ہو گیا۔ اسلام آباد میں
ن مسئلے کی پیچیدگی سے بے خبر حکمران، اقوام متحدہ اور امریکہ کے خوف سے لرزہ براندام حکام۔
ت خارجہ اور آئی ایس آئی کے نئے سربراہ صدیق کانجو اور جنرل ناصر افغان قوم کی طبیعت اور
ج کے موافق فیصلے کرنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ 15 اور 16 اپریل 1992ء کو اسلام آباد میں
جلاس ہوئے ان میں پاکستانی حکومت کا سرے سے کوئی موقف ہی نہیں تھا۔ وہ مجاہدین کے
ئے اتحاد اور اتفاق کی باتیں کرتے رہے۔ اور اس بات سے بے خبر تھے کہ پہلے مجاہدین کی
وں کی اکثریتی رائے مانی جاتی اور پھر پاکستان ایک متوسط راستے کا انتخاب کرتا مگر ایسا نہیں کیا
۔ ویسے بھی بینن سیوان نے پاکستان کے ہاتھوں سے افغان فیصلے کی لگام پہلے ہی چھین لی تھی
پاکستانی حکومت بے جھجک اور بڑی آزاد خیالی کے ساتھ اقوام متحدہ کی حمایت کا ڈھنڈورا پیٹ
تی۔ جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں مجاہدین کی تمام تنظیموں کے سربراہوں کی نظر میں پاکستان
ا اپنا قابل فہم تھا اس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرا اہم معاملہ جس کو اہمیت نہیں دی گئی۔ وہ کابل پر قبضہ تھا۔ کابل پر قبضہ سارے

افغانستان کو فتح کرنے کے ہم معنی گردانا جاتا تھا۔ کوئی اس حقیقت کو سمجھتا یا نہ سمجھتا مگر مجاہدین
کابل رژیم اس سے بخوبی آگاہ ہے۔ اسی لئے نجیب نے اپنے استعفیٰ سے تین دن پہلے پا
حکومت کو اس تبدیلی سے باخبر کر دیا تھا۔ اس امید پر کہ پاکستان شاید کسی حل کا راستہ نکال لے
چند بارسوخ ذرائع کے مطابق پاکستانی ایجنسیوں نے اس خبر کو صیغہ راز میں رکھا اور ج
سربراہوں کو اس کی اطلاع تک نہ کی۔ حالانکہ اس خبر کے ذریعے پاکستان مجاہدین پر اتحاد وا
پیدا کرنے کے لئے دباؤ ڈال سکتا تھا۔

بالآخر ایک دن ایرانی ریڈیو نے اعلان کیا کہ نجیب کابل سے فرار ہو گیا ہے جبکہ
کے اطلاعاتی ادارے (AFP) کا نمائندہ نجیب کی کابل میں موجودگی پر اصرار کرتا رہا۔ فرانس
اطلاعاتی ایجنسی (AFP) کے نمائندے کی کابل میں نامزدگی بڑے غور وخوص اور گہرے جائز
کے بعد کی گئی تھی۔ "درہ پنج شیر" کے احمد شاہ مسعود کے فرانسیسیوں کے ساتھ پرانے تعلقا
ہیں۔ یہ تعلقات اتنے مضبوط، گہرے، قدیم اور اہمیت کے حامل ہیں کہ چند سال پہلے ایک م
پر مسعود نے "پنج شیر" سے ان تمام عرب مجاہدین کو نکال دیا تھا جو جہاد میں حصہ لینے اور مجاہدین
خدمت کے لئے وہاں گئے ہوئے تھے۔ مگر چند فرانسیسیوں کو پنج شیر میں رہنے دیا اور انہیں
آزادی کے ساتھ کام کرنے کی اجازت اور سہولتیں فراہم کئے رکھیں مزید براں مسعود نے اپنی
"جمعیت اسلامی" سے ہٹ کر فرانس میں اپنے ذاتی دفاتر کھولے ہوئے تھے۔

فرانسیسیوں کے ساتھ مسعود کے اتنے قریبی تعلقات اور روابط کی بنا پر بعض لو
نے اس گمان کا اظہار کیا کہ کابل میں تاجک جرنیلوں اور نجیب مخالف لوگوں کے ساتھ مسعود
روابط قائم اور مستحکم کرنے میں فرانسیسی سفارت خانے نے اہم کردار ادا کیا۔ جو صدارتی محل
قریب ہونے اور جدید ترین تکنیکی اور جاسوسی وسائل رکھنے کے سبب حکومت کے اندر کی سرگر
پر گہری نظر اور نگرانی رکھتا تھا۔ فرانسیسی ایجنسی کے نمائندے کو کابل میں رکھنے کا بنیادی سبب بھی
تھا کہ اس کے ذریعے وائرلیس پر مسعود کی سرگرمیوں کی خبریں حاصل کی جائیں اور پھر انہیں ا
اہمیت کا حامل قرار دے کر دنیا بھر میں اس کا پراپیگنڈا کیا جائے۔ دوسری طرف مسعود کے
فرانس کے قریبی تعلقات اور دوستی کی یہ محکم دلیل ہے کہ ایرانی انقلاب کے بہت سے سربر
نے جلاوطنی کی طویل مدت فرانس میں گزاری تھی اور ایران کی موجودہ انقلابی حکومت کے

ے ذمہ دار افراد کے ساتھ فرانس کے اب بھی گہرے مراسم ہیں۔ چنانچہ اب روابط کو بروئے
لاتے ہوئے ایرانی حکومت نے اس کھیل کو بہت مہارت کے ساتھ آگے بڑھایا کیونکہ احمد شاہ
د اور جنرل عظیمی کی صورت میں "کھلاڑی" ان کے ہاتھ لگ گئے تھے اور یوں کابل میں
ار کی اس کشمکش میں ایران اس مثلث کا اہم کونہ تھا۔ لیکن ان سے اس معاملے میں ایک کوتاہی
۔ 17 اپریل 1992ء کو جمعہ کے دن "پاسداران ایران" کے ایک گروہ نے چند پائلٹ اپنے
ھ لئے۔ ایک ذرائع کے مطابق تقریباً یہ 20 پائلٹ تھے۔ یہ صوبہ ہرات اور فرح کی سرحد پر
ین ڈنڈ" کے ہوائی اڈے تک پہنچے اور یہاں سے جہازوں کو اڑا کر ایران کے شہر مشہد جا
ے۔ ایرانیوں کی مداخلت اور ان سازشوں کی وجہ سے بعض جہادی سربراہ بڑے حیران اور
یش میں تھے۔ افغانستان کے مسئلہ میں ایرانی حکومت کی مداخلت اور تگ ودو کا وہ ابھی تک
ور بھی نہیں کر رہے تھے۔ اسی بنا پر ایرانی سیاست کے سب سے بڑے ناقد مولوی یونس خالص کی
لیم کے دو معروف کمانڈروں مولوی جلال الدین حقانی اور کمانڈر عبدالحق نے انجینئر گلبدین
ت یار کے موقف کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

18 اپریل 1992ء ہفتہ کے دن اس اعلان سے تین روز پہلے کابل رژیم کے وزیر
رجہ عبدالوکیل نے جہاز کے ذریعہ چاریکار تک سفر کیا جسے احمد شاہ مسعود نے اپنا عسکری مستقر بنایا
ا تھا۔ مسعود سے ملاقات کے بعد عبدالوکیل نے "مثبت گفت وشنید" کا اعلان کیا۔ عبدالوکیل
نے کابل میں منعقدہ اپنی پریس کانفرنس میں واضح طور پر یہ اشارہ بھی دیا کہ نئی حکومت کو مسعود کی
مایت بھی حاصل ہے اور کابل کے دفاع کے لئے افغان فوج اور ملیشیا کے ساتھ مسعود کے مجاہدین
ی ہوں گے۔ 48 گھنٹے گزرنے کے بعد اس خبر کی کسی نے تردید نہیں کی۔

حکمت یار سیاف اور نبی محمدی کے ممکنہ حملوں کے مقابلے میں ربانی کے کمانڈر احمد شاہ
سعود نے اپنے مسلح گروہوں کو کابل کے اردگرد دفاعی حصار بندی بنانے کا حکم دیا۔ کابل میں ایک
یا ہنگامہ بپا ہونے والا تھا۔ ایک اور خونی معرکے کی تیاریاں ہو رہی تھی۔ کابل کی نئی انتظامیہ نے بڑی
مہارت اور چالاکی و ہوشیاری کے ساتھ مجاہدین کو مجاہدین کے مقابلے میں لا کھڑا کیا تھا۔

دوسری طرف اسلام آباد میں گفت وشنید کی ناکامی کے بعد اتوار کی رات افغان
تنظیموں کے سربراہ ایک بار پھر پشاور میں اکٹھے ہوئے وزیراعظم نواز شریف اس دفعہ قاضی حسین

احمد کو بھی اپنے ہمراہ لائے...... گلبدین حکمت یار ہفتے کی صبح 11 بجے افغانستان چلے گئے تھے۔ ا
کو واپس لانے کے لئے ایک ہیلی کاپٹر پاڑہ چنار روانہ کیا گیا کیونکہ حکمت یار اپنے جنگی مر
''الفتح غنڈ'' کے قریب ''سپنہ شگہ'' میں تھے جو پاڑہ چنار کے قریب پاک افغان سرحد پر صوبہ پک
میں واقع ہے۔ انجینئر حکمت یار نے پشاور آنے سے معذرت کی اور اپنے نمائندے انجینئر قطب
الدین ہلال کو مکمل اختیارات دے کر اجلاس میں شرکت کرنے کی ہدایت کی۔ عبوری شوریٰ ک
ناموں کے تعین کے لئے صبح 8 بجے تک یہ اجلاس جاری رہا۔ مگر مذاکرات کے اختتام پر کوئ
اعلامیہ تک جاری نہ ہوا۔

''مسعود عظیمی پلان'' کے مطابق نجیب کا تختہ الٹنے کے بعد مسعود کے مجاہدین کو کابل
کے اندر جانا چاہئے تھا تا کہ شہر کی سیکورٹی، داخلی امن اور نظم ونسق میں فوج اور ملیشیا کی مدد کر سکے
کابل کے اردگرد حزب اسلامی کے مجاہدین نے مضبوط مورچہ بندی کر رکھی تھی چنانچہ اس رکاوٹ
دور کرنے کے لئے احمد شاہ مسعود نے اپنے بھائی کو ہدایت کی کہ وہ قاضی حسین احمد کے ساتھ
ملاقات کرے۔ جمعرات کی شب 16 اپریل 1992ء کو یہ ملاقات ہوئی۔ مسعود کابل تک پہنچ
کے لئے راستہ چاہتا تھا۔ اس سے پہلے اسی طرح کا ایک شکایتی پیغام صبغت اللہ مجددی کو بھی بھ
چکا تھا۔ جس میں اس نے حزب اسلامی کے رویئے کی شکایت کی تھی۔ اس کی شکایت قطعی بے جا تھ
وہ از خود خوب سمجھتا تھا کہ اس نے جہاد کی ایک اہم روایت کو توڑ ڈالا ہے اور اب وہ حزب اسلا
سے دوسری روایت توڑنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ وہ بھی اس حال میں کہ ابھی تک کابل رژیم کو ایک
مخالف فریق کی حیثیت سے جانا جاتا تھا کہ یا تو ان کے ساتھ جنگ ہوتی اور یا پھر وہ مجاہدین
سامنے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیتے اور تسلیم ہو جاتے۔ ان کو اقتدار میں شریک کرنے کا
سوال ہی پیدا نہیں ہونا تھا اور نہ ہی یہ ممکن العمل تھا۔ جنرل شاہنواز تنائی اسکی مثال تھی جس
نجیب کے خلاف بغاوت کی اور پھر غیر مشروط طور پر حکمت یار کے سامنے تسلیم ہو گیا۔ لیکن اس
برعکس جنرل نبی عظیمی اور مسعود کے درمیان مساوی بنیادوں پر اقتدار کی ''تقسیم'' ہوئی تھی اور
برابری کی سطح پر اقتدار میں شرکت کرنا چاہتے تھے۔

کابل کی نئی انتظامیہ کے جاری کردہ اولین احکامات میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ مجاہدین کو
غیر مسلح کر کے کابل میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ مجاہدین کے لئے یہ ذلت آمیز

تھا اور ان کے 13 سالہ عظیم جہادی فتوحات کے امیج کے لئے ایک بڑا دھچکہ تھا۔ دشمن کے
آخری اور مکمل فتح تک یا تو جنگ ہونی چاہئے تھی یا پھر وہ مجاہدین کے سامنے غیر مشروط طور پر
ر ڈال دیتے۔ اس کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ تھا ہی نہیں اور نہ ہی اس کا تصور کیا جا سکتا تھا۔ احمد
سعود کا کمیونسٹوں کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنانا اور انہیں اقتدار میں شریک کرنا 13 سالہ
ی شاندار روایات اور اصولوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ ان سے انحراف اور روگردانی کے
ف تھا۔ جہاد کا دوسرا اصول، جس سے مسعود بھی بڑی اچھی طرح واقف تھا، وہ یہ کہ گذشتہ
ں میں مختلف کمانڈر اپنے مختلف علاقوں اور منطقوں پر کنٹرول رکھتے تھے اور جہاد کا یہ مسلمہ اور
ا اصول تھا کہ ایک علاقے کا کمانڈر دوسرے علاقے کے کمانڈر کے علاقے میں اپنے مجاہدین
ر نے کا مجاز نہیں ہوگا مگر درج ذیل صورتوں میں۔

پہلے ان مجاہدین کے ساتھ ان کے علاقے میں آنے کا اتفاق ہو گیا ہو۔
اس علاقے کے مجاہدین کے ساتھ مل کر دشمن کے خلاف مشترکہ حملے کی منصوبہ بندی کی گئی
ہو۔
ایک کمانڈر کے مرکز پر دشمن کے شدید حملے کی صورت میں اگر وہ مدد اور اعانت طلب کرے
تو اس صورت میں۔
جنگ کے دوران ایسی صورت پیش آ جائے کہ ایک علاقے کے مجاہدین دشمن کے ہاتھوں
مجبور ہو کر دوسرے کے علاقے میں نقل مکانی کر جائیں۔

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ ایک کمانڈر کے علاقے میں بلا اجازت داخل ہونے کو
ساتھ جنگ کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ مسعود کئی بار افغانستان کے شمالی صوبوں میں
سے کمانڈروں کے علاقوں پر تجاوز کر چکا تھا۔ لیکن ادھر یعنی کابل میں صورت حال بالکل ہی
طرز کی تھی۔ حزب اسلامی کے 20 ہزار مجاہدین نے سال ہا سال پہلے کابل کو اپنے محاصرے
لیا ہوا تھا۔ کابل کی تحصیلوں (ولسوالی) سے چھ تحصیلیں حزب اسلامی کی زیر تسلط تھیں۔ ان میں:

☆ جنوب مشرق کی طرف بگرامی تحصیل
☆ جنوب کی طرف چہار آسیاب
☆ شمال مشرق میں شکر درہ

☆ مغرب میں پغمان

☆ جنوب مغرب میں چاردھی

☆ شمال میں قراباغ

☆ اور مشرق میں سروبی

سروبی میں مولوی خالص کے کمانڈر عبدالحق اور پغمان اور چاردہی میں استاد سیاف "اتحاد اسلامی" کے مجاہدین بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ چاردہی میں افغان فوج کا آٹھ ڈویژن "ریشخور" میں تھا۔ جس میں حزب اسلامی سے مشورہ کئے بغیر ان سے راستہ مانگنا جہا روایات اور طے شدہ اصولوں کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔

اسلئے ان کمانڈروں نے مسعود کو پیغام دیا کہ "اپنے علاقے میں رہو۔ کابل پر حملے لئے ہمارے پاس کافی مجاہدین موجود ہیں اور اگر ضرورت پیش آئی تو تمہیں بلا لیا جائے گا۔ مسـ روکنے کی وجہ سے عبدالوکیل نے چاریکار میں ہی مسعود کے ساتھ ملاقات کی اور اس سے ملاقا کے بعد واپس آنے کے بعد حکمت یار کے بارے میں عبدالوکیل کا لہجہ بڑا تند و ترش تھا۔ اس اعلان کیا کہ "حکمت یار کو کابل کے اندر نہیں آنے دیا جائے گا اور اگر اس نے حملہ کیا تو اس کا جواب دیا جائے گا اور وہ شدید مزاحمت کو دیکھ لے گا۔"

عبدالوکیل کے اس بیان کے 24 گھنٹے بعد پشاور میں افغان قونصل خانے کے قو نے بھی اسی قسم کا ایک اشتعال انگیز اعلامیہ جاری کیا کہ "ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں پاکستان میں چور کی حیثیت سے رہنے والے حکمت یار کے ساتھ رابطہ کریں۔"

یہ دونوں اعلامئے اتفاقی نہیں تھے بلکہ انہیں بڑے غور و فکر کے بعد جاری کیا گیا تھ اس کے بڑے دقیق اور دور رس مقاصد اور اہداف تھے۔ وہ یہ کہ فضا کو تیزی کے ساتھ مکدر جائے تا کہ حزب اسلامی کے مجاہدین مشتعل ہو کر کابل پر حملہ کر دیں اور پھر اس جنگ کو حزب مسعود کی جنگ کے طور پر ساری دنیا میں مشہور کر دیا جائے۔ حالانکہ گزشتہ 13 سالہ جہا دوران افغانستان کی ہر قوم اور ہر قبیلے پشتون، تاجک، ازبیک نے بلا استثنیٰ نسل و زبان یکسا ر پر بے دریغ قربانیاں دی تھیں۔ قوم پرستی کا یہ زہر گھولنے میں کابل رژیم کے علاوہ ایران کا ہاتھ ہے۔

پشتون، تاجک کی بنیاد پر ہونے والی اس جنگ کی آڑ میں وہ کیمونسٹ، جنہوں نے 13 سال قوم کے خون سے ہولی کھیلی اور جن کے ہاتھ ہم وطنوں کے لہو سے رنگے ہوئے تھے اور دوسروں کا آلہ کار بن کر یہ مذموم کارروائیاں کرتے رہے۔ صاف بچ نکلنا چاہتے تھے۔ احمد شاہ مسعود کو اقتدار تک پہنچانے میں امریکہ کی دلچسپی کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ 20 اپریل 1992ء کو امریکی وزارت خارجہ کے افغانستان کے امور کے نگران افسر نے اپنے بیان میں مسعود کو حتمی اقتدار تک پہنچانے کا عندیہ دیا۔

اس کی حالت زار پر ہمدردی کے دو بول بھی کہے جبکہ اس کے برعکس وہ اٹلی میں پرتعیش زندگی گزار رہا تھا اور اس نے اپنی ایک شپنگ کارپوریشن قائم کی ہوئی تھی جس کی کروڑوں ڈالر کی آمدن سے وہ زندگی کی مزے لوٹ رہا تھا۔ افغانستان میں ظاہر شاہ کے کردار کو فعال بنانے کے لئے استعماری قوتیں تو ایڑی چوٹی کا زور لگا ہی رہی ہیں مگر حکومت پاکستان "مدعی سست گواہ چست" کے مصداق افغان مسئلہ کے "پرامن حل" کے لئے اس "سنہری چڑیا" کے سر پر قیادت کا تاج رکھنے کے لئے بے تاب دکھائی دیتی تھی جس کی تازہ مثال ظاہر شاہ کے داماد جنرل عبدالولی کا دورہ پاکستان اور مہاجرین کے کیمپوں میں افغان مہاجرین سے ملاقاتوں کا سلسلہ اسی منصوبے کی کڑیاں تھیں تا کہ افغانستان میں مسلسل بے چینی کے شکار عوام کو اپنے دام میں پھنسایا جا سکے۔ ظاہر شاہ کے داماد کے اس دورے کو خصوصی اہمیت بھی دی جا رہی تھی اور حکومت پاکستان اس کی پشت پناہی بھی کر رہی تھی۔

(ایضاً 82/90)

24 اپریل 4 بجے جنرل رفیع نے انجینئر گلبدین حکمت یار کے ساتھ ملاقات کی۔ رفیع حکمت یار ملاقات کے موضوع اور نتائج بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کابل کے اندر حزب اقتدار یعنی "وطن پارٹی" کے اندرونی اختلافات پر کچھ روشنی ڈال دی جائے تا کہ مسئلے کے پس منظر سے مزید آگاہی ہو سکے۔ جنرل رفیع کی گفت و شنید سے پہلے کابل انتظامیہ دو بڑے گروہوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اس تقسیم میں پارٹی، فوج، حکومت اور ملیشیائیں سب شامل تھے اور بہت سی پیچیدگیاں جنم لینے سے پہلے ہی وہ واضح گروپوں میں بٹ چکے تھے پہلا گروہ وہ تھا جس نے پارٹی کے اندر علم بغاوت بلند کیا اور نجیب کو استعفیٰ دینے پر مجبور کیا اور پھر اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اس گروہ میں کابل گیرژن کے کمانڈر جنرل نبی عظیمی، جنرل مومن، کابل میں ہوائی اڈے پر متعین جوزجانی ملیشیا کا کمانڈر رشید دوستم، جنرل آصف دلاور، جنرل بابا جان اور وزیر خارجہ عبدالوکیل شامل تھے۔ نجیب کے استعفیٰ کے بعد اس گروہ نے اقتدار کو باقاعدہ طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لیکن ان کی پشت پر اصل قوت ببرک کارمل کے بھائی محمود بریالے اور فرید مزدک جو کہ بہت بااختیار تھے اور بڑی قوت کے حامل تھے کی تھی۔ یہ سابق صدر ببرک کارمل کے طرفدار تھے۔ اقتدار لینے کے بعد اس گروہ نے تین چار ایسے اقدامات کئے جس کے خلاف عمومی طور پر نفرت اور بیزاری پھیل گئی۔

پہلا اقدام یہ کہ انہوں نے تمام امور میں انتظامیہ کو پس پشت ڈالے رکھا اور پارٹی کو مضبوط کرنے میں مصروف ہو گئے۔ سارے احکامات ''وطن پارٹی'' کی طرف سے جاری ہوئے اور پارٹی کی طرف سے باقاعدہ طور پر ان کا اعلان کیا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انتظامیہ کے لوگ بددل اور بدظن ہو گئے۔ دوسری حرکت ان کی یہ تھی کہ اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لئے وہ مزار شریف سے دوستم ملیشیا اور احمد شاہ مسعود کے مجاہدین کو کابل ایئرپورٹ کے دفاع کیلئے لے آئے ان کے اس اقدام کے فوراً بعد انتظامیہ میں فوجی آفیسرز اور پولیس والے بہت غصے اور طیش میں آ گئے۔ اس گروہ نے افغانستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ایسی حرکت کا ارتکاب کیا تھا جس کے نتیجے میں افغانستان کی تقسیم کا خطرہ پیدا ہو گیا کیونکہ انہوں نے تاجک اور پشتون کا مسئلہ اٹھا دیا تھا۔ کارمل رژیم کے وزیر تعمیرات ڈاکٹر فقیر محمد کے بقول: ''...... یہ مسئلہ اصل میں ''وطن پارٹی'' نے اٹھایا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کے ذریعے اپنے اقتدار کو مضبوط کریں ...... اسی تاجک پشتون کی بنیاد پر انہوں نے مسعود کے ساتھ رابطہ کیا اور اسے کابل کے اقتدار میں شریک ہونے کی پیشکش کی۔ حقیقت میں یہ پیشکش ایک دھوکہ تھا جس میں مسعود پھنس گیا۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ وہ مسعود کو اپنے اقتدار کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے استعمال کریں۔''

مسعود کے مجاہدین کابل کے دفاع اور نگرانی میں ایک طرف ان گروہوں کے تعاون سے بے نیاز ہو جائیں گے جن کے ساتھ ان کا تنظیمی تعلق تھا اور جن کے یہ (یعنی مسعود کے مجاہدین) حقیقی طرفدار نہ تھے۔ بالالفاظ دیگر مسعود کی شوریٰ نظار کے لوگ اپنی حقیقی تنظیم جمعیت اسلامی سے آزادی پالیں گے۔ دوسری طرف مسعود کے مجاہدین کو ان مجاہد گروپوں کے ساتھ لڑائی

کی بھٹی میں جھونک دیا جائے گا جو حقیقتاً مجاہدین کی اصل نمائندہ تنظیمیں ہیں اور جو افغانستان میں خالص اسلامی نظام کا قیام چاہتی ہیں۔ یہ تھا وہ دام ہمرنگ جس میں مسعود کو پھانسنے کی کوشش کی گئی اور جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہو گئے۔ جب مسعود کو اقتدار کی پیشکش کی گئی تو اس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ برہان الدین ربانی کی تنظیم جمعیت اسلامی کو نہیں مانتا اور یہ کہ جب وہ کابل پر مکمل تسلط حاصل کرے گا تو اختیارات اپنے ہاتھ لے لے گا اور مذکورہ بالا چھ افراد کو (کارمل کے علاوہ) اقتدار میں شریک کرے گا۔ اس نے کہا کہ کارمل زیادہ بدنام ہو گیا ہے اس لئے وہ مزار شریف چلا جائے۔ عبدالوکیل سے کہا گیا کہ مسعود کے برسر اقتدار آتے ہی وہ نئی حکومت کا وزیر خارجہ ہو گا اور یہی وجہ تھی کہ عبدالوکیل مسعود کی حمایت کے لئے زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ ان حالات کے سامنے آنے سے پہلے نجیب نے ایک اور کام کیا تھا وہ یہ کہ نجیب نے استعفیٰ سے پہلے جنرل نبی عظیمی اور کچھ دوسرے جرنیلوں کی یہ بات مان لی تھی کہ جوزجانی ملیشیا کو کابل لایا جائے۔ چنانچہ اسکے تحت گیارہ ہوائی جہازوں میں 560 کی تعداد میں ملیشیا کے افراد کو کابل لایا گیا اور انہوں نے ایئرپورٹ، ریڈیو سٹیشن، ٹیلی ویژن سٹیشن اور دوسری اہم جگہوں پر مورچے سنبھال لئے۔ اس کے ساتھ ہی نجیب نے اپنے نائب صدور عاطف رفیع، عبدالحمید محتاط اور عبدالواحد سرابی کو برطرف کر دیا۔ ان چاروں نے اپنی برطرفی کے فرمان کے بعد اپنے اپنے استعفیٰ تحریر کئے اور بینن سیوان کو اس سے مطلع کر دیا۔ رات 2 بجے کے قریب نجیب ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہوا۔ بینن سیوان اور اقوام متحدہ کے اعلیٰ عہدے داروں کا خیال تھا کہ نجیب کا فرار ہونا گویا افغانستان کو خانہ جنگی کی آگ میں دھکیلنا تھا۔ دوسری طرف نجیب کے مخالفین کو بھی لحہ لحہ کی صورت حال کی رپورٹ مل رہی تھی۔ ادھر ایسے حالات سامنے آئے کہ بعض گروہوں کے مفاد میں یہ تھا کہ نجیب کابل سے باہر نہ جائے یعنی افغانستان سے فرار نہ ہو۔ ایک خبر یہ بھی تھی کہ بینن سیوان نے نجیب کے مخالف جرنیلوں سے کہا کہ وہ نجیب کو واپس کر دیں۔ اس کام (یعنی نجیب کے فرار) کی وجہ سے افغانستان ایک خون ریز جنگ کا مرکز و مستقر بن جائے گا۔''

نجیب نے ایک طرف اس آگ کو ہوا دینے کے لئے جوزجانی ملیشیا کو کابل لانے کا فرمان جاری کیا، ابھی اس فرمان کی سیاہی خشک نہیں ہوئی تھی کہ اس نے دوسری طرف پکتیا اور قندھار کے پختونوں کو مطلع کیا کہ ''شمال سے ازبک اور تاجک کابل پر قبضہ کرنے کی کوشش میں

ہیں۔تم بھی کابل کو اپنے کنٹرول میں لینے کے لئے آجاؤ۔ایسا نہ ہو کہ پھر تم مجھے یہ طعنہ دو کہ پشتو
ہونے کے باوجود میں نے تمہیں خبر نہیں کی......"

ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض باخبر حلقوں کا خیال تھا کہ نجیب آنے وا
جنگ کو روک سکتا تھا اس لئے اسے واپس لانا چاہئے تھا۔بہر حال جب وہ ایئرپورٹ پر گیا تو را
میں سیکورٹی گارڈ کے کمانڈر رزاق اور نجیب کے درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

کمانڈر رزاق: آپ کہاں جارہے ہیں؟

نجیب: میں بیرون ملک سفر پر جارہا ہوں۔

کمانڈر رزاق: ہمیں آپکی طرف سے اس بارے میں کوئی احکامات وصول نہیں ہوئے۔

نجیب: میں تمہیں ابھی اس کا حکم دیتا ہوں۔

کمانڈر رزاق: سر میں اس طرح نہیں مان سکتا۔آپ مہربانی فرما کر واپس چلے جائیں آ
ہمارے صدر مملکت ہیں اس لئے آپ ہمیں باقاعدہ اپنے سفر کی ہدایات د
کریں تا کہ ہم آپ کی حفاظت اور دفاع کے لئے ضروری یعنی سیکورٹی
انتظامات کرسکیں جو کہ ایک ملک کے سربراہ کے شایان شان ہوں۔اسکے بعد
بیرون ملک کا سفر کر سکتے ہیں۔

نجیب سمجھ گیا کہ اس کو واپس کرنے کے لئے ساری انتظامیہ متحرک اور فعال ہو چکی
اس لئے وہ واپس ہوا۔مگر صدارتی محل کی بجائے اقوام متحدہ کے دفتر میں چلا گیا۔نجیب کے
سے فرار کی کوشش سے پہلے "واد" کے وزیر جنرل یعقوبی اور اسی وزارت کی عسکری شاخ
مسئول اور ذمے دار جنرل "باقی" کے ذریعے "معلم عمر" (جو کہ اسی وزارت میں ایک حسا
کا سرپرست تھا) کو قتل کروادیا۔اس کو قتل کروانے کا سبب یہ تھا کہ وہ نجیب کے بہت سے
سے باخبر تھا۔نجیب کو ڈر تھا کہ کہیں اسے بین الاقوامی مجرم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے
کھڑا نہ کیا جائے۔اس صورت میں معلم عمر نجیب کے رازوں کو افشا کر سکتا تھا۔اسلئے اس نے
وقت ہی معلم عمر کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔اس کے بعد نجیب اقوام متحدہ کے دفتر میں پناہ گزیں
اور وہیں اُسے ہلاک کر دیا گیا۔

23اپریل کو "ملی شوریٰ" (پارلیمنٹ) کا اجلاس ہوا۔اس میں نجیب کے وہ ا

پیش ہوئے جس میں اس نے اپنے چاروں نائبین (نائب صدور) کو برطرف کیا تھا۔اجلاس کے
صدر محمود حبیبی نے یہ احکامات اجلاس کے سامنے پیش کئے جو کہ مکمل اتفاق کے ساتھ مسترد کردیئے
گئے اور نجیب کے احکامات کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔اسی روز کابل میں افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ
نجیب کابل سے باہر چلا گیا ہے اور بینن سیوان اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے لیکن یہ امر واقع نہیں
تھا۔

(ایضاً 95تا98)

24اپریل 1992ء کو جنرل نبی عظیمی کے نمائندوں نے "لوگر" میں حکمت یار سے
ملاقات کی اور دو مطالبے کئے۔

- کابل پر حملہ نہ کیا جائے اس سے ہزاروں بے گناہ شہریوں کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔
- مجاہدین متفقہ حکومت تشکیل دیں ہم اقتدار ان کے حوالے کردیں گے۔

حکمت یار جانتے تھے کہ دوسری شرط وہ پوری نہیں کر سکتے نہ انہیں مجاہد لیڈروں کی
طرف سے کسی کار خیر کی امید تھی انہوں نے جنرل عظیمی سے کہا کہ کابل میں بلائے گئے دوستم ملیشیا،
مومن ملیشیا اور احمد شاہ مسعود کے مجاہدین کو رخصت کریں تا کہ مجاہدین کی متفقہ حکومت اقتدار اپنے
ہاتھ رہے اگر ان کیلئے یہ ممکن نہیں تو کابل کو مجاہد کمانڈروں کی شوریٰ کے حوالے کردیں جو چھ ماہ میں
صدارتی انتخابات کروائے اس کے بعد چھ ماہ میں منتخب پارلیمنٹ قائم ہو۔ہر صوبے کے کمانڈر اس
شوریٰ میں اپنے دو نمائندے بھیجیں عبوری انتظامیہ موثر کام کرے گی۔

جنرل رفیع نے ان باتوں سے اتفاق کیا اور وزارت داخلہ کے کارکنوں کو مسلح کرنے
کے بعد حکم دیا کہ حکمت یار کی تمام ملیشیاؤں کو کابل سے نکالو جو رکاوٹ بنے اسے گولی سے اڑادو۔
حکمت یار کا کہنا تھا کہ 26اپریل تک اگر جنرل رفیع ان لوگوں کو نہ نکال سکے تو وہ کابل میں داخل
ہو کر انہیں خود نکال دیں گے۔23اپریل کو جنرل رفیع نے پریس کانفرنس میں کہا کہ حکمت یار کے
خلاف آج تک غلط اور بے بنیاد پراپیگنڈہ کیا گیا وہ وطن دوست اور مجاہد انسان ہے۔

اس کانفرنس کے فوراً بعد "پرچم" اور "خلق پارٹی" کے درمیان ٹھن گئی۔دوسری طرف
پولیس اور وہ پیرا ملٹری فورسز تھیں جو سمجھتے تھے کہ ملیشیاؤں کو مسلط کردیا گیا ہے جبکہ بیشتر پشتو بولنے
والے سرکاری ملازمین حکمت یار کی حمایت کررہے تھے۔تاجک بھی حکمت یار کی حمایت کرتے ہیں

اس صورتحال کو دیکھ کر ''خلق پارٹی'' کا سرکردہ رہنما اور سابق افغانی صدر ببرک کارمل 25 اپر
1992ء کو کابل سے نکل کر مزار شریف پہنچ گیا۔

کابل کے شہری نام نہاد ملیشیاؤں کی لوٹ مار سے تنگ آ چکے تھے انہوں نے حکمت
کی آمد کو باعث برکت جانا اور پشاور میں اچانک باسی کڑھی میں اُبال آیا اور مجاہد کمانڈروں نے
مجلس شوریٰ قائم کردی انہوں نے حزب اسلامی کو اعتماد میں لینا ضروری نہ سمجھا۔ انہوں نے کابل
اپنے ہاتھ میں لینے کا اعلان کر دیا اور افغان وزیر خارجہ عبدالوکیل نے بھی ان کی حمایت کرد
حالات تیزی سے خانہ جنگی کی سمت جا رہے تھے۔ 24 اپریل 1992ء کو دوستم ملیشیا کے تاز
دستوں نے کابل ایئرپورٹ کا کنٹرول سنبھال لیا تھا اسی روز قاضی حسین احمد کے اصرار پر حکمت
اور احمد شاہ مسعود کے درمیان وائرلیس پر مذاکرات ہوئے۔

گلبدین حکمت یار نے احمد شاہ مسعود سے کہا کہ ''ملیشیا اور کمیونسٹوں سے کابل کا
کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ انہوں نے کابل میں لوٹ مار اور دہشت گردی پھیلا رکھی ہ
حکمت یار نے مسعود سے یہ بھی کہا: ''تمہارے مجاہدین ملیشیا کے دفاع میں قتل ہوتے ہیں تو تم
اور عوام کو کیا جواب دو گے؟ اس کے بجائے تم پر یہ لازم ہے کہ تم مجاہدین کے ساتھ مل کر ملیشیا
مرکزوں پر حملوں میں حصہ لو۔''

مسعود نے کہا ''میں نے کوشش کی تھی کہ استاد فرید اور استاد فتح محمد کے ساتھ راب
لوں۔ مگر وہ حاضر نہ ہوئے۔''

حکمت یار نے کہا: ''ان کی غیر حاضری بھی تمہیں یہ جواز فراہم نہیں کر سکتی کہ تم
کے ساتھ جا ملو۔'' حکمت یار کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اس نے نبی عظیمی اور رشید
کے ساتھ کیونکر اتحاد قائم کیا ہے۔'' مسعود نے کہا کہ یہ کام میں نے اپنے سربراہوں سے سیکھا
اس کا اشارہ جنرل شاہنواز تنائی کی طرف تھا جس نے ناکام بغاوت کے بعد حزب اسلامی کی پ
تھی۔

حکمت یار نے کہا کہ ''تنائی نے تو نجیب پر بمباری کی اور اس کے بعد غیر مشروط
حزب کی پناہ میں آ گیا۔ مگر ادھر تمہاری حالت اس کے برعکس اور جدا ہے اور یہ اقتدار میں برا
کی بنیاد پر ہے تم نے اُن لوگوں سے اتحاد کیا ہے جو نہ صرف کابل پر مسلط ہیں بلکہ مجاہدین

ھ جنگ کی سازشیں بھی بنا رہے ہیں۔''

بالآخر حکمت یار اور مسعود کے درمیان وائرلیس پر یہ گفتگو بغیر کسی مثبت نتیجے کے ختم ہو
ئی۔

25 اپریل 1992ء کو حزب اسلامی کے مجاہدین کابل شہر میں داخل ہو گئے۔ شہر میں
ہوں نے بغیر کسی قابل ذکر مزاحمت کے صدارتی محل سمیت اہم جگہوں کو فتح کر کے جھنڈے لہرا
ئے۔ اسی طرح احمد شاہ مسعود کے مجاہدین گلیم جم ملیشیا سمیت شہر میں نمودار ہوئے۔ اسی دن شام
اڑھے چار بجے حزب اسلامی کے امیر انجینئر گلبدین حکمت یار نے کابل سے وائرلیس پر پشاور
ں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا۔

''میں آج اس تاریخی دن کے موقع پر تمام مجاہدین، امت مسلمہ اور سارے عالم اسلام
و مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ یہ ایک بڑا دن تھا جس کے لئے ہم طویل مدت سے آنکھیں فرش راہ
ئے ہوئے تھے۔ میں اللہ تعالیٰ کا بہت شکرگزار ہوں کہ آج کابل کی ''مزدور رژیم'' (یعنی روسیوں
کی کٹھ پتلی اور مزدور حکومت) مکمل طور پر ختم ہو گئی ہے اور جنگ اپنے منطقی انجام تک پہنچ گئی ہے۔
ں تاریخی فتح میں ساری جہادی تنظیموں نے اپنا اپنا حصہ ڈالا ہے۔ اس عظیم جہاد کی کامیابی کا سہرا
غیرت افغان قوم کے سر ہے جس نے گزشتہ 13 سالوں کے دوران ہر قسم کی مشکلات مصائب
ر تکالیف خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم
ے جنگ ختم ہو گئی ہے اور اب تمام گروہ اتفاق اور اتحاد کے ساتھ ملک کی آبادکاری اور نظم و نسق
کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیں گے۔''

انجینئر حکمت یار نے پشاور میں تشکیل شدہ عبوری حکومت کے بارے میں کہا کہ اب
ں کی ضرورت نہیں ہے کہ یہاں کابل میں آ کر اقتدار سنبھالے۔ یاد رہے کہ افغان تنظیموں کے
یگر سربراہوں نے بڑی عجلت میں صبغت اللہ مجددی کی سربراہی میں ایک 51 رکنی شوریٰ تشکیل دی
ی۔ اس شوریٰ ہر تنظیم سے پانچ افراد متعارف اور نامزد کئے گئے۔ اس شوریٰ نے دو ماہ کے لئے
کابل میں ایک عبوری ادارہ یا حکومت تشکیل دینی تھی اور بعد ازاں چار ماہ کیلئے استاد برہان الدین
ربانی کی سربراہی میں ایک عبوری حکومت کو اختیارات تفویض کرنے تھے۔ اس عبوری حکومت کے
صدارت استاد ربانی کے پاس ہونی تھی جبکہ وزارت عظمیٰ کے لئے انجینئر حکمت یار یا ان کی پارٹی

کے کسی نامزد کردہ رکن کو ہونا تھا۔ عبوری حکومت میں وزارت دفاع احمد شاہ مسعود کو دی گئی۔
حکمت یار نے اس 51 رکنی کمیٹی کے دو ماہی اقتدار کو بے وقعت اور بے فائدہ قرار دے دیا ان
تھا کہ عبوری حکومت کو فوراً کام شروع کرنا چاہئے تاکہ آنے والے ایک سال کے دورا
انتخابات کرا کے اختیارات ایک منتخب اسلامی حکومت کے حوالے کر دے۔

کابل پر حکمت یار کے مجاہدین کے قبضے کے بارے میں اندرون اور بیرون افغا
مختلف نوع کے ردعمل کا اظہار کیا گیا۔ کابل کے شہریوں نے حزب اسلامی کے مجاہدین کا اس
گل پاشی کے ساتھ بڑی فراخدلی سے کیا۔ لیکن ملیشیاؤں کی طرف سے ان کے خلاف جنگ
آگ آہستہ آہستہ بھڑکائی جانے لگی۔ 26 اپریل 1992ء کو "بالائے حصار، شاہ شہیدا
ستون" پر ان کی بمباری سے آگ کے شعلے مزید بھڑک اٹھے۔ اسی دن سہ پہر حزب اسلامی
پر شین ڈنڈ کے ہوائی اڈے سے جہازوں نے اڑ کر مزار شریف کے ایئرپورٹ، بگرام ایئر
اور خواجہ رواش ایئرپورٹ پر زبردست بمباری کی جس میں دس سے زیادہ طیارے تباہ ہو گئے
کے ذریعے ملیشیا حزب اسلامی کے مراکز اور شہر کے جنوبی مراکز پر بمباری کر رہی تھی۔ شی
ایئرپورٹ سے طیاروں کا اڑ کر مزار شریف اور بگرام ایئرپورٹ پر بمباری کرنا حزب اسلا
فضائی برتری کو ثابت کرنا تھا۔

27 اپریل 1992ء کو صبغت اللہ مجددی کمیٹی کے 18 ارکان کے ساتھ بذریعہ
کابل روانہ ہوئے پاک افغان سرحد طورخم پر آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل جاوید ناصر نے
رخصت کیا لیکن صبغت اللہ مجددی کے استقبال کے لئے سرحد کے اس پار کوئی نہیں تھا۔
ولایت ننگرہار کے گورنر حاجی عبدالقدیر شمر خیل تک دو گاڑیوں کے ساتھ آئے۔ اور مجددی ا
اپنے ارکان شوریٰ سمیت جلال آباد سے بھی بغیر کسی پروٹوکول کے گزر گئے۔ مجددی نے جلا
شہر میں خطاب کے دوران بہت سخت لہجے میں حکمت یار کی مذمت کی۔ انہوں نے کہا کہ حکم
عوام سے معافی مانگیں مجددی نے بعد کی لڑائیوں کی ذمہ داری بھی حکمت یار پر ڈال دی۔

کابل کی گلیاں خون سے رنگین ہو گئیں۔ 27 اپریل 1989ء سے لے کر 26
1992ء تک کابل افغانستان کا سب سے پرامن شہر رہا۔ گزشتہ 13 سال میں افغانستان کا
پریشانی، اضطراب اور مصائب و آلام میں ڈوبا ہوا تھا لیکن کابل امن کی بنسری بجا رہا تھا۔

مسعود اور وطن پارٹی کی مخلوط حکومت جسے پاکستان کی حمایت بھی حاصل تھی، نے بھی اس
کے تجویز کردہ فیصلوں سے روگردانی شروع کر دی جو شوریٰ نواز شریف حکومت، سعودی
اور امریکہ کے دباؤ کے تحت بڑی عجلت میں تشکیل دی گئی تھی۔ بعض حلقے اس پر حیرت میں
گئے کہ پاکستانی حکومت کو اتنی بات بھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ مجددی کی شوریٰ ان فیصلوں پر
قائم نہیں رہی جو پشاور کے اجلاس میں طے کیے گئے تھے۔ مجددی ان طے شدہ فیصلوں سے
ف کرتے ہوئے کابل پہنچ کر کچھ اور دوسرے فیصلوں پر عمل پیرا ہو رہے تھے۔

پشاور میں مجاہدین کی نمائندہ حکومت کی تشکیل کا پروگرام بنا تھا۔ مگر مجددی نے کابل جا
ملیشیا اور وطن پارٹی (کارمل گروپ) کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنا لی تھی۔ حکمت یار کے سوا
کسی کے وہم گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایسا ہو جائے گا۔ پشاور میں فیصلہ اور منظور شدہ
گرام سے انحراف کے خلاف حکومت پاکستان کو اعتراض اور احتجاج کرنا چاہئے تھا نہ کہ
اعظم پاکستان نواز شریف مبارکباد کے لئے کابل پہنچ جاتے۔ بعض باخبر حلقوں کا خیال ہے کہ
شریف کا کابل پہنچ جانا کوئی انا کی بات نہیں تھی بلکہ یہ ایک طے شدہ منصوبہ بندی تھی۔ جس کے
ت یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ ان حلقوں کا یہ دعویٰ ہے کہ صبغت اللہ مجددی کابل جانے کے لئے آمادہ
ں تھے وہ حزب اسلامی کے مجاہدین کے محاصرہ کردہ کابل جانے کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں
۔ تاہم وہ پاکستانی حکومت اور آئی ایس آئی کی ہدایت اور مجبور کئے جانے کی بنا پر کابل جانے
لئے آمادہ ہو گئے۔ کابل پہنچنے کے فوراً بعد مجددی نے وطن پارٹی کے چھ افراد یعنی جنرل نبی
ظمی، جنرل بابا جان، فرید مزدک جنرل آصف دلاور، محمود بریالے اور عبدالوکیل کے ساتھ مل کر
لوط حکومت بنا لی۔ بلکہ ان کمیونسٹوں کو اپنی 51 رکنی شوریٰ میں بھی شامل کر لیا جو کہ صرف مجاہدین
حکومت بنانے کے لئے تشکیل دی گئی تھی پاکستانی حکمرانوں نے یہ بات بھی نظرانداز کر دی کہ
ددی نے رسمی طور پر عبدالرحیم عاطف (نجیب کے دور میں کابل حکومت کا نائب صدر تھا جسے کابل
ظم کے آخری وقت میں صدارتی کاموں کا سرپرست نامزد کیا گیا تھا) سے اقتدار ہاتھ میں نہیں
یا تھا۔ رسمی طور پر عاطف اور اسکے نائبین کو استعفیٰ دینا چاہئے تھا۔ اس کے بعد مجددی کو آواز بلند
کرنی چاہئے تھی لیکن مجددی نے اس افراتفری اور ہلہ گلہ میں خود ہی اپنی طرف سے بیانات دینے
شروع کر دیئے۔ مجددی صاحب کو کابل کا اختیار جنرل نبی عظیمی کی طرف سے "ہدیئے" کے طور

پر ملا تھا۔ جس نے احمد شاہ مسعود کے ساتھ لسانی تعصب کی بنیاد پر اتحاد کیا ہوا تھا۔ اس ''مظہ
حکومت'' کے بنانے اور اس کو منظر عام پر لانے کے اقدامات پر بحث سے پہلے یہ بہتر ہے کہ
اپریل 1992ء کو پشاور اور فتح کابل کا جائزہ لیا جائے۔

اس بات کی ابتداء 15 اپریل 1992ء کو افغان تنظیموں کے سربراہوں کے اجلاس
ہوتی ہے جس اجلاس میں حکمت یار کو آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل جاوید ناصر نے دھمکی د
اگر آپ یہ فارمولہ (یعنی ہر تنظیم سے دو دو افراد شوریٰ میں شامل ہوں) نہیں مانتے تو ہم تمہا
ساتھ دست و گریباں ہو جائیں گے اور دوسرا یہ کہ تم اس وقت تک اجلاس سے باہر نہیں نکل
جب تک یہ فیصلہ نہیں مان لیتے۔'' یہ دھمکی بڑی حیران کن تھی۔ حکمت یار کی طرح کے ایک
لیڈر کو تو چھوڑیئے گزشتہ تیرہ سالہ دور میں مجددی اور گیلانی جیسے کم افراد رکھنے والے
سربراہوں اور کمانڈروں کے ساتھ بھی کسی نے اس لب و لہجہ میں بات نہیں کی تھی۔

حکمت یار اس دھمکی پر ناراض ہو گئے اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا ''میری بے عزتی
ہے۔ میں اجلاس سے جا رہا ہوں اگر کوئی مجھے واپس لانے کا خیال رکھتا ہو تو ازراہ مہربانی وہ
کوشش نہ کریں۔''

افغانستان اور افغانوں کی سیاست سے نابلد جاوید ناصر نے یہ کام کس کے اش
پر کیا؟ باخبر ذرائع کے مطابق اس نے یہ کام پاکستانی فوج کے ایک بڑے منصب والے سر
ہدایت پر کیا تھا اشارہ غالباً اس وقت کے چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل آصف نواز کی
ہے جو حکمت یار کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔ وہ اسلئے کہ چند ماہ پہلے حکمت یار۔
صدر کے مشیر الیگزنڈر تسکوئی کے سامنے اس فوجی سربراہ کے توہین آمیز حکم کو ماننے سے انک
تھا اور اس حکم کو نہ ماننے کے ساتھ ساتھ چند روسی قیدیوں کو رہا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ا
سربراہ نے حکمت یار کو جلد از جلد چند روسی قیدیوں کو رہا کرنے کی ہدایت کی تھی تاکہ
الیگزنڈر انہیں اپنے ساتھ لے جا سکے۔ اس ''نامور'' فوجی سربراہ نے مجاہدین راہنماؤں س
کئے بغیر اپنے تئیں اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنے کے لئے روسی مشیر کے ساتھ از خود روسی ق
کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

15 اپریل 1992ء کو حکمت یار اجلاس سے نکل آئے اور اجلاس بغیر کسی نتیجے

اس کے بعد آئی ایس آئی کے ناعاقبت اندیش سربراہ کو معاملے کی نزاکت کا احساس ہوا تو
نے فی الفور جنرل حمید گل سے رابطہ کیا جو تمام جہادی رہنماؤں پر زیادہ اثر و رسوخ رکھتے تھے
بھی تک اس معاملے میں ان سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا تھا۔ جنرل حمید گل نے انجینئر حکمت
کے ساتھ رابطہ کرے انہیں جاوید ناصر کے ساتھ رابطہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ لیکن ایک بار
بختی ہاتھ'' حرکت میں آئے اور جاوید ناصر نے ملاقات سے انکار کر دیا۔ یہی لمحہ تھا جب حکمت
بختی سے فیصلہ کیا کہ انہیں ان سیاسی سازشوں میں ڈوبنے سے بچنے کے لئے افغانستان چلے
چاہئے کہ آنے والے حالات و واقعات اور حوادث سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گہری سوچ بچار اور
نظر کے ساتھ اور ایک طے شدہ منصوبے اور فارمولے کے تحت ایسے حالات پیدا کئے گئے
کہ جن کے تحت انجینئر حکمت یار کو تنہا کر دیا جائے تاکہ وہ دوسرے جہادی سربراہوں کے ساتھ
ایسے متفقہ فارمولے میں شریک نہ ہو سکیں جس پر بہت سا کام ہو چکا تھا اور جس پر ان کے
بیان اتفاق رائے بھی ہو چکا تھا۔

(افغانستان کی کہانی حقائق کی زبانی 109 تا 114)



پشاور معاہدہ، کس کی کارستانی تھی؟

24 اپریل 1992ء کو جہادی سربراہوں کا جو اجلاس ہوا تھا اس میں وزیراعظم شریف آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل جاوید ناصر اور کچھ دیگر پاکستانی اعلیٰ حکام و آفیسرز شر ہوئے تھے جس کے نتیجے میں ایک پیچیدہ فارمولہ منظور کیا گیا تھا جس میں عبوری شوریٰ کے ا ماہ تک صبغت اللہ مجددی کو رئیس (سربراہ) بنایا گیا تھا۔ دو ماہ کے بعد عبوری حکومت نے کام ش کرنا تھا جس میں برہان الدین ربانی کو صدر اور حکمت یار کی عدم موجودگی میں انہیں وزارت کی پوستین پہنائی گئی تھی۔ اس معاہدے میں ایک خاص بات یہ تھی کہ ساری تنظیموں کو م نمائندگی دی گئی تھی جو حکمت یار فارمولے کے سراسر خلاف تھا دوسرا یہ کہ حزب اسلامی کے اصرار اور مخالفت کے باوجود گفتگو میں ان کے مشروں کو شامل کیا گیا تھا۔

یہ پیچیدہ ڈرامہ کس کی طرف سے اور کیوں تجویز کیا گیا تھا اور حزب اسلامی پر ا نے یہ "گراں مہربانی" (یعنی وزارت عظمیٰ کی کرسی) کیوں کی تھی؟ باخبر ذرائع کے مطابق عرب کے اعلیٰ ترین مناصب کے چند افراد کی خصوصی ہدایت پر سعودی عرب کے وزیر خارجہ "ترکی الفیصل" آئے۔ انہوں نے استاد سیاف (جو کہ سعودی عرب کیلئے زیادہ قابل قبول کو آمادہ اور تیار کیا کہ وہ یہ فارمولہ پیش کریں جس میں صبغت اللہ مجددی کو ایک اہم کردار دیا اور انہیں اہم کرسی سے نوازا گیا تھا۔ اس کام کے لئے اگرچہ استاد سیاف پر بہت بھروسہ کیا

ان کے مجددی سے تعلقات اچھے نہیں تھے جس کا اظہار اس وقت کھل کر ہو گیا جب مجددی عبوری صدر کی حیثیت سے کابل سدھارے تاہم پھر بھی استاد سیاف نے سعودی عرب کی خواہش کے احترام میں حزب اسلامی کے امیر انجینئر حکمت یار کی پشاور میں عدم موجودگی سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنی "فصیح زبان" کی قوت کے بل بوتے پر افغان تنظیموں کے راہنماؤں کو مجددی کے کردار کے لئے تیار کر لیا۔ حزب اسلامی کا خیال تھا کہ اول تو اس کام کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ بفرض محال اگر یہ کام کرنا ہی تھا تو پھر اس کے لئے مجددی کی بجائے نبی محمدی زیادہ موزوں اور مناسب تھے۔ اس وقت استاد ربانی بھی اس بات کے خلاف تھے کہ مجددی دو ماہ کے لئے اقتدار اپنے ہاتھوں میں لیں۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اگر مجھے 4 ماہ کے لئے صدر مقرر کرنا ہے تو پھر دو ماہ کیلئے مجددی کو صدر بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کام میں بھی صدر مملکت کی حیثیت سے کر سکتا ہوں لیکن استاد ربانی کو اس بات کا ادراک نہیں تھا کہ "کراماً کاتبین" نے پہلے سے راہ ہموار کی ہوئی تھی۔ استاد سیاف نے حزب اسلامی کے لئے وزارت عظمیٰ کا منصب تجویز کر رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ حکمت یار سارے معاملے کو چشم زدن میں مسترد کر دیں گے اور یوں وزارت عظمیٰ کی کرسی ان (سیاف) کی جھولی میں آ گرے گی۔

26 اپریل کو انجینئر حکمت یار نے کابل سے ایک بار پھر وائرلیس کے ذریعے 51 رکنی عبوری کمیٹی کی تشکیل کو بے جا قرار دے دیا۔ لوگر میں حکمت یار کا رہنا بغیر وجہ کے نہ تھا۔ وہ افغان تنظیموں کے سربراہوں کی روش سے ناامید اور پاکستانی حکومت کے موقف اور رویئے سے بیزار ہو چکے تھے وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ لوگ ایسے برے حالات پیدا کر کے ان کا محاصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے سازشوں کا یہ جال توڑا اور لوگر چلے گئے اور انہوں نے اپنے رابطوں کو تیز کر دیا۔ جس کے نتیجے میں نائب صدر جنرل رفیع ان سے ملاقات کے لئے آئے بعد ازاں حزب اسلامی کے مجاہدین کابل میں داخل ہوئے۔

26 اپریل 1992 کو حزب اسلامی کا کابل پر عملاً قبضہ ہو چکا تھا۔ احمد شاہ مسعود کے لئے شمال افغانستان اہمیت کا حامل تھا وہ بیچ پر کنٹرول کرنا چاہتا تھا لیکن یہ تب ہی ممکن تھا جب دوستم ملیشیا وہاں سے نکلے جنرل دوستم کی موجودگی میں مزار شریف پر مسعود کا کنٹرول ناممکن تھا اس نے حکمت عملی سے کام لے کر دوستم کو حکمت یار سے ٹکرا دیا۔ 27 اپریل کو پشاور میں حزب اسلامی اور

جمیعت اسلامی کے درمیان جنگ بندی معاہدے پر دستخط ہوئے حزب اسلامی نے استاد فر
اپنا نمائندہ بنا کر آگے بڑھایا 28 اپریل 1992 کو نے کہا حزب اسلامی شامل ہوگی مگر اس
نہیں۔ 29 اپریل کو صبغت اللہ مجددی کے صاحبزادے ذبیح اللہ نے کہا کہ ہماری شوریٰ نے ف
کیا ہے کہ حزب اسلامی سے وزارت عظمیٰ واپس لے لی جائے۔ حزب اسلامی نے وزارت ع
کے لئے امیدوار استاد فرید تاجک تھے وہ ولایت پرواں کے کمانڈر تھے۔

ایران کی سازش:

افغانستان کو لسانی، مذہبی اور نسلی بنیادوں پر مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کے
امریکہ اور دوسری بڑی استعماری قوتوں کی دوڑ دھوپ اور سازشیں جاری تھیں اور اس سلسلے میں
کا گٹھ جوڑ روز افزوں ترقی پر تھا۔ جبکہ اس ضمن میں ایران کا رویہ بھی ظالمانہ تھا۔ ایران اپنے
اہداف کے علاوہ یہ بھی چاہتا تھا کہ افغانستان میں جنگ وجدال اور بحران و کشمکش جاری ر
ایران کا خیال تھا کہ اگر افغانستان میں امن وامان کی صورت حال پیدا ہوگئی تو اس سے ایران
اقتصادی مفادات کو نقصان پہنچے گا۔ بیرونی ممالک سے تجارتی تعلقات کے لئے سب سے آ
اور مختصر ترین راستہ سالانگ سے کابل جلال آباد روڈ کے ذریعے طورخم اور پھر کراچی کی بندرگاہ
پہنچا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا راستہ ہے جس کا بہت کم حصہ مرمت طلب ہے۔ اس راستے
گاڑی دریائے آمو (جیحو) سے کراچی تک چار دن میں پہنچ سکتی ہے لیکن اس راستے کو استع
کرنے کیلئے بنیادی ضرورت ہے کہ افغانستان میں امن وامان قائم ہو اور ایران یہ نہیں چاہتا کہ
کے مختلف ممالک افغانستان کے راستے وسط ایشیا کی تجارتی منڈیوں تک رسائی حاصل کریں
ایران یہ چاہتا ہے کہ افغانستان کی بجائے وہ خود تجارتی راستے کا کام سرانجام دے۔

ایران چاہتا تھا کہ افغانستان میں مذہبی اور لسانی اختلافات کی آگ کو اور بھڑکا
تاکہ یہ جنگ جاری رہے اور افغانستان کو وسط ایشیاء کے لئے تجارتی راستے کا کام دینے سے مح
رکھے اور ایران خود اس کی جگہ پر تجارتی راہداری کا کام سرانجام دیتا رہے اور اس صورت میں ایرا
آذربائی جان کے راستے وسط ایشیا کے ساتھ اقوام عالم کی تجارت کا کام دے۔ دوسری بات یہ
کہ ایران کابل میں اسلامی حکومت کا قیام ایرانی انقلاب کے حامیوں کے زیر سایہ لانا چاہتا

ونکہ موجودہ حکمران امریکہ کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کرنے کا رجحان رکھتے تھے اس لئے اس
ں کا خدشہ اور احتمال ہے کہ اگر کابل میں ایسی حکومت قائم ہوگئی جو امریکہ مخالف ہو تو یہاں بھی
ل ان کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اسی خدشہ اور بدنیتی کی بنیاد پر ایران نے اشیائے
وردونوش کے نام پر احمد شاہ مسعود کو اسلحہ بارود کے ٹرک بھیجے اور ان مہمات میں بڑی سرگرمی
مظاہرہ کیا تاکہ جنگ کو مزید جاری رکھا جاسکے۔

ایران کے یہ عزائم اور منصوبے روز بروز منکشف ہورہے تھے اور افغانستان میں چند
د گروپوں اور تنظیموں کے اندر ایران کے خلاف ردعمل کے طور پر مقابلے کے احساسات پید
ونے لگے۔ حکمت یار نے کابل کی سازش میں ایرانی حکومت کی موجودگی کے خلاف جو موقف
یار کیا تھا اس نے بالآخر ایک قومی اور ملی حیثیت اپنالی۔ ان ہی دنوں جب کہ ایک طرف کابل کی
ازش کے محرکات مختلف زاویوں سے منظر عام پر آرہے تھے اور لوگ اس سازش کے اسباب سے
ف ہورہے تھے تو دوسری طرف ربانی حکومت مستحکم اور موثر ہونے کی بجائے اختلافات کا شکار
نے لگی اور دن بدن اس میں بے اعتمادی اور اختلافات کی دراڑیں پیدا ہونے لگیں۔

12 مئی 1992ء کو رشید دوستم نے حکمت یار کو پیغام بھیجا کہ اگر ان کے قیدیوں کو آزاد
ردیا جائے اور آئندہ کے لئے ان کے لئے حکومت میں کچھ اعلیٰ عہدے اور مناصب مختص کرنا
لیم کرلیا جائے تو وہ کابل میں اپنے تمام مورچے حزب کے حوالے کردیں گے اور حزب اسلامی کی
ام شرائط بسروچشم قبول کرلیں گے۔

اسی طرح 15 مئی 1992ء کو سید کیان کے بیٹے منصوری نادری نے بھی حکمت یار کو اسی
ایت کا پیغام بھیجا۔ لیکن حزب اسلامی نے ان تمام پیغامات کو اس شک کی بنیاد پر مسترد کردیا کہ یہ
کی سازش کی کڑیاں دکھائی دیتی ہیں جس کے ذریعے یہ لوگ چاہتے تھے کہ حزب اسلامی کے
ح اور دوٹوک موقف کو اس طرح مبہم اور غیر واضح بنادیں اور اس کو خلط ملط کردیں۔ دوسری
رف مسعود ان دعوؤں اور بلند وبانگ نعروں سے دستبردار ہوکر کہ میں حکمت یار کو کابل سے اتنے
اصلے پر دھکیل دوں گا کہ کابل ان کے میزائل کی زد سے محفوظ ہوجائے گا، حکمت یار سے بات
یت کرنے پر راضی ہوگیا۔ بالآخر حکمت یار اور مسعود کے درمیان یہ مذاکرات اور بات چیت مئی
کی تاریخ کو شروع ہوگئے۔

پاکستان ابھی ان زخموں پر بھی مرہم نہ رکھ پایا تھا جو امریکی دباؤ اور اس کی خوش
کے لئے مجددی حکومت کی حمایت میں اس کو لگے تھے کہ بعض دیگر مسائل کے سبب پاک
حکومت اور حکمت یار کے درمیان تعلقات میں مزید خرابی اور کشیدگی پیدا ہوگئی۔ 15 مئی 992
کو حزب اسلامی کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ پاکستان کی طرف سے کابل کو بھیجی گئی گندم
سٹنگر میزائل چھپائے ہوئے ہیں حزب اسلامی نے یہ اطلاع دینے والے ذرائع اور افراد
ناموں کو صیغہ راز رکھتے ہوئے اس اطلاع کی تصدیق کی کہ پاکستانی حکام کی طرف سے ایسا
کیا گیا ہے مگر اس میں کہاں تک صداقت ہے اس کے بارے میں کچھ نہ کہا گیا۔ اگر یہ سچ
اس سے پاکستانی حکومت کیا ہدف حاصل کرنا چاہتی تھی؟

آیا وہ چاہتے تھے کہ شین ڈنڈ کے ہوائی اڈے سے حزب اسلامی کی احتمالی او
پروازوں کو روکا جاسکے؟ یا وہ کسی اہم افغانی لیڈر کا جہاز گرانے کے لئے اسے استعمال کرنا چا
تھے؟

اس کا یہ بھی استعمال ہوسکتا تھا کہ یہ اسلحہ کابل سے دوستم کو نکالنے کے لئے استعما
جائے اور اس اسلحے کے ذریعے مسعود شمال میں اپنی عسکری پوزیشن کو مضبوط بناتا اور وہاں دوستم
مراکز کے خلاف یہ اسلحہ استعمال کیا جاتا۔ اس بارے میں کچھ حلقوں کا یہ خیال تھا کہ جو میزائل
میں چھپا کر کابل حکومت کو بھیجے گئے ہیں۔ پاکستان کے سرکاری اور مقتدر حلقے اس سے بے خبر
بالخصوص یہ بات پاکستان کے وزیر اعظم کے علم میں نہیں ہوگی۔ پاکستانی حکام کو جب کابل
ملیشیاؤں کی قوت کا صحیح اندازہ ہوا تو انہوں نے مجددی صاحب کی حمایت سے تیزی کے
دستبردار ہونا شروع کردیا۔ اگر وہ اس سلسلے میں بے احتیاطی سے کام لیتے تو خود ان کے لئے
سی پیچیدگیاں اور مشکلات پیدا ہونے کا اندیشہ تھا کیونکہ اگر وہ مجددی صاحب کی حمایت
رکھتے تو پھر افغانستان کی مختلف قوموں میں احساس محرومی پیدا ہوسکتا تھا۔ یعنی پشتون، تاجک
ازبک وغیرہ کا مسئلہ پیدا ہوسکتا تھا اور نتیجتاً ایک ''عظیم تر پختونستان'' کا مسئلہ دوبارہ اٹھ کھ
جس کا پاکستان متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس سلسلے میں پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف نے ''
اتحاد اسلامی افغانستان'' کے امیر قاضی امین وقار سے 14 مئی کو اسلام آباد میں ایک ملاقات
دوران اپنی اس تشویش کا اظہار کیا۔ کچھ دیگر بارسوخ ذرائع اور حلقوں کا کہنا تھا کہ میزائل

مریکہ کے کہنے پر ہوا اور پاکستان کے بڑے بڑے پالیسی ساز لوگوں کی بے خبری میں یہ
ھ ہوا اور پھر ان لوگوں نے ہی جنہوں نے میزائل بھیجے تھے حزب اسلامی کو اطلاع دے دی
ائل پاکستان کی حکومت نے روانہ کئے ہیں تا کہ پاکستانی حکومت کے ساتھ حزب اسلامی
لافات دشمنی اور مستقل عداوت میں بدل جائیں۔

(افغانستان کی کہانی حقائق کی زبانی 156 تا 159)

8 مئی 1992ء کو جب مجددی پشاور سے بذریعہ جہاز کابل جارہے تھے تو کابل ایئر
کے نزدیک ان کے جہاز پر میزائل داغے گئے۔ مجددی بچ گئے لیکن ان کے صاحبزادے
ن کا ذمہ دار حکمت یار کو ٹھہرادیا۔ ایران نے اس مقصد کے لئے وزارت خارجہ کے نائب مسٹر
دی کو کئی بار افغانستان کے طویل دوروں پر روانہ کیا۔ یہاں تک کہ ایرانی وزیر خارجہ اکبر علی
ایک بار خود بھی اس مقصد کے لئے کابل آئے لیکن عبدالعلی مزاری کا رویہ غیر متزلزل رہا۔ وہ
تان کی صورتحال حقائق کی روشنی میں ان پر واضح کرتے رہے اور بڑی شدت کے ساتھ اپنے
پر قائم رہے۔ ایرانی حکومت نے عبدالعلی مزاری کی امداد بند کرنے اور ان کے مقابلے میں
ب وحدت'' کی تنظیم میں ایک متبادل قیادت لانے کی دھمکی دے دی۔ اس کے باوجود مزاری
موقف پر ڈٹے رہے اور اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ چاہے کتنی بھی بڑی قوت کیوں نہ
تونوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کے منصوبے اور سازشیں کامیاب نہیں ہوسکتیں اور
ا سیاسی بقا اور وجود کو قائم رکھنے کے لئے پشتونوں سے اچھے تعلقات رکھنا ضروری ہے۔ عبد
زاری یہ چاہتے تھے کہ ایرانی رہنماؤں اور ذمہ داران کو یہ باور کروادیں کہ وہ لبنان کے تجربے
فغانستان میں نہ دہرائیں۔ اگر انہوں نے افغانستان میں بھی لبنان والی روش اختیار کی تو یہ
گین غلطی ہوگی۔ بالخصوص ہزارہ جات (شیعہ) کیلئے اس سے بہت بڑی مشکلات پیدا ہو
ں گی۔ مزاری صاحب نے ایک بار اپنے اس موقف کو دہراتے ہوئے کہا۔ ''غیر ملکیوں کی
ل یہ ہے کہ افغانستان کے حالات اور حقائق کا وہ صحیح طور پر تجربہ نہیں کرسکتے۔ وہ جہاں کہیں
تجربہ کرتے یا دیکھتے ہیں تو پھر ہو بہو وہی تجربہ افغانستان میں دہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔
ا کہ وہ متحمل نہیں ہوسکتے۔''

ان ہی وجوہات کی بنا پر عبدالعلی مزاری نے انجینئر حکمت یار سے اپنے تعلقات بہتر

کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ وہ ان سے باہمی موافقت اور ہم آہنگی تک پہنچ گئے۔

البتہ یہ وضاحت کر دینا بہت ضروری ہے کہ حکمت یار مزاری کے مابین تعلقات کی بہتری اور ہم آہنگی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ پشتونوں اور ہزارہ کے درمیان دشمنی اور نفرت کی فضا کو ختم کیا جائے لیکن اس کے یہ معنی قطعی طور پر نہیں کہ حکمت یار پشتونوں کے قائد یا نمائندے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ربانی اور مسعود پشتونوں کے علاقوں میں کسی قسم کی قوت اور اثر ورسوخ نہیں رکھتے اس کے برعکس حکمت یار پشتون اور تاجک دونوں علاقوں میں یکساں طور پر قوت اور اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔

حکمت یار کے ساتھ حزب وحدت کے اتحاد اور ہم آہنگی کے کچھ اور اسباب بھی تھے مثلاً عبدالعلی مزاری کی بہت سی عادات و خصائل حکمت یار سے ملتی ہیں۔ مثلاً بہادری، استقامت، واضح دوٹوک موقف رکھنا سیاسی فہم وفراست اور قوت استدلال وغیرہ۔ اس وفد کے ایک رکن استاد مزل نے کابل میں ''کارتہ سہ'' کے مقام پر عبدالعلی مزاری سے ملاقات کرنے کے بعد ان کی شخصیت کے بارے میں یوں تجزیہ اور تبصرہ کیا۔ ''میں نے مزاری صاحب کو بہت حاضر جواب اور واضح موقف رکھنے والا شخص پایا ہے۔ مزاری صاحب کے ساتھ بیٹھنا اور نشست کرنا گویا حکمت یار کے ساتھ بیٹھنے کی طرح ہے۔''

مزاری صاحب اپنے آپ کو ایک نظم وضبط رکھنے والی تنظیم کے سربراہ تصور کرتے تھے اور انہیں اپنی ذات پر بہت اعتماد اور فخر تھا لیکن اس کے باوجود وہ حکمت یار کو بہت قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حزب اسلامی اور حزب وحدت میں اتحاد کے وقت حزب وحدت میں تنظیمی طور پر کچھ اختلافات پائے جاتے تھے اور اختلافات اعلیٰ سطح پر تھے استاد ربانی کی طرف سے کچھ لوگوں کو اس سلسلے کے ساتھ ساتھ مزاری صاحب کی پوزیشن مستحکم ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک انہیں متفقہ طور پر حزب وحدت کا غیر متنازعہ سربراہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ مزاری استاد ربانی کمزور قوت ارادی رکھنے والے بے صلاحیت آدمی سمجھتے تھے اور وہ احمد شاہ مسعود سے بھی اپنی نفرت نہیں چھپا سکتے تھے۔

ایک افغان صحافی نے شمالی قوتوں کے اتحاد و ائتلاف کی تشکیل کے معاہدے کے آ سال بعد مزاری صاحب سے دریافت کیا۔ ''کیا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ شمالی کے اتحاد کی تشکیل میں آپ نے اہم کردار ادا کیا ہے؟''

مزاری صاحب کا جواب دیا: ''میں آپ کی بات سے بھی مزید آگے کی کہوں گا کہ حقیقتاً شمال کے اتحاد کا آغاز ہی میں نے کیا تھا۔ میں نے نجیب حکومت کو ختم کرنے کے لئے اس کو ایک مناسب راستہ سمجھا۔ اس کے لئے مختلف کمانڈروں کو دعوت دی اور اس سلسلے میں جنرل دوستم پر بھی کام کیا کہ نجیب حکومت سے اس کا رخ موڑ کر اسے ملک وقوم کی خدمت میں لگا دوں۔ حزب اسلامی کے مشہور کمانڈر کاپسیا اور پروان کے امیر اور سابق وزیر اعظم عبدالصبور فرید اور دیگر کمانڈروں کو بھی اس اتحاد میں شمولیت کی دعوت دی۔ لیکن استاد فرید نے کوئی جواب نہیں دیا جبکہ حزب اسلامی کے کمانڈر نسیم مہدی اور کمانڈر مولوی عبادی ہمارے ساتھ اس اتحاد میں شامل ہو گئے مسعود جو بہت مکار اور ہوشیار ہے نے ہماری دعوت کا پرجوش خیر مقدم کیا۔۔۔''

مزاری کی اس وضاحت پر مذکورہ صحافی نے استفسار کیا۔ ''آپ اپنے آپ کو شمال کے اتحاد کا ہیرو سمجھتے ہیں تو پھر آپ کو کس طرح اتحاد سے نکال باہر کیا گیا؟''

مزاری صاحب نے جواب میں کہا: ''اس کی دو وجوہات ہیں ایک ہماری صداقت اور دوسری مسعود کی مکاری اور دھوکہ بازی۔ ہماری یہ کوشش جہادی رنگ میں تھی اور ہم یہ چاہتے تھے کہ ہم اس نہج اور طریقے سے آگے بڑھیں گے جبکہ مسعود نے جو مکار، کاذب اور خود پسند ہے، شمال کے اتحاد کے ساتھ ساتھ خفیہ طور پر کابل میں ایک اور اتحاد کی تشکیل کا کام شروع کر رکھا تھا اور اس کا یہ اتحاد کمیونسٹ جرنلوں نبی عظیمی محمود ہریالے، فرید مزدوک، عبدالوکیل وغیرہ اور کمیونسٹ پارٹی کے پرچم دھڑے کے دوسرے کمیونسٹوں کے ساتھ تھا۔

عبدالعلی مزاری اور احمد شاہ مسعود کے درمیان اختلافات کی شدت کی ایک وجہ بقول مزاری صاحب کے یہ بھی تھی کہ چند برس پہلے ان کی تنظیم حزب وحدت اور استاد سیاف کی تنظیم ''اتحاد اسلامی'' کے درمیان جو لڑائی شروع ہوئی تھی اس کا اصل محرک احمد شاہ مسعود تھا۔

(افغانستان کی کہانی حقائق کی زبانی صفحہ 185 تا 186)

استاد ربانی اس دوران متحرک ہوئے ان کی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح شمالی اتحاد ان کی پشت پناہی کرتا رہے اور حکمت یار اقتدار کے ایوانوں میں داخل نہ ہونے پائے لیکن حالات پر گرفت کمزور ہوتے دیکھ کر بالآخر استاد ربانی نے پاکستانی سفیر امیر عثمان سے کہا کہ وہ جنگ بندی کے لئے کام شروع کریں۔ اسی طرح استاد ربانی کا خیال تھا کہ قاضی حسین احمد اور جنرل حمید

گل حکمت یار کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کے سبب ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس لئ
انہوں نے دونوں راہنماؤں کو افغانستان آنے کی دعوت دی۔ استاد ربانی کی پیشکش کو قاضی حسی
احمد نے اپنے لئے ایک اچھا موقع جانا کہ ان کے تمام منصوبے اور کوششیں ناکامی سے دوچار ہو چک
ہیں۔ انہوں نے قاضی حسین احمد کے خلاف کئے ہوئے پراپیگنڈا اور چند روز پیشتر جلال آباد م
جاری کئے ہوئے اعلامئے کو فراموش کر دیا۔

بہرحال جنگ بندی عمل میں آ گئی اور افغانستان کے بحران کے بنیادی حل کے ل
منصوبوں پر کام شروع ہو گیا۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد قاضی حسین احمد پاکستان لوٹ گئے جک
جنرل (ر) حمید گل کابل میں ہی ٹھہر گئے۔ احمد شاہ مسعود جنرل حمید گل کی ذہانت، فوجی اور سیا
بصیرت سے بہت متاثر تھے۔ قاضی حسین احمد کے پاکستان لوٹنے کے ایک روز بعد حکمت یار چ
آسیاب سے جلال آباد آ گئے۔ ان کا پاکستان آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اسی دوران جنرل حمید گ
نے ''وزیر اکبر خان'' کابل میں اپنی قیام گاہ میں کچھ صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا:

''میں نے احمد شاہ مسعود سے پوچھا کہ آیا آپ حکمت یار کو ایک بااختیار وزیر اعظ
حیثیت سے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں؟ تو مسعود نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ جی ہاں میں اس
تیار ہوں۔ ڈاکٹر مفکر احمد لکھتے ہیں ''اس سے پہلے کہ جہادی راہنما اسلام آباد میں اکٹھے ہو
حمید گل ایک ایسے معاہدے کی باتیں کر رہے تھے جو بعد ازاں بالآخر ''معاہدہ اسلام آباد'' کے
سے منظر عام پر آیا۔ معاہدہ اسلام آباد بہت غور و خوض، گفت و شنید اور مذاکرات کے بعد وجو
آیا تھا۔ مذاکرات کے دوران باہمی تبادلہ خیال کے نتیجے میں جب کوئی نئی مشکل یا مرحلہ سا
آتا تو استاد ربانی خاموشی اختیار کر لیتے اور احمد شاہ مسعود سے رابطہ اور مشورہ کرنے کے بعد با
آگے بڑھاتے اور یوں ان کی وجہ سے مذاکرات میں اکثر تعطل واقع ہو جاتا۔ یہاں تک ک
رات پاکستان کے وزیر اعظم نواز شریف نے سب کے سامنے واضح طور پر کہا کہ ''استاد ربا
مشکل کو حل کرنے کے لئے احمد شاہ مسعود کو اسلام آباد بلایا جائے۔'' حکمت یار کی طرف
کے حل کے لئے کئی طرح کے منصوبے پیش کئے گئے۔ جس کے بعد استاد ربانی کی حالت
غیر ہو گئی کہ وہ ان منصوبوں پر نگاہ ڈالنے سے بھی کترا رہے تھے۔ گویا کہ وہ مبہوت ہو گئے
آخر کار نواز شریف نے ربانی سے کہا۔

''استاد صاحب! اس سلسلہ میں آپ بھی کچھ فرمایئے''

اسلام آباد معاہدہ پر مذاکرات کی آخری رات ایک ایسی حالت میں دستخط ہوئے جب
لوگ ناکام ہو چکے تھے۔ نواز شریف نے اجلاس میں کہا: ''ناک رکھنے کے لئے ہی سہی، کچھ
یہ تو ضرور جاری کرنا چاہیئے تاکہ پتہ چلے کہ مذاکرات کے کچھ مفید نتائج تو نکلے ہیں۔''

ان حالات میں مذاکرات دوبارہ شروع ہو گئے اور پھر اس منصوبے کو نئے رنگ میں
لیا گیا جس پر افغان راہنماؤں نے دستخط کئے تھے۔ یہاں ایک بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی
ہ، اگرچہ وہ قدرے اصل موضوع سے ہٹ کر ہے لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا بیان
ضروری اور مفید ہے۔ حزب اسلامی اور جمعیت اسلامی نے اپنا ایک ایک نمائندہ منتخب کیا
معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد اسے عملی شکل دینے کا کام سرانجام دے سکیں۔ اپنے کام کو
یل تک پہنچانے کے بعد حکمت یار کے نمائندے نے بڑے افتخار کے ساتھ کہا۔

''میں معاہدے میں ان الفاظ کا شدید مخالف تھا کہ ''وزیر اعظم کابینہ تشکیل دینے سے
صدر جمہوریہ اور دیگر راہنماؤں سے مشاورت کریں گے۔'' جب کہ یہ بات تو خود حکمت یار
ائدے میں تھی۔ کیونکہ اس سے صدر مملکت کے اختیارات میں کمی واقع ہو رہی تھی اور اس کے
ارات میں دیگر راہنما بھی شریک ہو رہے تھے اور حکمت یار کے اس میں سے زیادہ راہنماؤں
اتھ دوستانہ تعلقات تھے۔''

استاد ربانی کے نمائندے نے بڑے پرمسرت اور فاتحانہ انداز میں کہا:

''میں نے بہت اصرار کے بعد حکمت یار کے نمائندے سے یہ بات تسلیم کروائی کہ
اعظم کابینہ تشکیل دینے میں صدر مملکت اور ان کے علاوہ دیگر راہنماؤں کے ساتھ مشورہ کرے
''

معاہدہ اسلام آباد ایک بڑی سیاسی تبدیلی تھی اور حکمت یار کو بڑے سیاستدان کے طور
لیم کیا گیا۔ جبکہ احمد شاہ مسعود کو ذاتی طور پر بہت خسارہ اٹھانا پڑا۔ مذاکرات اور معاہدے کے
رے عمل کے دوران احمد شاہ مسعود کو ایک متنازعہ فیہ اور غیر موثر شخصیت گردانا گیا۔ حالانکہ اس
ن کے مسئلہ افغانستان میں کردار کی اہمیت اور قوت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

(افغانستان کی کہانی حقائق کی زبانی صفحہ 199 تا 200)

اسلام آباد معاہدے نے احمد شاہ مسعود کو بہت پریشان اور حواس باختہ کیا اور وہ ا
ربانی پر بہت ناراض اور غضبناک دکھائی دیتا تھا۔ مسعود جانتا تھا کہ اسے ایک مضبوط اور م
معاہدے کا سامنا ہے کیونکہ اس کے ذریعے حکمت یار نے ایک قانونی تائید اور حمایت حاصل کر
تھی۔ مسعود شوریٰ نظار اور ببرک کارمل گروپ کے اپنے دوستوں اور بہی خواہوں کے سا
مشوروں میں مصروف ہوگیا۔

''معاہدہ اسلام آباد'' طے پاجانے کے کچھ عرصہ بعد ہی یہ بالکل واضح ہوگیا کہ ا
ربانی اور احمد شاہ مسعود معاہدہ اسلام آباد میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ جبکہ حکمت یار کو بعض لوگوں
مشورہ دیا کہ ''ابھی آپ کے لئے اچھی مہلت ہے کہ آپ فوری نقل وحرکت کے ذریعے
ڈالنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ آپ اپنی نقل وحرکت کے پیچھے قانون حمایت اور جواز بھی رکھتے
اور ہر کسی کو کہہ سکتے ہیں کہ میں سب تنظیموں کے اتفاق اور موافقت کے ساتھ وزیراعظم منتخب
ہوں۔ اس لئے میں کابل میں داخل ہو رہا ہوں اور اگر کوئی میری راہ میں حائل ہوگا تو میں ا
مقابلہ کروں گا کیونکہ وہ فسادی اور متفقہ فیصلے سے روگردانی کرنے والا ہوگا۔''

حکمت یار نے یہ بات قبول نہیں کی اور اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا یہاں تک کہ
شاہ مسعود نے مزید پیش قدمی کی اور ولایت ''پروان'' اور ''کاپیسا'' میں دوسری تنظیموں
کمانڈروں اور لوگوں کو خریدنے کا کام شروع کر دیا۔ دوسری طرف شیعہ تنظیم ''حرکت انقلا
اسلامی'' افغانستان کے سربراہ آصف محسنی کی کوششوں سے جلال آباد مذاکرات کا انعقاد ہوا
ربانی کا خیال تھا کہ جلال آباد مذاکرات کے ذریعے وہ استاد سیاف، مولوی یونس خالص، پیر گ
اور آصف محسنی کو اپنا ہم خیال بنا کر معاہدہ اسلام آباد میں حکمت یار کو بحیثیت وزیراعظم ملنے و
اختیارات واپس لے لیں گے۔ جلال آباد کے مذاکرات ابھی جاری تھے کہ پروان او
دونوں صوبوں پر احمد شاہ مسعود نے قبضہ کرلیا اور مسعود کی فوجیں ''سروبی'' تک پہنچ گئیں اس م
پر مسعود نے پھر مذاکرات کا ڈول ڈال دیا تاکہ حکمت یار کے جوابی حملے سے محفوظ رہے۔
دوستم اب اس کھیل کا حصہ نہیں بننا چاہتا تھا وہ سمجھ گیا تھا کہ احمد شاہ مسعود دراصل اسے حکمت یا
خلاف استعمال کر کے اپنا اُلو سیدھا کر رہا ہے۔ اس مرحلے پر اس نے حکمت یار سے ملاقات
مذاکرات کے بعد ایک روز اچانک اپنا لشکر لے کر کابل سے نکل گیا۔

سعیٔ رائیگاں

28 اپریل 1992ء کو اسلامی جمہوریہ افغانستان کا اعلان کیا گیا تھا مجاہدین نے چودہ
جنگ لڑنے کے بعد آخر کار نجیب اللہ حکومت کا خاتمہ کر کے فتح حاصل کی۔ صوبہ سرحد
تانی حکومت کے اعلیٰ اہلکاروں نے مجاہدین کے لیڈروں کو اکٹھا کر کے انہیں اس بات پر
یا کہ وہ ایک معاہدے کے تحت مستقبل کی حکومت پر متفق ہوجائے۔ پاکستانی وزیراعظم اور
آئی کے سربراہ جنرل جاوید ناصر نے پشاور میں افغان لیڈروں کا اجلاس بلایا۔ افغانستان
ی حکومت کی بنیاد رکھ دی اور وقتی طور پر پروفیسر صبغت اللہ مجددی کو صدر منتخب کرلیا گیا۔
ں گلبدین حکمت یار اور جنرل جاوید ناصر کے دوران گالی گلوچ ہوئی جس پر جنرل جاوید
دھمکی دی جنرل ناصر یہ سمجھتا تھا کہ افغانستان دوسرا کشمیر ہے لیکن ایسا نہیں تھا گلبدین
ار نے بھی انتہائی سخت الفاظ میں جنرل ناصر کو جواب دیا اور کہا کہ اگر تم میں ہمت ہے تو
لو لیکن جنرل جاوید ناصر اسے روک نہ سکا اور وہ افغانستان چلا گیا۔

28 جون 1992ء کو صبغت اللہ مجددی نے اقتدار پروفیسر برہان الدین ربانی کے
ر دیا مگر بدقسمتی سے مجددی اور ان کے پاکستانی دوست وہاں سے بہت سی چیزیں چوری
لئے۔ مجددی صاحب نے ایوان صدر کی گاڑیاں اور پردے چوری کئے جبکہ دیگر افراد
ن صدر اور اہم عمارتوں کے بلب سے لے کر صوفوں تک چوری کر کے پاکستان پہنچا

دیئے۔صبغت اللہ مجددی نے دو ماہ کے دوران افغانستان کو لسانی بنیادوں پر تقسیم کرتے ہو
رشید دوستم کو ترقی دیتے ہوئے جنرل کے عہدے پر پہنچایا اور فارسی بولنے والے افغانو
سرپرستی کی۔انہوں نے افغان عوام کے ساتھ بہت زیادتی کی اور انہیں دست وگریبان کر
بہرحال جب پروفیسر برہان الدین ربانی برسراقتدار آیا تو انہوں نے مجددی کی پالیسیوں کو
رکھا اور مارچ 1992ء میں گلبدین کے ساتھ معاہدہ امن کیا گلبدین حکمت یار نے اف
(پختونوں) کے خون کا سودا کرتے ہوئے ربانی سے صلح کر لی اور وزارت عظمٰی کا عہدہ قبول
ربانی اور مسعود کے ہاتھوں پختونوں کے قتل عام پر حکمت یار کئی ماہ تک خاموش رہا اور اقتدا
مزے لیتا رہا بعد میں جب ان کی جان خطرے میں پڑ گئی تو کابل سے بھاگ کر چار آسیاب
پناہ لی۔ربانی اور گلبدین کی حکومت میں ان کی پارٹیوں کے علاوہ دیگر پارٹیوں کو بھی نمائند
گئی تھی جن میں ساز مان نصر حرکت اسلامی حزب اسلامی خالص گروپ، حزب وحدت ا
نجات ملی اور محاذ ملی اسلامی گروپ شامل تھیں۔پختون اور تاجک حکومت کے رویہ سے نارا
کر بعض پارٹیوں نے راستے علیحدہ کر لئے جبکہ تاجک نے پختون اور پختون نے تاجک
خلاف بندوق اٹھائی اور ایک دوسرے کے حامیوں کو قتل کیا۔ایک طرف گلبدین حکمت یار
شاہ مسعود کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے جبکہ دوسری طرف جنرل رشید دوستم کو حکو
حصہ نہیں دیا گیا تھا جس کی وجہ سے ازبک قوم ناراض ہو گئی۔جنرل رشید دوستم نے شمالی اف
میں دونوں گلبدین اور ربانی کے ٹھکانوں پر حملے جاری رکھے۔اختلافات اور اقتدار کی جنگ
سے سنی شیعہ جنگ شروع ہو گئی۔اس دوران ایک طرف احمد شاہ مسعود اور اہل تشیع کے
جنگ ہو رہی تھی جبکہ دوسری طرف اہل تشیع اور گلبدین کے درمیان جنگ جاری تھی مگر چن
بعد گلبدین نے اہل تشیع کا ساتھ دیا اور مسعود کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔گلبدین
ساتھیوں کے ساتھ مل کر چار آسیاب کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اور وہاں سے کابل پر
ہزار میزائل فائر کرتا رہا جس کے نتیجے میں چالیس ہزار بے گناہ افراد مارے گئے۔93
گلبدین پر ربانی نے الزام لگایا کہ وہ دوستم کے ساتھ مل کر کابل کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔اس ا
بعد دونوں پارٹیوں کے درمیان جنگ کے نتیجے میں بے گناہ لوگ مارے گئے۔بہرحال
حکومت نے ملک کے لئے آئین ترتیب دینے کی کوشش کی تو اہل تشیع نے اختلاف کر
کہا کہ چونکہ حکمت یار سنی فقہ نافذ کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ اس آئین کا بائیکاٹ کریں

ء کو اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے انسانی حقوق نے افغانستان میں انسانی حقوق پر تشویش کا
لیا۔دوسری طرف پروفیسر ربانی نے اقتدار چھوڑنے سے انکار کر دیا اور سپریم کورٹ کے
ے اپنے آپ کو دوبارہ منتخب کرایا۔اس کے فوراً بعد احمد شاہ مسعود اور دوستم کے درمیان جنگ
اور کابل پر میزائلوں سے حملے کئے۔دوسری طرف جنرل دوستم نے صدارتی محل پر بمباری
جنگ میں سو سے زائد افراد مارے گئے۔گلبدین حکمت یار نے جو حکومت تشکیل دی اس
م جماعتوں کو بھرپور نمائندگی دی گئی۔اس کی کابینہ یہ تھی:

نمبر	نام	عہدہ
1۔	گلبدین حکمت یار	وزیر اعظم
2۔	ہدایت امین ارسلا	وزیر خارجہ
3۔	سید محمد علی جاوید	وزیر منصوبہ بندی
4۔	حمید اللہ	وزیر خزانہ
5۔	سید محمد	وزیر تعمیرات
6۔	جلیل اللہ مولوی زادہ	وزیر تعلیم
7۔	حیات اللہ	وزیر تجارت
8۔	سید محمد ایوب	وزیر پانی و بجلی
9۔	سید عمر	وزیر تعلیم
10۔	قاضی محمد امین	وزیر مخابرات
11۔	ارسلا رحمانی	وزیر مذہبی امور
12۔	سید حسین انوری	سوشل افیئر
13۔	عبدالرحیم	نائب وزیر عدل
14۔	احمد شاہ احمد زئی	وزیر ہاؤسنگ و تعمیرات
15۔	سید محمد ایوب فاطمی	وزیر صحت
16۔	ڈاکٹر فاروق اعظم	وزیر مہاجرین

17 جون کو وزیر اعظم نے حکم جاری کیا کہ لوٹ مار کے خلاف بڑی بڑی سڑکوں پر موثر
کئے جائیں۔اقوام متحدہ نے اس دوران حکومت پر زور دیا کہ وہ ڈاکٹر نجیب اللہ کو رہا
پریل 1992ء تک مجاہدین کے درمیان جنگ کے نتیجے میں ایک ہزار افراد مارے گئے

اور دس ہزار زخمی ہو گئے۔ جبکہ ہزاروں لوگ گھر بار چھوڑ کر چلے گئے۔ جنوری 1993ء میں جنگ
دائرہ مزار شریف تک پھیل گیا۔ مختلف گروپوں نے ایک دوسرے کے ٹھکانے پر حملے جاری ر
5 جنوری کو حکومت نے دوستم فوج کو شکست دے کر کابل ایئر پورٹ پر قبضہ کرلیا۔ جبکہ 10 ج
جنوری تک جنرل دوستم کے طیاروں نے کابل پر شدید بمباری کی۔ 16 جنوری کو سرکاری طیار
نے گلبدین کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر دیا اسکے برعکس گلبدین اور دوستم کے طیاروں نے مل کر کا
شدید بمباری کی جبکہ گلبدین کی فوجوں نے چار آسیاب سے کابل پر گولہ باری جاری رکھ
صرف مسعود ملیشیا نے پختونوں کے ساتھ ظلم کیا۔ عورتوں کی بے عزتی کی بلکہ دوستم ملیشیا ن
پختون مردوں اور عورتوں کا قتل عام کیا۔ گلبدین حکمت یار نے اول مسعود کا ساتھ دیا اور بعد
دوستم کا۔ دوستم کے ساتھ سابق کیمونسٹ جرنیل بھی تھے جبکہ بعض کیمونسٹ جرنیلوں نے گلبد
مسعود کا ساتھ دیا تھا۔ موسیٰ خان جلالزئی لکھتے ہیں:

'' گلبدین اور ربانی نے افغانوں کا خوب قتل عام کیا کہ اس دوران خداوند نے
قوم پر رحم کرتے ہوئے طالبان کے نام سے قوم پرست افغانوں کو باہم متحد کیا۔ طالبا
1994ء میں قندھار پر قبضہ کرلیا اور 1996ء تک باآسانی کابل پر قابض ہو گئے۔ جب
چار آسیاب پہنچ گئے تو گلبدین چپل اور کپڑے چھوڑ کر ننگے پاؤں رات کے اندھیرے میں
گیا۔ وہ کئی گھنٹے تک ننگے پاؤں بھاگتے رہے آخر کار بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ طالبا
کابل پر قبضہ کرنے کے بعد شمالی امن قائم کرلیا اور شمالی افغانستان کی طرف پیش قدمی شرو
مسعود ملیشیا کو شکست دے کر پنج شیر تک محدود کرلیا اور مزار شریف پر قابض ہوئے۔ اگرچہ
نے ایک طرف مسعود ملیشیا کو شکست دی تھی اور دوسری طرف دوستم ملیشیا میں بغاوت شرو
لہٰذا موقع سے استفادہ کرتے ہوئے طالبان مزار شریف میں داخل ہو گئے لیکن ایرا
اور جنرل مالک کے گٹھ جوڑ نے ان کو نقصان پہنچایا۔ طالبان نے پسپائی کا راستہ اختیار کر
چند ماہ کے بعد پوری طاقت کیساتھ ایک بار پھر مزار شریف پر قابض ہوئے۔
(طالبان امریکہ اور اسامہ بن لادن صفحہ

▪ ▪ ▪

تاریخ حریت کے 14 اہم ایام

شیخ عادل بترجی کا تعلق سعودی عرب سے تھا۔ انہوں نے انجینئرنگ میں کمال حاصل
1979ء سے مجاہدین کی روس کے خلاف جدوجہد میں ایک مثالی کردار کی طرح ان کے
رہے۔ افغانستان کی فلاح و بہبود کے لئے شیخ عادل بترجی نے جی جان سے کام کیا۔
یب کے سقوط اور ''معاہدہ پشاور'' کے بعد جب افغان کمانڈروں کے درمیان جوتیوں میں
شروع ہوئی اور غیر ملکی سازشوں کے اثرات ظاہر ہونے لگے تو بترجی نے ان کے درمیان
ن کے لئے شیخ محمد محمود حواف کی سربراہی میں اجلاس بھی کیا۔ افسوس بترجی کی کوششیں لا
رہیں وہ حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے افغانستان گئے اور ایک کتاب ''الفتح والھزمیہ''
رشکست) لکھی جس میں ان 14 دنوں کی کہانی موجود ہے جو افغانستان کی تاریخ جہاد کے
ین ایام تھے۔ اس کتاب کا ترجمہ حافظ حسین احمد صاحب نے کیا تھا میں نے یہ سارا مواد
ڈاکٹر مفکر احمد کی تصنیف ''افغانستان کی کہانی حقائق کی زبانی'' سے لیا ہے جس پر ان کا شکر
ول۔

خواب وندر...... پہلا دن

(اتوار 16 شوال 1412ھ 19 اپریل 1992ء)

اس تاریخ سے دو روز قبل میں نے خواب میں کابل کی فتح دیکھی اور یہ فتح قتا
ذریعہ ہوئی جبکہ میں نے خود کو حکمت یار کے پہلو میں ایک کھلی گاڑی میں کابل داخل ہوتے د
جب میں بیدار ہوا تو مجھے عجیب قسم کے پہلو کے احساسات نے گھیرا ہوا تھا میرا گمان تھا کہ
خوشخبری ضرور ہے۔ ماہ رمضان کے شروع سے ہی حالات اس دھارے پر جانا شروع ہو گ
کہ احمد شاہ مسعود، دوستم اور دیگر فوجیں کابل کی فتح کے لئے کابل کے گرد اکٹھا ہونا شروع
اور یہ حالات مزار شریف کی فتح کے فوراً بعد شروع ہو گئے تھے رمضان کا آخری تہائی نہیں گ
کہ مختلف اطراف سے خبریں موصول ہونا شروع ہوئیں کہ مجاہدین کابل کے گرد مزید بڑ
ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ کابل اور اسلام آباد کے مابین سازشوں کے جال بڑی تیزی سے
رہے تھے اور مختلف انواع کے لوگوں کی آمد ورفت میں تیزی واضافہ آنا شروع ہوا۔ اگ
آنے کا کوئی پروگرام تو نہ تھا مگر حکمت یار صاحب سے ایک وعدہ میری کاپی میں درج تھا
ایفاء کرنے چلا آیا۔ پشاور جس رات پہنچا وہ خاموش رات نہ تھی۔ اسی رات میں اپنے
جمال خاشقجی اور احمد زیدان کو فون پر اطلاع دی۔ اول الذکر "الحیاۃ" اخبار کے صحافی
دوسرے مستقل اپنے جریدہ کے لئے یہاں بطور صحافی مقیم ہیں۔ رات کے وقت ہمار
دیگر آٹھ ساتھی اور تھے اور گفتگو مندرجہ ذیل دو نکات کے گرد گھوم رہی تھی۔

1۔ افغان قائدین تا حال کسی متفق علیہ فیصلہ پر نہیں پہنچے جس پر سب کے سب راضی ہ
2۔ اختلافات کے بادل جو نسلی و علاقائی بنیاد پر تھے چھائے ہوئے تھے کہ تاجکی ا
شیعہ دوسری طرف اور پشتون تیسری طرف تھے۔

سازشیوں نے یہی حربہ کارگر سمجھا کہ مجاہدین کے قائدین کے مابین اسی قسم
علاقائی، ولسانی اختلافات کو ہوا دیں۔ جبکہ جہاد نے تو بعض گروپوں کو اٹھایا تھا اور بعض
صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ یہی جہاد تھا جس نے افغان عوام کو ان نسلی امتیازیات سے
حزب اسلامی میں تو کسی کو جمیعت اسلامی میں اکٹھا کر دیا تھا۔ قائدین نے بھی اپنی کوش

عوام کو ان تقسیمات میں نہ الجھنے دیں یہ ناسور نجیب اللہ نے 1986ء میں اپنے دور اقتدار کے
ن مجاہدین میں پھیلا اور تمام مجاہد تنظیموں پر اسی کے ذریعے کاری ضرب لگائی۔ اس نے اپنی
ہیں ازبک ملیشیا، اسماعیلی ملیشیا اور کبھی شیعہ ملیشیا بنا دی۔ اسی طرح یہ بات بھی محل نظر رہنی
ہ کہ ایران پاکستان اور وسطی ایشیا کی ریاستوں میں قلیل تعداد افغان قومیت کے لوگوں کی
رہے جو آنے والے حالات پر کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

اس موضوع پر بحث نے طول کھینچا اور ذہن میں مزید سوالات ابھرنا شروع ہوئے کہ:

کیا مسعود سالانگ کے راستے کابل میں داخل ہو جائے گا، جہاں اس کی فوجیں ہیں جس کا
ساتھ مختلف ملیشیات دیں گی اور مزید یہ کہ فوج کے کچھ حصہ کا بھی ساتھ دینے کی اطلاعات
سننے میں آئی۔

کیا حکمت یار کابل کی فتح میں سبقت لے جائے گا جس کے لئے وہ سب کچھ چھوڑ کر خفیہ رہ
کر 1973ء تک کام کرتا رہا؟ یا اگر دونوں فریق کابل میں مدمقابل آ گئے تو کیا باہمی مثال
ممکن ہے؟

کیا بقیہ قائدین کسی ایسے اتفاق پر پہنچ سکتے ہیں جس کی دوسری طرف حکمت یار ہو؟ یا انہیں
حکمت یار کے علیحدہ ہونے یا متفق ہونے سے یا نہ ہونے سے کوئی سروکار نہیں ہوگا جبکہ
مسعود کابل میں داخل ہونے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے؟

کیا یہ اتفاق باقی رہے گا یا ختم ہو جائے گا؟

ہمارے خیالات اگرچہ مختلف تھے مگر سب ایک رائے پر متفق ہوئے کہ کوئی بھی ایسا حل
ب اسلامی کے بغیر ہوگا وہ ہرگز کامیاب نہ ہوگا تاوقتیکہ حزب کو شامل نہ کیا جائے۔ یہ بات اس
رمیں کہی گئی کہ حزب اسلامی کی بہرحال عسکری اور سیاسی قوت کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس
ت سے مجھے مزید رغبت ہوئی کہ کسی طرح تمام افغان قائدین سے ملا جائے تاکہ میں کسی
موقف پر آ سکوں۔ اسی کے ساتھ اس نشست نے میرے دماغ میں عجیب قسم کے تفکرات
ے جو مثبت نہ تھے کیونکہ حالات جس دھارے پر جا رہے تھے وہ یہی بتا رہے تھے حالانکہ میں
بڑی خوشخبری سننے پشاور آیا تھا۔

قوت ٹکرانے کی ٹھانی۔اسی رخ نے آخر کار غلبہ پایا۔اس فکری اختلافات نے شروع سے ہی
راہیں اختیار کی ایک راہ پر ربانی نے چل کر جمعیت بنائی اور دوسری راہ پر یونس خالص نے حزب
اسلامی بنائی جو بعد دو مزید حصوں میں منقسم ہوگئی جس کے سربراہ گلبدین حکمت یار ہیں۔مسعود
کابل میں مجاہدین کی حکومت سنبھالنے پر مرکزی کردار ادا اس حیثیت میں کرے گا کہ وہ داخلی امور
کو سنبھالے جبکہ حکمت یار نے دو بنیادی طریقے رکھے ہیں۔

پہلا:

کابل میدانی قائدین کے زیر تسلط ہونا چاہیئے۔استاد فرید حزب اسلامی حکمت یار سے
اور عبدالحق حزب اسلامی یونس خالص سے ہیں کیونکہ مسعود تو شمال کا میدانی قائد ہے۔

دوسرا:

کابل مرکزی مجلس کے زیر تسلط ہو جس کی صدارت ربانی کریں۔

بہر حال یہ اختلافات میں سمجھتا ہوں افغان قیادت کے مابین کوئی اصولی نہیں ہیں
سب طبعی ہیں جو حل کیئے جاسکتے ہیں حکمت یار اور مسعود کے مابین رابطہ کے لئے یہ کوششیں نہ تو پہلی
ہیں اور نہ یہ آخری ہوسکتی ہیں۔



سنگ میل......تیسرا روز

(منگل 18 شوال 1412ھ 21 اپریل 1992ء)

گزشتہ روز میرا جاجی فرید سے منگل کے دن علی الصبح نکلنے کا پروگرام بنا اور پھر ہم منگل
پشاور سے جاجی کی طرف روانہ ہوئے۔اس چھوٹے سے قافلہ میں میں جمال خاشقجی اور جامع
مسجد ابن عبید کے امام خالد المودی تھے ہمارے ساتھ افغانی ڈرائیور بھی تھا جس کا تعلق حزب
اسلامی سے تھا ہماری کوشش بھی یہ تھی کیونکہ ہم نے پشاور کے بعد ''سپنہ شگہ'' کی طرف روانہ
تھا جو حزب اسلامی کے کنٹرول میں ہے۔یہ چھوٹا سا پہاڑی علاقہ پاک افغان سرحد پر واقع
یہ فاصلہ عام طور پر چھ گھنٹوں میں طے ہوتا ہے اسی لئے ہم نے صبح سات بجے رخت سفر باندھا

سپنہ شگہ پاک افغان سرحد پر بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جس کی
اسٹراٹیجک اور فوجی اہمیت بہت ہے۔پہاڑوں کا یہ سلسلہ سفید پہاڑوں (کوہ سفید) کے نام سے
موسوم ہے۔جس کی چوٹی کو ''سیکارام'' کہا جاتا ہے۔حکمت یار نے اس علاقہ کو اپنا خاص مرکز محض
اس لئے نہیں بنایا کہ یہ اسٹراٹیجک اور عسکری اہمیت کا حامل علاقہ ہے بلکہ یہاں پختون قبیلہ کی
ایک شاخ ''خروٹی'' نامی آباد ہے جس سے حکمت یار کا تعلق ہے۔جہاد افغانستان کے طویل
دورانیہ میں اس قبیلہ نے حکمت یار کی حزب اسلامی کا ہر طرف سے ساتھ دیا بلکہ اس کی ریزرو فورس
کے طور پر بھی ساتھ دیتے رہے اسی لئے حکمت یار نے اس کو اپنا مرکز بنایا اپنی رہائش اور فیملی کی
رہائش بھی یہاں پر رکھی......اس علاقہ کو پہلی دفعہ باقاعدہ طور پر مرکز 1984ء (۱۴۰۴ھ) میں سید
رحمٰن کی قیادت میں بنایا گیا۔اس کے ساتھ اس مہم میں حزب اسلامی کی عسکری قیادت بھی گاہے
بگاہے ساتھ رہی جس کی قیادت اس وقت انجینئر عبدالسلام ہاشمی کرتے تھے شپنہ شگہ کی بستی
خوفناک معرکوں کی گواہی دے سکتی ہے جو مجاہدین اور روسی فوجوں سمیت کابل کی کمیونسٹ حکومت
کے درمیان ہوتے رہے۔پہلا معرکہ اس مرکز کے قیام کے بیس دن بعد بروز منگل مارچ 1984ء
کو ہوا۔اس نوزائدہ مرکز پر مسلسل دس روز تک روسی جہازوں نے شدید بمباری کی تھی۔پھر دو طرفہ
بری فوج کا حملہ ہوا۔پہلا حملہ ازرا حفاظتی پوسٹ سے جو صوبہ لوگر میں ہے کیا گیا جبکہ صوبہ پکتیا میں
گردیز اور جاجی سے دوسرا حملہ کیا گیا اس حملہ کے لئے فوج کو تین گروپس میں تقسیم کیا گیا تھا ایک
گروپ گردیز سے، دوسرا گروپ غزنی سے یہ دونوں گروپس کمیونسٹ افغان فوج سے تعلق رکھتے
ہیں جبکہ تیسرا گروپ روس کی سپیشل آرمی سپٹناز (Spitnaz) سے تینوں گروپس مل کر حملہ آور
ہوئے۔حزب اسلامی کے اس نازک مرکز پر دنیا کے ایسے مہلک ترین بم برسائے گئے کہ الامان و
الحفیظ۔ان میں بھاری اسلحہ مختلف مقامات سے میزائل (BM-41) قلعہ جاونی سے داغے
جاتے، جبکہ اسی نوعیت کے میزائل سکندر خیل سے آتے اور تباہی مچا دیتے۔دو عدد توپیں جاجی
میں اور 3 عدد توپیں 76 ایم ایم (ملی میٹر) کی بھی جاجی میں نصب کی گئیں تھیں۔اسی طرح 3 عدد
بٹاریات اسی قسم کی جاونی اور ملی خیل میں بھی نصب کر دی گئیں تھی۔پھر اسی پر بس نہیں بلکہ روس کی
نمک خوردہ کمیونسٹ حکومت نے مرکز کے قریب ہیلی کاپٹر اتارنے شروع کئے مگر مجاہدین نے یہ
کارروائی بھی ان کی ناکام بنا دی یوں غاصب فوج کو اپنے منہ کی کھانی پڑی۔اس معرکہ میں 8

مجاہدین شہید ہوئے اور 15 کے لگ بھگ مجاہدین زخمی ہوئے جن میں قائد سید رحمٰن بھی تھے۔ مرکز "الفتح" کی یہ وادی تا حال حملہ آور فوجوں کی شکست کا منہ بولتا ثبوت ہے جہاں جگہ جگہ آثار ہزیمت دیکھنے کو ملتے ہیں ان میں 18 ٹینک، 2 جہاز، 11 روسی کمانڈوز اور 76 افغانی حکومت کے فوجیوں کی لاشیں ملیں اس شرمناک حملہ کے بعد جاجی کے رہائشی پاکستان کی حدود میں جا بسے تاکہ دشمن کے جہازوں سے پناہ مل سکے۔

دوسرا معرکہ اس مرکز پر 1985ء میں 25 روز تک مسلسل جاری رہا۔ جہاں مجاہدین کی قیادت حکمت یار نے بذات خود کی تھی۔ اس لڑائی میں نشانہ ستم نہ صرف یہ مرکز رہا بلکہ عرب مجاہدین کا مرکز اور سیاف کا مرکز بھی نہ بچ سکے۔ اس لڑائی میں حزب اسلامی کو اتحاد اسلامی سیاف گروپ اور عرب مجاہدین کا بھرپور تعاون رہا۔ جس کا نتیجہ بفضل اللہ۔ کمیونسٹ فوجوں کی پسپائی اور ہزیمت کی صورت میں سامنے آیا۔ اس معرکہ میں دشمن کو پہلے سے کہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑا جس میں 40 ٹینک، بکتر بند گاڑی، 3 جہاز اور بیک وقت 128 میزائل فائر کرنے والا توپ خانہ جو پہلی دفعہ افغانستان کی سرزمین پر استعمال کیا گیا تھا۔ تباہ ہوئے اسی کے ساتھ 150 دشمن فوجی واصل جہنم ہوئے اور 10 مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا۔ اس وقت مجاہدین کے سپہ سالار تورن غنی خان تھے جبکہ مرکز الفتح کے انچارج حمید برکت اللہ خان تھے۔ "الفتح" مرکز پر تیسرا معرکہ کا شمار اس سرزمین کے سب سے زیادہ مشہور معرکوں میں ہوتا ہے حزب اسلامی کی خفیہ انٹیلی جنس ایجنسی نے اطلاع دی کہ روس نے اس مرکز کے اردگرد کی تصاویر مصنوعی سیارے کی مدد سے کھینچ لی ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد جنگی جہازوں کے ذریعہ اس مرکز پر شدید بمباری کی گئی جس کے نتیجہ پر اردگرد کا سبزہ اور پہاڑ جل گئے۔

دشمن کے اس حملے کو ناکام بنانے کے لئے بھی جاجی کے علاقے کی دوسری تنظیموں نے حزب کے ساتھ دیا جو "مومنین غنڈ" میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اس معرکہ میں بھی 55 ٹینک ایک عدد ٹرک، 2 عدد جہاز اور 2 عدد توپ خانے ماڈل بھی ایم 41 کا دشمن کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ مزید براں 200 افغان حکومت کی آرمی کے اور 50 روسی فوجی واصل جہنم ہوئے۔ پھر 1987ء (۱۴۰۷ھ) کو روسی اور افغانی حکومت نے مشترکہ حملے خاص طور پر عرب مجاہدین کے مراکز جو جاجی میں تھے اور مرکز الفتح پر کیئے۔

☆ افغان وعرب مجاہدین نے باہمی تعاون سے ان حملوں کو بھی ناکام بنا دیا۔ چنانچہ حکمت یار نے مجاہدین کا ایک گروپ عبدالہادی خان شہید کی قیادت میں اگلے مورچوں پر عرب مجاہدین کی حمایت کے لئے بھیجا۔ دوسری طرف سے ایک گروپ دشمن کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے روانہ کیا جس کی کمان ہاشم خلیل کر رہے تھے۔

اس جھڑپ کے نتیجہ میں ایک روسی جرنل، 30 روسی فوجی، 30 افغان حکومت کے فوجی اور 40 ٹینکوں کا دشمن کو نقصان اٹھانا پڑا۔ اس معرکہ میں حکمت یار بذات خود کمانڈ کر رہے تھے جن کے ساتھ حزب کے اہم تنظیمی اشخاص ڈاکٹر محمد حنیف، زمان مزمل انچارج کمیٹی نقشہ جات، ڈاکٹر محمد انور انچارج میڈیکل کمیٹی اور عبدالمجید انچارج بیت المال میں شامل تھے۔

اس سال دشمن نے پھر مشترکہ حملے کا منصوبہ بنایا۔ 2 گروپس میں ہر ایک کو 14، 15 ٹنکوں، بکتر بند گاڑیاں جہاز اور ہیلی کاپٹرز سے لیس کیا۔ مگر اس حملہ میں بھی دشمن کو 4 ٹینکوں، 2 بکتر بند گاڑیوں اور 6 عام گاڑیوں کا خسارہ ہوا۔ جب افغان حکومت کو یہ یقین ہوگیا کہ وہ جاجی اور سپنہ شگہ کے بلند پہاڑوں پر اپنا تسلط قائم نہ کر سکے گی تب اس نے رمضان کے آخری ایام 140 ھ میں دس دن کی لڑائی کے بعد جاجی سے اپنی آرمی کو واپس بلا لیا۔ اس نصرت سے سرزمین افغانستان پر جہاد بہت سے مراحل میں سے ایک مرحلہ طے کر کے سرخرو ہوا۔ جس میں الفتح مرکز یہاں کے مجاہدین اور اسلحہ وہتھیار نے اہم کردار ادا کیا۔

پشاور اور سپنہ شگہ کے مابین پاکستانی متعدد چیک پوسٹیں ہیں جو غیر ملکیوں کے آمدورفت کو کنٹرول کرنے کے لئے ہیں۔ مگر ہماری ہماری رعایت کرتے اور ہمیں چیکنگ کے لئے نہ روکا جاتا مگر اس دن ہم لیٹ اس لئے پہنچے کہ راستے میں بارش شدید تھی جو تمام راستے مسلسل ہوتی رہی ہم سپنہ شگہ، مرکز الفتح بعد از ظہر 2 بجے پہنچے اور پھر اپنی گاڑی میں ہی ہم پہاڑ پر چڑھنا شروع ہوئے جہاں حکمت یار کا گھر تھا اس وقت ہمیں سخت دھچکہ لگا جب ہمیں باڈی گارڈ نے بتایا کہ حکمت یار یہاں سے چلے گئے ہیں اور اب وہاں ماسوائے چند مقامی افراد ہیں یا خدمت گار جن کا مجھ سے تعارف کرایا گیا۔ میں نے پھر انجینئر حکمت یار کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ آپ لوگوں کا انتظار کر کے روانہ ہو چکے ہیں۔ دوبارہ پوچھنے پر بتایا کہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کدھر گئے ہیں بعد ازاں انہوں نے دوپہر کے کھانے کے لئے اصرار کیا۔ چنانچہ ہمارے لئے بھی

دوراستوں کے سوا کوئی نہ تھا یا تو ہم واپس پشاور چلے جاتے جو بہر حال مشکل تھا اور وقت بھی کافی گزر چکا تھا کیونکہ سفر چھ گھنٹوں کا تھا اور ساتھ ہی ایک چیک پوسٹ مغرب کے بعد بند کر دی جاتی ہے یا پھر آج کی رات یہاں گزارتے ہیں، جہاں ہمارے دو میڈیکل سنٹرز ہیں۔ جو "لجنتہ البر" کے تابع ہیں جو 40 منٹ کے سفر پر واقع ہے دوسرا میڈیکل سنٹر کا فاصلہ پون گھنٹے کی مسافت پر ہے اور دونوں مختلف سمتوں میں واقع ہیں۔ میں نے اپنے ہمراہیوں کے سامنے دوسرے میڈیکل سنٹر جانے کی تجویز رکھی کیونکہ وہاں وائرلیس کا نظام ہے جو رابطہ کے لئے آسان رہے گا۔ جو نسبتاً گرم علاقہ میں ہے جبکہ پہلا میڈیکل سنٹر اگرچہ نزدیک ہے مگر وہاں نہ تو وائرلیس سسٹم ہے اور ہے بھی پہاڑ کی چوٹی پر جہاں شدید سردی ہوتی ہے۔ چنانچہ میری اس تجویز پر سب نے صاد کیا اور طے ہوا کہ اگلے روز واپس پشاور جائیں گے وہیں کھانا اور نماز پڑھی۔ کھانے پر ہمارے ساتھ حکمت یار کے ایک داماد بھی تھے انہیں میں نے بتا دیا کہ اگر حکمت یار سے رابطہ ہو تو میرا بتا دیں اگر ملاقات کی دوبارہ زحمت فرمائیں تو نوازش ہوگی۔ اسی کے ساتھ انہیں یہ بھی بتا دیا کہ اگر صبح نو بجے تک ان کی طرف سے اطلاع نہ آئی تو میں واپس پشاور چلا جاؤں گا۔ پھر ہم نے رات میڈیکل سنٹر میں گزاری۔ کوئی نئی خبر نہ تھی، ریڈیو کی وہی پرانی خبریں تھیں اور مجاہدین کا پشاور میں کسی نتیجہ نہ پہنچنا ابھی باقی تھا۔ جبکہ کابل سے نائب وزیراعظم جنرل رفیع کا بیان ریڈیو پر بار بار آ رہا تھا کہ کوئی لیڈر آ کر کابل میں حکومت سنبھالے ہمیں اس کے چلانے میں کوئی رغبت نہیں۔"



حکمت یار کی طرف راستہ

(چوتھا دن، بدھ 19 شوال 1412ھ 22 اپریل 1992ء)

ہمارے چوتھے دن کا آغاز صبح نماز فجر سے ہوا۔ بعد از نماز ساڑھے نو بجے تک ا میڈیکل سنٹر کا دورہ تھا اور اس کے گرد مزروعہ زمین پر کچھ کام کرنا تھا۔ چنانچہ زرعی زمینوں پر ہے اور وہاں کے کسانوں سے ملاقات بھی ہوگئی مگر حکمت یار سے ابھی تک کوئی پیغام نہیں ملا اور جب میں نے دیکھا وقت گزرتا جا رہا ہے تب میں نے پشاور جانے کا عزم کیا۔ میڈیکل سنٹر ہم صبح دس بجے نکل چکے تھے۔ ابھی ہم نے راستہ کا پون گھنٹہ ہی طے کیا تھا کہ پیچھے سے ایک گا

کو آتے دیکھا جو شاید ہم سے ملنا چاہتے تھے۔ ہمیں اس کا پتہ اس طرح سے لگا جب پچھلی گاڑی نے لائٹیں مارنی شروع کیں۔ تب ہم نے ایک طرف گاڑی کھڑی کی اور پچھلی گاڑی بھی آ پہنچی۔ اس میں دیگر افراد کے ساتھ ایک فرد تھا جسے میں بخوبی جانتا تھا اور وہ تھے انجینئر صدیق جو حزب اسلامی کی اہم شخصیات میں سے شمار ہوتے ہیں۔ بیدار مغز اور توانا انسان جس پر حکمت یار بہت سے مسائل میں اعتماد کرتے ہیں۔ انجینئر صدیق کو بارہ سال پل چرخی جیل میں پابند سلاسل رکھا گیا۔ قلعہ نما جیل خاص طور پر سیاسی قیدیوں کے لئے تھی۔ انجینئر صدیق نے ان بارہ سالوں سے 9 سال اسی جیل میں قید تنہائی ایسا اذیت ناک عذاب جھیلا ہے اور میری اس ملاقات سے ایک سال پیشتر رہا ہو کر آئے ہیں۔ اس طویل سالوں کے بعد بھی میں نے ان کی سیاہ ریش میں کوئی سفید بال نہیں دیکھا گویا وہ کسی جیل میں گئے ہی نہیں۔ وہ بڑی باغ و بہار شخصیت ہیں جن میں جہاد کی روح اپنے اعلیٰ مدارج کے ساتھ سموئی ہے انجینئر صدیق نے مجھے ایک طرف کان میں سرگوشی کی کہ وائرلیس پر حکمت یار کا پیغام آیا کہ اگر تم ملاقات کرنا چاہتے ہو تو آ جاؤ...... وہ فلاں جگہ پر ہیں! میں نے پوچھا: کہاں؟ انہوں نے کہا یہ میں ابھی نہ بتاؤں گا البتہ حکمت یار نے کہا ہے کہ آپ ان سے ملیں گے تو جو پائیں گے اس سے خوش ہو جائیں گے! پھر میں نے دوبارہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور بتایا کہ پیغام آیا ہے۔ تب سب نے اتفاق کیا کہ حکمت یار سے ملنا چاہیے، ہم واپس اپنی اپنی گاڑی میں سب بیٹھ گئے اور اسی مرکز واپس پہنچے۔ جہاں کل آ کر ٹھہرے تھے۔ اسی وقت ایک وائرلیس پر کال آئی جس سے میں نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ ہمیں حکمت یار تک پہنچنے کے لئے سات گھنٹوں کا وقت درکار ہے۔

مرکز پہنچے تو بارہ بج چکے تھے یہ وقت افغانوں کے کھانے کا ہوتا ہے تب سب نے دوپہر کا کھانا کھایا چائے پی اور نماز ظہر ادا کی۔ افغانی کھانا ظہر سے پہلے اور چائے بعد نماز ظہر پیتے ہیں، ان کی عادت یہی ہے۔ نماز ظہر و عصر تاخیر سے پڑھتے ہیں۔ نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو دو بج کر پندرہ منٹ ہوئے تھے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم حکمت یار سے ملاقات کے لئے چلتے تو راستہ میں ہمیں رات ہو جاتی تھی اور یہ تو محض واہمہ ہوتا اگر راستہ کے پیچ و خم کو نظر انداز کر کے روانہ ہو جاتے حالانکہ یہ راستہ میں نے خوب دیکھا ہوا تھا یہاں وادیوں میں جگہ جگہ ندی نالوں کا سامنا کرنا پڑتا اور ساتھ اس کے پہاڑوں پر پڑی برفباری جس سے راستوں کا مسدود ہو جانا بھی یقینی تھا

مگران سب کے باوجود بھی ہم 3:45 پر روانہ ہوئے۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ افغانیوں کے نزدیک وقت کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟ ہم اپنی گاڑی میں سوار نہ ہوئے بلکہ حزب کی ہائی لکس گاڑی میں بیٹھے۔ میرے ساتھ جمال خاشقجی اور خالد المہمودی اور افغانی ڈرائیور بھی تھا ہمارے ساتھ ہی 3 مزید گاڑیاں روانہ ہوئیں کیونکہ افغانستان میں بغیر حفاظت کے گاڑیوں کا سفر نہیں ہو سکتا یا بغیر اسلحہ کے کسی فرد کا آنا جانا ناممکن ہوتا ہے۔ ایک گاڑی میں دو عرب مجاہدین تھے جو قریبی حزب کے مرکز سے آئے تھے اور انہوں نے انجینئر صدیق سے حکمت یار کو ملنے کی اجازت لے رکھی تھی۔ بقیہ دو گاڑیوں میں افغان مسلح گارڈ سوار تھے تاکہ کسی ممکنہ خطرہ سے نمٹنے کے لئے بندوبست ہو سکے۔

ہم کابل کے جنوب میں صوبہ لوگر کے شہر سرخاب کی طرف بڑھ رہے تھے جو 5 کلومیٹر پر ہے۔ یہ تمام علاقہ حزب کے کنٹرول میں ہے۔ ہم نے وہ پہاڑی علاقہ بھی پار کر لیا جو پاکستان اور افغانستان میں حد فاصل ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ مو انتہائی سرد تھا اور چوٹیوں پر برف بدستور موجود تھی، نالے پانی سے بھرے پڑے تھے بعض جگہوں کیچڑ ہونے کی وجہ سے چلنا دشوار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ہم پہاڑ کی ایک ہموار چوٹی پر اترے اور نما مغرب ادا کرنے کے بعد چار و ناچار سفر دوبارہ شروع کیا۔ میں نے تمام راستے میں پہاڑوں م حزب اسلامی کے مورچے بنے ہوئے دیکھے جو مختلف مقامات پر بنائے گئے تھے۔ نیز بینو طرز بسیں اور ٹرک قافلوں کی شکل میں بہت سے لوگوں کو اٹھائے اور سامان خورد نوش کے ساتھ آ رہے تھے اور بعض خالی بھی تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ افغان محض عسکری قوت ہی نہیں بلکہ نظم و ن کا بہترین تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیز جہاد کے شروع میں ہوا کرتی ہے مگر وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ یہ سیاسی اور ابلاغی طور پر ترقی کرتا گیا اور جو بڑے ٹرک حزب کے مجاہدین اور امداد وغیرہ کو لے کر لوگر کی طرف آتے جاتے نظر آ رہے تھے وہ حزب کی صفو میں ایک ہلکی پھلکی ہجرت کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ مگر اس کی اصل صورت حال آج وقت ظہر وا ہوئی جب سپنہ شگہ مجاہدین سے خالی ہوا کیونکہ حزب اسلامی کے مختلف علاقوں کے مورچ مجاہدین اپنے مقامات چھوڑ کر کابل کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حزب کے دا میں پڑھنے والے شمشو کے طلبہ بھی حزب کے پشتیبان بننے کے لئے کابل کے گرد پہنچ رہے

ے سفر پر رواں دواں تھے کہ جو خطرہ مجھے لاحق تھا وہی ہوا کہ راستہ میں بعض گاڑیاں ندی، ے گزرنے کی وجہ سے خراب ہو گئیں اور ان کو درست کرنے میں جب دو گھنٹے لگ گئے۔ م نے ان گاڑیوں کو ڈرائیوروں سمیت وہاں چھوڑ کر اپنی راہ لی۔ ایک یہی رکاوٹ تو نہ تھی چل کر ایک ٹرک پھسل کر سڑک کے درمیان میں پھنس گیا۔ اس کو ہٹانے کے لئے دوسرے ا مدد لی گئی اس میں بھی ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔ جب ہم ''دوبندی'' پہنچے تو گھڑیاں رات کے بجا رہی تھیں۔ یہاں پہنچ کر انجینئر صدیق نے کہا کہ بقیہ رات میں دوبندی میں بسر کرنا ہوگی مجھے حکمت یار صاحب کے حتمی مقام کا علم نہیں۔''

دوبندی کا علاقہ میرے لئے کوئی اجنبی نہیں تھا کیونکہ میں آٹھ ماہ پہلے موسم گرما میں آیا تھا۔ اس کا بھی مجھے علم تھا کہ یہ علاقہ زبردست مورچہ بند کیا ہوا تھا کہ یہاں جہاز مسلسل ی کیا کرتے تھے۔ دوبندی پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جسے حزب اسلامی نے اپنے لئے مرکز و گودام بنا رکھا ہے۔ یہاں مجاہدین مع اسلحہ کے ذخائر اور ضروریات زندگی کی چیزوں کو کیا ہوا ہے ان پہاڑوں کے غار رہائشی یونٹ بنا دیئے گئے ہیں۔ ہمیں بھی ان غاروں میں ی ایک میں رات گزارنا تھی۔ رات کا کھانا بھی یہیں کھایا، سادہ چاول تھے کوئی اور چیز نہ تھی۔ نے کے بعد نماز عشاء پڑھی اور ہم سو گئے۔

ت یار کے ساتھ

نچواں دن، جمعرات 20 شوال 1412ھ 23 اپریل 1992ء)

نماز فجر کے فوراً بعد انجینئر صدیق دوبندی سے روانہ ہوئے تاکہ حکمت یار صاحب کا چل سکے وہ کہاں ہیں؟ میں نے صدیق کو تاکید سے کہہ دیا کہ وہ 12 بجے دوپہر سے ہرگز لیٹ ہل خواہ ان کا پتہ چلتا ہے یا نہیں۔ ابھی انہیں گئے ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ واپس اس خبر ہل کے ساتھ آئے کہ حکمت یار صاحب اس وقت ''سرخاب'' میں ہمارے منتظر ہیں۔ چنانچہ ہم اپنی اپنی سامان سے لدی ہوئی گاڑیوں میں روانہ ہوئے۔ عام طور پر میرے ساتھ دو بیگ تے ہیں ایک میں فوٹوگرافی کے آلات ہوتے ہیں دوسرے میں کپڑے اور دیگر اشیاء جن میں ٹارچ، بیٹری، تولیہ، صابن اور چھوٹا ٹیپ ریکارڈر جس کے ساتھ قرآن مجید کی کیسٹ ہوتی

ہیں جو ہم گاڑی میں دوران سفر سنتے رہتے ہیں، نیز ایک عدد کاپی اور قرآن مجید کا نسخہ
میں رہتا ہے۔ قرآن کریم کا نسخہ ان چیزوں میں سے ہے جو وہاں ہمیں نہیں ملتی کیونکہ مجاہدین
اپنا نسخہ اپنی جیب میں رکھتے ہیں اور کسی کو نہیں دیتے اگر بالفرض کسی کو دے بھی دیں تو فوراً
لے لیتے ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح اسلحہ کے بارے میں میں بتا چکا ہوں کہ ان علاقوں
غفلت نہیں برتی جا سکتی۔

ہم وادی ''سرخاب'' پہنچے جو اپنے دامن میں پھلوں کے ہرے بھرے باغات
ہوئے ہے۔ یہاں زیادہ تر اخروٹ، انگور اور خوبانی کے درخت ملیں گے، اسی وادی میں حکمت
ایک گھر میں مرکز ہے جہاں وہ خود رہتے ہیں اور دیگر قائدین حزب کے لئے استعمال ہوتا
ہے۔ میں اس گھر کو اچھی طرح جانتا ہوں کیونکہ پہلے بھی اس گھر میں آ کر رہا ہوں۔ اس گھر
گرد سے دیگر گھروں نے احاطہ کیا ہوا ہے مگر ذرا فاصلوں پر ہیں۔ داخل ہوتے ہی کھلا صحن ہے
کے اطراف میں کمرے بنے ہوئے ہیں، اس گھر کے، دو دروازے ہیں ایک افراد کے آ
جانے کے لئے اور دوسرا گاڑیوں کے لئے ہے۔ اس کے ساتھ ایک دروازہ اوپر چوکی کے
ہے جہاں باڈی گارڈز ہر وقت ہوتے ہیں اس گھر کے کمرے چکنی مٹی سے بنائے گئے جو اس
کے شمال اور مشرق میں ہیں۔ 5 عدد کمرے ہیں ایک اور چھوٹا سا جنوب کی طرف کمرہ ہے
باورچی خانے اور خادمین کی رہائش کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جنوب مشرقی حصہ میں
الخلاء ہیں۔

ہم وہاں پہنچے تو مرکز میں داخل ہوتے ہی دائیں کمرے میں وائرلیس سسٹم رکھا
ہے۔ اس کی کھڑکیاں مغرب کی جانب کھلتی ہیں۔ پہلے حجرے کے ساتھ ہی دوسرا اور تیسرا
باڈی گارڈز کا ہے جو مشرق اور شمال مشرقی حصہ میں واقع ہیں۔ چوتھا حجرہ انجینئر حکمت یار کا
جس کے جنوب میں صحن ہے اور خود جانب شمال ہے۔ پانچواں حجرہ بھی باڈی گارڈز کا۔
ہمارے پہنچنے پر وہاں مرکز کے صحن میں مغربی حصہ میں گاڑیاں ایک صف میں کھڑی دیکھیں۔
گھر میں نہ عورتیں ہیں نہ بچے۔ حکمت یار کی پہلی بیوی اپنا زیادہ تر وقت...... سپنہ شگہ میں گزا
ہیں جبکہ دوسری اہلیہ جو ان کے شہید بھائی کی بیوہ ہیں وہ پشاور میں رہتی ہیں۔ ان کی بیٹیاں
سپنہ شگہ میں اور بعض پشاور میں ہوتی ہیں۔ ان کے داماد بھی حزب کے اہم ارکان میں سے

کی ذمہ داریاں حزب میں معروف ہیں۔ جیسے ڈاکٹر غیرت بحیر ہیں جو حکمت یار کے دائیں بازو
اور آج کل ریاض میں (سیاسی کمیٹی) کے منتظم ہیں۔ وہ انگریزی اور عربی زبان پر خاصی
رکھتے ہیں۔ وہ حزب میں اپنا سیاسی مقام بھی رکھتے ہیں ساتھ ہی حکمت یار کے مشیر بھی
جیسے حاجی جریر ہیں۔

ہم جب گھر میں داخل ہوئے تو دوپہر کے ایک بجے تھے اور ہم اس دن پہلے افراد تھے
تمام دن میں حکمت یار سے ملنے آئے۔ ہم حکمت یار کے خاص کمرے میں بیٹھ گئے جبکہ وہ
لیس روم میں تھے۔ آدھ گھنٹہ انتظار کے بعد وہ کمرے میں داخل ہوئے، اس وقت تک ہم نے
کلام کی ترتیب طے کر لی تھی کہ ابتداء جمال خاشقجی سے انٹرویو کریں گے۔ پھر ہم ٹیپ ریکارڈر
کے آزادی کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ کیونکہ کچھ ایسی باتیں تھیں جو میں چاہتا تھا نہ وہ ریکارڈ
اور ان کا پتہ چلے۔ جناب حکمت یار کا بقیہ ساتھیوں سے تعارف کرانے کے بعد ہم نے
یو کی تجویز رکھی جس پر کوئی ممانعت نہیں۔

حکمت یار صاحب سے ملنے کی میری کیا وجہ رہی؟ اور وہ کونسی خاص مہم تھی جس کے لئے
یہ کوشش کر رہا تھا؟ قائدین جہاد سے براہ راست وہ صحیح موقف معلوم کرسکوں جو تا حال میری
وں سے اوجھل تھا اور یہ جاننا بھی شامل تھا کہ کیا حزب کا نئی حکومت کے قیام کے لئے اور
اک کے لئے اپنے خاص مؤقف سے دستبردار ہونے کا امکان ہے؟ یہی وہ مہم تھی جس کے
میں حکمت یار صاحب سے ملنے کے لئے افغانستان چلا آیا۔

میری اس رائے سے بہت مختلف رائے برادر وائل جلید ان کی تھی کہ حکمت یار اور مسعود
کم از کم ایک بار وائرلیس پر ضرور مذاکرات کرنے چاہیے۔ مگر میرا موقف تھا کہ محض وائرلیس پر
ت چیت نتیجہ خیز نہیں ہو سکتے کیونکہ اس سے قبل بھی یہی ہوتا رہا کہ ہر فریق نے اپنا موقف دہرا
۔ جب سامنے کوئی لائحہ عمل نہ ہو تو اتفاق ناممکن ہوتا ہے۔

جمعرات کی صبح کو ہمارے سرخاب پہنچنے تک مسئلہ افغانستان ایک واضح صورت حال
کے ساتھ سامنے آ گیا تھا۔ حکمت یار ایک طرف اور بقیہ افغان قیادت دوسری طرف تھی پشاور میں
اکرات کی کروٹ بیٹھنے کو تھے کہ اس وقت حکمت یار نے کمیونسٹ حکومت کو خبردار کیا کہ وہ کابل
ہتھیار پھینک دے اور ڈیڈ لائن ہفتہ 22 شوال بمطابق 25 اپریل کی دے دی۔

افغان قضیہ کے حل کے لئے حزب اسلامی نے 3 واضح اور جامع نکات پیش کرے

آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

اول: ملک کی قیادت ربانی صاحب سنبھالیں۔

دوم: وزارت عظمیٰ حزب اسلامی کو بغیر کسی تحدید فرد کے حوالے کی جائے وہ خود مقرر کرے گا۔

ملکی انتخابات چھ ماہ بعد منعقد کئے جائیں اور آخری چھ ماہ میں مرکزی شوریٰ کا قیام

میں آئے۔

اس طرح ایک سال کی مدت میں حکمت اور شوریٰ، انتخابات کے ذریعہ قائم ہو جا

گی۔

یہ نکات اس مسئلہ کے حل میں کوئی نئے نہ تھے۔ بلکہ حزب اسلامی نے بار ہا اس پر ا
کیا کہ ملک کو چلانے کے لئے خود مختار ادارے قائم ہوں جن کے ذریعہ انتخابات عمل میں لا
جائیں۔ کیونکہ حزب اسلامی اور جس کے سربراہ جمیل الرحمٰن تھے نے یہ تجربہ کنٹرول کرلیا
انتخابات کے بعد ایک اسلامی حکومت چند ماہ میں ہی قائم ہوگئی تھی۔ یہ مطالبہ حزب اسلامی کا
وقت بھی پورے زور وشور کے ساتھ رہا جب مجاہدین کی اجتماعی شوریٰ نے عبوری افغان حکو
کا فیصلہ راولپنڈی میں 1409ھ بمطابق 1989ء کو کیا۔ جس میں صدارت صبغت اللہ مجد
سونپی گئی۔ اسی شورائی اجلاس میں حزب نے یہ شرط رکھی تھی کہ اس عبوری حکومت کا پہلا کام
میں منصفانہ انتخابات کا انعقاد کرنا ہے تا کہ مستحکم حکومت قائم ہو سکے۔ حزب اسلامی کا اصرا
طرز کے انتخابات پر رہا جس سے پرامن حکومت قائم کی جا سکتی ہے مگر اسی طریقہ کار ے
تنظیموں کو اختلاف رہا۔ حزب اسلامی کی یہی شرط تھی جس پر کاربند نہ رہ کر عبوری حکومت
انجام کو پہنچی کہ متعدد تنظیموں نے علیحدہ طور پر نجیب کی حکومت کو کابل میں گرانے کی کوششیں
کردی جسے داخلی انقلاب لانا کہا جا سکتا ہے۔

حزب کے اصرار پر بحث وجدال سے اختلاف ان تنظیموں میں باہم بڑھتا گیا
اپریل بروز جمعرات کو حکمت یار کے وہاں سے واپس آنے تک فضا خاصی گرم ہوگئی تھی۔ یہ
لئے حزب کا یہ موقف واضح تھا کہ افغانستان میں انتخابات سے حکومت چلانے کے لئے اسا
رکی داغ بیل ڈال دی جائے تا کہ ان آمرانہ اسالیب کا سدباب ہو سکے جو جہاد سے قبل

جناب حکومت یار کی یہ بھرپور کوشش تھی کہ قبائل واعیان کی مجلس (لوئی جرگہ) کو منسوخ
یا جائے اس کے مقابل جہادی تنظیمیں آنی چاہئیں جن کا جہاد افغانستان میں بہت بڑا حصہ
ور جنہوں نے لوئی جرگہ جیسی پنچائیتوں کی جگہ لے لی ہے اور ساتھ ہی جہاد تنظیموں نے قبائلی
ں کو ایک حد تک پس پردہ کردیا تھا جن کا جہاد میں حصہ آٹے میں نمک کے برابر تھا جیسے پیر
نی اور مجددی، اسی طرح دیگر قبائل کے سربراہان بھی آؤٹ ہوگئے تھے۔ جہاں سے پہلے کی
خ پر اگر نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ افغانستان میں لوئی جرگہ اس وقت بلایا جاتا تھا جب
و خطرہ درپیش ہوتا کہ اس مجلس میں باہمی گفت وشنید اور مشورے کے بعد ایک حل وقت کے
اہ کو بھیج دیا جاتا۔ یوں قبائلی سرداروں کا مملکت کے امور میں بڑا عمل دخل اور وزن ہوتا۔

اگر ہم اسی لوئی جرگہ کے نظام کو مملکت میں بنیاد بنا دیں اور اسی حکومت افغانستان کو
کے بعد چلایا جاتا ہے تو اس کے صاف معنی یہی ہوئے کہ جہاد افغانستان میں اہم کردار ادا
نے والی تنظیموں کو دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا ہے اور ان کی عظیم جدوجہد کو یکسر فراموش کردیا گیا
جبکہ ان جہادی تنظیموں کے سربراہوں میں کوئی بھی قبل ازیں کسی قبیلہ کا سردار نہیں رہا اور نہ اس
ا کا نمائندہ تھا، اس طرح زمام حکومت دوبارہ ان ہاتھوں میں چلی جائے گی جن کا جہاد میں
(بہت کم) نہ ہونے کے برابر رہا۔ اب جبکہ افغانستان میں آبادی ورقبہ کے لحاظ سے حزب
ی سب سے زیادہ بڑی تنظیم ابھر کر سامنے آئی ہے تو انتخابات ہی افغانستان کے سیاسی مستقبل
اس کا پلڑا بھاری رکھنے کے ضامن ہیں کیونکہ حزب اسلامی کی اہمیت و کردار کو کسی طور پر
انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود حکمت یار نے بار بار حزب اسلامی کو اپوزیشن کا کردار ادا
نے کے لئے پیش کیا مجاہدین کی کسی بھی حکومت میں جو کابل میں انتخابات کے ذریعہ اقتدار
آئے۔ اسی کے ساتھ وہ اسی حکومت کو مسترد بھی کرتے ہیں جو انتخابات کے بغیر ان پر ٹھونسی
ئے۔ حزب اسلامی اور جمعیت اسلامی کے اس نکتہ پر موافقت کے معنی ہوتے ہیں کہ دیگر افغان
دی تنظیموں کو کمزور و کارنر کیا جائے جن کی افرادی قوت اور رقبہ کا کنٹرول کم ہے۔ حزب اسلامی
ذمہ دار سمجھتے ہیں کہ یہی وہ مرکزی سبب ہے جس کی بنیاد پر دیگر افغان تنظیمیں انتخابات کے
کار پر معترض ہیں اور ان کا اصرار ہے کہ وہ ایسی مشترکہ حکومت کو قبول کریں گے جس میں تمام

افغان تنظیموں میں وزارتیں برابر برابر تقسیم کی جائیں۔ کسی اتفاق پر پہنچنے کے لئے حزب ان تنظیم
کے حق میں بعض وزارتوں سے بھی دستبردار ہونے کو تیار ہے۔ جنہوں نے جہاد میں کوئی خا
کردار ادا نہیں کیا۔ تو لا محالہ ہمیں جواب یہی ملتا ہے کہ وہ مجلس قبائل واعیان چاہتے ہیں یعنی
جرگہ۔ یہی جرگہ یا مجلس سربراہ حکومت نامزد کرے اور سربراہ مملکت کا انتخاب منعقد کرائے۔

جبکہ ربانی کے نزدیک بھی انتخابات کے انعقاد کے علاوہ دوسرا راستہ نہیں ہے
اختلاف ان کا حزب سے فقط مدت کا تعین ہے۔ حزب جلد انعقاد چاہتی ہے جبکہ ربانی ا
موخر کرنا چاہتے ہیں۔ انکے علاوہ دیگر تنظیمیں جیسے مجددی، گیلانی اور محمد نبی کی ہیں وہ ان مسائل
نہیں الجھتے وہ ملک ظاہر شاہ کی افغانستان واپسی کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ لوئی جرگہ وجود میں آئ
اس کی نئی حکومت کو اختیار سونپے۔

اگر تعبیر کی غلطی نہ ہو تو تمام مختلف تنظیموں کی آراء کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں ا
کے قریب اگر کوئی تنظیمیں ہیں تو وہ دو ہیں ایک جمعیت اسلامی ربانی اور دوسری حزب اسلامی ح
یار کی ہیں۔ بقیہ محض باہمی نفرت کے بل بوتے پر چل رہی ہیں۔ حزب جو حل پیش کرتی ہے کہ چا
کے اندر انتخابات منعقد کئے جائیں کہ یہ وقفہ مجاہدین کو تمام ملک پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے
بہت ہے جبکہ افغان عوام کو آزادانہ رائے دینے کیلئے بھی کافی ہے اور اگر مدت زیادہ طویل کرا
جائے جیسے شیخ ربانی تجویز کرتے ہیں تو یہ طویل وقفہ مغربی ممالک اور امریکہ کے ساتھ ساتھ شیعہ
بھی امور مملکت میں ریشہ دوانیاں بڑھانے کے لئے مل جائے گا۔ جس سے وہ منصفانہ انتخابات
اثر انداز ہوں گے۔ اگر یہ وقفہ مختصر رکھا جائے تو ان سازشی عناصر کو وقت نہ مل سکے گا۔ یہ وہ بنیا
نقطہ ہے جو حزب پیش کرتی ہے کہ انتخابات قلیل مدت میں کروائے جائیں۔ میرا بھی اس
میں یہی موقف ہے جو فی الحقیقت میرا شخصی اور ذاتی موقف ہے اس میں حکمت یار کو شمار نہ
جائے۔

چودہ سال کے طویل عرصہ کے جہاد سے حزب کا وزن یا پلڑا بھاری ہوا ہے اب وہ
چاہتی کہ یہ وزن کسی طور کم ہوتا جائے۔ باوجود اس کے کہ اسے تعمیر افغانستان کے لئے مالی معاو
بھی حاصل ہے۔ بالاضافت وہ تنظیمیں جنہوں نے جہاد میں حصہ لیا ہے خاص کر دائیں باز
تنظیمیں حزب اسلامی، جمعیت، اتحاد اسلامی اور حزب اسلامی یونس خالص کو اپنے موقف کی

د غیر ملکی کمپنیوں سے افہام وتفہیم میں مشکل ضرور پیش آئے گی جو افغانستان کی تعمیر نو کے
تعاون کرنا چاہتی ہیں۔

ان چاروں افغان تنظیموں کے مابین یہی وہ بنیادی اختلاف تھا جو ابھر کر سامنے آیا
ے ان کے مابین تعلقات وہ نہ رہے جو ہونے چاہئے تھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ مجددی کو
ہ میں راولپنڈی کے اجتماع شوریٰ میں مملکت افغانستان کا صدر بنا دیا گیا۔ اس پر مستزاد وہ
وں گے جو آئندہ آنے والے دنوں میں اسی سبب کی وجہ سے ظاہر ہوں گے۔

آخر وہ کیا چیز تھی جو حکمت یار کے فوراً پشاور چھوڑ کر افغانستان جانے کا سبب بنی؟ سبب
رہ تھے جو مسعود اور ملیشیا کے ساتھ ایک جانب اور دوسری جانب شیعہ تنظیموں اور مسعود کے
ں میں آئے جس نے تصویر کا رخ تبدیل کیا اور حزب کو احساس ہوا کہ مسعود اس معاہدے
یعے تنہا کابل میں شمال کی جانب براستہ چاریکار داخل ہونے کے لئے پیش قدمی کر چکا ہے
ں میں داخلہ صرف مسعود کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوگا جو حزب کے لئے کم از کم ناقابل قبول
ور یہاں سے طرفین کی جانب سے کابل میں داخلے کی دوڑ شروع ہوئی۔ لیکن اب ایک اہم
ھا جو ذہنوں میں اٹھ رہا تھا کہ کیا حکومت تشکیل دینے کے بعد بھی کسی حل تک رسائی ممکن تھی
ود ملیشیا کے ساتھ مل کر باہمی معاہدے کی جلد بازی نہ کرتا؟

میرے خیال میں جو لوگ افغانوں کو اچھی طرح جانتے ہیں انہیں خوب معلوم ہوگا کہ
مذاکرات وگفت وشنید کو بہت طول دینے والے ہیں جن کے نزدیک وقت کی اہمیت نہیں
اس موقف پر میرا خیال ہے جو تمام اطراف کا بغور جائزہ لے کر بنا کر یہ مسائل تمام فریقوں
ین کی ایک نکتہ پر اتفاق رائے پیدا کرنے میں چٹان ثابت ہوئے۔

حزب اسلامی کا انتخابات پر شدید اصرار ہے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں جبکہ
خالص اور سیاف دونوں انتخابات کے انعقاد کو مکمل طور پر مسترد کرتے ہیں۔ اپنے اس بیان کی
یونس خالص یہ دیتے ہیں کہ انتخابات کا یہ عمل دراصل اسلام میں کہیں نہیں ہے۔ ان کا مطلب
اسلام بغیر بیعت کے نہیں ہے۔ یعنی اہل حل وعقد کی ایک مجلس بنائی جائے اور وہ مجلس مختار
ہے کہ حکومت کا سربراہ بنایا جائے۔

اگر ہم پوچھیں اہل حل وعقد کو کون نامزد کرے؟

موضوع کی نسبت سے ایک نشاندھی بھی کرتا چلوں کہ انتخابات کا انعقاد ایک لحاظ منفی پہلو بھی رکھتا ہے کہ عملی طور پر پہلے چھ ماہ میں اس ہدف کو پورا کرنا مشکل ہوگا۔ میرے قول تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نجیب کی حکومت کے زوال اور کمیونسٹوں کے خروج کو تقریباً چھ ہو چکے مگر ملک میں امن واستقرار تا حال قائم نہیں ہوا۔ ایسے حالات میں کیسے انتخابات منعق جا سکتے ہیں؟

یہاں تک جمال شاقجی کا حکمت یار سے صحافتی انٹرویو اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ا ویسے ان کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ میں نے جو حکمت یار کی طبیعت کو پرکھا تو دیکھا کہ بہ دم جستجو ہیں سکوت زیادہ اختیار کرتے ہیں۔ چہرے پر طمانیت جھلکتی ہے اور یہ معاملہ باہر کی دن بالکل الٹ ہے جہاں ہر چیز اس کے اردگرد کی دنیا سے مختلف نظر آئی ہے۔

بڑی طمانیت کے بعد وہ ہمیں بتانے لگے کہ حزب کے مجاہدین نے کابل کو شمال، جنو اور مشرق ایسے اہم جہتوں سے گھیرا ہوا ہے۔ جنوب میں صوبہ لوگر ہے جہاں حزب کی اہم چھا موجود ہے اور وہ وسط کابل سے پندرہ کلو میٹر دور ہے۔ شمال میں حزب مجاہدین نے کابل کو خار اطراف سے گھیرے میں لے رکھا ہے اور وہاں راستوں کو پرامن بنا دیا ہے۔ ایک معرکہ شا گرویز لوگر پر ملیشیا اور حزب کے درمیان ہوا جہاں مجاہدین نے ملیشیا کے 80 افراد قتل کر دیئے ا جو تھے وہ کابل کی جانب بھاگ نکلے۔

اس واقعہ کی میرے سامنے اطلاع آئی جب میرا وہاں قیام تھا اور بعد میں پتہ چلا حکمت یار نے جو واقعہ کی تفصیلات بتائی تھیں وہ حرف بحرف صحیح تھیں۔ حزب نے کابل کو ہر طر سے گھیر رکھا ہے۔ جبکہ حزب کے علاوہ دیگر تنظیمیں کابل میں داخلے کے لئے بے چین نظر آتی ہ مسعود کی فوجیں شمال کی جانب چاریکار کے راستہ پر موجود تھیں۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ تما کا ہدف ایک ہی ہے کہ وہ کابل میں داخل ہوں۔ مگر اپنی جہادی ٹیکنیک میں مختلف ہیں حزب ک پر تمام جانب سے گھیرا تنگ کر رہی ہے اور مسعود صرف ایک جانب ہے۔ جب حزب کو پتہ چ مسعود چاریکار کے راستہ سے کابل میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حزب نے اس کا راستہ بند کر دیا طرح مسعود اندر نہ جا سکا۔ آخر وہ مجبور ہوا کہ ملیشیا اور شوریٰ نظار کی فوجوں کو بذریعہ ہیلی ک چاریکار اور مزار شریف کے راستے سے کابل ایئرپورٹ پر پہنچا سکا۔ ملیشیا کو بذریعہ ہیلی کاپٹ

پہنچانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسعود کابل میں داخلے کے لئے کس قدر بے چین ہے۔ عین اس وقت جب کابل میں داخلے کی دوڑ شروع تھی تب مسعود پشاور میں موجود افغان قائدین کو باہمی اتفاق کی ترغیب دے رہا تھا اور مصالحین پر اصرار کر رہا تھا کہ حکمت یار کو کابل میں طاقت استعمال کرنے سے روکیں اس سے وہ بتانا چاہتا تھا کہ کابل اس کے کنٹرول میں آ چکا ہے۔ اس دن سورج غروب ہونے سے قبل ہم حزب کی کابل کے گرد پوزیشن دیکھنا چاہتے تھے۔

جب ہم نے اس سے حکمت یار کی بابت پوچھا تو پتہ چلا یہ پاکستان کی خفیہ ایجنسی کا سربراہ ہے وہ کل رات بارہ بجے کے بعد آیا تھا اور حکمت یار سے مذاکرات کرتا رہا جو فجر تک جاری رہے۔ پھر دوسرے دن ظہر سے عصر تک مذاکرات کرتا رہا۔

اس وقت ساڑھے چار بجے تھے جب ہم ذیلی سڑک سے ہوتے ہوئے اس شاہرہ پر آ گئے جو گردیز کو کابل سے ملاتی ہے۔ ہمارا یہ کارواں 3 گاڑیوں پر مشتمل تھا ایک گاڑی میں خالد سودی، میں اور بعض باڈی گارڈز سوار ہوئے، (جمال خاشقجی مرکز میں رہے کیونکہ انہوں نے رپورٹ اور خط اخبار کو لکھنا تھا) جبکہ پاکستانی مہمان دوسری گاڑی میں سوار ہوا ساتھ کچھ باڈی گارڈ تھے۔ تیسری گاڑی پر سامان لادا گیا اور کچھ باڈی گارڈز اس پر سوار ہوئے۔ ہم شاہرہ پر آ چکے تھے...... کیا فرحت بخش لمحہ تھا...... ایسی فرحت جو غیر معمولی تھی اپنے مجاہدین کو خط اول پر ملنے کے بدلے۔ ایک ساعت میں میرے ذہن میں وہ وقت سامنے آ گیا جب یہاں کمیونسٹوں کا قبضہ تھا جب ہم دوربینوں سے یہ جگہیں دیکھتے تھے اور آج اس پر بذات خود چل رہے ہیں۔ ہمارا یہ دورہ عصر تا مغرب رہا جس کے دوران ہم نے حزب کے انتظامات دیکھے، مجاہدین سے ملے اور بعض قائدین کو بھی دیکھا۔ حزب بالکل مستعد پوزیشنیں لئے نظر آئی۔ ٹینک تیار کھڑے تھے، میزائل اور راکٹ لانچرز بھی کسی حکم کے منتظر نظر آ رہے تھے۔

بھاری اسلحہ تو ایک طرف تھا وہاں ہلکے ہتھیاروں سے پورا علاقہ اٹا پڑا تھا۔ واپسی پر ہم نے حکمت یار سے قدرے جھجکتے ہوئے استفسار کیا کہ ہم کس طرح مجاہدین کو کمزور دیکھ سکتے تھے جبکہ میزائلوں کا رخ کابل کی جانب ہے مگر کسی کا کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔ میری اس توجہ پر حکمت یار نے فوراً پیغامات ارسال کئے کہ یہ صورتحال فوری طور پر قیادت تک پہنچائی۔

مجھے خوف مجاہدین کی حالت سے ہو رہا تھا کہ میری معلومات کے مطابق کابل کا

جنوب......لوگر کی جانب کا علاقہ...... انتہائی خطرناک علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ جبکہ اس علاقہ
میں حزب اور ملیشیا کے مابین مسلسل جنگیں رہی ہیں اور اگر ہم ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس
علاقہ پر حزب کا کنٹرول آسان نہیں تھا کیونکہ عبدالرشید دوستم کی ازبک ملیشیا کا مرکز یہاں تھا، یہی
علاقہ طویل عرصہ حزب کی کمزوری کا باعث بنا رہا۔

اس دورہ میں میرا آخری مشاہدہ یہ تھا کہ خط اول سے مورچے پیچھے آگئے تھے۔ جس
کے ذریعے مجاہدین دشمن کی نقل وحرکت کو نشانہ بناتے تھے۔ نماز مغرب کے بعد ہم مرکز واپس لوٹ
آئے۔ مجاہدین نماز مغرب کے فوراً بعد رات کا کھانا کھالیتے ہیں جیسے ظہر کا کھانا جلد کھالیتے ہیں۔

عشاء کے بعد ہم نے نشست کی جس میں پاکستان کی خفیہ ایجنسی کا نائب سربراہ بھی
شریک تھا۔ اس نشست میں وہ مسائل اور امور زیر بحث آتے ہیں۔ جنہیں بعض اوقات حزب کی
قیادت اپناتی ہے جن کی دوسری احزاب اور تنظیموں کے ہاں روایت نہیں ہے۔ اسی رات مجھے پتہ
چلا جنرل محمد رفیع نائب وزیر خارجہ، حکمت یار سے ملاقات کے لئے بدھ کی رات آیا تھا۔ یعنی
ہمارے پہنچنے سے ایک دن قبل ہیلی کاپٹر میں آیا اور حکمت یار سے 3 گھنٹے کی طویل ملاقات کی۔
اس ملاقات سے بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ حزب سے باہمی کوئی اتفاق ہوا تو ہے تاہم کسی کو مطلع نہیں کیا
گیا۔

اس ملاقات میں ایک اتفاق پر پہنچنے کی کوشش بھی سامنے آئی کہ مجاہدین کے کابل میں
داخلے پر کوئی قتل وغارت گری نہ کی جائے گی جو حکمت کی خواہش تھی۔ حکمت یار اور جنرل رفیع کی
ملاقات سے بعض وقائع سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ افغان کمیونسٹ پارٹی کا خلق دھڑا جو رفیع کے زیر
اثر ہے کا حکمت یار سے اتفاق اس بات پر بھی ہوا کہ حزب، خلق پارٹی کے مدمقابل پارٹی پرچم
راستہ روک دے جو مسعود سے جا ملی تھی۔ بعد میں پرچم پارٹی میں نبی عظیمی، کے ساتھ ساتھ جنرل
مومن، عبدالرشید دوستم، آصف دلاور، بابا جان اور وزیر خارجہ عبدالوکیل، احمد شاہ مسعود کے ساتھ
شامل ہو گئے تاکہ حکمت یار سے جنرل رفیع کا تصادم کروایا گیا ہے۔ بروز بدھ 19 شوال 22
اپریل کو رفیع نے حکمت یار سے اپیل کی کہ کابل پر حملہ نہ کیا جائے بلکہ مجاہدین کی طرف سے
مشترکہ حکومت قائم کی جائے جو کابل میں اقتدار سنبھالے۔ مگر حکمت یار نے رفیع پر شرط لگائی کہ
کابل سے ملیشیا کو نکالا جائے اور کابل مجاہدین کی مجلس شوریٰ کے حوالے کیا جائے۔ لیکن کابل۔

لات رفیع کو یہ موقع نہیں دے رہے تھے کہ حکمت یار کی شرط پورا کر سکے۔ کیونکہ عسکری قوت
ں کے بل پر پرچم پارٹی اور مسعود کھڑے ہوئے ہیں کابل سے ملیشیا کو نکلنے نہیں دیں گے۔ اس
کل شرط کے ساتھ رفیع کابل لوٹا اور ساتھ ہی حکمت یار کی تنبیہہ بھی کہ 23 شوال موافق 26
یل بروز اتوار اگر ملیشیا کو کابل سے نہ نکالا گیا تو کابل پر حملہ کر دیا جائے گا۔ رفیع کی بدبختی یہ کہ
بل حکومت میں اس کی پارٹی کی حفاظت کی کوئی ضمانت اب نہیں تھی سوائے کابل کو حزب اسلامی
ے حوالے کر دینے کے۔

اس ملاقات کے بارے جو کچھ کہا گیا اس میں یہ بھی کہ رفیع کابل واپسی پر رفیق افغان
پاکستانی صحافی ہے کو ساتھ اپنے جہاز میں لے گیا۔ جس کی ذمہ داری تھی کہ وہ کابل میں حزب
ے لئے کام کا جائزہ لے۔

یہ صحافی جب واپس کابل آیا تو کابل کی تمام صورتحال کی اصل تصویر لے کر آیا۔ اس
ے ساتھ اس نے بتایا کہ مجاہدین کے لئے کابل کے عوام اپنے دل فرش راہ کئے ہوئے ہیں اور
بل تسلیم ہونے کے لئے تیار ہے جس کے ساتھ حکومتی وزراء، سول آفیسرز اور فوجی قیادت بھی
نا کی جانیں خوف ورجاء کے مابین معلق ہیں۔ یا سزا یا قتل۔

مزید برآں کہ کابل پر حملہ میں کوئی رکاوٹ سامنے آنے والی نہیں ہے۔ میں نے اس
فی سے ایسی صورتحال کا پتہ چلانے کا ذریعہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ آفیسر میرے ساتھ پورے
بل میں رہا جو مختلف فوجی چوکیوں سے پاس کرا کر مجاہدین تک واپس لے آیا۔ جب یہ آفیسر
ہدین کے پاس پہنچا تو جواباً اسے گلے لگایا گیا اسے اسکے کیمونسٹ ہونے کا احساس نہ دلایا گیا۔
را زیادہ گمان یہ تھا کہ یہ حزب کا آدمی تھا جو فوج میں داخل کیا گیا تھا یا وہ فوج کے اس گروہ کے
اتھ تھا جو حزب کی کابل میں ہے۔ اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ حزب کی فوج کابل میں 3 ہزار
ے قریب موجود ہے۔

اسی رات مجھے پتہ چلا کہ حکمت یار کابل کے تسلیم ہونے کو محض ایک رخ سے دیکھتے
ہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں مجاہدین کابل میں فاتح بن کر داخل ہوں۔ یعنی کلمہ والے جھنڈے بلند کئے
ے مجاہدین اپنے اسلحہ کو لہراتے ہوئے کابل میں داخل ہوں خواہ کوئی مزاحمت ہو یا نہ ہو۔ اس
شست میں حکمت یار نے کہا کہ پشاور میں جاری مذاکرات کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پائیں گے۔ بسبب

اختلاف مجاہدین میں پشاور میں مذاکرات سے بھاگا نہیں ہوں بلکہ اپنے نائب قطب الدین ہلال کو سیاسی امور کا رئیس بنا کر آتا ہوں کیونکہ یہاں کے حالات کو میری ضرورت تھی۔ یہ ہماری آج کی نشست تھی اس کے بعد اسی مرکز میں ہم نے رات گزاری۔



آندھی

(چھٹا دن، جمعہ 21 شوال 1412ھ 24 اپریل 1992ء)

صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی۔ افغان عادتاً فجر ذرا تاخیر سے پڑھتے ہیں یعنی روشنی پھیلتے ہی جو مذہب امام ابو حنیفہ کے مطابق ہے۔ البتہ حکمت یار نماز فجر ذرا پہلے پڑھاتے ہیں کیونکہ وہ نماز فجر طویل کرتے جو پون گھنٹہ ہوتی ہے اس سے کم نہیں۔ آج کے دن میں نے ارا کیا تھا کہ جس غرض کے لئے میں حکمت یار کے پاس آیا ہوں اس کی دوسری نشست ان کے سا کی جائے تاکہ میرا ہدف پورا ہو جائے مگر سارے دن کی مصروفیات کی وجہ سے موقعہ نہ مل سکا مصروفیات یکے بعد دیگرے بڑھتی رہیں۔ ناشتہ کے فوراً بعد حکمت یار اور استاذ فرید کے ما ملاقات ہوئی۔ استاد فرید اور ہیں اور حاجی فرید اور ہیں۔ اول الذکر حزب کے مجاہدین کے گرو کمانڈر ہیں اور دوسری حزب اسلامی پشاور کے دفتر کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ملاقات اس سبب سے کہ استاد فرید نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ حزب کابل پر حملہ نہیں کرے گی۔ انج حکمت یار اس بات پر ان کا مواخذہ کر رہے تھے کہ یہ بیان حزب کی پالیسی کے خلاف ہے۔ لو میں اس کی اشاعت مبنی بر حقیقت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس وقت تو حزب کے تمام گروپس کابل پر کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ البتہ استاذ فرید نے ایسے کسی بیان کی تردید کی جو نشر ہوا۔ بی بی سی نے کے بیان کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے حکمت یار کو بتایا ہم تو خود مجاہدین ساتھ کابل کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں اور صرف کابل سے 2 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہیں۔ ہم اگلے حکم کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔

اس پر حکمت یار نے انہیں بتایا کہ آج مسعود سے میری بات چیت ہوگی اس کے بعد میں بتاؤں گا۔

اس دن مختلف اہم کالوں کا تانتا بندھا رہا۔ ایک کال قاضی حسین احمد کی بھی آئی تھی۔ ی حسین احمد صاحب کے افغانستان کی سرزمین پر موجود تمام جہادی تنظیموں سے بڑے قدیم لقات ہیں خصوصاً حزب اسلامی سے۔ یہ تعلقات افغانستان میں اسلامی تحریک کے ابتدائی دور ے ہی استوار ہو گئے تھے یہ ملک ظاہر شاہ کا دور تھا۔

قاضی حسین احمد اس وقت جماعت اسلامی پشاور کے ذمہ دار تھے جو افغانستان سے ب ترین شہر ہے۔ اسی طرح وہ وقتاً فوقتاً کابل میں لیکچرز دینے آتے اور پاکستان و افغانستان ی تحریک اسلامی میں باہم رابطہ بڑھاتے۔ اس دوران حکمت یار کا قاضی حسین احمد سے تعلقات رے ہو گئے۔ حکمت یار ہجرت کر کے پشاور اس وقت آئے جب روسی فوجیں قابض ہو ی تھیں۔ اور یہاں سے پھر مجاہدین کے گروہ در گروہ افغانستان میں داخل ہونے لگے جو سوویت ین کے خلاف برسرپیکار ہوتے۔ تب افغان تنظیموں نے پشاور کو اپنا سیاسی مرکز بنایا۔

اس مجموعی صورتحال سے پشاور میں حکمت یار اور جماعت اسلامی سے خصوصاً قاضی ین احمد سے ذاتی تعلقات اور گہرے ہو گئے۔ یہی تعلقات آج دیگر تنظیموں کی آنکھوں میں ٹک رہے ہیں جب بھی جماعت اسلامی، حزب اسلامی کے کسی موقف کی حمایت کرتی ہے یا اس ی رائے پر صاد کرتی ہے۔ قاضی حسین احمد نے حکمت یار کو مطلع کیا کہ سعودی عرب سے دو غیر افراد آئے ہیں ایک میں شیخ محمد محمود الصواف، ڈاکٹر محمد عمر زبیر اور ڈاکٹر منقذ صواف ہیں۔ جبکہ رے میں جو ریاض سے آیا ہے شیخ صالح السیجانی شامل ہیں۔ اس پر مزید قاضی حسین نے بتایا پاکستان بعض شرائط سے دستبردار ہو رہا ہے۔ جس پر اس نے سخت موقف اختیار کیا تھا اور اب وہ ب کے موقف کو سمجھنے لگا ہے۔ اس رجوع پر ظاہراً زیادہ ہاتھ اس پاکستانی خفیہ ایجنسی کے نائب کا ہے جو جمعرات کو حکمت یار سے ملا تھا اور حزب کے اگلے مورچوں کا جائزہ لے کر گیا تھا۔

قاضی حسین احمد نے گفتگو کے دوران حکمت یار سے چاہا کہ وہ اپنے اس موقف پر نظر کر کے تاخیر کریں جو کابل پر حملہ کا پیش کیا تھا۔ اس گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ قاضی صاحب ملی جمع افغان قائدین کو ایک بار موقعہ دینا چاہتے تھے تاکہ وہ کسی سیاسی نتیجہ پر پہنچ پائیں۔ یار نے اس وقت معذرت کی کہ یہ فیصلہ حزب کی شوریٰ نے کیا تھا اس کو بدل دینے کا اختیار وریٰ کو ہے اور شوریٰ کو فوری طور پر طلب کر کے اجلاس کرنا اس وقت بہت مشکل ہے۔

اسی گفتگو سے مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ حکومت پاکستان چاہتی ہے کہ افغان قائدین کا
اتفاق پشاور میں ہو تا کہ پاکستان کی کوششیں بھی اس اتفاق رائے میں شامل ہوں جو جہاد
افغانستان میں رہی ہیں۔اسی دوران یہ بھی پتہ چلا کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے پشاور میں
موجود قائدین پر دباؤ ڈالا کہ اگر آج جمعہ تک قائدین کسی اتفاق رائے پر نہیں پہنچتے تو خدشہ ہے کہ
وہ بڑی پارٹیاں کابل میں داخلے کے لئے چڑھ دوڑیں گی اور پاکستان جو میزبان ہے اس کا کردار
اس سلسلے میں معدوم ہو جائے گا۔

اسی گفتگو کے دوران حکمت یار، قاضی حسین احمد کو بعض اہم امور پر اور مواقف کی
تفصیلات بتاتے رہے۔حکومت یار نے جو کچھ کہا اس میں یہ بھی تھا کہ ایران کا کردار اس سلسلے میں
افغانستان کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ایران چاہتا ہے کہ اس کا اثر و رسوخ قبائلی سسٹم اور شیعہ
تنظیموں کے ذریعے نفوذ پذیر ہو، جو افغانستان کے وسط اور مغرب میں موجود ہیں یعنی ایرانی حدود
کے ساتھ یا بصورت دیگر دوستم کی ملیشیا، مسعود اور حزب وحدت کے باہمی اتحاد سے ایسا گروپ بنا
دیا جائے جو افغانستان میں ایران کے اثر و رسوخ کو قائم کر سکے۔اس سے مجاہدین کسی نتیجہ پر پہنچے
کے باوجود نہ پہنچ سکیں۔

مزید حکمت یار نے کہا کہ دو بڑی تنظیمیں باہمی اتفاق پیدا کر لیں کہ دونوں افغانستان
میں عددی اور عسکری اور اسلحہ کے لحاظ سے بڑی ہیں لہٰذا ان کا اتفاق جب ہو جائے گا تو دیگر چھوٹی
تنظیموں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا اور ان کا مشورہ اور رائے پھر ثانوی حیثیت رکھیں گے۔ملک کی
صدارت ربانی لیں اور وزارت عظمیٰ حزب کو دی جائے۔اس نقطہ پر میرے ذہن میں سوال اٹھا
حکمت یار، ربانی کو کیوں صدر بنانا چاہتے ہیں؟ اور خود کیوں نہیں بننا چاہتے؟



گھڑیاں اور واقعات

(ساتواں روز، 22 شوال 1412ھ، 25 اپریل 1992ء)

آج کے دن کی ابتداء گزشتہ دنوں سے قدرے مختلف طور پر ہوئی فجر کے وقت شد
سردی تھی اس پر مستزاد یہ کہ گرم پانی برائے وضو بھی ندارد۔یہ سردی لوگر کی سردی تھی اور ہم سرخا

مرکز میں ٹھہرے ہوئے تھے۔معمول کے مطابق حکمت یار نے نماز فجر پڑھائی۔فاتحہ ختم کی تو
ۃ الفتح شروع کر دی۔میں سمجھ گیا کہ آج کا دن جہاد کی تاریخ میں بہت اہم ہوگا۔اس سے میں
ی طرف سے بشارت یا خوشخبری کا اشارہ بخوبی سمجھ گیا۔جب نبی ﷺ کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی
تھی۔نماز فجر کے فوراً بعد وائرلیس آن کر دیا گیا اور پے درپے کابل اندر کے واقعات اور
تحال بتانے لگیں۔صبح سات بجے اطلاع پہنچی کہ مجاہدین حزب نے ایک صابن کی فیکٹری فتح
لی ہے۔یہ فیکٹری بذات خود اتنی اہم نہیں ہے مگر یہ کابل ایئرپورٹ کا قریبی علاقہ ہے جسے خواجہ
ن کہتے ہیں جو بہت اہم تصور کیا جاتا ہے۔کیونکہ کابل کے قریبی علاقہ میں شمالی علاقہ جات
جس میں شہر اور ایئرپورٹ ہے۔

9 بجے کی اطلاع تھی کہ مجاہدین نے کابل سے جلال آباد جانے والی چیک پوسٹوں پر
رلیا ہے۔جب بھی کوئی خبر آتی حکمت یار ضروری ہدایات دیتے تا کہ پچھلی صفوں کے مجاہدین
ستعد ہو جائیں۔

اس کے بعد حکمت یار نے ہر لمحہ بعد اپنے دو کمانڈر ابوبکر اور امان اللہ کو اہم ہدایات
کمانڈر ابوبکر ''لشکر ایثار'' کے انچارج ہیں جو حزب میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔لشکر ایثار
اسلامی کا سب سے زیادہ چاق و چوبند اور اعلیٰ تربیت یافتہ دستہ ہے جسے خود اس نے تربیت
ہے۔لشکر ایثار کی ذمہ داری کابل کے جنوب کی تھی جب کچھ دیر کے لئے اس جانب سے کوئی
آ رہی تھی تو حکمت یار بڑے بے تاب ہو گئے۔یہ دراصل وہاں کی دگرگوں صورتحال کی وجہ
۔

دس بج کر پندرہ منٹ پر جلال آباد سے خبر آئی کہ مجاہدین زاد خیل پر قابض ہو گئے
چنانچہ حکمت یار نے ہدایات دیں کہ وہ مزید آگے نہ بڑھیں۔تھوڑی دیر بعد جنوبی جانب
شروع ہوئی کہ وہ فی الحال پیش قدمی نہیں کر رہے ہیں۔آج دراصل وزیر خارجہ عبدالوکیل نے
حکومت کی طرف سے ایک اہم پریس کانفرنس بلائی تھی۔جس میں اعلان پشاور پر افغان
ن کا رد عمل پیش کرنا تھا۔مگر ریڈیو بی بی سی نے اعلان کیا کہ وزیر خارجہ عبدالوکیل نے پریس
غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دی ہے۔اس خبر سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ ساری وجہ
سلامی کی فوج کی پیش قدمی کے سبب ہے۔

دس بج کر 40 منٹ پر پشاور سے وائرلیس پر پیغام آیا کہ مجددی مع عبوری کابینہ کے ایک دو روز میں کابل آ جائیں گے۔ اس کے بعد افغان حکومت نے دوبارہ کسی ردعمل کا عندیہ نہیں دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ پشاور میں قائدین حزب کو عسکری کی بجائے سیاسی طور پر پیش قدمی سے روکنا چاہتے ہیں اور اس طریقہ سے حزب پر دباؤ بھی ڈالنا چاہتے ہیں حقیقتاً حزب کو نئی تشکیل شدہ کابینہ کا کابل میں جا کر حکومت سنبھالنے پر اعتراض نہیں ہے البتہ اس پر مجددی کی سربراہی پر اختلاف ہے چنانچہ حکمت یار نے اپنے نمائندہ پشاور حاجی فرید کو کہا کہ وہ قائدین کو مطلع کر دیں کہ وہ مجددی کی سربراہی تسلیم نہیں کرتے جبکہ افضل یہ ہے کہ اس پوری کابینہ کو تبدیل کر کے میدانی قائدین (فیلڈ کمانڈرز) کو شامل کیا جائے جو کابل کے گرد ہیں۔ یہ بات تاکید حکمت یار ضرور کہتے کہ وہ میدانی قائدین جو کابل کے گرد ہیں تاکہ مسعود کو اس میں شمار نہ کیا جا سکے۔

دس بج کر 50 منٹ پر آپریٹر نے ایک اور پیغام سنایا اور وائرلیس حکمت یار کو دے دا اور خود ہونے والی گفتگو تحریر کرنے لگ گیا گیارہ بج کر تیس منٹ پر سیاسی دباؤ مختلف گروپس ا قائدین کی طرف سے بڑھنا شروع ہوا کہ حکمت یار اپنا پشاور معاہدہ پر موقف تبدیل کر لیں۔ ا جتنی بار بھی رابطہ ہو رہا تھا سب یہی اصرار کر رہے تھے کہ وہ اپنا موقف بدل لیں اور بقیہ چھ قائد بھی مصر ہیں کہ وہ اسی کابینہ کو منظور کئے ہوئے ہیں۔ دوپہر ڈیڑھ بجا تھا کہ بی بی سی نے وزیر خار عبدالوکیل کی زبانی اعلان نشر کرنا شروع کیا کہ کابل حکومت نے پشاور کے معاہدہ کے مطابق تشکیل شدہ کابینہ کو تسلیم کر لیا ہے، جس کی سربراہی مجددی کر رہے ہیں۔ اس خبر نے ہمارے اصرار کا راستہ بند کر دیا کہ اب وہ حل نہ ہو پائے گا جس کی موافقت حزب بھی کرے۔

حالانکہ عبدالوکیل نے یہ اعلان محض اس لئے کیا تاکہ حزب اسلامی پر راستہ بند جائے اور خود وہ کسی نہ کسی تنظیم میں نرم گوشہ پیدا کر لے اور یہ چاہتے ہوئے کہ حزب وطن یا کمیونسٹ تنظیمیں کس طرح مستقبل میں شریک اقتدار ہو سکیں۔

جونہی کابل حکومت نے مجاہدین کا اقتدار تسلیم کر لیا اسی وقت نجیب اقوام متحد عمارت میں جا چھپا اور کابل سے نکلنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ ساتھ ہی افغان حکومت کی دیکھیں کہ اس کا وزیر خارجہ کس کسمپرسی میں تسلیم ہونے کا بیان دیتا ہے جبکہ صورت حال یہ تھی کہ کے قریبی علاقوں پر حزب اسلامی کا قبضہ تھا اور دیگر تنظیمیں یا تو دور تھیں یا ان اہم پوستوں پر نہ

پر قبضہ کے لئے ممد و معاون ثابت ہوتی۔ مسعود کی فوجیں چاریکار میں تھیں بقیہ تنظیمیں چھوٹی دراس پوزیشن میں نہیں تھیں کہ حکومت سنبھالیں۔ ہم کمرے میں بیٹھے اپنے سامنے کابل کا لے ہوئے تھے اور حزب کی مختلف پوزیشنیں ادل بدل کر رہے تھے۔ وائرلیس پر اطلاعات آتی تھیں جو ہم عربوں کے لئے ترجمہ کر کے پیش کی جاتیں اور ہم نقشہ پر پوزیشنیں بدلنے رہ دیتے۔ اس کی مدد سے ہم پر مزید واضح ہوتا گیا کہ کابل کے گرد اہم چوکیاں اور پہاڑیاں سلامی کے زیر کنٹرول آ گئیں۔ اس وقت میرے علم میں نہیں تھا کہ کابل کے اندر اور ب اسلامی کے تین ہزار کے قریب مجاہدین و انصار قبضہ کئے ہوئے ہیں۔

حزب اسلامی کی عسکری قوت کا اندر اور باہر ہونا دو فائدوں کے علاوہ نہیں تھا۔ ایک مزاحمت پر قابو پانا اگر کوئی ہوئی، دوسرا باہر حزب اور جمعیت کے باہمی تصادم کو روکنا تھا۔ ری طرف حکمت یار کا حکم تھا کہ کابل میں اپنا پرچم اور اسلحہ لہراتے ہوئے فاتحین کی طرح ں تاکہ یہ نہ کہا جا سکے بزور قوت کابل فتح نہیں کیا گیا ہے۔ اگر اندر سے مزاحمت ہوئی تو استعمال کی جائے گی۔ یہ بات بھی مشاہدہ میں آئی کہ حزب کی عسکری قوت کابل میں بڑی ردکھا رہی تھی مگر بعد میں پتہ چلا اس کا سبب وہ احکامات کا تعلق تھا جو حکمت یار کی طرف ل ہوتا تھا کیونکہ وہ پشاور سے بھی رابطہ کئے ہوئے تھے اور سیاسی اونٹ کے کسی کروٹ منتظر تھے۔

میں اس فکر و خیال میں بیٹھا تھا کہ اگر مجددی کابل بائی ایئر یا بائی روڈ پہنچ گیا تو حزب کا ہوگا؟ آیا داخل ہونے دیں گے یا باہر ہی روک دیں گے؟ ......اور حکمت یار اس صورت قف اختیار کریں گے؟ حالانکہ ایسی صورتحال میں عسکری فیصلے سیاسی فیصلوں پر اکثر و بیشتر لے جایا کرتے ہیں کیونکہ کابل کے اندر حزب کے دستوں کی کارروائیاں باہر کی دستوں تیز و چست تھیں۔ جب کابل کے گرد ایسی صورت درپیش تھی تب حکمت یار موصول لے پیغامات کو سادہ کاغذ پر خود ہی لکھتے اور علاقہ کی صورتحال کو کنٹرول کرنے کی کوشش

گھڑی کی سوئیاں ایک بجا کر چند منٹ کا پتہ دے رہی تھیں کہ وائرلیس پر شیخ صواف گیا......ہم چونکہ صبح سے بیٹھے بیٹھے تھک گئے تب اٹھ کر باہر صحن میں چلے گئے اور حکمت

یار کو کھڑکی سے مائیکروفون دے دیا گیا۔ یہ باتیں صرف حکمت یار نہیں سن رہے تھے بلکہ ہم
بھی سن رہے تھے مگر اطمینان تھا کہ سب اہل ثقہ ہیں۔

نام تو شیخ صواف کا سنا تھا مگر پہلی گفتگو شیخ محمد قطب نے پشاور سے حزب کے ہیڈ
سے کی جو زیادہ وسیع نہ تھا صرف تین اشخاص سمٹ سکتے تھے یا دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔
گروپ محمد قطب جو حکمت یار سے وائرلیس پر مصروف تھے ساتھ ابو باجر عراقی عرب مجاہد ہیں
گروپ دیگر وائرلیس سیٹ پر کام کرنے والے کا تھا۔ شیخ محمد قطب حکمت یار سے گفتگو کر کے
ساتھیوں کو باخبر کرتے اور پھر سب کی مشترکہ آراء حکمت یار کو پہنچاتے۔

شیخ محمد قطب کا حکمت یار سے گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ وہ عبوری حکومت کی تشکیل
مجددی کی سربراہی کو تسلیم کرلیں۔ انہوں نے کہا ''آپ خود کو تنہا حق پر سمجھتے ہیں اور دیگر
تنظیموں کو حق پر نہیں اور ہمیں بھی حق پر نہیں اور تمام عالم اسلام کو بھی۔ یہ قطعاً ممکن نہیں کہ س
پر ہوں اور آپ تنہا حق پر...... میں تمام عالم کے مسلمانوں کو آپ کی بابت کیا کہوں اور
آپ کے موقف کی پیش کروں؟''

حکمت یار کا جواب بڑا دھیما تھا۔ مجددی کے بارے میں جو اعتراض بھی کئے
تھے کہ مجددی کو اب قبول کرنا گویا مستقبل میں اس کی حیثیت قبول کرنے کے مترادف
مجددی کو اب بیرونی دباؤ میں آ کر قبول کرلیا گیا تو آئندہ بھی یہی دباؤ دوبارہ اسے ماننے
ڈالا جائے گا۔ پھر حکمت یار نے ان سے پوچھا آخر مجددی کو قبول کرنے کا داعیہ کیا ہے؟
ہم مسترد بھی کرسکیں گے یا نہیں۔

حکمت یار شیخ قطب کو سمجھانے لگے کہ قتل و غارت ہرگز نہ ہوگی اور جس کسی نے
کی تو یاد رکھیں تمام تر ذمہ داری اسی پر ہوگی اور وہی سمجھتا ہے کہ یہ حل صحیح نہیں ہے اور یہ
عدم موافقت کا نتیجہ ہے۔ حکمت یار نے مزید کہا کہ اللہ آپ کو جزائے خیر دے اگر ممکن
سب کے لئے ایک قابل قبول حل پیش کیجئے ورنہ یہ حل کم از کم مجاہدین حزب اسلامی کے
نہیں اور اسے قبول کرنا ہمارے لئے انتہائی مشکل ہے۔ آپ کوشش کریں ایسا حل
کی جو سب کے لئے قابل قبول ہو اس کے لئے آپ کوشش کر سکتے ہیں۔ انشاء اللہ

آخری بات جمال خاشقجی نے حکمت یار کو کہی کہ وہ شیخ محمد قطب سے مطابق

متبادل حل یا راستہ بتلائیں اس وقفہ میں ہم عسکری پوزیشنیں مزید مستحکم کرلیں گے اور مسئلہ کسی
پر پہنچ سکے گا۔ اختتام سے پہلے مائیکروفون شیخ صواف کو دے دیا گیا کہ وہ بات کرنا چاہتے
شیخ صواف نے جو گفتگو کی وہ تمام کی تمام شیخ قطب کے برعکس تھی۔ انہوں نے بڑی شد و مد
دعاؤں کے ساتھ اور کچھ جذباتی ہو کر کہا کہ مجاہدین کابل میں فاتح بن کر داخل ہوں۔ اللہ کے
ضرور اجر پائیں گے۔ انہوں نے فوجوں کو کابل میں داخل ہونے سے روکنے کے بارے میں
بات نہیں کی۔ حالانکہ یہ دونوں معززین ثالث بنے تھے۔ دونوں کے باہمی موقف میں فرق
واضح تھا شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں تھی۔ شیخ محمد قطب نے تمام بات معاہدہ پشاور قبول
نے اور بقیہ چھ تنظیموں کو صحیح مان لینے پر کی تھی اور اگر حکمت یار نے یہ اتفاق نہ مانا تو بعد کی تمام
داری حکمت یار کے کاندھے پر ڈال دی جبکہ شیخ صواف نے تمام گفتگو حکمت یار کے موقف کی
ت اور جاری رکھنے پر کی کہ وہ کابل کی طرف رخ رکھیں گویا شیخ صواف تمام صورت حال دیکھ
تھے کہ حزب کی فوجیں کابل کے دروازے کھٹکھٹا رہی تھیں۔ بعضوں نے شیخ صواف کو عمر
گی کی وجہ سے الزام دیا کہ وہ جذباتی ہو گئے تھے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ شیخ صواف میں فکر راسخ
ثانڈہی اور جہاد پر صابر رہنے کی علامت ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ جہاد فلسطین کو شروع
نے والے پہلے مجاہد ہیں جن کی زندگی صبر و جہاد میں گزری ہے۔ شیخ صواف کی باتوں سے تمام
ین کے چہرے خوشی سے کھل پڑے جو پہلے شیخ قطب کی باتوں سے مرجھا گئے تھے کہ مجددی
ل کرلیں نئی کابینہ تسلیم کرلیں اس وقت جب کابل کے دروازوں پر ہم پہنچ چکے تھے۔

میرے گمان کے مطابق اگر کابل میں داخلہ کی کارروائی بطریق احسن کر دی جاتی تو
افغانستان امن و سکون کی نعمت سے مالا مال ہوتا۔ حالانکہ یہ وقت تھا جب پشاور میں تمام زعما کو
کرلینا چاہئے تھا کہ حزب کابل کو صرف دو گھنٹوں بعد فتح کرلے گی اور کمیونسٹ حکومت اپنے
م کو پہنچ جائے گی تو وہ نہ سیاسی رکاوٹیں ڈالتے اور نہ دباؤ لیکن پشاور میں موجود تمام زعماء کے
تصور وہ نہیں آ رہی تھی جو ہم کابل کے جنوب سے سرخاب میں بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ وہ تو
ب اسلامی اور جمعیت اسلامی کو باہمی مسلح تصادم کی راہ پر جاتے دیکھ رہے تھے۔ اسی طرح
بھی متاثر تھے۔ وہ دراصل حزب اسلامی کی اسٹراٹیجی سمجھنے سے قاصر تھے۔

بارہ بجے کے قریب وائرلیس پر وائل بلیدان کی آواز گونجی یہ تجویز لئے ہوئے کہ مجددی

کی جگہ محمد نبی کو سربراہ بنا دیا جائے مگر حکمت یار نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ عبوری حکومت کا
عبوری کابینہ کی طرف سے امن اس وقت جب مجاہدین کابل میں داخل ہو رہے ہیں۔ با
نا مناسب اور نا منظور ہے اور ان آخری لمحات میں کسی کو حکومت سنبھالنے نہیں آنے دیا جائے گا
اس پر وائل بلیدان نے حکومت یار سے پوچھا کہ متبادل آپ پیش کریں۔ تب ا
نے کہا کہ صرف میدانی قائدین کی ایک مجلس شوریٰ ہو جو کابل کے اردگرد موجود ہیں اور جو حکومت
بنائیں اور عبوری حکومت قیام میں لائیں یا تمام قائدین کابل آ جائیں اور مل بیٹھ کر عبوری حکومت
قائم کریں۔ اس کے ساتھ حکومت یار نے بتایا کہ انتخابات سے دستبرداری ہرگز قبول نہ ہوگی۔ اس
وقت ظہر کے ڈھائی بجے تھے اور ابھی تک ہم باہر ہی تھے۔ نماز نہ پڑھ سکے اور نہ کھانا کھائے
چنانچہ ہم حکمت یار کے کمرۂ استراحت میں چل دیئے۔ وہاں کھانا لگایا گیا تھا۔ ابھی کھانا شروع
ہی تھا کہ اسامہ بن لادن کا پیغام آیا مگر حکمت یار نے منع کر دیا کہ اس وقت مجھ میں بات کرنے
قوت نہیں۔

ابھی ہم بیٹھے تھے کہ وائرلیس روم کا انچارج اندر آیا اور حکمت یار کو سرگوشی میں کچھ
اور ساتھ ہی دونوں اٹھ کر باہر چلے گئے اور ہمیں کھانا جاری رکھنے کا کہہ گئے۔ ابھی چند منٹ
گزرے تھے کہ باہر نعرۂ تکبیر کی بلند آواز سنائی دیا۔ ''اللہ اکبر! کابل فتح ہو گیا...... اللہ اکبر کابل
ہو گیا......'' ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر باہر چلے گئے یہی وہ وقت اور وقفہ تھا جو ہم نے پشاور سے
تھا۔ مشورہ کے لئے کہ یہ خبر ہم تک پہنچ جائے اور اب یہ وقت آ گیا کہ ہم مبارکباد کے جملوں
تبادلے کے درمیان خوش باش تھے بعض تکبیر بلند کر رہے تھے بعض تہلیل و تسبیح کر رہے تھے۔
پہر کے 3 بجنے میں پانچ منٹ تھے کہ وائرلیس روم میں حکمت یار وائرلیس تھامے کابل کے
مجاہدین کو اہم ہدایات دے رہے تھے کہ وہ اہم مراکز اور کہاں کہاں چوکیاں قائم کریں اور خ
انبساط سے حکمت یار کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

اس وقت مرکز میں موجود تمام افراد وائرلیس روم میں اکٹھے ہو گئے اور حکمت
باتیں سن رہے تھے اور ہدایات جو کابل کے گرد قائدین کو دے رہے تھے۔ وہ انجینئر فیض
ہدایات لے رہے تھے۔

اب جب مکمل فتح کابل کا یقین ہو گیا تب سارے یکدم اٹھے اور باہم بغلگیر ہو

دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ یہ ایسے لمحات تھے جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتے۔ حاضرین
آنکھیں اشکبار تھیں۔ خصوصاً حکمت یار کی جو اندر کے طوفان کی اطلاع دے رہی تھیں۔ اللہ کی
رت دیکھئے کہ وہ مجاہدین جو دنیا کے ہر خطے سے یہاں کئی سالوں سی جہاد کر رہے تھے۔ آج اس
ی کے موقع پر اللہ نے افغان اور حزب مجاہدین کو نصرت و خوشی کے ساتھ یہ منظر دکھایا۔ یہ وہ
ت تھے جو ہماری آنکھوں نے محفوظ کئے۔

اس خوشی کے موقع پر جہاں موجود تمام حاضرین اپنے فلسطین و کشمیر کے بھائیوں کو نہیں
ے اور اپنے ہاتھ بارگاہ ایزدی میں ان کی نصرت و فتح کے لئے اٹھا دیئے۔ ان کی ثابت قدمی
استقامت کے لئے دعائیں کی گئیں۔ اسی موقع پر سب باوضو ہو کر قبلہ رو ہو گئے اور دو رکعت نماز
رانہ ادا کئے۔ یہ چند لمحات شکر و عجز تھے جو اللہ کے حضور پیش ہو رہے تھے۔ ماحول میں آہستہ
تہ سکوت چھا رہا تھا۔ ڈاکٹر غیرت بہیر نے دیکھا کمرۂ مخابرات (وائرلیس کا کمرہ) کھچا کھچ بھرا
ہے۔ تو انہوں نے سب سے کہا کہ وہ کچھ دیر کیلئے کمرہ خالی کر دیں۔ کمرہ میں صرف حکمت یار،
ٹر غیرت، وائرلیس روم کا انچارج، سیکرٹری اطلاعات حزب اور میں باقی تھے۔ اس دن کے اہم
لمحات میری دلچسپی کے زندگی میں اہم واقعات تھے جو میں نے جہاد افغانستان میں گزارے۔

4 بج کر 15 منٹ پر حکمت یار نے کابل کی صورت حال پر صحافتی بیان جاری کروایا
انچ طے پایا کہ حکمت یار اہم نکات لکھوا دیں اور بقیہ خبر بنائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔
اڑھے چار بجے کابل میں موجود اہم مراکز وزارت دفاع، وزارت داخلہ اور قصر جمہوری پر حزب
ما کے پرچم لہرا دیئے گئے۔

چار بج کر 46 منٹ پر فتح کابل پر قاضی حسین احمد کا وائرلیس پیغام تہنیتی آیا۔ حکمت
نے قاضی صاحب کو مزید تاکید سے یقین دلایا کہ باہمی تصادم ہرگز نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا جو
ت بھی آئے گی اس کا دستور قرآن ہوگا۔ حکمت یار نے قاضی حسین احمد سے مداخلت کی
ما کی کہ وہ جمعیت اسلامی اور مسعود سے کہیں کہ وہ اپنی فوجیں ایئرپورٹ، ریڈیو اسٹیشن اور ٹی
شن سے ہٹا لیں تا کہ باہم تصادم نہ ہو کیونکہ یہ دونوں اہم مقامات مسعود اور ملیشیا کے زیر تسلط
ہم نے غیر ملکی سفارتخانوں کے تحفظ کے بارے میں حکمت یار سے استفسار کیا تو انہوں نے
کوئی بدامنی نہیں پھیلائے گا۔ حزب اسلامی کے خصوصی دستے ان سفارتخانوں کی حفاظت

کریں گے اور مامور کر دیئے گئے ہیں۔ چار بج کر 55 منٹ پر ایک خبر آئی کہ فتح نے فوجی دباؤ کی شکل یعنی انقلاب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ تاحال کسی کے قتل اور زخمی ہونے کی کوئی اطلاع نہیں حالانکہ وہاں حکومتی فوج بھی تھی اور شہری دفاعی فوج کے ساتھ ساتھ خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار بھی مگر سب نے حزب اسلامی سے کوئی تعارض نہ کیا۔ اس کے برعکس سب نے خود کو تسلیم کروالیا۔ صرف کابل کے جنوب میں صوبہ لوگر میں جہاں ملیشیا کا مرکز ہے، تھوڑی بہت گڑبڑ ہونے کو تھی جس پر قابو پالیا گیا۔

اگر ہم اس دن حزب اسلامی کی عسکری پوزیشن کو دیکھیں تو وہ کچھ اس طرح تھی:

☆ حکمت یار جو تمام گروپس کے کمانڈر تھے۔ اپنے تمام ذیلی اور چاروں طرف موجود گروپس کو مسلسل وائرلیس پر ہدایات دیتے رہے۔

☆ حزب کے عسکری گروپس پھیلے ہوئے تھے اور ہر ایک کا قائد تھا مگر میں نے قائد فیض محمد کو حکمت یار کے ساتھ زیادہ رابطہ کرتے ہوئے پایا جو سمت شمال میں تھے اور سب سے زیادہ تعداد میں بڑا گروپ تھا۔

☆ حزب کے عسکری گروپ شمال، مشرق اور مغرب سے کابل کی طرف بڑھ رہے تھے جبکہ اندر 3 ہزار مجاہد تھے جو اہم مراکز پر قبضہ کرتے جاتے اور حزب کے بیرونی گروپس کے لئے راستہ ہموار کرتے۔

یہ تھی وہ عسکری حکمت عملی جو حکمت یار نے کابل کو فتح اور امن کے لئے وضع کی تھی جبکہ مسعود اور ملیشیا کی اس کے برعکس تھی کہ انہوں نے اپنی زیادہ تر فوجی قوت اندر بھیج دی تھی تاکہ باہر دباؤ ڈالا جائے۔

یہ تو تھا حزبِ اسلامی کا عسکری موقف......

فتح کابل کے روز لوگوں کی زندگی کا کیا رخ تھا؟

فتح کے روز لوگ گھروں میں رہے اور بازاروں میں کوئی نہ تھا۔ سڑکیں سنسان تھیں حالانکہ کابل تین بجے فتح ہوا اس دوران دارالحکومت میں حالات عام معمول پر تھے۔ پانی بجلی بحال تھی۔ الغرض زندگی اسی طرح رواں دواں تھی جیسے پہلے تھی۔ یہ حالت اتوار کی فجر برقرار رہی۔ گویا یہ فضاء صرف 14 گھنٹے تک برقرار رہی۔ صبح کے پانچ بجے مجاہدین "دارالا

جہاں ملک کا سربراہ رہائش پذیر تھا۔ جواب اقوام متحدہ کی عمارت میں پناہ لئے ہوئے تھا الامان کا صرف محاصرہ کیا گیا تھا کیونکہ قبضہ سے خدشہ تھا کہ کوئی جھڑپ نہ ہو جائے۔

اس دوران نائب سربراہ مملکت یا وزراء کی کوئی خبر نہ آئی کہ وہ کہاں ہیں کیونکہ وہ چھپ اور حالات کو کسی کروٹ بیٹھنے کے منتظر تھے۔

صبح کے چھ بجے بی بی سی ریڈیو نے خبروں میں بتایا کہ مسعود نے الزام لگایا ہے کہ حکمت یب سے تعاون کرنا شروع کر دیا ہے اور جو اس نے کابل فتح کرنے کی خبر دی ہے وہ دراصل ہے بلکہ فوجی انقلاب ہے جو غیر مسلح مجاہدین کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا۔ ان مجاہدین کو ں داخل ہونے کے بعد مسلح کیا گیا اور وہ بھی فوج کے تعاون سے جس میں کچھ حزب کے ہمدرد موجود تھے۔ اسی کے ساتھ خبروں میں اضافہ یہ بھی تھا کہ مسعود نے اپنی تمام بڑی چاریکار سے دارالحکومت منتقل کرنا شروع کر دیا ہے جس میں جنگی طیارے اور ہیلی کاپٹرز ں۔ مسعود کی فوجوں نے قصر جمہور پر قبضہ کر لیا ہے اور مسعود نے اپنی اس دھمکی پر عمل شروع ہے جو اس نے دو روز قبل حکمت یار کو دی تھی۔

6 بج کر 25 منٹ پر حکمت یار نے وائرلیس کے ذریعے پریس کانفرنس سے خطاب کیا میں ہو رہی تھی اور بعد میں صحافیوں کے حالات کا جواب بھی دیا۔ یہ صحافی حزب کے دفتر ور میں موجود تھے جبکہ میں حکمت یار کے ساتھ کمرے میں موجود تھا جب وہ خطاب کر رہے ے علاوہ وہاں کوئی دوسرا عرب موجود نہ تھا، سوائے ڈاکٹر غیرت بہیر، اسلام الدین سیکرٹری عت اور انچارج جو وائرلیس روم اور ایک محافظ تھے۔

عرب مجاہدین کا حزب کے کیمپوں میں موجودگی کے اس تعلق کو ظاہر کرتی ہے جو ان کا ے قائم ہوا ہے۔ فتح کابل کے بعد وہ ثالثین جو عرب تھے یا غیر عرب تھے ان کے روابط ہوئے جیسے کوئی سانپ سونگھ گیا ہو کہ ہفتے گزر گئے کوئی رابطہ نہیں کیا گیا جو ایک مہیب ا پیش خیمہ تھے کسی اور طرف سے جوڑ گیا تھا اس کے باوجود بی بی سی ریڈیو نے کابل کی فتح ر بجے نشر کی تھی۔ اس کے بعد بھی جب حکمت یار نے وائرلیس پر پریس کانفرنس سے کیا اسی شام چھ بجے 22 شوال کو اس طرف (ثالثین) کا ہم سے پھر کوئی رابطہ نہ ہوا۔

ان حالات کا افغانستان کے آئندہ حالات پر اثر ضرور پڑے گا

الوقوف علی الجناب الاخر......دوسری جانب کھڑے ہونا

(آٹھواں دن، 23 شوال 1412ھ، 26 اپریل 1992ء)

آج کے تمام واقعات دیگر دنوں سے قدرے مختلف تھے جب سے یہ تاریخی وا
رونما ہوئے تھے اور ہم اس وقت سے حکمت یار کے مرکز سرخاب میں مقیم تھے جبکہ یہی حالا
افغانستان کے حصوں میں بھی تھے۔ 22 شوال بروز ہفتہ بعد از عشاء، وائرلیس سسٹم بند کر دیا
اور اس طرح ہمارا تعلق بیرون ملک سے بالکل منقطع ہو چکا تھا۔ اتوار کا دن حسب معمول
سے ہوا۔ حالات کے مطابق حکمت یار نے پہلی رکعت میں سورۃ الصف پڑھی جو جہاد کی تر
اور صفوں کی درستگی کے ساتھ ساتھ نصرت و جنت کی بشارت دیتی ہے جبکہ دوسری رکعت
المنافقون پڑھی جو منافقین کی حالات و عادات اور ان سے بچنے سے خبردار کرتی ہے۔ نماز فجر
فوراً بعد وائرلیس روم کے مسئول (ذمہ دار) نے سیٹ کو آن کیا اور کابل کے گرد میدانی قا
سے تازہ اطلاعات وصول کرنے لگا۔

پہلی خبر انجینئر فیض محمد کی طرف سے تھی کہ قصر جمہوری پر شمال کابل سے پیش
کرنے والی حزب کی فوج نے قبضہ کر لیا ہے۔ قصر جمہوری پر قبضہ کابل میں موجود حزب
مجاہدین کے لئے مستقل قرار امن بنانا تھا۔ میرے ذہن میں آیا شاید قصر پر قبضہ حکمت یار کے
میں داخلہ کو حتمی شکل دینے کے لئے کیا گیا۔ یہ وہم اس وقت صحیح ثابت ہوا جب ہفتہ 22 ش
حکمت یار کو کابل میں داخل ہونے کے لئے گفت و شنید شروع ہو گئی کہ وہ اتوار یا سو
دارالحکومت میں جائیں گے۔ اسکے ساتھ ہی گاڑیوں کے انچارج کو حکم ہو گیا کہ وہ صفائی شر
دے تاکہ نصرت و فتح کی طرف ایک اور قدم اٹھایا جائے اور حزب اسلامی کے پرچم گا
اویزاں کر دیئے جائیں۔ میرے ذہن میں دفعتاً پشاور میں جو خواب دیکھا تھا، شرمندۂ تعبیر
لگا تھا اگر اللہ نے چاہا تو ہو جائے گا۔

چھ بج کر 30 منٹ پر وائرلیس روم کے انچارج نے سیٹ پر دوسرے کمرے
کر دیا تاکہ مواصلاتی رابطہ زیادہ بہتر ہو سکے۔ اس کے دو سبب نے مجھے خوش کر دیا تھا۔

یادہ ہجوم اور رش ہونے کی وجہ سے پہلا کمرہ منتخب کیا گیا تھا اور اب جب سب ہفتہ کو آنے والے
اپس جنوب کابل میں چلے گئے یا پشاور کی طرف روانہ ہو گئے۔

دوسرا سبب یہ کہ اس دن حکمت یار نے شوریٰ نظار اور ملیشیا سے کابل کا ایئرپورٹ اور
یڈیو ٹیلی ویژن سٹیشن پر قبضہ کرنا تھا جس کے لئے صاف اور خفیہ رابطہ بہت ضروری تھا۔ حکمت
ار ان قائدین میں اہم قائد ہے جو دقیق موقعوں کے لئے خفیہ رابطوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور
فاظت کرتے ہیں۔ میں نے بھی کئی دنوں یہی تجربہ حاصل کیا کہ وہ اہم فیصلوں اور روابط کے لئے
کم سے کم اشخاص کو قریب یا آگاہ رکھتے اور یہ ایک دن پہلے بھی صحیح ثابت ہوا جب فتح کابل سے
پہلے قصر جمہوری پر قبضہ کی اطلاع آئی۔ اس وقت وہ تنہا کمرے میں تھے۔ مجھے بھی بعد میں پتہ چلا
اور یہ خبر انہوں نے خود وصول کی تھی کیونکہ یہ خبر فتح کابل کے حوالے سے بہت اہم تھی۔ اس کا وقت
تک حکمت یار نے اپنے قریبی اشخاص کو نہیں بتایا یا جو موجود تھے۔ یہ ان کی خفیہ پیغام رسانی کی
حفاظت کی ایک مثال تھی۔ حسب معمول ہم نے سات بجے کی بی بی سی خبریں سنی جو انگریزی میں
تھیں جبکہ حکمت یار اور بعض دیگر ساتھی اسے دوسرے چینل پر فارسی یا پشتو میں سنتے جو قدرے
تفصیل سے ہوتی۔

ان خبروں کے ساتھ سیاسی اور عسکری افق پر نئی باتیں سامنے آئیں کہ مجددی ابھی تک
پشاور سے کابل عبوری حکومت سنبھالنے کے لئے روانہ نہیں ہوئے حالانکہ بقیہ قائدین اور حکمت
یار کے مابین ایک چیلنج تھا جبکہ کابل میں قیام امن کی ذمہ داری مسعود کو سونپی گئی تھی۔

اسی وقت مسعود کے احکامات کابل ریڈیو نے نشر کیے کہ کابل کے رہائشی اس کے احکام
کی فوراً پیروی کریں۔ اس خبر سے معلوم یہ ہوتا تھا گویا مسعود وہی چال چلنے لگا ہے جو حزب نے
چلی تھی اور یہ ساری چال مسعود کی طرف سے چھ قائدین کے نام پر چلی جانی تھی جو پشاور میں
تھے۔

اس خبر کی تصدیق ہمیں سوا سات بجے صبح ایک جیٹ طیارے کے گزرنے سے ہوئی۔
ہم اس وقت کابل سے جنوب میں 15 کلومیٹر دور بیٹھے تھے۔ ہمارے قریبی ایئرپورٹ جہاں سے
طیارے نے پرواز کی تھی یا کابل ایئرپورٹ تھا یا پھر بگرام ایئرپورٹ ہوگا جو کابل کے شمال مشرق
میں ہے اور یہ دونوں ایئرپورٹ مسعود اور ملیشیا کے زیر انتظام تھے۔ آواز آتے ہی سب منتشر ہو

گئے اور پہریدار اوپر چھت پر چلے گئے تاکہ جہاز کے آنے اور جانے کی سمت اندازہ لگا سکیں یا
خدانخواستہ کوئی فضائی حملہ نہ ہو مرکز پر تو احتیاطی تدابیر اختیار کرلی جائیں۔ مشرق سے دوبارہ طیارہ
آتے دیکھا جو کچھ لمحوں کیلئے نظروں سے اوجھل ہوا اور پھر شمال کی سمت سے آیا۔ ظاہر ہوتا تھا کہ
پرواز کرتا مشرق کی جانب سے شمال کی طرف گیا اور پھر دارالحکومت کے جنوب سے آیا چند لمحے
گزرے تھے کہ فضائی حملہ یا بمباری شروع ہوئی۔ اس کے فوراً بعد طیارہ نے ایک چکر کاٹا اور
جنوب سے شمال کو دارالحکومت کی طرف چلا گیا جاتے ہوئے پھر بمباری کرتا ہوا گیا۔

اس بمباری کا مقصد حزب کے مراکز کو تباہ کرنا تھا جو کابل کے جنوب میں تھے۔ یہ پہلی
مرتبہ تھا کہ فتح کابل پر طیاروں نے حصہ لیا جبکہ گزشتہ روز مطلقاً طیاروں نے حصہ نہیں لیا تھا۔ مرکز
میں چند لمحوں کے لئے ہلچل پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں بڑے بڑے صندوق نکالے گئے جو چھت
پر لے جائے گئے۔ اس میں سے فضائی راڈار نصب کیا گیا اور طیاروں کو گرانے کے لئے سنگر
میزائل بھی نصب کئے گئے۔ مجاہدین اب طیارے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ جنوب کابل میں
حزب اسلامی کے مرکز پر اتوار 23 شوال کو جہازوں نے سارا دن فضائی بمباری کی۔ صبح سوا سات
بجے سے دوپہر 3 بجے تک 5 حملے کئے گئے۔ فضائی حملہ کے دوران حکمت یار وائرلیس لئے بیٹھے
تھے۔ ہم ریڈیو پر خبریں سن رہے تھے۔ اس کے ساتھ وہ گفتگو بھی سنتے جو وائرلیس پر حکمت یار
کی جارہی تھیں۔ یہ سارا دن رابطہ و واقعات کا دن تھا۔ زیادہ رابطے وائرلیس پر حکمت یار او
معروف شخصیات کے مابین تھے۔ ان میں صرف ایک رابطہ وائرلیس پر بڑا اہم تھا جو حکمت یار او
قاضی حسین احمد کے مابین بھرپور رہا جس میں طیاروں کی فضائی بمباری اور حملوں کا تفصیلی طور
بتایا گیا۔

طیاروں کی بمباری حکمت یار کے نزدیک ملیشیا کی خباثت تھی نہ کہ جمعیت کی کیونکہ
ملیشیا ایسی تمام تیاریاں کر رہی تھی اس کے پاس طیارے اور ہیلی کاپٹرز بھی تھے اس وقت جب
مجاہدین جہازوں کی پرواز اور ان کا استعمال نہ جانتے تھے۔ یہ بات نشاندہی کرتی ہے کہ دا
فضائی اور عسکری قوت میدان میں اتر چکی ہے۔ اس موقع پر حکمت یار کا قاضی حسین احمد کے سا
لہجہ قدرے سخت تھا، انہوں نے قاضی حسین احمد سے کہا۔

''انہیں کہہ دیں کہ فضائی بمباری روک دیں ورنہ......''

حکمت یار نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا تھا جسکے معنی تھے کہ حکمت یار کی وارننگ بہت سے
ن رکھتی ہے۔ یہ دھمکی ایک پہلو تنبیہی اور دوسرا پہلو ترغیبی بھی رکھتی تھی کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ
ن ڈنڈ کا ہوائی اڈا حزب اسلامی کے زیر قبضہ ہوگیا ہے جس میں سو سے زیادہ صحیح سالم طیارے
، حالانکہ لوگوں نے یکطرفہ فضائی حملے اور جہازوں کی بمباری کا سامنا تو کیا تھا اور اگر دوطرفہ
ائی حملے اور بمباری شروع ہو جاتی تو خود سوچئے کہ کیا بنتا؟

میرے ذہن میں بار بار ایک سوال آ رہا تھا۔ ملیشیا نے دوسرے دن ہی کیوں میدان
اترنے کا سوچا؟ جنگی جہاز پہلے دن کی بجائے دوسرے دن کیوں استعمال کئے گئے؟

اس کے جوابات یوم فتح ہفتہ 22 شوال 1412ھ کے آخری حالات دیتے ہیں۔
خاب کے مرکز میں حکمت یار مطمئن تھے کہ حزب کی فوج نے کابل کی طرف جاتے ہوئے تمام
ستوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ اب دارالحکومت کے اندر پورا کنٹرول حزب اسلامی کا ہے۔ باقی صرف
م اشارہ گیا ہے کہ باقاعدہ اعلان کے ساتھ داخل ہو جائے۔

لیکن دو اہم امور نے حکمت یار کو اپنی پلاننگ جو طے کی تھی، بدل دینے پر مجبور کر دیا۔
ب سیاسی نوعیت کا مسئلہ تھا کہ تمام افغان قیادت نے ایسے کسی امن کو قبول کرنے سے انکار کر دیا
ں کا انتظام حزب کی طرف سے کیا گیا تھا۔ دوسرا فوجی نوعیت کا تھا ملیشیا اور مسعود کی فوج کا کابل
ئرپورٹ پر قبضہ تھا۔

اس بات کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے تھے کہ مسعود کو کابل کے امن کا مسئول بنایا
ائے جسے مجددی کی طرف سے مقرر کیا جانا تھا جس کے واقعات و حالات اتوار 23 شوال کے
رائع سے وارد ہو رہے تھے۔ حزب نے جو یہ خلا چھوڑا تھا اسکا فائدہ مسعود اور ملیشیا کی فوجوں کو ہوا
کہ راتوں رات چاریکار اور مزار شریف سے اپنے طیارے اور ہیلی کاپٹرز کی بڑی کھیپ منتقل کرلی۔
کا سلسلے میں مسعود نے حزب اسلامی کے بالکل متضاد پالیسی بنائی جس سے دارالحکومت کابل پر
بزہ کیا جا سکے۔ اس نے بھرپور کوشش کی کہ کابل کے اندر سے ہی حزب کے ساتھ آنکھ مچولی کا
سلہ شروع کر دیا جائے۔ اس میں نجیب کے دور حکومت میں ملیشیا کو ملنے والی سہولیات نے مسعود
زیادہ ساتھ دیا تھا جس کی وجہ سے مسعود کی (Strategic) حیثیت ان سطور کے لکھنے تک
زار ہے۔

لیکن سوال ہے مسعود نے کابل کے جنوب سے یوں حزب پر گولہ باری کیوں کی؟ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ چونکہ ملیشیا کی بالا حصار میں قوت مرتکز تھی جو کابل میں داخلہ کے لئے جنوبی راستہ ہے۔ یہ راستہ گردیز سے پکتیا میں اور پل عالم سے لوگر میں سے گزرتا ہے۔ جمعرات 20 شوال کو ہم نے حکمت یار کو بتا دیا تھا کہ اس علاقہ میں حزب کی فوج مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اتر رہی ہے۔ جبکہ یہ ملیشیا دوستم اور حزب کی فوجوں کے باہمی چپقلش کا مرکز تھا۔ جہاں کے اکثر اہم مقامات پر صوبہ لوگر میں اس کا کنٹرول تھا۔

دونوں کے مابین رمضان 1411ھ کے آخری ایام میں بڑے بڑے معرکے ہوئے جس میں دوستم ملیشیا کے شدید حملوں سے حزب کو کچک اور محمد آغا سے آخر اپنی فوج کی پسپائی اختیار کرنا پڑی اور محمد آغا اور کابل کو ملانے والی سڑک جو مشرق میں تھی، ادھر پسپا ہوئے۔ پھر دوبارہ حزب نے حملہ کیا اور تمام صوبہ کے مرکز پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ مزید برآں گردیز سے کابل کی طرف ملیشیا کو جلال الدین حقانی کی فوجوں نے بھگا دیا اور ادھر حزب اسلامی نے کچک اور پل عالم کے مابین علاقہ سے ملیشیا کو بھگایا جن میں اکثریت گرفتار ہوئی اور باقی ماندہ کابل کی طرف چلی گئی۔ ان اسیروں کو ہم نے جمعرات 20 شوال کو قید میں دیکھا تھا۔ بظاہر ملیشیا کا مقصد یہی ہو کہ وہ حزب اسلامی سے جنوب کابل میں ٹکر لے تاکہ بالا حصار پر قبضہ کر سکے کیونکہ وہ اس علاقہ میں حزب کی حکمت عملیوں اور قیادت کو بخوبی جانتے ہیں۔ اور اسی روز بی بی سی ریڈیو نے مسعود کی زبانی حکمت یار پر الزام لگایا کہ جو نجیب سے تعاون کر رہے ہیں وہی فوجی انقلاب لایا ہے جبکہ ربانی نے افغان عوام کو مبارکباد دی کہ اب مجددی کابل حکومت سنبھالنے آ رہے ہیں اور کابل کے امن کا مسئول مسعود ہوگا۔ اور اس طرح پشاور میں موجود قیادت کے عزائم اسی وقت حزب اسلامی کی فتح سے کھل کر سامنے آ گئے۔ یہ تمام قائدین حکمت یار کے خلاف متحد ہو گئے جس سے یہ بات سامنے آئی کہ ربانی اور حکمت یار ایک دوسرے کے بالکل متضاد راستوں پر چل پڑے ہیں۔ اتوار کا نصف دن گزر گیا اور ہم کسی بڑے پیش آمدہ خطرہ سے ڈر رہے تھے۔ اسی کے ساتھ ریڈیو پر ہونے والی خبریں بھی سنتے رہے۔

ہم باہمی طور پر مشوروں اور سوچ میں لگے ہوئے تھے اور بعض یہ تفکر و تدبر کر رہے تھے آخر کوئی نہ کوئی حل سامنے لے آنے چاہئے اور حقیقت میں ہمارے درمیان صاحب فکر جما

لچی تھے جنھوں نے یہ بات رکھی کہ پشاور میں موجود قیادت کے درمیان میں ثالث ڈال کر انہیں ت یار کے خلاف کسی قسم کا اقدام کرنے سے روکا جائے جبکہ میرا ذہن تھا کہ ثالث اب مجاہدین بیرونی عناصر کے درمیان لانے کا وقت گزر گیا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور مجاہدین میں کسی ث کے دباؤ کو سمجھنے اور اسے ماننے یا نہ ماننے کا شعور پہلے سے زیادہ ہوگا۔ میرے اس موقف کو انے کی وجہ یہ بھی ہے کہ حکمت یار نے وائرلیس پر محمد قطب سے جو گفتگو کی تھی اس کا اثر منفی لیا ۔ شاید حکمت یار کے اس منفی اثر کا ایک پہلو یہ بھی ہو کہ ثالثین ناقابل عمل تجاویز حزب کو دیتے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ حزب ان تجاویز کو مسترد کر دے گی۔ اس طرح مجاہدین میں مزید انتشار خلا پیدا ہو جائے گا۔

اسی سبب کے پیش نظر میں کسی ثالث کی تجویز کو اب درست نہیں سمجھتا مگر جمال خاشقجی پہلو کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں کہ حزب اور جمعیت کو قریب لایا جائے اور تمام حقائق اس بات کی ت کرتے ہیں کہ ملیشیا جمعیت کے ساتھ ہے اور ملیشیا جلتی پر تیل کا کام کرتی رہے گی۔

جمال خاشقجی نے تجویز دی کہ ہم پشاور جا کر شیخ محمد الصواف سے ملاقات کر کے ثالث دعوت دیتے ہیں کہ وہ پشاور میں افغان قیادت کو سمجھائیں اور ہم حزب کی عسکری پوزیشن ان پر ح کر دیں اور یہ بھی بتا دیں کہ اصل معاملہ اندرون ملک بقایا کمیونسٹوں کا پیدا کردہ ہے۔ ان رات کی بنیاد پر جو ہم تک پہنچی ہیں۔ دوسرے تجویز یہ کہ اگر دونوں طرف سے مفاہمت نہ ہو سکی ارا خدشہ ہے کہ پھر آپس میں خونریز جنگ شروع ہو جائے گی جبکہ حزب کے ہزاروں مجاہدین ا پہلے سے موجود ہیں۔

جمال خاشقجی کی اس تجویز کو امانتاً اپنے پاس رکھا اور سوچ بچار کے لئے اس سے وقت ا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ اس سلسلہ میں حکمت یار سے بات کر لی جائے کہ آیا وہ کسی مزید ثالث کو ا کریں گے اور پھر ہم پشاور جاتے بھی اچھے لگتے ہیں شاید اسی جدوجہد سے دونوں فریق مل ئیں۔ دوسری بات کہ اس تجویز پر میری جمال خاشقجی سے موافقت نہیں تھی میں کچھ تذبذب میں کہ مرکز کو چھوڑ کر اب پشاور چلا جائے کیونکہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ میں اس موقع پر حکمت یار کو ڈ کر پشاور چلا جاؤں۔ جب اس پر ہر طرف سے دباؤ مسلسل ہے اور وہ ایک عظیم مشکل میں ہے اور ابھی گزشتہ رات تو ہم نے خوشی خوشی فتح کی رات منائی تھی۔ لہٰذا اب میرا انہیں چھوڑ کر

جانا قدرے اسلامی اخلاق کے منافی معلوم ہو رہا تھا۔ میرے نہ چاہتے ہوئے بھی جمال خاشقجی اور خالد المودی کا مجھ پر ساتھ چلنے کے لئے دباؤ بڑھ گیا تو میں اس شرط پر تیار ہو گیا کہ اگر حکمت یار اس ثالثی کو قبول کر لیں تب میں جاؤں گا چنانچہ جمال خاشقجی نے مجھے ذمہ داری سونپی کہ حکمت یار سے اس بارے میں قبول یا نہ قبول کرنے کا عندیہ حاصل کروں تا کہ حکمت یار فوراً اس تجویز کو مسترد کر دیں۔ سو میں اس سوچ بچار میں لگ گیا کہ کس طرح یہ تجویز ان کو پہنچائی جائے۔

اسی دوران حکمت یار کو دیکھا وہ وائرلیس پر قاضی حسین احمد سے بات چیت کر رہے تھے۔ میں نے قاضی صاحب کو اپنے تئیں بہترین ثالث قرار دیا جو حکمت یار پر اثر انداز ہو بھی سکتے ہیں۔ یہ تجویز کہ قاضی حسین احمد کو طرفین کے مابین ثالث بنایا جائے، جمال شاقجی کو میں نے تجویز دی کسی طرح حزب اور جمعیت یار بانی اور حکمت یار کو باہم ایک دفعہ ضرور بٹھا دیا جائے تا کہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں چنانچہ جمال نے میری اس تجویز کو مستحسن قرار دیا اور یہاں سے ہم میں حرکت پیدا ہوئی۔ ظہر کے کھانے کے بعد میں نے ڈاکٹر غیرت بہیر جو ہمارے ساتھ کھانے میں شامل تھے ایک طرف لے جا کر قاضی حسین احمد کو ثالث بنانے کے تجویز دی کہ وہ حکمت یار سے اس موضوع پر بات کر لیں۔

ہماری ڈاکٹر غیرت کے ساتھ گفتگو کے دوران ہی حکمت یار وائرلیس روم سے باہر میں آ رہے تھے جہاں ہم سخت دھوپ میں کھڑے تھے۔ دھوپ کی تمازت سے حکمت یار ہمارے پاس آ گئے اور میں نے جمال خاشقجی کی تجویز پیش کی کہ قاضی حسین احمد کو ان کے اور ربانی کے درمیان ثالث کے طور پر طے کر لئے جائیں۔ اگر وہ فی الحال راضی نہ ہوئے تو ہم دوسرے وقت جا کر اس موضوع پر بات چیت کر لیں گے مگر اس تجویز کے سنتے ہی حکمت یار نے موافقت کا اظہار کر دیا کہ حالات شدید لڑائی کی طرف بڑھ رہے ہیں جس میں ٹینک اور طیارے بھی استعمال ہو سکتے ہیں اور حکمت یار نے کہا ''اس مہم کے لئے ابھی چل پڑو''۔

اس پر ہم نے پشاور میں حزب اسلامی کے دفتر سے رابطہ کیا کہ قاضی حسین احمد ملیں گے وہ جگہ بتائیں اور ہمارا ان سے وقت لیں۔ ایسے موقع پر اس کی اہمیت ہی کیا ہوگی؟

یہ تو وقت بتائے گا کہ حکمت یار نے قوت سے اقتدار پر قبضہ کیا یا نہیں جو ا...
پروپیگنڈہ کر رہے ہیں جبکہ حکمت یار نے اس تجویز کو مانا جب وہ مرکزی قوت تھا اور مرکزی ...

تھا۔ اس کی فوج 40 ہزار سے کم نہ تھی جو کابل کے گرد تھی جس میں ٹینک، توپیں، طیارے اور میزائل وغیرہ بھی تھے۔ وہ پوری قوت کے ساتھ موجود تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ کسی افہام و تفہیم تک پہنچنے کے لئے منتظر تھا۔



موافقت اور لاگ لپٹ کے مابین

(نواں روز، 24 شوال 1412ھ، 27 اپریل 1992ء)

ہم پشاور پہنچ گئے۔ اتنی سرعت میں پہنچے تھے۔ کہ گویا وقت کو پیچھے چھوڑ رہے ہیں کہ کہیں مجاہدین کے مابین جنگ نہ چھڑ جائے۔ خاص کر حالات پہلے کی طرح نہ تھے اور مجاہدین کے گروپوں کے پاس جدید ترین چھوٹا بڑا اسلحہ موجود تھا جو انہیں مختلف شہر اور علاقے فتح کرنے کے بعد ملا تھا۔ مجاہدین کے مابین لڑائی کے تصور سے یہ ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اس لئے کہ وہ طیارے آگے بڑھا رہے تھے جو حزب کے خط اول کے مورچوں پر بمباری کر رہے تھے۔ اس نازک موقع پر بھی حزب نے ضبط نفس کا بڑا کڑا وقت گزارا۔ وہ جوابی کارروائی ویسی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ حزب کا ایئر بیس شین ڈنڈ میں تھا جہاں سو طیارے ہر وقت کسی کارروائی کے لئے کھڑے تھے۔ یہ سب کچھ سوچ کر ہمارے عمل میں تیزی پیدا ہو جاتی۔

اس روز ہم ظہر کے قریب حزب کے دفتر پشاور میں پہنچے اور قاضی حسین احمد سے بات کا وقت لینے کے بارے پوچھا۔ اس دفتر میں حاجی فرید کے ساتھ اسامہ بن لادن اور وائل جلیدان بھی بیٹھے تھے۔ ہم سب مل کر بیٹھے اور ایک دوسرے کو ادھر ادھر کی تازہ خبریں دے رہے تھے۔ ان کی زیادہ جستجو سرخاب میں حکمت یار کے مرکز کے حوالے سے تھی کہ کیا حکمت عملی اپنائی گئی نیز پشاور میں قائدین کے درمیان اتفاق کے لئے اچانک کیا خیال آیا اور اس کے پیچھے کیا اغراض و مقاصد بتائے؟

اس پہلو پر مختصر بات چیت ہوئی اور ہم جس ہدف کے لئے آئے تھے اسے جلد از جلد تکمیل تک پہنچانا چاہتے تھے۔ پھر ہم پشاور میں اپنی اقامت گاہ میں پہنچے اور کپڑے وغیرہ تبدیل کئے کیونکہ ایک مکمل ہفتہ گزر گیا تھا انہی کپڑوں میں۔ نہ ہمیں اس کا خیال تھا اور نہ اس کو ہمارا۔

ہم جب حزب اسلامی کے دفتر سے نکلے تو حاجی فرید مجھے ایک جانب لے گئے اور بڑے دھیمے انداز سے کہا کہ وہ عربوں کی ثالثی پر راضی نہیں ہے کیونکہ ان کے خیال میں عربوں نے حزب کے خلاف ایک حد تک موقف اپنایا ہوا تھا۔ انہوں نے عرب کو حزب کے خسارے کا ذمہ دار قرار دیا۔

کسی نتیجہ پر پہنچنے کا اشارہ ان کی باتوں سے مل رہا تھا خصوصاً عرب کے موقف کے بیان سے کہ حزب کے حساب پر جمعیت کے لئے کوئی مفاد تو اکٹھا نہیں کیا جا رہا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ وہ شدید دباؤ میں ہیں کہ مجددی کو قبول کر لیا جائے جو حزب اسلامی کے لئے ناممکن ہے اور بات پہلے سے قدرے عجیب لگی کہ حزب نے مجددی کو قبول کر لیا ہے حالانکہ حزب کے نمائندے اس مجلس سے واک آؤٹ کر آئے تھے جہاں طے کیا جا رہا تھا۔ یہاں سے پتہ چلا کہ ثالثی کا موقف زیادہ مشکل ہے کہ دونوں طرف کے موقف سن کر کسی ایک پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ مان لے یا ثالث اپنا کردار اور منزلت کھو بیٹھتا ہے یہ کردار بعض عرب زعما کھو بیٹھے ہیں۔ خصوصاً وہ لوگ جو مجددی تسلیم کرنے لگے اور حزب پر اس سلسلے میں دباؤ ڈالتے رہے چنانچہ حزب اور عرب کے مابین ثا... کی فضا بڑی دیر تک ناہموار رہی ہے بلکہ بعض عربوں نے تو کھل کر جمعیت کا ساتھ دیا تھا۔

یہ بات میں نے اسامہ بن لادن اور وائل جلیدان سے بھی کہتے سنا کہ حزب کے مندوبین مجددی پر راضی ہو گئے ہیں۔ اس الزام سے حزب کے درمیان پھوٹ پڑ جاتی۔ یہ در... خطرہ جو ان کی گفتگو سے ہو سکتا تھا میں نے مختصراً ان کو بتا دیا۔ میرا یہ موقف غلط نہ تھا کہ حزب اسلا... کے دفتر کی فضاء میں عرب ثالثوں کے لئے کھچاؤ دیکھنے میں آیا یہاں تک کہ حزب کے ... مندوبین نے الزام لگایا کہ عرب حزب کی صفوں میں دراڑیں ڈالنا چاہتے ہیں اور وہ بھی اس نا... موقع پر جب کہ باہمی صفوں میں کشیدگی کو ختم کرنا چاہیئے مگر سوال تو یہاں پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح قابل فہم ہے کہ حزب نے مجددی کو تسلیم کر لیا ہے جبکہ اس اجلاس میں سرے سے ہی نہ ہوئے تھے جس میں اتفاق کیا گیا تھا؟ شاید ہم اس صورت حال کو بہتر سمجھ سکیں اگر ... پر موجود کسی عینی شاہد سے پوچھ لیا جائے جو معاہدہ پشاور کے اتفاق کے موقع پر موجود تھے۔ ا... ڈاکٹر احمد عمر الزبیر ہیں جو کہتے ہیں "ہم ساتھ والے کمرے میں بیٹھے تھے دوسرے کمر... تنظیموں کا اجتماع ہو رہا تھا۔ اسی اثناء میں شیخ سیاف اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے

ہوتے ہیں اور اُن کے چہرے بشرے سے مسئلہ کسی کروٹ بیٹھتا نظر آتا ہے اور تنظیموں کا ن کا اشارہ جھلکتا نظر آتا ہے کہ دفعتاً وہ دوبارہ آتے ہیں اور کہتے ہیں "مبارک ہو! ہم حل پر پہنچ ہیں۔" جب ہم نے سنا اور جو لوگ اس بیرونی کمرے میں تھے، فوراً خدا کے آگے سجدۂ شکر بجا ئے۔

ہم سجدۂ شکر بجا لانے والوں میں سے ایک نے سر اٹھا کر کہا شاید ہم خوشی میں جلدی کر ہیں۔ یہ ڈاکٹر ناصر الرشید تھے۔ ہمیں خوشی اتنی تھی کہ ہم میں سے کسی کو یاد نہ رہا کہ پتہ کر لے کس حل پر سب متفق ہوئے جب خوشی کا یہ غبار ہم سے چھٹا تب ہم پوچھنے لگے "اچھا حل کیا ؟" یہ بات ڈاکٹر محمد عمر الزبیر کی ہے جو ثالثی میں بھی رہے اور اتفاقاً پشاور کے موقع پر تھے۔ دیکھئے معاہدہ میں شامل باقاعدہ شرکت والوں نے کہا میں نے جمعہ 28 شوال کو استاد ربانی سے اسلامی کے مرکز واقعہ چمکنی جو پشاور کے قریب ہے، ملاقات کی۔ میرے ہمراہ جمال، خاشقجی ہم نے پوچھا کہ اتفاق کس طرح عمل میں آیا جبکہ ہمیں پتہ چلا کہ حزب نے اسے مسترد کیا

شیخ ربانی نے واضح کیا کہ "مجددی کو منتخب کرنے والا سیاف تھا جس نے یہ نام پیش کیا ل اس پر متفق نہیں تھا مگر جب تمام تنظیمیں متفق ہو گئیں اور پھر مجھے بتایا گیا کہ حزب بھی متفق کمت یار نے اتفاق کیا ہے تب میرے لئے اتفاق کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ حکمت ع میں مجددی پر معترض تھا وہ ہی متفق ہو گیا تو پھر مجھے بھی اتفاق کرنا پڑا۔" اس کے بعد اس بارے اور شخصیات سے بھی پوچھا تا کہ مسئلہ کھل کر سامنے آ جائے۔ ہم نے حزب کے انجینئر قطب الدین ہلال سے پوچھا کہ یہ غلط موقف کیونکر ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ اس ل حزب کے مندوبین نے حزب کی سیاسی کمیٹی اور حکمت یار سے مشورہ کرنے کی مہلت ان کے بعد یہ قبول یا مسترد کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ حزب کے مندوب وہاں سے گے اس وجہ سے اور ان کے آنے سے پہلے ہی سیاف نے مصالحت کا اعلان کر دیا کہ اتفاق ہے۔ اس طرح ڈاکٹر عبداللہ المؤید جو ثالثی کمیٹیوں میں اور اس وقت وہاں موجود تھے، نے کہا ب کے مندوب لیٹ ہوئے۔ تب حاضر تنظیموں نے اتفاق کا اعلان کر ڈالا اور حزب کے نظر انداز کر دیا گیا۔ یہ تو ان تفصیلات کی تلخیص ہے جو ہم نے وہاں موجود مختلف شخصیات

سے ملاقات میں حاصل کی جن کا کسی نہ کسی طور اس میں کردار تھا۔ اس کے بعد بھی کوئی شک ہے کہ
اس نام نہاد اتفاق کے پیچھے کیا کارفرما تھا؟ آیا یہ غلط فہمی محض تھی یا ایک گھناؤنی سازش؟

حزب کا دفتر ہمارے لئے قاضی حسین احمد سے ملاقات کا وقت نہ لے سکا کیونکہ اُ
معلوم نہ ہو رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں؟ اسی وقت ہم نے ان کے خاص ٹیلی فونز کے نمبرز لئے اور ہم
اپنے ''البر الاسلامی'' کے دفتر چلے گئے جس کی ادارت کی ذمہ داری میری تھی جو (ندوۃ عالم
للشباب الاسلامی'' (World Assembly of Muslim Youth Army) کی
طرف سے لگائی گئی تھی۔ وہاں سے ہم نے قاضی حسین احمد کو لاہور میں ان کے دفتر فون کیا اور ا
سے ملاقات کے لئے وہاں یا پشاور میں ملاقات کا وقت لیا۔ چنانچہ اگلے دن منگل 25 شوال
لاہور میں ملاقات کا طے ہوا۔



اور باتیں ہوا ہو گئیں......

(دسواں روز، منگل 25 شوال 1412ھ، 28 اپریل 1992ء)

اگلے دن منگل کو صبح ساڑھے گیارہ بجے کی پرواز سے میں پشاور سے لاہور پہنچا۔
خاشقجی نے پشاور رہنے کا فیصلہ کیا کیونکہ امکان تھا کہ مجددی اقتدار سنبھالنے کے لئے ایک د
میں کابل جائیں۔ ان کی رغبت بھی تھی کہ اس مجددی کے وفد کے ساتھ بطور صحافی کے جائیں
کابل میں ہونے والے واقعات کو بعینہ دیکھا جا سکے۔ میں ڈیڑھ بجے لاہور پہنچا، وہاں سے
جماعت اسلامی کے دفتر منصورہ میں گیا۔ جو لاہور میں ایک چھوٹی سی کالونی ہے جہاں جماعۃ
ذمہ داران کی اقامت گاہیں اور دفاتر موجود ہیں۔ وہاں ہم قاضی حسین کے ساتھ بیٹھ
ہمارے ساتھ شیخ خلیل الحامدی مرحوم بھی شامل نشست ہوئے۔ میں اپنے ساتھ کابل کا نقشہ
تھا اور قاضی صاحب کے سامنے پھیلا کر شرح و بسط کے ساتھ بتایا کہ حالات کس طرح ہو
حزب کی کیا کارروائیاں ہوئیں۔ لمحہ بہ لمحہ کی رپورٹ انہیں بتائی اور کس طرح حزب اسلا
میں داخل ہوئی۔ اس موقع پر اہم مراکز پر قبضہ کیسے کیا گیا یہاں تک کہ اتوار کے روز حزب
کے ٹھکانوں پر طیاروں نے کس طرح مسلسل فضائی بمباری کی۔ پھر حکمت یار اور مسعود، ک
اور محمد قطب اور اسی طرف شیخ صواف کے ساتھ وائرلیس گفتگو بتائی اور بتایا کہ کس طرح

ر ہم پر منفی اثر ہوا تھا۔ پھر بتایا کہ اگر فضائی حملے یونہی جاری رہے اور حزب نے جوابی
ں کی تو ملیشیا کے ساتھ لڑائی پورے ملک میں پھیل جائے گی۔ پھر میں نے اس میں بھی کوئی
سوس نہ کی کہ قاضی حسین احمد کو حکمت یار کا ان کے لئے احترام و ادب منتقل کروں کہ وہ واحد
ہیں جن کا ثالث ہونا حکمت یار کو قبول ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی بتائی کہ کس طرح
ن چھ تنظیموں نے حزب کو کارنر کرنے کی کوشش کی۔ پھر یہ بھی میں نہ بھولا کہ قاضی حسین احمد
ں کہ حکمت یار کس طرح اپنے قائدین سے مشورہ کرتے ہیں۔ یہ بھی بتایا کہ میں سرخاب
کمت یار کے ساتھ مستقل رہا کس طرح وہ میدانی قیادت سے مشورہ لیتے اور حکم دیتے اور
یہ وائرلیس کے ذریعے ہوتا۔ جب امن کے دعوے کرنے والے ایسے نازک وقت سخت
تیار کرنا شروع کر دیں اور اس کے ساتھ ہی ملیشیا اور مسعود اپنی فوج حرکت میں لے
ر وہ بھی حزب کی جنوب کابل میں فوج کے مدمقابل......'' تو یہ وہ وقت ہے جب حکمت
فرد کی ضرورت ہے جو صحیح مشورہ دے سکے اور جس کا احترام اس کے نزدیک مسلم ہو۔

یہ تمام باتیں قاضی حسین احمد کو میں نے بتائیں تا کہ وہ ایسی شخصیت ہیں جو اس سلسلہ
کردار ادا کر سکتی ہے۔ پھر میں نے کہا میں یہاں صرف اس لئے حاضر نہیں ہوا کہ آپ یہ
ور نہ کریں بلکہ اہم امور اور واقعات آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ جو کچھ ہوا اور جو ہو رہا
پ اپنی رائے رکھیں گے؟

یہی سوال الٹا قاضی حسین احمد نے مجھ سے کر دیا کہ میں کیا رائے دے سکتا ہوں؟ اس
میں نے غنیمت جانا اور اپنا آنے کا مقصد بیان کیا کہ یا وہ خود جا کر حکمت یار سے مل لیں
ے براہ راست سن سکتے ہیں۔ اس کے تناظر میں وہ حکمت یار اور ربانی و مسعود کو اختلافات
کے لئے اکٹھا کر سکتے ہیں اور کوئی متفق علیہ موقف اپنایا جا سکتا ہے مگر اچانک مجھے بڑا دھچکا
قاضی حسین احمد نے اس طرح کی کوشش سے انکار کیا باوجود اس کے کہ میں نے تمام
واقعات سامنے رکھے جو کابل کی صورتحال کا احاطہ کرتے تھے۔ انہوں نے اس بارے
کا ان پر الزام ہے کہ وہ حکمت یار کی طرفداری کرتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں۔ اس طرح
ے سب مزید شک کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد ہمارے لئے کوئی چارہ نہ تھا ہم
جہاز میں بیٹھے اور رات کو پشاور آ گئے۔



ایک بار پھر پشاور میں

(گیارہواں روز، بدھ 26 شوال 1412ھ، 29 اپریل 1992ء)

صبح نو بجے میں قومی جرگہ کے وفد (الوسط الشعبی) شیخ الصواف اوران کے رفقا، محمد عمر الزبیر، ڈاکٹر منقذ الصوف اور ڈاکٹر مجاہد الصواف سے ملا۔ یہ وفد مجاہدین کے باہمی تناز کو ختم کروانے کے لئے پیش پیش رہتا ہے۔ میری ملاقات ڈاکٹر محمد عمر الزبیر کے کمرے میں جو لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ڈاکٹر منقذ الصواف کمرے میں چلے گئے اور ساڑھے گیارہ بجے تک ہونے والے واقعات پر بات چیت کی۔

اس ملاقات میں، میں نے انہیں کابل کی صورتحال کے ساتھ سرخاب کی صورتحا بتائی اور پھر قاضی حسین احمد سے ملاقات کی تفصیلات بھی بتائیں۔ انہوں نے مجھے ا مواقف کے بارے میں بتایا جن کی مجھے مطلقاً خبر نہ تھی کیونکہ میں پشاور میں نہیں تھا اور یہا دور سرخاب میں تھا۔ ان کے احساسات و باتوں سے مجھے یہی پتہ چلا کہ یہ ایک گھناؤنی سا جس کے ذریعے مجددی کو اقتدار دلایا گیا اور حکمت یار کو کارنر کیا گیا جس میں بدقسمتی سے بعض بھی منصوبہ بندی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس کی صحیح صورتحال اس وقت سامنے آ مجددی نے دو ماہ میں ہی ملیشیا اور شیعوں کو کابل کے اہم مراکز و مقامات پر متعین ہونے دیا میں ان کی مدد کی گئی حالانکہ یہ جگہیں فتح کے روز مجاہدین نے لے لی تھیں مزید براں ان۔ افراد کو وزیر بنایا گیا بعض کو اہم مناصب پر فائز کیا گیا۔ اللہ اعلم! مجددی کو اقتدار تک اہداف حاصل کرنے کے لئے تھا۔ اگر مجددی اقتدار میں رہتا ہے تو ٹھیک نہیں تو پہلے دو ماہ یہ ہدف حاصل کر لئے جائیں۔ مجاہدین کی صفوں میں انتشار پیدا کیا جائے اور ملیشیا اور شیع مراکز تک پہنچایا جائے تا کہ وہ بوقت ضرورت اقتدار کے بچاؤ کے لئے مجاہدین کے خلاف کئے جا سکیں۔

میرے خیال میں آنے والے وقت نے حزب اسلامی کے موقف کو صحیح ثابت ڈاکٹر محمد عمر الزبیر اور ڈاکٹر مجاہد الصواف کہتے ہیں کہ ان کے وفد کو دھوکہ دیا گیا جب یہ کہ حزب اسلامی نے اتفاق کر لیا ہے اور بعد میں پتہ چلا کہ حزب موجود نہ تھی۔ ان دونوں

ل اور تجاویز میں مجددی کا کوئی ذکر نہ تھا اور اقتدار کی منتقلی حزب اور جمعیت کے درمیان نہیں رہی تھی کہ صدارت کس کو ملے اور وزارت عظمیٰ کس کو دی جائے۔ اسی طرح وہ نہیں جانتے دی کو عرصہ دو ماہ کے لئے اقتدار دینے کی تجویز کہاں سے آئی۔ وہ دونوں منصوبہ بنا رہے ربانی کے ساتھ اگلے روز کابل جائیں گے مگر میں نے انہیں راضی اور راغب کیا کہ ان کا جانا ہوگا۔

میں نے ان سے کہا کہ عرب پہلے ہی اپنی حیثیت خصوصاً حزب کے نزدیک کھو بیٹھے جب سے اسامہ بن لادن اور وائل بلیدان نے بتانا شروع کیا کہ حزب نے دیگر قائدین کے کو قبول کر لیا ہے۔ اس سے حزب کو مزید تقویت ملے گی کہ دونوں اس سازشی کھیل میں تھے۔ میرا یہ کہنا محض مجاہدین کو متحد کرنے کے لئے تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ڈاکٹر محمد عمر اور ڈاکٹر مجاہد الصّواف ربانی کے ساتھ کابل جائیں اور حزب کو پتہ چلے کہ قومی جرگہ کا وفد کے ہاتھ پر بیٹھ کر کابل آیا ہے جو مستقبل میں ہمارے خلاف حزب کا چلے جانا تھا۔ آخر میں نے مجھے یہ تجویز دی:

پہلی یہ کہ ہم لاہور قاضی حسین احمد سے جا کر ملتے ہیں اور انہیں حکمت یار کو آمادہ کرنے لئے کہتے ہیں کہ بقیہ قیادت کے ساتھ کابل میں داخل ہوں۔ دوسری تجویز یہ کہ دونوں جدہ جائیں اور وہاں سے ایک وفد بنائیں جو استاذ یاسین قاضی، شیخ محمد قطب اور شیخ عبدالمجید پر مشتمل ہو۔ واپس آئے جو مسعود پر دباؤ ڈالے کہ ملیشیا سے ناطہ توڑے۔

دونوں نے تجویز دینے کے بعد مجھ پر چھوڑ دیا کہ میں قاضی حسین احمد سے اور شیخ عبد الزندانی سے رابطہ کروں۔ اس دن ربانی نے مجاہدین اور عرب مجاہدین کے ساتھ خاص طور پر ت رکھی جو افغانستان کے موجود حالات و واقعات کے بارے میں تھی۔

ربانی کابل میں ہونے والے واقعات کو خلقیوں کی طرف سے انقلاب کا پیش خیمہ کہہ تھے جس کی سرکوبی مسعود کے مجاہدین نے کی۔ ان خلقیوں نے دعویٰ کیا کہ وہ حزب اسلامی ہیں اور جو قتل و غارت گری ادھر ہوئی وہ حزب اور جمعیت کے مابین تھی جو حقیقت میں نہیں ۔ جب خلقیوں نے دیکھا کہ حزب اور جمعیت نے کابل کے اہم مراکز پر قبضہ کر لیا ہے تو لانے دونوں کو لڑانے کی کوشش کی لیکن حزب نے اس سازش کو ناکام بنا دیا اور آخر کار حزب

پشاور کے اتفاق میں شامل ہوگئی جواب مجاہدین کی ساتھ کابل میں داخل ہوگئی۔

ربانی نے تاکیداً کہا کہ مجاہدین کے قائدین چاہتے ہیں کہ حکمت یار کے ساتھ کابل میں داخل ہوا جائے۔ اس نشست سے جمعیت نے واضح کرنا چاہا کہ حزب کا فتح کابل بہت کم کردار ہے حالانکہ یہ اصل بڑی فتح تھی اور ظاہر کیا گیا کہ حزب اسلامی کے مجاہدین ق کے ساتھ متفق ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جمعیت کی کوشش تھی کہ عرب مجاہدین کی ہمدردیاں حا جائیں کیونکہ مسعود، ملیشیا اور شیعوں کے اتحاد کی خبریں کچھ زیادہ ہی پھیل چکی تھیں۔

مضحکہ خیز بات یہ کہ اس نشست میں موجود تمام عرب حزب کے اصل موقف ک جاننے والے تھے جو سمجھتے تھے کہ حزب کا مجددی کو اقتدار سے مسترد کرنے کا موقف درست اس کا ملیشیا اور شیعہ سے نبرد آزما ہونا بھی درست ہے۔ اس کے برعکس عربوں پر ربانی کی نشست کا اثر یہ ہوا کہ یہ پوری تصویر جو پیش گئی ہے وہ قدرے سادگی پر محمول سمجھی گئی۔ حالا بڑھتے رہے بدھ کے روز بھی...... اہم واقعہ وزیر اعظم پاکستان نواز شریف کا امیر ترکی الفیصل ہمراہ فوجی طیارے پر کابل جانا تھا۔ اس کا مقصد محض سعودی اور پاکستانی حکومتوں کا معاہدہ پشا تائید کرنا تھا۔



تین اہم اوراق

(بارہواں دن، جمعرات 27 شوال 1412ھ، 30 اپریل 1992ء)

آج کے دن کی ابتداء ابوالحسن وردکی کی ملاقات سے ہوئی۔ جو عرب مجاہد ہیں ا طویل عرصہ تک افغانستان کے صوبہ وردک میں رہے اور اسی کی طرف منسوب ہوئے۔؟ اور اردگرد کے حالات و واقعات پر تبادلہ خیال کر رہے تھے گزشتہ سوموار 24 شوال کو میں الحسن وردکی کو کچھ ساتھیوں سمیت کابل بھیجا تھا تاکہ وہاں کی تصاویر اور اردگرد کے تازہ حالا کر آئیں۔ یہ ان کا دوروزہ دورہ تھا۔ ابوالحسن وردکی اور اس کے رفقاء کا دورہ کابل کے جنو ہوتے ہوئے حکمت یار کے مرکز سرخاب کی طرف تھا وہاں سے پھر کابل بل عالم کے مابین عمومی سے گزرتے ہوئے وہ مقبرہ نادر شاہ پہنچ گئے۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں حزب اور ملیشیا

تھی۔ ابوالحسن نے تاکیداً بتایا کہ اس نے حزب اور جمعیت کے مابین لڑائی ہرگز نہیں دیکھی بانی کی فوج یعنی جمعیت کی عمومی فوج اور خصوصاً مسعود کی ذمہ داری امن بحال رکھنا تھا۔ منگل وال کو حزب آخر کار کردینار کے نواحی علاقے پر قابض ہوگئی۔ اس سے پتہ چلا کہ حزب کابل وبہ میں تھی نہ کہ جنوب سے کابل شہر میں تھی اگرچہ حزب کابل کے جنوب میں صحیح طور پر قابض ہو سکی مگر دیگر سمتوں پر ان کا قبضہ تھا جو غلط پروپیگنڈہ کرنے والوں کو جھوٹا کرنے کے لئے کافی

ملیشیا کی حزب کے ٹھکانوں پر صحیح بمباری پتہ دے رہی تھی کہ وائرلیس پر لازمی طور پر یا کو ہدایات کہیں سے دی جارہی ہیں۔ ابوالحسن وردکی کے مشاہدات کے مطابق حزب اسلامی تابع ایک گروپ ''سما'' کا صوبہ لوگر سے صوبہ کابل جانے والی سڑک اور پھر وہاں سے الحکومت تک کی شاہراہ پر قبضہ تھا جو کسی کو راستہ عبور نہیں کرنے دیتا۔ فتح کابل کے کچھ عرصہ بعد ب کے کمانڈر شریان امداد نے دارالحکومت کے مشرقی جانب پر بھی قبضہ کر لیا تھا اس طرح ب کے لئے داخل ہونے کے لئے دو راستے ہوئے تھے۔ یہ معلومات قدرے میرے ذاتی رازے کے قریب تھیں جو میں نے حکمت یار کے ساتھ بیٹھ کر حزب کی فوج کو فتح کے دن کابل گرد احکامات دیتے ہوئے بتائے تھے۔ جب حکمت یار بڑی تاکید اور سختی سے حکم دے رہے تھے پچھلی جانب کو محفوظ بنایا جائے اور چیک پوسٹیں قائم کی جائیں اور مجاہدین سے غیر متعلق افراد کو گز نہ داخل ہونے دیا جائے۔

جہاں تک کابل اور اس کے گرد کی آبادیاں ہیں وہ جہاد کے طویل عرصہ میں کسی فضائی یا جنگ کی شدید صورت حال سے دوچار نہیں ہوئی تھیں لیکن اب قدرے خوفزدہ نظر آرہی ۔ ابوالحسن کے مطابق وہ جس گھر میں داخل ہونے تھے ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ میزائل داغا گیا۔ کابل کے عوام زیادہ تر ملیشیا سے تنگ تھے اور ملیشیا ان لوگوں کو ڈرانے دھمکانے لئے بمباری کر رہی تھی۔ اس لئے وہ مجاہدین کے لئے اپنے دل میں ہمدردی پاتے تھے اور ملیشیا بات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہ کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں کہ ملیشیا ایسی انسانیت سوز حرکات ئے ان کی تربیت بھی اسی نہج پر کی گئی ہے۔ سوویت حکومت نے دس سال اور آٹھ کے قریب

قریب کی عمر کے بچوں کو پہلے اغواء کیا تھا اور پھر انسانیت کش اور شفقت سے عاری تربیت کا بیج ان
کے سینوں میں بویا تھا۔ یہ وہ بچے تھے جن کو جیتے جی ہی مار دیا گیا تھا۔ ان میں انسانیت نام ہی کی کوئی
چیز نہ رہنے دی۔ جب نجیب حکومت آئی تو اس نے ان ملیشیا کو علاقائی بنیادوں پر تقسیم کر دیا تھا کچھ
کو تاجکی، کچھ کو ازبک اور کچھ شیعہ فرقوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ ان میں کچھ خصوصی ٹریننگ پر تھے جو
صرف مجاہدین کو قتل کرنے کے لئے مقرر تھے۔ جن کا کام ہی لوگوں کے مال و دولت اور عزتیں لوٹنا
تھا۔ منگل 25 شوال کو حزب اسلامی کی عسکری کمیٹی کا اجلاس تھا جس میں کابل سے فوج نکالنے اور
آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنا تھا تاکہ ملیشیا اس وجہ سے بے گناہ آبادی پر بمباری نہ کرے۔

اس خبر کی تائید بھی ابوالحسن وردکی کے مشاہدہ نے کر دی تھی۔ جس دن حزب نے کابل
سے اپنی فوج ہٹانی شروع کی تو ساتھ ہی کابل کے آبادکار بھی ہجرت کرنا شروع ہو گئے۔

8 بجکر 50 منٹ پر میں نے شیخ عبدالمجید زندانی کو یمن فون کیا اور انہیں نئے لائحہ عمل کی
پوری تفصیل بتائی جس پر میں، ڈاکٹر محمد عمر الزبیر اور ڈاکٹر مجاہد الصواف متفق ہوئے تھے۔ اس پر ان
کی رائے بھی لی۔ شیخ عبدالمجید زندانی نے ہمیں تجویز دی کہ ہم تینوں مخلص ہو کر دونوں طرف
مصالحت واتفاق پر لانے کی کوشش کریں۔ اسی طرح انہوں نے کہا کہ پہلے مرحلہ میں رابطہ حزب
سے کیا جائے پھر دوسرے مرحلہ میں دیگر بقیہ احزاب سے رابطہ کیا جائے اور تیسرے مرحلہ میں
دونوں مرحلوں کو باہم ملا کر متفقہ حل نکالا جائے۔ اس کے بعد کچھ اہم امور پر بات چیت ہوتی
رہی۔ ایک جانب اور شیخ عبدالمجید زندانی نے توجہ دلائی کہ کیا عبوری حکومت کو ملیشیا کی طرف سے
بھی کوئی ضمانت ملی ہے یا نہیں؟ اب تک جو پیش رفت حل کے لئے رہی خواہ وہ ایک فرد کی طرف
سے ہو یا کسی اور کی جانب سے وہ دونوں طرف کے فریقین کو جمع کرنے میں کسی نہ کسی مصلحت کا
شکار ضرور ہوئی ہے۔ جو حقیقتاً مجاہدین کی حق میں نہیں تھا۔ پھر شیخ نے دوراندیشی سے کہا۔ ''قائدین
اب ایسی کسی سازش سے چوکنا ضرور ہو گئے ہوں گے۔ جبکہ میں اپنے تئیں اس کو بہت خطرناک
سمجھتا ہوں کہ ملیشیا کو محض اس لئے استعمال کیا جائے تاکہ حزب کے مقابلہ پر فوجی برتری میں
توازن پیدا کر دیا جائے لیکن قیادت کو اس کا زیادہ ادراک نہیں لگتا۔ اسی طرح وہ ملیشیا اور شیعہ
وزن کو بھی محسوس نہیں کر پا رہے۔ اگر یہ نکتہ افغان قائدین کو سمجھ آ جاتا تو وہ فوراً ملیشیا اور شیعوں

یٹ کرنے کیلئے تیار ہو جاتے البتہ اس بارے میں شیخ عبدالمجید زندانی کو صائب نہیں سمجھتا کہ
ان عوام اس نکتہ کو بخوبی سمجھ آ چکی ہے۔ اسی ضمن میں شیخ عبدالمجید زندانی نے مشورہ دیا کہ مصالحتی
ٹی میں شیخ جلال الدین حقانی کو بھی شامل کر لیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یا شیخ زندانی یمن
زیادہ مصروف ہو گئے ہیں یا وہ ٹیلی فون پر کوئی صحیح موقف نہیں سمجھ پائے۔ حقیقت میں میں کسی
ب مصالحتی کمیٹی کے حق میں نہیں تھا اور شیخ زندانی سے رابطہ بھی ڈاکٹر عمر الزبیر کے اصرار پر مجھے
نا پڑا۔ یہ آخری اجتماعی کوششیں تھیں جو مصالحت کے لئے کی جا رہی تھیں۔

ہم نے پہلا سوال یہی پوچھا کہ انتقال اقتدار کے لئے حاکم کی تقرری میں آخر حزب
ء اختلاف میں آپ لوگ کیوں پڑے جس نے مزید اعتراضات پیدا کر دیئے؟ شیخ ربانی نے کہا
یہ اتفاق اس لئے کیا گیا تاکہ دوسری طرف کی تنظیمیں راضی رہ سکیں۔ مجددی، گیلانی اور محمد نبی کو
ی اسلوب اتفاق سے ہی راضی کیا جا سکتا تھا یعنی ہم کچھ اقتدار کا وقت انہیں دیں اور پھر اس سے
زیادہ مجاہدین کے لئے فوائد حاصل کر سکیں جو ہم چاہتے ہیں جبکہ مجددی کا عبوری حکومت کے
دکا تقرر محض انتقال اقتدار کے لئے دو ماہ تک کیلئے محدود ہے۔ اسی طرح مجددی نے کوئی تغیر
لیا سوائے کہ ایک سفیر متعین کر دیا''۔

ربانی کا یہ آخری نکتہ بہت سے واقعات کا جواب تھا کہ وہ اگرچہ مجددی کے عرصہ انتقال
ر کے پہلے دنوں میں کچھ نہیں کر سکے سوائے اسلام آباد میں ایک سفیر تعین کرنے کے مگر اس
دانہوں نے دوستم کو جنرل کا عہدہ دیا تاکہ ملیشیا کو اپنی طرف مائل کیا جا سکے۔ اسی طرح
ل نے عبوری کابینہ میں شیعوں کو جگہ دی اور کمیونسٹ فوجیوں کو وزارت دفاع میں متعین کیا۔
یال ہے اس ضمن میں مسعود نے اس کی مدد کی ہوگی جب یہ تقرریاں ہو رہی تھیں تاکہ وہ ایک
ست عملی اپنے لئے تیار کر سکے۔ شیخ ربانی کی ہمارے ساتھ معاہدہ پشاور پر بات چیت جاری
۔ بقول ان کے کہ ان کی سربراہی کا دور صرف دو ماہ بعد مجددی کے بعد شروع ہو جائے گا اور
پشاور معاہدہ ہو رہا تھا تو انتقال اقتدار کے مراحل پر کوئی تفصیلات طے نہیں کی گئی تھیں بلکہ
لاکے لئے چھوڑ دی گئی تھیں جو افغان قیادت کی عادات کے مطابق ہے جب وقت آتا ہے تو
لا آزادی سے فیصلہ کرتا ہے اور اس میں قائدین کے اجتماع کی طرف رجوع بھی نہیں کرتا۔

اس وقت رات کو ہمیں پتہ چلا کہ حزب اسلامی پر تنقید جمعیت کی طرف سے ایک طبعی
امر ہے۔ اس پر بھی ہمیں کوئی حیرانی نہ تھی جب ربانی نے بتایا کہ حکومت کے خلاف حزب کی
کارروائیاں اشارہ دیتی ہیں کہ معاہدہ پشاور میں شریک جماعتیں اس سلسلے میں ترتیب دی گئی
حکومت پر دوبارہ نظر ثانی کی جائے اور اصرار کرتی ہے کہ انتقال اقتدار کے وقت وزارت عظمیٰ
حزب اسلامی کی بجائے دوسری حزب کو دی جائے اور یہ طبعی امر بھی ہے اور عقل میں بھی نہیں آ
کہ حکومت کی سربراہی وہ کرے جو اس کی سیاست اور اس کے اہم ارکان کے مخالف ہو۔ ربانی نے
مزید کہا کہ وہ مجاہدین میں یکجہتی کے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے اور حزب کو وزارت عظمیٰ
دینے کی بھی سعی کریں گے۔ لیکن اس سلسلے میں دوسری جماعتوں کے اعتراض کی توقع بھی ہے
اس کے بعد جب ہم نے شیخ ربانی سے مسعود کی ملیشیا کے ساتھ اتفاق پر بات چیت کی اور جمعیت
کی اس سلسلہ میں سیاست پر بات رکھی تب ربانی نے انکار کیا کہ اب کوئی اتفاق سرے سے نہیں
ہے یہ محض افتراء ہے۔

اس کے بعد خبروں نے بتایا کہ کابل میں ملیشیا کی فوج موجود ہے لیکن اس خبر میں ا
کی تعداد کو کم ظاہر کیا گیا اور کہا گیا کہ بعض ملیشیا فوج پہلے سے ہی کابل میں موجود تھی جو نہ شہر
حفاظت کر رہی تھی اور نہ ہی شہری امور میں مداخلت کر رہی تھی جبکہ مجاہدین ہی شہر کو حفاظت
لئے ہوئے ہیں اور وہی اس کے امور و معاملات کو چلا رہے ہیں اور وہاں کے ہزاروں شہریو
تحفظ دیئے ہوئے ہیں۔ یہ بات بھی اڑائی گئی کہ ان دنوں جو لڑائیاں شہر میں ہوئیں وہ بعض
کچھی فوج کے کارندوں کی حرکات تھیں نیز وہ فوجی دستے وزارت داخلہ اور نیشنل گارڈ سے
رکھنے والوں میں شامل تھے۔ معاملہ یہ تھا جس نے حزب اسلامی کو دھوکہ میں رکھا ہوا تھا اور ر
رہی تھی کہ اس پورے کھیل میں اسے ملیشیا سے سامنا ہے۔ جب سامنے سے یہ پردہ ہٹا تو وہ
کے امور مجاہدین کے سپرد کر کے پیچھے آ گئی۔

ہمارے پاس اس بات کا ثبوت تو نہیں کہ اس وقت حزب کو کمیونسٹوں کی باق
سامنا تھا مگر اس کے برعکس معاملہ وہاں چل رہا تھا کہ حزب اور دوستم ملیشیا میں کابل کے گر
لڑائی ہو رہی تھی۔ یہ ہمارے مشاہدہ میں بھی تھی۔

یہ بات بھی ابوالحسن وردک کے مشاہدات کی صورت میں ہمارے پاس ثبوت کے طور
ہے کہ 25 شوال بروز منگل حزب نے اپنی مرضی سے پسپائی اختیار نہیں کی تھی بلکہ ملیشیا فوج کے
باؤ کے تحت پسپا ہوئی تھی۔ ربانی سے ملاقات کے بعد ہمیں چاہئے تھا کہ ہم اسی وقت کے دیگر
والات بقیہ افغان قیادت اور لوئی جرگہ کے سامنے پیش کرتے کہ کس نے مجددی کا چناؤ کیا تھا؟

شیخ ربانی کہتے ہیں۔ ”ہاں! یہ سیاف ہی ہے جس نے کمیونسٹوں سے اقتدار لینے کے
لئے عبوری حکومت کی سربراہی کے لئے مجددی کا نام دیا تھا۔ مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا مگر
ں وقت پتہ چلا جب بقیہ بھائیوں نے مجددی پر اتفاق کر لیا تھا اور جب مجھے پتہ چلا کہ حزب نے
ی موافقت کی ہے تب میں نے بھی اتفاق کر لیا“۔



روانگی سے قبل آخری اقدام......!

(تیرھواں روز، جمعہ 28 شوال 1412ھ، 29 اپریل 1992ء)

28 شوال بروز جمعہ اس خبر کی تصدیق ہوگئی کہ حزب اسلامی نے دارالحکومت کے وہ
نام مراکز جن پر اس کا قبضہ تھا، چھوڑ دیئے ہیں اور وہ آخری مرکز بھی جو وزارت داخلہ کی عمارت
بں بنایا گیا تھا چھوڑ دیا ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ حزب نے کابل کے چاروں طرف شمال،
بنوب، مشرق اور جنوب مغرب سے داخل ہونے والے راستوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اسی کے ساتھ
رب ثالثوں کی کوششیں اس نتیجہ پر پہنچیں کہ بار بار کی ثالثی اور وساطت کی کوششیں ختم کر دی
بائیں اور جلال الدین حقانی صاحب کے لئے دروازہ کھلا رہنے دیا جائے کہ وہ اس سلسلہ میں کیا
قدم اٹھاتے ہیں۔

یہ بات بھی حقیقت ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ عرب مجاہدین نے بالفعل
حزب اسلامی کے ساتھ اشتراک کیا اور وہ جمعیت کی یا ملیشیا کی صفوں سے کسی طور بھی مشترک نہ
تھے اور یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ اس مشاورت پر بھی عرب دو حصوں میں بٹ گئے کہ وہ دونوں کو
اپنے اپنے نقطہ نظر سے دیکھتے تھے۔ ان میں سے بعض نے دیکھا کہ یہ مسلمانوں کی باہمی قتل و
غارت گری ہے جس میں عربوں کا کوئی کردار نہیں ہونا چاہئے اس موقف کو اسامہ بن لادن نے

اپنایا اور دیگر مجاہدین نے اسکی پیروی کی۔ جبکہ بعض نے موقف اپنایا کہ یہ جنگ مسلمانوں اور
کمیونسٹوں کی باقیات سے ہے جن سے قتال کرنا ضروری ہے اسی وجہ سے وہ حزب کی صفوں میں ابو
السوری کی قیادت میں شامل ہوئے جو قریب زمانے میں شہید ہو گئے ہیں۔ رحمتہ اللہ!

اس کے مابین ایک رائے یہ بھی پائی گئی کہ کوئی جرگہ کے افراد فیصلہ جلال الدین حقانی
کو سونپ دیں جو افغان تنظیموں کے مابین کسی حل پر پہنچانے کے لئے جدوجہد کریں اور حکمت یار
اور مسعود کے درمیان صلح کرائیں۔ شیخ جلال الدین حقانی کا مجاہدین کے باہمی اتفاق کرانے میں
بہت بڑا کردار ہے جو بھلایا نہیں جا سکتا۔ انہی کی کوشش تھی کہ راولپنڈی میں ہونے والے مجددی
کی صدارت میں اجلاس میں 1409ھ اعلان کیا گیا کہ مجاہدین کی عبوری حکومت تشکیل پا گئی ہے
جس کے صدر مجددی اور وزیر اعظم سیاف ہوں گے۔

29 کی صبح کو ہم نے شیخ جلال الدین حقانی کی رہائش گاہ پشاور سے وائرلیس پر ان سے
صوبہ پکتیا کے مرکز گردیز میں رابطہ کیا۔ دوران گفتگو میرے ساتھ وائل جلیدان تھے یہ بات ہوئی
کہ حزب اور جمعیت کے مابین موافقت کو ثالثی طریقے سے آخری بار کس طرح کامیاب کرایا جا
سکتا ہے تا کہ دونوں فریقوں مسلح لڑائی سے کم از کم بچ سکیں۔

شیخ حقانی کے مطابق کابل میں داخلہ اور سیاسی فوائد کا حصول افغان قیادت کے
اشتراک سے ہی ممکن ہے یا پھر دونوں فریقین کے لئے قابل قبول علماء کو درمیان میں لایا جائے۔
انہوں نے بتایا کہ وہ حکمت یار سے لوگر میں تفصیلاً مل چکے ہیں اور حکمت یار نے انہیں ثالثی کا پورا
اختیار دیدیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ آئندہ چند روز میں مسعود سے بھی اس سلسلہ میں ملیں گے
تا کہ اتفاق ہو سکے۔

ہم سے شیخ حقانی نے مطالبہ کیا کہ شخصی طور پر مسعود کو وزن دیں تا کہ وہ ملیشیا سے
اسطرح موافقت پر مائل نہ ہو سکے اور مسعود سے یہ بات طے ہو سکے کہ وہ ملیشیا کو بھگا دے اور اس
کے جرنیلوں کو سبکدوش کر دے اور انہیں عام شہری کی طرح رہنے دے، کوئی سیاسی اہمیت نہ دے۔
یہ بات ہمارے ذہن میں بیٹھ گئی اور ہم نے وائرلیس پر ایک گفتگو شیخ موسیٰ قرنی سے کی جن کو طویل
عرصہ سے افغان قضیہ پر عبور رہا ہے اور جو متعدد بار پنج شیر بھی کئی سال رہے اور مسعود کے نزدیک

ن کا اچھا خاصا وزن اور مقام ہے لیکن جب ٹیلی فون پر شیخ موسیٰ قرنی سے رابطے نہ ہو سکے تب
ب نے مجھے کہا کہ میں جدہ لوٹ کر مدینہ منورہ ان سے رابطہ کروں۔ سوموار 2 ذی القعدہ کو
لاقات ہوئی مگر شیخ موسیٰ قرنی نے افغان قیادت کے مابین اختلافات سن رکھے تھے اور انہوں نے
عذرت کر لی کہ وہ کسی قسم کا مجاہدین کے درمیان ثالثی کا کردار ادا نہیں کریں گے۔ آخر پھر معاملہ کا
یصلہ شیخ حقانی پر چھوڑا گیا کہ جن کی کاوشوں کے ثمرات تھے کہ حکمت یار اور مسعود کسی اتفاق پر پہنچے
ور دستخط کئے لیکن اس اتفاق کا نفاذ لکھا نہ جا سکا۔ یہ دن بھی گزر گیا جو افغانستان میں جہاد کی تاریخ
کے خطرناک دن تھے اور اگلے روز میں نے واپس جدہ چلے جانا تھا۔



طالبان کی آمد

اکتوبر 1994ء کی ایک شام تھی۔

افغانستان کے جنوبی شہر قندھار کے مضافات میں براتیوں سے بھری ایک بس جارہی تھی۔ اچانک ایک سنسان سی جگہ پر جدید ترین اسلحے سے لیس ایک گروہ نے بس روک لی۔ ان کا تعلق ''عصمت ملیشیا'' نامی ایک گروپ سے تھا جو خود کو ''مجاہدین'' کہلواتے تھے۔ گروہ کے کمانڈر نے تمام مسافروں کو نیچے اتار کر قیمتی سامان اور نقدی حوالے کرنے کا حکم دیا۔ اچانک ان کی نظر روایتی قبائلی عروسی لباس میں ملبوس دلہن پر پڑی۔ دلہن کی خوبصورتی نے اسے سحرزدہ کردیا اور اس کے شیطانی ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے بڑے کرخت لہجے میں براتیوں سے کہا کہ یہ تو ہمارے قبیلے کی خاتون ہے جو کچھ عرصہ پہلے گم ہوگئی تھی۔ تم لوگوں کو ہمت کیسے ہوئی ہماری ''عزت'' پر ہاتھ ڈالنے کی۔ یہ کہہ کر اس نے بلاتوقف اپنی گن سیدھی کی اور دولھا کو گولیوں سے چھلنی کردیا۔ اس کے ساتھیوں نے دلہن کو پکڑا اور جیپ میں ڈال دیا۔ مزاحمت کرنے پر دو اور افراد کو گولی ماردی گئی۔ یہ گروہ اس بہیمانہ واردات کے بعد آناً فاناً غائب ہوگیا۔ مسافروں میں ایک 37 سالہ مجاہد طالب علم بھی شامل تھے جو نہتا ہونے کے باعث بے بس کھڑا تھا۔ یہ غیور افغان غصے سے پیچ وتاب کھاتا ہوا قندھار اپنے مدرسے میں پہنچا۔ عصمت ملیشیا کی اس درجہ گھٹیا کارروائی سے وہ دنگ رہ گیا۔ افغانستان میں جاری اقتدار کی رسہ کشی اور نام نہاد جہادی لیڈروں کے لالچ اور

نافقت سے وہ پہلے ہی تنگ تھا۔ اس نے علاقے کے علماء کو بلایا اور انہیں بتایا کہ نام نہاد مجاہدین یہ چھ کررہے ہیں۔ علماء نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا: ان چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور لٹیروں کے لاف جہاد فرض ہے۔ جہاد کرتے ہوئے جو مارا جائے گا وہ شہید کہلائے گا جبکہ مخالفین میں سے جو رے گا وہ مردار اور جہنمی ہوگا۔

ملا عمر نامی اس مجاہد نے اس فتوے کے بعد علماء، دکانداروں اور دوسرے شرفاء کی مدد ے ''طالبان'' کو منظم کیا اور سپین بلدک سے جہاد کا آغاز کردیا۔ طالبان نے عصمت ملیشیا اور اس ے کمانڈر امیر لالہ کا خاتمہ کردیا۔ برہان الدین ربانی کا کمانڈر نقیب اللہ اور حکمت یار کا کمانڈر رکاتب بھی جرائم پیشہ تھے، لہٰذا اس کا بھی سر کچل دیا گیا۔ طالبان کا منشور بہت مختصر تھا: ''امن و ان قائم کریں گے، راستے کھولیں گے، زنجیریں توڑیں گے اور اسلامی شریعت نافذ کریں گے۔'' رآن مجید کو انہوں نے ہاتھ میں لیا اور نکل پڑے۔ لوگ ربانی، حکمت یار کی جنگ اور جرائم پیشہ ناصر سے تنگ آئے ہوئے تھے، اس لئے انہوں نے طالبان کا خیر مقدم کیا۔ دیگر جماعتوں کے باہدین اور علاقائی کمانڈر اس میں شامل ہوتے گئے۔ مذکورہ بالا واقعہ کے راوی معروف کمانڈر ولانا جلال الدین حقانی ہیں۔ مولانا حقانی حزب اسلامی (یونس خالص گروپ کے) پکتیا اور وست میں سپریم کمانڈر رہے۔ افغان جہاد میں ان کی خدمات گرانقدر ہیں۔ وہ بھی حکمت یار ربانی چپقلش سے تنگ آئے ہوئے تھے، اس لئے طالبان کے ظہور کے بعد ملک میں امن اور اسلامی ظام قائم کرنے کی غرض سے انکے ساتھ مل گئے۔

ستمبر 1995ء میں طالبان نے ہرات اور شمالی مغربی افغانستان کے دیگر اضلاع فتح کرکے تہلکہ مچادیا اور ستمبر 1996ء میں انہوں نے حیرت انگیز طور پر کابل پر قبضہ کرلیا اور اس کے ساتھ افغانستان کا اسی فیصد علاقہ ان کے کنٹرول میں آگیا۔ ربانی اور دیگر شکست خوردہ عناصر شمالی افغانستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ طالبان متضاد نظریات رکھنے والے لیڈروں دوستم، ربانی، مدشاہ مسعود اور شیعہ گروپ حزب وحدت نے ''شمالی اتحاد'' قائم کرلیا۔

8 اگست 1998ء کو شمالی اتحاد کے دارالحکومت اور سب سے اہم دفاعی مرکز مزار شریف ر طالبان کا قبضہ ہوگیا۔ اس سے قبل 29 مئی 1997ء کو طالبان اور دوستم کے منحرف جنرل عبد

الما لک نے ایک معاہدے کے تحت مزار شریف پر قبضہ کرلیا تھا، مگر 72 گھنٹوں بعد ہی طالبان
اور عبد المالک کی فوجوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ طالبان کو پسپا ہونا پڑا۔ بڑی تعداد میں شہید اور
گرفتار ہوئے۔ گرفتار طالبان کے ساتھ انتہائی وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ دشت لیلی میں کم وبیش دو
ہزار طالبان کو بے رحمی سے قتل کیا گیا اور بعض جگہوں پر زندہ جلا دیا گیا۔ طالبان کے مطابق ان
مظالم میں ایران اور بھارت کی خفیہ ایجنسیوں نے جنرل مالک کا کھل کر ساتھ دیا تھا۔ مفرور عبد
المالک نے ان دنوں ایران میں پناہ لے رکھی تھی۔ مزار شریف سے طالبان کی پسپائی ایک
بہت بڑی شکست تھی۔ عسکری ماہرین کا خیال تھا کہ اب طالبان کابل پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکیں
گے، مگر انہوں نے حیرت انگیز صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کابل کو شمالی اتحاد کے حملوں سے
بچایا اور نئے سرے سے صف بندی میں مصروف ہوگئے۔

تازہ فتوحات کا سلسلہ 2 اگست سے شروع ہوا جب طالبان نے ازبک جنرل دوستم
کے آبائی قصبے اور جوزجان کے صوبائی دارالحکومت شبرغان پر قبضہ کرلیا۔ دوستم بیرون ملک فرار ہو
گیا۔ اسی روز انہوں نے صوبہ بلخ کے دو اضلاع چمتال اور چار بولک پر بھی قبضہ کرلیا۔ تین اگست
کو سمنگان اور بلخ میں شمالی اتحاد کے کئی کمانڈروں نے بغاوت کر کے اپنے زیر کنٹرول علاقے
طالبان کے حوالے کر دیئے۔ چار اگست کو ضلع کلدار اور پانچکو سرائے پل پر بھی قبضہ ہوگیا۔ حزب
وحدت کے تینوں دھڑوں، جنرل عبد المالک کے بھائی گل محمد پہلوان، جمعیت اسلامی اور شوریٰ
نظار نے انجینئر احمد شاہ مسعود کو مشترکہ فوج کا کمانڈر مقرر کر دیا تاکہ مزار شریف کو بچایا جاسکے۔
ان تمام کوششوں کے باوجود آٹھ اگست کو طابان نے مزار شریف فتح کرلیا۔ گزشتہ سال کے تجربے
کے بعد اس مرتبہ طالبان نے ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا۔ قبضے کے بعد آپریشن کلین اپ جاری رکھا
اپنی پوزیشنیں مستحکم کیں۔ جن لوگوں کا خیال تھا کہ اس بار بھی مزار شریف چند روز بعد طالبان
قبضہ سے نکل جائے گا' انہیں مایوسی ہوئی۔ طالبان نے دیگر محاذوں پر پیش قدمی جاری رکھی
گیارہ اگست کو احمد شاہ مسعود کے مضبوط گڑھ صوبہ تخار کے دارالحکومت تالقان پر بھی قبضہ
لیا۔ بارہ اگست کو انہوں نے کابل سے سو میل دور شاہراہ بغلان کے اہم قصبہ پل خمری پر قبضہ کر
وادی پنج شیر کی اہم سپلائی لائن کاٹ دی۔ دوسری طرف دوستم کے اہم ٹھکانے اور سرحدی

نا پر طالبان کا قبضہ ہوگیا۔ اس سے ازبکستان اور دیگر وسطی ایشیائی ریاستوں سے شمالی اتحاد کی
ہم سپلائی لائن کٹ گئی۔

پندرہ اگست 1998ء کو کابل سے تین سو تیرہ کلومیٹر دور صوبہ سمنگان کے دارالحکومت
اور شاہراہ سالانگ پر واقع بغلان کے اہم شہر اور اسماعیلیوں کے مرکز دوشی پر بھی طالبان نے
رلیا۔ سولہ اگست کو پروفیسر ربانی کے آبائی صوبے بدخشاں کے دو اضلاع میں عوام نے
ی کر کے طالبان کے خیر مقدم کے لئے سفید پرچم لہرا دیئے اور بیس اگست کو شاہراہ سالانگ پر
ہم قصبے تسخیر ہوگئے۔ پروفیسر ربانی ایران کے شہر مشہد چلے گئے جہاں حکمت یار اور دیگر
اؤں نے پہلے ہی پناہ لی ہوئی تھی۔ پروفیسر برہانی نے سابق کیمونسٹ حکمران نجیب اللہ کے
ے بڑے حمایتی ملک بھارت سے اپیل کی کہ وہ افغانستان میں اپنا کردار ادا کرے۔ یاد
ہ ماضی میں ربانی، افغان عوام اور جہادی تنظیموں کے خلاف امداد دینے پر بھارت کو مطعون
تے رہے تھے۔

افغانستان پر امریکی حملے کے باوجود طالبان کی کامیابیوں کا سلسلہ جاری رہا اور اکیس
بہ تخار کے اہم فوجی کیمپ فرخار پر ان کا تسلط ہوگیا۔ شاہراہ سالانگ پر اسماعیلی رہنما آغا
اہ راست خلیفہ جعفر نادری کے اہم ٹھکانے درہ کیان پر بھی طالبان قابض ہوگئے۔ 13
اء کو ایران نواز شیعہ گروپ حزب وحدت کے اہم مرکز بامیان پر طالبان کا قبضہ ہوگیا۔
فتح ہوگیا۔ ان فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ طالبان کی فتوحات پر بھارت،
اجکستان، آذربائیجان اور روس سبھی میں تشویش کی لہر دوڑ گئی مگر سب سے شدید ردعمل
۔ مزار شریف پر قبضے کے وقت نو ایرانی سفارتکار قتل ہوگئے تھے۔ ایران کے مطابق ان
مہ دار طالبان حکومت تھی۔ طالبان نے اس کی پرزور تردید کی اور ان کے مطابق چند
یوں نے بلا اجازت یہ کام کیا ہے اور انہیں اس کی سزا دی گئی، تاہم تہران کی ناراضگی
نہیں آئی اور افغان سرحد پر ایران نے جنگی مشقیں شروع کر دیں۔ ایران کے روحانی
اللہ علی خامنائی نے انتہائی سخت الفاظ میں طالبان کو ''بے کار اور گھٹیا لوگوں کا گروہ''
یران نے پاکستان کے خلاف بھی شدید غم و غصے کا اظہار کیا اور تہران میں پاکستانی

سفارت خانے کے باہر ایرانی مظاہرین نے پاکستان کے خلاف نعرے بازی بھی کی اور اس
ساتھ ساتھ ایرانی پریس نے بھی پاکستان پر بے بنیاد الزامات عائد کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔

افغان جہاد کے دوران ایرانی کردار پاکستان کی نسبت غیر نمایاں رہا تھا۔ اس کی
تھی کہ ایرانیوں نے غیر ملکی اخبار نویسوں کو اپنے ملک میں آ کر رپورٹنگ کی اجازت نہیں دی
علاوہ ازیں ایران میں افغان مہاجرین کو پاکستان کے برعکس سختی سے کیمپوں ہی تک محدود رکھ
تھا۔ ایرانی، افغان جہاد میں امریکی مداخلت اور امداد کی وجہ سے بھی محتاط تھے اور وہ کھل کر امر
کا ساتھ دینے سے گریزاں تھے۔ آٹھ شیعہ افغان گروپوں کی داغ بیل تہران میں پڑی تھ
ایرانیوں کی کوشش سے انہیں مدغم کر کے عبدالعلی مزاری کی قیادت میں حزب وحدت بنائی گ
تاہم حزب وحدت اور تہران کے مابین تعلقات غیر معمولی کبھی نہیں رہے تھے اور ایک دفعہ ح
وحدت اور اس کے مرکزی لیڈر کریم خلیلی ایرانی دباؤ سے بچنے کی خاطر اسلام آباد منتقل ہو
تھے۔ عبدالعلی مزاری گزشتہ سال طیارے میں طالبان کے ساتھ جھڑپ میں ہلاک ہو گئے
جب انہیں کابل سے قندھار منتقل کیا جا رہا تھا۔

افغانستان سے روسیوں کے انخلا کے بعد اقتدار کی رسہ کشی میں ایران نے بھرپور
نہیں لی تھی۔ 1992ء میں پشاور میں بننے والی عبوری حکومت اور بعد میں اسلام آباد معاہدے
بھی ایران نے کسی خاص سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ایران کی دلچسپی بعد میں آہستہ آہستہ
لگی۔ بعد ازاں پروفیسر ربانی اور احمد شاہ مسعود کی حمایت کا اعلانیہ اظہار کر کے ایران نے
ترجیحات واضح کر دیں۔ ایران ہی کی ایماء پر شیعہ گروپوں نے ربانی مسعود حکومت کا سا
اگرچہ وہ ان سے نالاں تھے۔ مبصرین کا خیال ہے کہ مذہبی اور مسلکی وجوہات کے ساتھ
دراصل ایران غیر پشتو اور فارسی بولنے والوں کا اتحاد بنانا چاہتا تھا۔ غیر فطری ''شمالی اتحاد''
رکھنے میں ایرانی کوششوں کا بڑا عمل دخل ہے۔ اسی وجہ سے شمالی اتحاد کی شکست خصوصاً مزار ش
اور بامیان کا چھن جانا ایران کے لئے زبردست ہزیمت سے کم نہیں تھا۔

ایرانیوں کے طالبان کے بارے میں بھی بعض تحفظات ہیں۔ ایران کے خیا
طالبان جو کٹر سنی (بیشتر دیو بندی) ہیں، شیعہ مفادات کا خیال نہیں رکھیں گے۔ ایران کو خد

لبان حکومت پندرہ لاکھ ہزارہ شیعہ آبادی اور انکی نمائندہ عسکری تنظیم حزب وحدت کو کچل
ی۔ ایران یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی سرحد کے ساتھ ایک ایسی حکومت قائم ہو جس کے
اس کے اسلامی تصورات اور طرز فکر میں نمایاں اور بنیادی فرق ہو۔ اگرچہ طالبان کی امریکہ
کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے، تاہم تہران یہ سمجھتا ہے کہ اگلے برسوں میں افغانستان میں امریکی
وخ میں اضافہ ہونا خارج از امکان نہیں۔ ایرانیوں کو یہ بھی خطرہ تھا کہ طالبان اپنا جہاد برآمد
تے تھے۔

وسطی ایشیائی ریاستوں، ماسوائے ترکمانستان کے لئے بھی اسلامی افغانستان ناقابل
ہے، چونکہ ان ریاستوں میں اقتدار تقریباً مکمل طور پر سابق کمیونسٹوں اور جدید سیکولروں کے
چکا ہے۔ روس کو یہ خطرہ ہے کہ طالبان کی اسلامی تحریکوں کے اثرات رشین فیڈریشن کی نیم
مسلم جمہوریہ پر بھی پڑ سکتے ہیں۔ طالبان حکومت بھی افغانستان میں ایران کی بالواسطہ
مداخلت سے برہم تھی۔ بامیان پر طالبان کے قبضے سے کچھ دیر پہلے فرار ہونے والے
وحدت کے سربراہ کریم خلیلی کے حکم سے سینکڑوں طالبان قیدیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ زندہ
الے چند قیدیوں کے مطابق یہ ظلم ایرانیوں کی ایماء پر ہوا اور کچھ ہی عرصہ پہلے تک بامیان
ں سے بھرا ہوا تھا، مزار شریف کی فتح کے بعد سے ان کا انخلاء شروع ہو گیا۔ طالبان کو
ریف اور دیگر مفتوحہ علاقوں سے ایرانی سرکاری نشانات والی گاڑیاں اور اسلحے کے ڈھیر بھی
لگے۔

افغان سرحد پر ایرانی فوجی مشق ''الذوالفقار'' سے بظاہر یہ تاثر ملتا تھا کہ اس بدقسمت
پر ایک بار پھر جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ ایران کے سپریم کمانڈر جناب علی خامنہ ای
فوج کو ''مکمل تیاری'' کا حکم دے چکے تھے، تاہم عسکری اور تزویراتی ماہرین کے مطابق جنگ
کے امکانات کم ہی تھے اور ایرانی دھمکیوں کا مقصد بظاہر طالبان پر دباؤ بڑھا کر اپنی شرائط
تھا، کیونکہ دونوں ہی ملک اس جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے، تاہم حکومت پاکستان اس
سنجیدگی سے لے رہی تھی اور دونوں حلیف ہمسائیوں میں بڑھتی ہوئی کشیدگی ختم کرانے میں
رہی تھی۔

شمالی اتحاد کی شکست سے طالبان کے لئے مشکلات ختم نہیں ہوئیں کیونکہ احمد شاہ مسعو
ابھی بھی تین صوبوں پر قابض تھا۔ دوسرے، وسطی ایشیائی ریاستوں، روس اور ایران کی امداد ے
طالبان مخالف گروپ گوریلا کارروائیوں کا راستہ اختیار کر سکتے تھے۔ پھر طالبان کو ابھی تک بین
الاقوامی طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا، اسی وجہ سے تعمیر نو کے لئے بیرونی امداد بھی نہیں ملی۔ طالبان کو
تسلیم کرنے والے تین ملکوں میں سے ایک سعودی عرب ہے۔ ماضی میں سعودی عرب نے طالبان
کی بھرپور حمایت کی تھی مگر اب اسامہ بن لادن سے تنازعے کے سبب سعودی عرب طالبان
تعلقات کو شدید دھچکا پہنچا اور سعودی عرب نے ریاض میں مقیم افغان ناظم الامور کو نکالنے اور کابل
سے اپنے ناظم الامور کو واپس بلانے کا اعلان کیا۔

(اردو ڈائجسٹ شمارہ اکتوبر 1995

افغانستان کی خانہ جنگی نے ملک کو تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا تھا۔ ان حالات م
طالبان کی آمد کو عطیہ خاوندی سمجھا گیا۔ 1994ء میں طالبان فورس کے قیام کے بعد گریٹ
میں شامل ممالک کے مفادات متصادم ہوئے۔ طالبان تنظیم کی ایک وجہ برائے نام مجاہد
اور لیڈروں کی ناکامی تھی جنہوں نے نہ صرف افغانستان کو متحد نہ رکھا بلکہ اپنے ملک کے وسائل
نوادرات کو بری طرح لوٹ لیا۔ اس لوٹ مار کی وجہ سے نہ صرف وہ بدنام ہوئے بلکہ لوگوں میں
کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوئی۔ پشاور اور اسلام آباد میں دستخط کردہ معاہدات کے با
گلبدین، مسعود، دوستم اور ربانی مل کر حکومت نہ بنا سکے۔ ہر ایک کی فوجوں نے پارٹی کی سطح پر
مار کی۔ قتل عام کیا، نوادرات اور کتب خانوں کو پاکستان میں فروخت کر دیا۔ عورتوں سے زنا
کیا، مردوں اور بچوں کو قتل کیا، زخمی کیا، بینکوں کو لوٹ لیا، بازاروں، ہوٹلوں اور گھروں میں گھ
لوٹ مار کی۔

چوروں اور ڈاکوؤں کے ان کارناموں نے افغان قوم کا سر شرم سے جھکا دیا ا
والوں نے ان سب کو جاہل ظالم اور ڈاکو کے نام سے پکارا۔ جب طالبان ابھی قندھار میں
تو ایران نے افغانستان کے صوبہ بامیان اور مزار شریف میں ریڈیو سٹیشن اور دیگر ثقافتی
مراکز قائم کئے۔ ایرانی فوجی جرنیل وقتاً فوقتاً بامیان اور مزار شریف کے دورے کرتے

ن مخالف فوجوں کو ٹریننگ دیتے رہے اور ان کی فوجی اور مالی مدد کرتے رہے۔ ہندوستان نے
دکی مدد کی، فوجی امدادی اور جنگی چالوں کی رہنمائی کی روس نے بھی کمانڈر مسعود کی مدد کی جبکہ
ستان کے ہوائی اڈوں سے طالبان پر روسی طیارے، بم برساتے رہے۔ شروع میں مرکزی
ائی ریاستوں نے طالبان سے خوف محسوس کیا جبکہ بعد میں انہیں پتہ چلا کہ وہ ان کے خلاف
ن نہیں لیں گے۔ طالبان جلال آباد پر قبضہ کر کے کابل کی طرف بڑھے تو سب کچھ واضح ہو
ا۔ طالبان نے چند دن کے بعد کابل پر قبضہ کر کے مسعود، ربانی اور گلبدین حکمت یار کو مار
ایا۔ کابل پر قبضہ کے بعد مولوی یونس خالص اور مولوی محمد نبی محمدی نے بھی ان کا ساتھ دیا جبکہ
یخور نام نہاد کمانڈروں نے منافقت کے تحت خاموشی اختیار کر لی۔

1997ء میں طالبان نے دوستم ملیشیا کے خلاف آپریشن یا اور مزار شریف تک ان کا
چا کیا۔ طالبان نے ہرات میں اسماعیل کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور دوسری طرف کمانڈر
سعود کو پنج شیر مار بھگایا۔ دوستم کے خلاف طالبان کے حملوں کے دوران ازبکستان کو جرأت نہیں
ئی کہ وہ ان کی مدد کر سکے لہٰذا دوستم نے ترکی میں پناہ لی اور کمان جنرل مالک کے حوالے کر گیا۔
2 مئی 1997ء کو جب طالبان نے مزار شریف پر حملہ کر دیا تو یہ حملہ انہوں نے جنرل مالک کی
رخواست پر کیا تھا لیکن بعد میں بدقسمتی سے مزار شریف میں ہی جنرل مالک نے جنگ شروع کر
ہزاروں طالبان کو شہید کیا اور ہزاروں کو قیدی بنا لیا۔ مزار شریف پر طالبان کے قبضہ کے بعد
ت پاکستان نے فوری طور پر طالبان کی حکومت تسلیم کر لی۔

طالبان کے حوالے سے ایک متضاد رائے بھی ہمیشہ موجود رہی ہے۔ اس ضمن میں زبیر
نے اپنی کتاب ''نیا پاکستان امریکہ کا زوال'' میں لکھا:

افغانستان میں طالبان کی کارروائیوں کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ پاکستان نے امریکہ کی ملٹی
ل کارپوریشن، جس کا نام یونوکال (Unocal) تھا، کے ساتھ یہ سودا کیا تھا کہ یہ کارپوریشن
انستان سے نکلنے والے تیل اور گیس کو پائپ لائنوں کے ذریعے جنوبی ایشیا تک پھیلائے گی تو
ستان اس سے گیس خریدے گا۔ امریکی ملٹی نیشنل کارپوریشن کے ساتھ طالبان کے اس معاہدے
تکمیل کرنے کے لئے پاکستان نے طالبان کی حکومت کو فوری طور پر تسلیم کر کے ایران کی

ناراضگی مول لی اور اسکے ساتھ ہی طالبان اور ایران کی بالواسطہ جنگ شروع ہوگئی کیونکہ ایران نے
تاجکستان، ازبکستان اور دیگر وسطی ایشیائی ریاستوں کی حمایت سے طالبان کے خلاف لڑنے
والے فوجی گروپوں کی حمایت شروع کر دی جبکہ چین ایران کا مددگار بن گیا۔ امریکہ کے اخبار نیو
یارک ٹائمز نے ستمبر کے آخری ہفتے میں مغربی ملکوں کے سرمایہ داروں کے ان منصوبوں کی رپورٹ
شائع کر دی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ یہ سرمایہ دار وسطی ایشیاء کے تیل کے ذخیروں کو استعمال
کرنے کیلئے کیا کچھ کر رہے ہیں۔ نیو یارک ٹائمز میں شائع ہونے والی سٹیفن کنز کی اس رپورٹ
میں لکھا گیا ہے کہ امریکہ کے ایک سرمایہ دار اجر تمراز نے 1996ء کی الیکشن کیمپین میں ڈیمو
کریٹک پارٹی کو تین ملین ڈالر اس لئے دیئے تھے کہ جب بل کلنٹن دوبارہ صدر بنیں گے تو تمراز کو
(Caspian Sea) سے تیل لے جانے والی پائپ لائن بچھانے کا کاروبار مل جائے گا لیکن
صدر کلنٹن کامیاب نہ ہو سکا اور اس کی جگہ ہینری کسنگر اور ہیگ اور بیکر اور برزنسکی کی لابیوں سے
کام لینے والی کمپنیاں زیادہ آگے آ گئیں جو پچاس ارب ڈالر تک کی رقوم تیل کے اس کاروبار
پر لگانے کو تیار تھیں اور تیل کے کاروبار کے افسران اعلیٰ جو ایران اور عراق جیسے ملکوں سے نمٹنے کے
منصوبے بناتے رہتے تھے اب یہ سوچنے لگے تھے کہ (Caspian Sea) سے تیل کے یہ
خزانے مل جائیں گے تو انہیں تیل کی پیاسی ان قوموں کو ایران اور عراق سے تیل کے فائدے
اٹھانے سے روک کر اپنا کام چلانے کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا پڑے گا۔ اکیسویں صدی کے آغاز
کے دس سال میں ہی چین نے اپنے آپ کو امریکہ کی گردن پر گھٹنا رکھنے کے قابل بنا لیا۔ کیونکہ یو
کال (Unocal) اور اموکو (Amoco) نامی دو امریکی ملٹی نیشنل کارپوریشن چین کی نیشنل پٹرول
کارپوریشن کے ہاتھوں اس لئے شکست کھا گئیں کہ چین نے جو شرائط قازقستان کو پیش کیں وہ
طور پر سوداگر نہیں تھیں۔ یعنی ''نان کمرشل'' تھیں۔ چین نے قازقستان کو یہ پیشکش کر کے سودا
لیا کہ وہ خود ہی تین ہزار کلو میٹر لمبی پائپ لائن بچھا کر قازقستان کا پچپن لاکھ بیرل تیل روزانہ
خریدے گا۔ اس کے بعد یہ بات بھی یقینی ہوگئی کہ چین قازقستان سے پاکستان تک گیس کی پائپ
لائن بھی بچھا سکتا تھا جو کوہ ہمالیہ کے اوپر اوپر آئے گی اور وسطی ایشیاء کی ریاستوں سے آئے گی۔
(نیا پاکستان اور امریکہ کا زوال: زبیر رانا 218 تا 220)

طالبان کی آمد کے بعد سے افغانستان عالمی طاقتوں کا خصوصی مرکز نگاہ رہا ہے۔ ہالی وڈ
پنس فلموں کی طرح افغانستان میں کلائمیکس اور اینٹی کلائمیکس واقعات نے بھی کئی ڈرامائی
نیار کیے ہیں۔ ازبکی جنگی سردار جنرل دوستم کے حامی جنرل عبدالمالک کی غیر متوقع منحرفی
ث طالبان کی مشترکہ فوجوں نے مزار شریف پر قبضہ کر لیا اور دوستم ترکی فرار ہوگئے۔ چار
رنئے اتحادیوں نے جنرل عبدالمالک کی جنبش ملی کے ساتھ طالبان کے وزیر خارجہ ملا غوث
ق گورنر ہرات ملا محمد رزاق کو ملا لیا اور طالبان کی پسپائی ہوگئی۔ 18 مئی 1997ء کو طالبان
بر المومنین ملا محمد عمر مزار شریف میں جنرل عبدالمالک سے ٹیلیفون پر پہلا رابطہ کرتے ہیں۔
یے قبل جنرل عبدالمالک کے دوستم سے منحرف ہونے، دوستم کو ہٹانے اور شمالی افغانستان پر
یہ طور پر قبضہ کرنے کے لئے طالبان سے آملے۔

اسی ایکٹ اور دوسرا منظر شمالی افغانستان کا ایک خفیہ مقام تھا جہاں 19 مئی 1997ء کو
ملی کے مستقبل کے سربراہ جنرل عبدالمالک اور طالبان کے وزیر خارجہ کے درمیان تحریری
ہ ہوتا ہے جسے دوستم کے اخراج کے بعد شمالی افغانستان میں مشترکہ سیاسی و فوجی کنٹرول کے
ن کار کا پابند کیا گیا۔ یہ ایک تاریخی دستاویز ہے جو دونوں کے درمیان متفقہ ایجنڈا ہے جو شمالی
تان میں نئی مشترکہ انتظامیہ کے قیام اور مخالف قوتوں کو راستے سے ہٹانے کے لئے بنیادی
کہ آپریشن کی راہ متعین کرتا ہے۔ اس پانچ نکاتی مشترکہ معاہدہ میں طالبان نے جنرل
لمالک کو جنبش ملی کا سربراہ تسلیم کیا اور پورے شمالی افغانستان پر ان کا کنٹرول اس وقت تسلیم کیا
جب تک پورے افغانستان میں عام انتخابات کے بعد متفقہ مرکزی حکومت کا قیام عمل میں نہیں
تا اس معاہدہ میں اس بات پر بھی اتفاق ہوا تھا کہ آئندہ تمام معاملات اسلامی شریعت باہمی
ح مشورہ اور معاہدہ پر دستخط کرنے والے فریقین کی باہمی رضامندی سے طے پائیں گے۔
ہدہ میں کہا گیا کہ مجوزہ عام انتخابات کرانے تک کابل میں نئی مرکزی حکومت کے قیام کے لئے
لی رضامندی سے ایک سیاسی کمیشن قائم کیا جائے گا۔ یہ پولیٹیکل کمیشن مرکزی کابینہ کے لئے
ں اور مختلف علاقائی گروپوں کی نمائندگی کا طریقہ کار طے کرے گا۔ پورے شمالی افغانستان کو
ہاں کی نمائندگی کے ساتھ فوجی آپریشنز کر کے پاک کرنے کے لئے ایک اور فوجی کونسل بنانے پر

بھی اتفاق ہوا۔اس معاہدہ کی سب سے اہم بات اپوزیشن کے خلاف جنبش ملی کی مخالفت تھی، اس
میں بلاشبہ جنرل دوستم سرفہرست تھا اور اس کے بعد احمد شاہ مسعود اور حزب وحدت بھی تھیں۔

اس معاہدہ کے مطابق 19 مئی کی شام کو صوبہ فاریاب میں بغاوت شروع کی گئی اس
کے بعد 20 سے 23 مئی تک متعدد شمالی صوبوں میں گڑبڑ شروع کی گئی اور طالبان ملیشیا شمال
طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ 24 مئی کو صوبہ جوزجان میں دوستم کی فوج کا مضبوط حصہ شکست
جاتا ہے اور طالبان اور جنبش ملی کی ازبک فوجیں مزار شریف میں داخل ہوگئیں۔اس فتح کی خو
میں حکومت پاکستان نے 25 مئی 1997ء کو سہ پہر چار بج کر تیس منٹ پر افغانستان میں طالبان
کی حکومت کو تسلیم کرلیا اور پروگرام بنایا گیا کہ روس، چین، امریکہ، سعودی عرب، ایران، ترکی
تمام وسطی ایشیائی ریاستوں کو اعتماد میں لے لیا جائے اور طالبان کی حکومت کو تسلیم کرنے کے
معیار پیش کیے جائیں:

1۔ ملک کے بڑے حصے پر طالبان کا موثر کنٹرول ہے۔
2۔ ملک میں قوانین کا حکومت کی جانب سے موثر نفاذ ہو رہا ہے۔
3۔ بین الاقوامی معاہدوں کے احترام کیلئے حکومت میں اہلیت موجود ہے۔

لیکن ان ملکوں کو اعتماد میں لینے کے پروگرام پر عمل نہیں ہوا اور پاکستان کا یہ ایکشن
ثابت ہوگیا کیونکہ ہم نے طالبان کو پورے افغانستان کی نمائندہ سمجھ لیا جو صرف پشتون علاقوں
نمائندگی کرتے تھے اور پشتون آبادی پورے افغانستان میں صرف تیس فیصد تھی اس تیس ف
آبادی کی نمائندہ طالبان کی حکومت کا حشر یہ ہوا کہ مزار شریف پر اس کے قبضے کے صرف تین
بعد طالبان اور جنرل عبدالمالک کے درمیان تضاد پیدا ہوگیا۔

اس کا آغاز یوں ہوا کہ 27 مئی کی صبح کو مقتول شیعہ لیڈر علی مزاری کی قبر پر فائر
ہوئی اور اس کے بعد اہل تشیع نے طالبان پر حملے شروع کر دیئے اسکے ردعمل میں طالبان نے
اتحادی جنرل عبدالمالک کے سپاہیوں پر حملے شروع کر دیئے اور جنرل مالک کی جنبش ملی
طالبان پر حملے شروع کر دیئے اس لڑائی کے بعد طالبان کو مزار شریف سے پسپا کر دیا گیا اور
مئی کو جس معاہدے پر دستخط ہوئے تھے اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا۔اس کے سا

یران، ترکی، روس اور وسطی ایشیاء کی تمام ریاستیں طالبان کے خلاف متحد ہو کر پاکستان پر تنقید
کرنے لگیں۔ان ملکوں کی طرف سے طالبان کے مخالفوں کو اسلحہ ملنے لگ گیا جو تہران اور ماسکو
سے آرہا تھا اور افغانستان کے دو ٹکڑے ہونے کا خدشہ پیدا ہوگیا۔اس لئے پاکستان ان ملکوں کو یہ
پیش کش کرتا رہا کہ آئیے مل کر کابل میں وسیع المیعاد حکومت قائم کروالیں جبکہ طالبان پل خمری کے
نزدیک محصور ہو چکے تھے اور ان پر جنرل مالک کے طیارے حملے کر رہے تھے۔ جنگ جاری تھی
جس کا ایک محاذ پاکستان کی مغربی سرحد کے ساتھ تھا اور دوسری طرف جالندھر میں پرتھوی میزائل
نصب کرنا اور لاہور میں چینی ساخت کے ایم گیارہ میزائل نصب کرنے کی خبریں آرہی تھیں۔
بھارت اور ایران کے منصوبے مشترکہ تھے اور ایران کے نائب وزیر خارجہ مزار شریف کا دورہ
کرکے پاکستانی ساخت کی پشتون تنظیم طالبان کے مخالفین کے ساتھ مذاکرات کروا رہے تھے اور
ایرانی میڈیا یہ خبریں دے رہا تھا کہ امریکہ پاکستان کو اپنا اڈہ بنا کر استعمال کر رہا ہے اور شیعہ
رہنماؤں کو امریکہ نواز فرقہ پرستوں کے ہاتھوں قتل کروایا جارہا ہے۔

(نیا پاکستان اور امریکہ کا زوال: زبیر رانا 270 تا 272)



اسامہ بن لادن اور عالمی شاطروں کی چالبازیاں

طالبان حکومت کے خاتمے میں امریکی کردار اب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ اس الزام یا حقیقت کے باوجود کہ امریکہ نے ہی طالبان کو کھڑا کیا۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ طالبان نے افغانستان کی بدامنی کو ختم کیا اور ثابت کر دکھایا کہ اگر نیت میں اخلاص اور عمل میں پختگی ہو تو کچھ بھی ناممکن نہیں اس تلخ سچائی کے باوجود کہ پرامن افغانستان امریکہ، پاکستان ایران اور وسط ایشیائی ممالک کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے امریکہ کو آخر افغانستان پر وحشیانہ حملے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس کا اہم سبب تھا اسامہ بن لادن۔ جو نائن الیون کے بعد افغانستان میں موجو تھے اور جن کی تنظیم القاعدہ سے امریکہ اور یورپ کو ہمیشہ خطرات لاحق رہے ہیں۔

1979ء میں افغانستان میں امریکہ نے دنیا بھر سے چن چن کر ''مجاہدین'' امپور کئے تھے۔ ان دنوں عبداللہ عزام اور اسامہ بن لادن امریکہ کی آنکھوں کے تارے تھے کیونکہ رو کے خلاف جہاد دراصل امریکی استعمار کی مضبوطی کی علامت تھی۔ روس کا خاتمہ ہی امریکہ کو دنیا واحد سپر پاور بنا سکتا تھا روس کی تباہی کے بعد امریکہ نے اطمینان سے بلاد عرب میں ا مفادات کو آگے بڑھانا شروع کیا اور امریکن فوجیں ''مدد'' کی آڑ میں سعودی عرب میں اتر لگیں جس پر اسامہ بن لادن نے شاہ فہد مرحوم کو ایک اہم خط لکھا ملاحظہ فرمائیں۔

اسامہ بن لادن کا خط شاہ فہد کے نام

تمام تعریفیں اللہ مالک الملک کی ہیں، ہم صرف اس سے مغفرت، مدد اور ہدایت مانگتے ہیں اور اپنے نفس کے غرور اور اپنے برے اعمال کی پناہ مانگتے ہیں۔ یقیناً جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کی جو اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

''تم بہترین امت ہو تمہیں لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے تم نیکیوں کا حکم دیتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' (آل عمران)

اور بے شمار درود و سلام ہوں محمد الرسول اللہ ﷺ کی ذات پر جن کا فرمان ہے:

''جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کو اس کے ظلم سے نہ روکیں تو خطرہ ہے
کہ اللہ کا عذاب آئے گا تو وہ تمام لوگوں کو اپنے گھیرے میں لے لے۔''

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

مملکت عربیہ سعودیہ کے بادشاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود اور جزیرہ عرب کی امت سلمہ کے فرزندوں کے نام۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ۔

جناب بادشاہ! متعدد بار ایسا ہوا کہ جناب نے ہم پر یہ واضح کیا کہ جناب ہماری دی واپسی کے خواہاں ہیں اور اس بات کی شدید رغبت اور مصمم ارادہ ظاہر کیا اور مختلف وسائل ریقوں کے ذریعے اپنے ہدف تک پہنچنے کی کوشش کی۔ اور اللہ تو اس بات کو جانتا ہے کہ ہم کتنا ے ملک واپسی کو پسند کرتے ہیں کیونکہ اپنی مملکت کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں رہنے کے ن بھی نہیں ہیں اور ہمیں اس سے محبت کیسے نہ ہو؟ جبکہ یہاں تو وحی الٰہی نازل ہوتی رہی ہے اور ابی صلی اللہ علیہ وسلم سکونت فرما چکے ہیں...... اور پھر ہمارا بچپن بھی تو یہیں گزرا ہے! لیکن ثہ واقعات اور موجودہ حالات نے کچھ عرصہ کے لئے ہمیں باہر رہنے پر مجبور کر دیا ہے اور ہمیں بات کا یقین ہو چلا ہے کہ آپ کے ان مطالبات کے پیچھے کیا کیا خطرناک عزائم کارفرما ہیں۔

یہ بات ہم بدگمانی اور سوئے ظن سے پیش نظر نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ گزشتہ حالات کے جو ہمارے نصیحت کرنے پر واقع ہوئے ...... ہم سے سفر کا حق سلب کر لیا گیا۔ گزشتہ دو برسوں سے ہمارے اموال کو گورنمنٹ کی تحویل میں لے لیا گیا، اندرونی و بیرونی میڈیا ہمارے خلاف شب و روز مصرف عمل ہیں یہاں تک کہ دیگر ممالک سے ہمارے تعلقات ختم کرنے کی از حد کوشش کی گئی اور اس مقصد کے لئے ہمیں جگہ جگہ بغیر کسی جرم کے خوب بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ شاید ہمارا ''جرم'' یہی ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے یا ہم نے نصیحت اور بیان کے جس واجب پر عمل کیا ہے، شاید اسی کی ہمیں یہ سزا دی جا رہی ہے ...... یہ سب وہ حالات ہیں جو ہمارے موقف کی تصدیق کرتے ہیں لیکن یہ ذاتی معاملات میں کہیں زیادہ ہیں اور انتہائی بڑے اور اہم ترین معاملات ہیں۔

گزشتہ بیان میں ہم نے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ ہم اسی موضوع پر دوبارہ بات کریں گے، سو وعدہ کو پورا کرتے ہوئے ہم اس بیان کی طرف لوٹتے ہیں تا کہ اس کے بعد جو ہلاک ہوا ہدایت پائے وہ بے علم نہ رہے اور ان معاملات کو یہاں تفصیلی طور پر کرنے کے بجائے اجمالی طور پر بیان کریں گے انشاء اللہ ان کی تفصیل آئندہ بیانات میں واضح ہو جائے گی بعض اوقات ہم صرف اشارہ کرنے پر اکتفا کریں گے۔

یقیناً ہمارے محترم علماء اور مبلغین نے مستقل کافی عرصہ سے جناب کو نصیحت کرنا شروع کیا ہوا تھا اور اپنی اس نصیحت میں انہوں نے انتہائی نرم اور دھیما اسلوب جو کہ حکمت سے بھرا ہوا تھا، استعمال کیا اور آپ جناب کو اصلاح کی طرف دعوت دی اور بڑے بڑے گناہوں اور فساد، کہ جس سے وطن عزیز کے لوگ بھی متاثر ہوئے اور شریعت کے قوانین بھی ٹوٹ رہے تھے، سے توبہ کرنے کی نصیحت کی تھی۔ لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ آپ کی طرف سے انہیں سختی، اعراض اور استہزاء کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوا، بات صرف یہاں تک نہ ٹھہری بلکہ منکرات اور فسادات پہلے کی نسبت زیادہ جوش و خروش سے بڑھنا شروع ہو گئے اور آنکھیں بند کر لینا جائز نہ تھا۔ جب یہ کیفیت بڑھی اور ہلاک کرنے والے گناہ کبیرہ سے تجاویز کر کے نواقص اسلام کے ارتکاب تک فساد پہنچا تو علماء کی ایک جماعت کہ جن کے دل اس فساد سے تنگ آ گئے تھے اور گمراہی کی آواز سن سن کر ان کے کانوں کی سماعت ختم ہونا شروع ہو گئی تھی، ظلم دیکھ دیکھ کر ان کی آنکھوں نے کام

کرنا چھوڑ دیا اور فساد کی بدبو سے ان کی ناک بند ہو گئیں تو انہوں نے اصلاح کی طرف ایک نیا قدم اٹھایا اور انہوں نے جناب کی طرف مختلف خطوط اور رسائل کے ذریعہ اصلاح کا پیغام پہنچایا در خلیج کی جنگ کے موقع پر جناب کی طرف ایک رسالہ پیش کیا گیا کہ جس پر تقریباً 400 علماء نے دستخط کر کے جناب کو ظلم و تعدی سے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے سنی ان سنی کر دی اور ان مصلحین کے ساتھ مذاق کا انداز روا رکھا گیا اور فساد روز بروز بڑھتا چلا گیا تب انہیں نصیحت کرنے والوں نے دوبارہ سے جناب میں درخواستیں و خطوط بھیجے۔ ان میں سے اہم خط جناب کی خدمت میں بھیجا گیا، جس میں بیماری کی تشخیص بھی کی گئی اور دوا کا انتخاب بھی، علمی طور پر شریعت کے دلائل کی رو سے اپنے موقف و مطالبے کی وضاحت کی گئی، نظام اور قانون سے متعلق بتایا گیا اور اہم ترین نقائص کی نشاندہی کی گئی، علماء و داعیوں پر گزرنے والی صورتحال کو واضح کیا گیا اور بتایا گیا کہ کس طرح حلال و حرام کے شرعی معاملات کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے اور اسے چھوڑ کر غیر اللہ کے قوانین کو معمول بنایا جا رہا ہے۔ میڈیا کی اصلاح سے متعلق بھی معروضات پیش کی گئیں کہ جو آج تک مختلف اشخاص کو مقدس بنانے کا ذریعہ ہوا ہے اور حقائق مٹا ڈالنے کا کام سرانجام دے رہا ہے۔ واقعات کو غیر حقیقی زاویئے سے بیان کیا جاتا ہے اور اس کے اہم حق کو بدنام کیا جاتا ہے، امت کے برے امور کی اصلاح کا دعویٰ کرتا ہے لیکن عملی میدان صفر، اس خط میں بندوں کے ان حقوق کی طرف بھی توجہ دلائی گئی کہ جن کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

اقتصادی نظام میں جو کمزوری بڑھ رہی ہے اسکی بھی وضاحت کی گئی کہ یہ سعودی قرضے ملک کی کمر توڑ دیں گے اور یہ فضول خرچی امت کے مال کا ضیاع ہے، اس سے بچا جائے کیونکہ جب مالی بحران آتا ہے تو پھر ٹیکس وغیرہ لگا کر غریب عوام کو مصیبت میں ڈالا جاتا ہے، جبکہ فضول خرچی اور خاص شخصیتوں کو نوازنا ہی اس کی اصل وجہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ان معاملات میں احتیاط آج کی ضرورت ہے...... اور اللہ مدد کرنے والا ہے۔

اس کے علاوہ موجودہ اندرونی اجتماعی صورتحال کی قابل اصلاح صورتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی اور ملک میں عسکری صورتحال کی اصلاح پر بھی توجہ دلائی گئی کہ خلیج کی جنگ کے موقع پر جب غیر مستعدی اور تعداد کی قلت کا سامنا کرنا پڑا ہے مناسب نہیں جبکہ فوج کے لئے ملک کا انتہائی بڑا خزانہ وقف ہے اور عدالتی صورتحال، کہ جس میں بہت سے اسلامی قوانین کو وضعی قوانین سے بدلا جا

چکا ہے، کی طرف بھی توجہ دلائی گئی۔ اہل علم میں سے کسی پر یہ مخفی نہیں کہ وضعی قوانین کے نفاذ اور
کافروں کی مسلمانوں کے خلاف مدد کرنا اسلام سے باہر کر دینے والی دس باتوں میں سے ایک
ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے بھی اس بات کو واضح کیا ہے اس کے باوجود کہ اس
مختصر خط میں انتہائی حکمت اور نرمی سے ان باتوں کی وضاحت طلب کی گئی اور امراء کو نصیحت کرنے
کی اسلام میں ایک اہمیت اور مقام بھی ہے۔ الغرض مصلحین کی بہت بڑی تعداد نے نصیحت کی پر
بھی ان منصوبوں کو پس پشت ڈالا گیا اور لکھنے والوں کو استہزا اور سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے
باوجود بھی اہل حق نے اپنی مساعی جاری رکھیں اور خاموشی ہو بھی کیسے سکتی ہے جبکہ اہل حق زمین پر
موجود ہوں؟ پھر مزید کوشش کے لئے بھی اہل علم اور اہل نصیحت نے قدم بڑھائے اور نئے سرے
سے "لجنۃ الدفاع عن الحقوق الشرعیۃ" مرتب کی تاکہ حق کی مدد کی جائے اور مظلوم کا ساتھ د
جائے، لیکن دوسری مرتبہ بھی اس کو اسی انداز کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سب کچھ حکومت کے دفاع پ
مامور کمیٹیوں کا مرہون منت ہے جو دین کا دفاع نہیں بلکہ حکمرانوں کا دفاع کرتی ہیں اور ان ک
یہاں موجودگی بعض لوگوں کو راہ سے بھٹکا کر اور معاملات کی حقیقی صورت بگاڑ کر ممکن ہوئی، جب
جن لوگوں نے اس حرکت کو قبول نہ کیا یا تو ان کے عہدوں سے انہیں معزول کر دیا گیا یا مختلف
پریشانیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ اب انہیں دفاع کے نام سے آنے والوں نے اپنی حدود سے بڑھ
ہوئے ایسے بیانات دینا شروع کر دیئے ہیں جو شرعی حدود کو توڑنے کے مترادف ہیں۔

اب جبکہ ملکی باشندے مصیبت میں ہیں، اندر جو فساد اس ملک میں پھیل رہا ہے اور ا
کے نیک بندوں پر جو سختیاں ہو رہی ہیں، حق کی مخالفت اور باطل کا دفاع ہو رہا ہے...... اور
جبکہ اب یہاں باہر موجود ہیں، اپنے ان علماء حق کا ساتھ دینے کا اعلان کرتے ہیں کہ جنہوں
حق کی بات کا آغاز کیا اور نصیحتوں کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر
پیرا ہوئے کیونکہ ہم اسلام کی دعوت سے الگ نہیں رہ سکتے، ہمارا ہدف اور مقصد ایک ہی ہے۔
تمام مسلمانوں کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ہم "لجنۃ الدفاع عن الحقوق الشریعۃ" کا ہر صو
میں ساتھ دیں گے اور شریعت کیلئے ہر قربانی کے لئے تیار مستعد ہیں۔ کیونکہ ان مقاصد کو ملک
اندر رہ کر اس قہر اور سختی کے ہوتے ہوئے پورا کرنا ناممکن تھا اس لئے ہم اندر رہنے والے
احباب کے مشورے سے ایک کمیٹی تشکیل دے رہے ہیں جو حق کی مدد کے لئے شب و روز کو

ہوگی انشاء اللہ ان کا نام "ہیئۃ النصیحۃ الاصلاح" ہے۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے اس بات کی دعا
کرتے ہیں کہ اس امت کو سیدھا راستہ دکھا اور فرمانبردار کو عزت دے اور نافرمانوں کو رسوا کر،
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی توفیق عطا فرما اور ہم پر اچھے لوگوں کو حاکم بنا اور بروں سے نجات
نصیب فرما۔

ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہو اور نیکی اور اچھائی
کے کاموں میں تعاون کرے کیونکہ "اللہ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود
بدلنے کی کوشش نہ کرے۔

"وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین"

اسامہ بن محمد بن لادن

اس طویل خط سے اسامہ بن لادن کے عزائم ظاہر ہوتے ہیں وہ کیا چاہتا تھا؟ اور اس
صورتحال کو کیا رنگ دیا گیا۔ وجہ جو بھی رہی ہو حالات کی ستم ظریفی نے اسامہ بن لادن کو امریکہ
اور سعودی عرب کا مشترکہ دشمن بنا دیا اور دونوں ممالک اس کی گوشمالی کے لئے کوشاں ہوئے۔



پراسرار ملاقاتیں اور بن لادن

25 فروری 1997ء کو سعودی وزیر دفاع سلطان بن عبدالعزیز سعود نے واشنگٹن میں امریکی صدر کلنٹن سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں صرف ایک شخص زیر بحث رہا جو اسامہ بن لادن تھا سعودی وزیر دفاع سلطان بن عبدالعزیز سعود نے امریکی صدر کو بتایا کہ ریاض اور الخبر کے بم دھماکوں کا مبینہ ملزم اسامہ بن لادن افغانستان میں موجود ہے اور مسلسل دھمکیاں دے رہا ہے کہ اگر سعودی حکومت نے امریکی فوجیوں کو نہ نکالا تو مزید بم دھماکے ہوں گے۔ چنانچہ ریاض میں واقع امریکی سفارتخانے اور پاکستان اور جدہ میں واقع امریکی قونصلیٹ کے دفاتر نے امریکی فوجیوں اور عام شہریوں کو نقل و حرکت کم کرنے کی ہدایت کردی۔ بعدازاں امریکی دفتر خارجہ نے افغانستان میں طالبان حکومت سے رابطہ کیا اور مطالبہ کیا کہ اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کر دیا جائے۔ طالبان نے اسامہ بن لادن کی افغانستان میں موجودگی کی تردید نہیں کی۔ کیونکہ امریکہ کے پاس مواصلاتی سیاروں اور دیگر ذرائع سے حاصل کی جانے والی تصاویر اور دستاویزات موجود تھیں۔ جن سے ثابت ہوتا تھا کہ اسامہ بن لادن افغانستان میں ہی موجود ہے۔ طالبان نے اسامہ کو امریکہ کے حوالے کرنے سے صاف صاف انکار کردیا۔

اسامہ بن لادن مشرق وسطیٰ میں مغرب کی مداخلت کو اسلام کے خلاف خطرہ قرار دیتا ہے۔ 1990ء میں جب عراق نے کویت پر قبضہ کرلیا تھا تو اسامہ بن لادن نے سعودی عرب کے

دفاع شہزادہ سلطان کو پیشکش کی تھی کہ وہ عراقیوں کو کویت سے نکال سکتا ہے بشرطیکہ امریکہ کوئی مدد نہ لی جائے یہ سن کر سعودی شہزادے نے جب اسامہ بن لادن سے پوچھا کہ وہ عراقی ں ایئر کرافٹ، کیمیکل بموں اور خطرناک ہتھیاروں کا جواب کیسے دے پائے گا تو اس نے ر جواب دیتے ہوئے کہا تھا اپنی قوت ایمانی سے انہیں شکست دیں گے۔ لیکن سعودی حکومت اس کی پیشکش قبول نہیں کی اور وہ احتجاجاً سوڈان منتقل ہوگیا۔

فرانس کی معروف ترین درسگاہ سوربون یونیورسٹی، کے فارغ التحصیل ڈاکٹر حسن ترابی ریکی حکام یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ ان کے اسامہ بن لادن سے گہرے اور قریبی تعلقات ہیں اور انہوں نے ہی دو سال 1994ء سے 1996ء تک اسامہ بن لادن کو سوڈان میں پناہ ے رکھی۔ پینٹاگون نے یہ بھی الزام لگایا ہے کہ سوڈان کے "نیشنل اسلامک فرنٹ" کے رہنما ن ترابی کے اسامہ کے ساتھ نہ صرف سیاسی اور نظریاتی تعلقات ہیں بلکہ ان وابستگیوں کا دائرہ ثی حدود تک بھی پھیلا ہوا ہے۔ آگے بڑھ کر حسن ترابی افغانستان میں امریکیوں کے خلاف ر چہ زن اسامہ بن لادن کو اپنا "کمانڈر" بھی مانتے ہیں۔

حسن ترابی نے "نیویارک ٹائمز" کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے جو 23 اگست کو رہ اخبار کے صفحہ 6 الف پر شائع ہوا ہے، امریکیوں کے تمام الزامات کو لغو اور بے بنیاد قرار دیا۔ ں نے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ امریکیوں کے پھینکے گئے میزائلوں نے افغانستان میں کتنی اور اں تک تباہی پھیلائی ہے مگر سوڈان میں امریکیوں کی زیادتیاں حد سے تجاوز کرگئی ہیں۔ ترابی ب نے کہا: "امریکہ خود سب سے بڑا دہشتگرد ہے۔ اس نے اپنی دہشت گردی کا کھلم کھلا ت فراہم کردیا ہے۔ امریکہ نے افغانستان اور سوڈان پر بیک وقت حملہ کیا ہے، یہ حملہ دو مسلمان الک پر نہیں بلکہ براہ راست اسلام پر حملہ ہے۔ امریکہ ان دونوں ممالک پر حملہ کر کے دراصل لمانوں اور اسلامی ممالک کا ردعمل دیکھ کر عالم اسلام کے بارے میں ایک نئی حکمت عملی طے رنے کا منصوبہ بنا رہا ہے جو دراصل امریکی صیہونیوں کی تیار کردہ ہے" اسامہ بن لادن کے بارے ے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حسن ترابی نے کہا: "برادرم اسامہ جب یہاں (سوڈان ں) قیام پذیر تھے، میری ان سے دو سے زیادہ مرتبہ ملاقات نہیں ہوئی۔ سعودی عرب کے بار بار کی وجہ سے اسامہ بن لادن کے بارے میں اتنا ضرور کہوں گا کہ وہ مخلص مسلمان ہیں۔ عالم

اسلام کے دردمند شہری ہیں۔ وہ عظیم مجاہد ہیں کہ اب انہوں نے طاغوت کے خلاف مورچہ زنی
اپنی زندگی کا شعار بنالیا ہے۔ وائٹ ہاؤس کی سرپرستی میں ان کے خلاف جو شور مچایا جارہا ہے،
دراصل امریکی حکام کے دلوں میں چھپی دہشت گردی کا ایک شاخسانہ ہے۔ میں کہتا ہوا
امریکیوں کو سابقہ سوویت یونین کی زیادتیوں اور جارحیتوں سے سبق سیکھنا چاہئے"۔

امریکی الزام تراشی کرتے ہوئے شور مچارہے ہیں کہ جب اسامہ بن لادن سوڈا
میں قیام پذیر تھے، انہوں نے وہاں ایسے متعدد کیمپ بنارکھے تھے جہاں مسلمان نوجوانوں کو شد
پسندی کی تربیت دی جاتی تھی۔ حسن ترابی اس طرح کے الزمات کو بے بنیاد قرار دیتے ہو۔
انٹرویو میں کھلے الفاظ میں کہتے ہیں۔ سوڈان میں اقامت کے دوران برادرم اسامہ بن لادن ک
بھی سرگرمی میں ملوث نہیں تھے۔ انہوں نے تو سوڈان میں دوسالہ قیام کے دوران کوئی پمفلٹ
اپنے نظریاتی دشمنوں کے خلاف لکھا نہ اسے تقسیم کیا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ سعودی عرب کے بار
کہنے کے بعد وہ خود ہی سوڈان سے رخصت ہوگئے...... لیکن میں اتنا آپ پر واضح کردوں کہ اسا
بن لادن سے زیادہ آج کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جو امریکیوں کی نفسیات کو جانتا ہو" حسن تر
نے زور دیتے ہوئے کہا "عالم اسلام کے بعض ممالک میں امریکیوں نے اپنے مفادات کے تح
اور حصول کے لئے جس طرح Octopus کے سے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں، کہیں انکے خاتے
وقت قریب تو نہیں آپہنچا؟"

ڈاکٹر حسن ترابی نے جو سوڈان کے نامور عالم دین بھی ہیں، وکیل بھی ہیں اور عر
فرانسیسی اور انگریزی زبان اہل زبان کی طرح بولتے ہیں، ایک انقلاب کے ذریعے 989
میں سوڈان میں اسلامی حکومت کے قیام میں ان کی جماعت "نیشنل اسلامک فرنٹ" نے ہرا
دستے کا کردار ادا کیا۔ 1979ء میں ایران میں ایک انقلاب کے ذریعے قائم ہونے والی نظر
حکومت کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات رہے ہیں۔ یہ تعلقات امریکہ کی آنکھ میں خار مغل
کی طرح کھٹکتے رہے ہیں، چنانچہ امریکہ نے ایران اور سوڈان کو ایک وقت میں "جڑواں دہش
گرد ممالک" قرار دیا مگر ایک دہائی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹم
نے خود تسلیم کیا تھا کہ ایران اور سوڈان کو "جڑواں دہشت گرد ممالک" قرار دینا ایک غلطی تھی۔
ترابی نے "نیویارک ٹائمز" کے نمائندہ سے بات چیت کرتے ہوئے مزید کہا: "اب امریکی حا

جواب میں اگر اسامہ بن لادن اسی شدت کے ساتھ امریکیوں پر پلٹتے ہیں تو یہ قرین انصاف
"

سوڈان کے دارالحکومت "خرطوم" کے صنعتی علاقے میں جس فیکٹری کو کیمیائی ہتھیار
نے والا کارخانہ قرار دے کر امریکیوں نے حملہ کیا، 22 اگست کو سوڈان میں متعین اقوام متحدہ کے
راہ فلپ بورل (Phillip Borel) نے تباہ شدہ فیکٹری کا معائنہ کیا۔ بعدازاں انہوں نے
رٹیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا "مجھے تو اس فیکٹری میں کیمیائی ہتھیار بنائے جانے کا کوئی
راور کوئی بھی شواہد نہیں ملے ہیں درست طور پر تو متعلقہ شعبے کے لوگ ہی فیصلہ کرسکتے ہیں......
یں حیران ہوں کہ سوڈانی حکومت کے بار بار کہنے کے باوجود ابھی تک نیویارک سے اقوام
نے اپنے ماہرین یہاں کیوں نہیں بھیجے ہیں؟" فلپ بورل کے اس بیان کے بعد حسن ترابی
کہا کہ اقوام متحدہ ندامت اور شرمندگی کے مارے اور کچھ امریکہ کو تحفظ دینے کے لئے اپنے
ین سوڈان بھجوانے میں احتراز کررہا ہے، حالانکہ یہی اقوام متحدہ ہے کہ عراق کا ٹیٹو ادبانے کے
آئے دن اپنے ہتھیاروں کے ماہرین بار بار بغداد بھجوارہا ہے مگر خرطوم آنے میں ان لوگوں کی
یں کون سی رکاوٹ ہے؟" آج کل دنیا میں جہاں کہیں بھی امریکی مفادات کو نقصان پہنچتا ہے
ں کی ذمہ داری اسامہ بن لادن پر ڈال دی جاتی ہے امریکہ نے اسامہ کے سر کی قیمت لاکھوں
مقرر کر رکھی ہے فروری 1993ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر امریکہ میں بم دھماکوں میں درجنوں افراد کی
ت، 1993ء میں صومالیہ میں اٹھارہ امریکی فوجیوں کی آتشزدگی کے واقعہ میں ہلاکت
19ء میں سعودی دارالحکومت ریاض میں بم دھماکوں میں پانچ امریکیوں اور دہران میں امریکی
یوں کی بیرک پر حملے کے دوران انیس فوجوں کی ہلاکت سمیت افریقی ممالک میں امریکی
خانے پر بموں کے حملوں کی ذمہ داری اسامہ پر عائد کی جاچکی تھی۔

اسامہ بن لادن سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک میں امریکی افواج کی موجودگی کا
سے بڑا مخالف ہے اس وقت سعودی عرب اور جزیرہ نما عرب کے دیگر علاقوں میں امریکہ،
نیہ اور فرانس میں مسلح افواج کے 32 فوجی اڈے ہیں جن میں طائف، جدہ، تبوک، الجوف،
باطن، ریاض، الخبر، الخرج، الدمام، الظہران، کویت، بحرین، قطر، ابوظہبی خصب، (مان)
لرح، (عمان) مسقط، (عمان) جیزہ مصیرہ، (عمان) سوقطرہ، (یمن) عدن، (یمن) باب

المندب، جبوتی، بحیرہ احمر میں، ''مصوع'' نامی بندرگاہ، جزیرہ، دھلک (بحیرہ احمر) جنیش نا
جزائر بنیاس (مصر) وادی قنا مصر، قاہرہ کا مربی ہوائی اڈا، صحرا سینا مصر، شرم الشیخ، الازرق
(اردن) اور تل ابیب مقبوضہ فلسطین کے اڈے شامل ہیں۔ ان اڈوں پر امریکہ، فرانس، برطانیہ
اور بعض اطلاعات کے مطابق اسرائیل کے فوجیوں پر مشتمل تقریباً ڈیڑھ لاکھ سے زائد فوج موجود
ہے۔

(روزنامہ ڈان 14 مارچ 1999ء)

اسامہ اپنے پرائیویٹ سی 130 طیارے میں سوڈان سے افغانستان چلا گیا۔ جہاں
اس نے جلال آباد کے نواح میں اپنا بیس کیمپ قائم کیا۔ اسامہ بن لادن پر قاتلانہ حملے کے چند
ہفتوں بعد دہران میں ایک زبردست بم دھماکہ ہوا جس میں 19 امریکی مارے گئے۔ اسامہ بن
لادن نے اس بم دھماکے کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن امریکیوں کا اصرار تھا کہ
دھماکے میں لادن ملوث ہے۔ اسامہ بن لادن 7 اگست کو امریکی سفارتخانوں میں بم دھماکوں کے
بعد اپنی بے پناہ دولت، انتہا پسند تنظیموں کی ایک طویل عرصے مالی معاونت اور افغانستان، افریقہ
اور مشرقی وسطی میں اپنے انفراسٹرکچر کے حوالے سے امریکی انتظامیہ کے لئے سب سے خطرناک
شخص بن گیا۔ امریکی وزارت داخلہ اسے طویل عرصے سے عالمی سطح پر انتہا پسندوں کی امداد کر
والے افراد کی حیثیت سے جانتی ہے اس کے بعد سے امریکہ نے افغانوں سے اسامہ بن لادن
سونپنے کا مطالبہ شروع کر دیا تھا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ سوڈان کے دھماکوں میں اسامہ کا ہاتھ
فروری 1999ء کو امیر المومنین مولوی محمد عمر نے اعلان کیا کہ اسامہ افغان قوم کی عزت کا مسئلہ
اور اسے کسی بھی قیمت پر ان کی حوالے نہیں کیا جائے گا۔ امیر المومنین نے ان خبروں کو بے بنیاد قرار
دیا کہ اسامہ کو امریکہ کے حوالے کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اسامہ کی حفاظت افغانستان کی
داری ہے اور اسے کسی بھی قیمت پر ان کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ افغانستان پر امریکی حملے
بعد سپاہ صحابہ اور جمعیت علماء اسلام نے امریکہ کے خلاف مظاہرے کئے اور ''کلنٹن کو قتل کرو''
نعرے لگائے۔ مظاہرین نے امریکی پرچم جلایا اور حکومت پاکستان کے رویہ پر بھی تنقید
جماعت اسلامی نے کراچی اور لاہور میں مظاہرے کئے۔ سندھ کے دیگر شہروں میں بھی جما
اسلامی اور سپاہ صحابہ نے مظاہرے کئے اور حکومت پاکستان پر امریکہ نوازی کا الزام

ان اور اسلام آباد میں افغان خواتین کی تنظیم نے امریکہ کے خلاف مظاہرے کئے اور نہایت
ظ الفاظ میں امریکہ اور حکومت پاکستان کی مذمت کی۔

9 فروری سے مارچ 1999ء تک اسٹروب ٹالبوٹ، اندرفرتھ، رچرڈ ایف سیلٹی،
ی پائٹ، مسز جیکولین اور ایلس ویلز سمیت اہم امریکی سفارت کار پاکستان، افغانستان اور
رت کے حوالے سے بعض اہم امور پر نہایت خاموشی سے پراسرار گرمیوں میں مصروف رہے۔
ک حیرت انگیز بات تھی کہ مارچ میں شہباز شریف کی امریکہ روانگی کے اصل مقاصد سے قومی
ے فروری ہی میں باخبر تھے اور مذکورہ سفارت کاروں کی سرگرمیاں بغیر کسی رکاوٹ کے ''ان''
مقاصد کے لئے جاری رہیں۔ منصوبوں کی اس فہرست میں ایک اہم ترین معاملہ اسامہ بن
،، کی گرفتاری تھی۔ جس کے نام پر امریکہ مشرق وسطی سے لے کر جنوب مشرقی ایشیاء تک ایک
بہی کھیل کھیل رہا تھا۔ انتہائی ذمہ دار ذرائع کے مطابق ایف بی آئی بہر قیمت ایک عرصے
سامہ بن لادن کو گرفتار کرنا چاہ رہی تھی۔ ایف بی آئی کی ایک رپورٹ کے مطابق یہ گرفتاری
یوسف کی گرفتاری ہی کی طرز پر ممکن تھی کیونکہ قبل ازیں ایف بی آئی کے تمام پچھلے آپریشن
ے سے دوچار رہے تھے۔

1996ء اور 1997ء میں کمانڈوز اور ایف بی آئی کے ارکان متعدد مرتبہ جنوبی
ستان میں اترتے رہے مگر وہ اپنے مطلوبہ نتائج میں مکمل ناکام رہے۔ افغانستان کے پہاڑوں
یلی جانے والی یہ اعصابی بازیاں امریکی کمانڈوز کو عاجز کرتی رہیں یہاں تک کہ انہوں نے
بڑے کمانڈو آپریشن کا فیصلہ کر لیا۔ یہ آپریشن خوست میں امریکی میزائل داغے جانے سے قبل
غا۔ اس آپریشن کے انتظام میں امریکہ کو اتنی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا جتنا اسے چھپانے
لئے کرنا پڑا تھا کیونکہ یہ امریکی تاریخ کا ناکام ترین آپریشن تھا۔ تفصیلات کے مطابق مذکورہ
یشن کا ہدف بھی خالد بن ولید کیمپ ہی تھا۔ جہاں ایف بی آئی کی اطلاعات کے مطابق اس
نت اسامہ بن لادن مقیم تھے۔

ذرائع کے مطابق اس کمانڈو ایکشن میں 17 امریکی کمانڈوز نے حصہ لیا تھا جن میں
عبارہ اسامہ کے محافظوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے جبکہ بقیہ پانچ کمانڈوز کو گرفتار کر لیا گیا تھا
غازاں ان پانچوں کمانڈوز کو افغانستان کے ایک پڑوسی ملک کی مداخلت سے رہا کرایا گیا تھا۔

انتہائی باخبر ذرائع کے مطابق مذکورہ کمانڈو ایکشن پاکستان کے شمالی علاقوں میں پلان کیا گیا تھا جہاں بعض غیر ملکی عناصر آغا خانیوں کے مختلف رفاہی اداروں کی چھتری تلے محفوظ رہے۔ الغرض اسامہ بن لادن کے محاذ پر مسلسل ہزیمت اٹھانے کے بعد ایف بی آئی نے واضح طور پر اسامہ بن لادن کو اسی ''اسلوب'' میں گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا جس ''اسلوب'' میں رمزی یوسف کو گرفتار کیا گیا تھا۔ امریکی حکام نے اس حوالے سے یہ شکوہ کیا کہ پاکستان کی ایک اہم ترین ایجنسی اسامہ بن لادن کی مکمل معاونت کر رہی ہے۔ شکایتوں کی ایک لمبی فہرست میں یہ شکایت بھی شامل تھی کہ اس ایجنسی نے اب تک امریکی اقدامات سے اسامہ بن لادن کو پیشگی طور پر باخبر رکھا ہے جس میں کروز میزائلوں سے خوست میں واقع اسامہ کے ٹھکانوں پر امریکی حملے کی پیشگی اطلاع بھی شامل تھی۔ باخبر ذرائع کے مطابق امریکی حلقوں نے واضح کیا کہ اسامہ کو ملنے والی معاونت کے باعث امریکی مشن کو نہ صرف بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا بلکہ امریکی اداروں کی دنیا بھر میں رسوائی ہوئی۔ امریکہ یہ الزام بھی ایک پاکستانی ایجنسی کے سر تھوپتا ہے کہ اسامہ کی پراسرار روپوشی کے دوران ایرانی سرحد کے قریب اسامہ کے آخری مرتبہ دکھائی دینے کی خبریں بھی اسی ایجنسی نے پھیلائی تھیں۔ جہاں افغانستان میں سرگرم کردار ادا کرنے والی اس ایجنسی کے خلاف امریکی الزامات کے اس طومار کا ایک طویل پس منظر ہے۔ تاہم ماضی قریب میں مذکورہ ایجنسی، طالبان اور اسامہ کے حوالے سے سامنے آنے والے بعض واقعات پر امریکہ کو شدید تحفظات ہیں۔

اس تناظر میں یہ سوال نہایت اہم ہے کہ امریکہ، اسامہ بن لادن کی گرفتاری کیلئے بے چین کیوں رہا؟ خود امریکہ کی مختلف رپورٹوں سے سامنے آنے والے حقائق کے مطابق عرب مجاہدین بالخصوص فلسطینی نژاد باشندے یورپ میں بہت بڑی قوت کے طور پر منظم ہیں اور ان سے اسامہ بن لادن کے رابطے ہیں۔ ذرائع کے مطابق مصر کے نابینا عالم دین شیخ عمر عبدالرحمٰن کو ملنے والی سزا کا ایک سبب اسامہ بن لادن سے تعلق بھی تھا۔

شیخ عمر عبدالرحمٰن کی سرگردگی میں قائم ایک ادارے سے بوسنیا، چیچنیا، صومالیہ اور فلسطین کے مسلمانوں کی امداد کی جاتی تھی۔ بروکلین میں واقع یہ ادارہ عملاً مکتب الخدمت کی ایک شاخ گیا تھا جسے اسامہ بن لادن نے فلسطینی نژاد عرب مجاہد عبداللہ عزام کے ساتھ مل کر قائم کیا تھا۔ کے علاوہ امریکہ آج تک اس ''پیشکش'' کو فراموش نہیں کر سکا جو اسامہ بن لادن نے کویت

ئی حملے کے بعد مشرق وسطیٰ کی ریاستوں کو دی تھی کہ وہ اجازت دیں تو عراقی فوج کو وہ عرب ہدین کے ذریعے کویت سے نکال دیں گے۔ امریکہ جانتا تھا کہ وسط 1981ء میں پہلی بار پشاور نچے والا اسامہ بن لادن مشرق وسطیٰ کے لئے امریکہ کی مرتب کردہ ''خوف کی حکمت عملی'' کیلئے ب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ یہ اب ایک کھلا راز ہے کہ امریکہ نے خلیج میں اپنے فوجی کیمپ قائم رنے کے لئے ہی پوری بساط بچھائی تھی۔ چنانچہ عرب حکمرانوں کو خوف دلا کر اپنے فوجی کیمپوں کی حفاظت کرنے والا امریکہ خود خوفزدہ ہے اگر مسرق وسطیٰ کی ریاستوں نے کبھی اس ''متبادل'' پر غور شروع کر دیا تو امریکہ اپنا یہ بوجھ کہاں اتارے گا چنانچہ اس نے نہایت پرکاری سے ایک ایسا جال بنا ہے جس میں پھنسنے والی ساری مچھلیاں دراصل ایک ہی سمندر کی ہیں اس نے ایک طرف عرب مجاہدین کا خوف پیدا کر کے مشرق وسطیٰ کی امریکی نواز حکومتوں کو خائف کر دیا ہے تو دوسری طرف عرب مجاہدین کو ان حکومتوں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ حالانکہ افغانستان میں روسی ریچھ سے پنجہ لڑانے والے عرب مجاہدین نے عملاً عربوں کی سرزمین پر امریکہ کے ناپاک خونی عزائم کے خلاف تا حال کوئی ایسا اقدام نہیں اٹھایا جسے امریکہ یا عرب حکومتیں ٹھوس جواز کے طور پر پیش کر سکتیں۔ تاہم اس کے باوجود امریکہ نے عملاً عرب مجاہدین کو عرب حکومتوں سے اتنا دور کر دیا ہے کہ عرب مجاہدین، عرب حکمرانوں کے خلاف کھلم کھلا بیانات دینے لگے ہیں۔ امریکہ کو مطلوب یہی بیانات عرب حکومت کو خوف زدہ کر کے انہیں امریکہ پر انحصار بڑھانے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔

بعض حلقے ایف بی آئی کو امریکہ کا ایک داخلی ادارہ سمجھتے ہیں جو کم علمی یا لوگوں کو دھوکہ دینے کے علاوہ کچھ نہیں۔ البتہ یہ درست ہے کہ 1988ء تک ایف بی آئی امریکہ کے اندر ہی موثر تھا۔ اس وقت تک ایف بی آئی عالمی سطح پر غیر موثر اور ملک میں نہایت موثر ایجنسی سمجھی جاتی تھی۔ ال تک کہ بیروت میں ایک امریکی ایئر لائن ''ٹی ڈبلیو اے'' کا طیارہ مار گرایا گیا۔ اس طیارے ما ایک امریکی آفیسر بھی سفر کر رہے تھے مگر نامعلوم وجوہ کی بناء پر مذکورہ آفیسر کا نام آج تک صیغہ راز میں رکھا گیا ہے۔ الغرض یہی ایف بی آئی اس وقت اسامہ بن لادن کی گرفتاری کے لئے کوشاں تھی اور اس حوالے سے نئی مہم کو منظم کر رہی تھی۔ چنانچہ اس تناظر میں پنجاب پولیس کی یت کا کھڑاک پال کر ایف بی آئی کی ٹیم کے لئے پاکستان کے دروازے کھول دینے سے مختلف

سوالات کا اٹھنا بالکل فطری تھی۔ امریکی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا دعویٰ ہے کہ 1993 ورلڈ ٹریڈ سنٹر
اور 1995 ریاض کا کار بم دھماکہ جس میں پانچ امریکی ہلاک ہوئے۔ 1996ء میں الجزائر
بیرکس ٹرک میں ہونے والا بم دھماکہ اسامہ بن لادن کے کارنامے تھے اور امریکہ اب اپنے
دیرینہ درست سعودی عرب کو بھی اسامہ کے دباؤ سے نکالنے کے لئے اس کی موت کا خواہاں تھا۔



اسامہ بن لادن اور ملا عمر کی ملاقات

ملا عمر اور اسامہ بن لادن کی دوستی دو مجاہدوں کی وجہ سے ساری دنیا میں زیر
ٹ رہی ہے۔ ان حالات میں کہ جب ساری دنیا کے ممالک جن میں پاکستان بھی شامل تھا
لبان پر زور دے رہے تھے کہ وہ افغانستان کو تباہی و بربادی سے بچانے کے لئے اسامہ بن
دن کو امریکہ کے حوالے کر دیں تو اللہ کے اس بندے کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہیں
ئی۔ انہوں نے بڑے صبر و سکون سے پاکستانی وفد کی طرف سے پیش کئے جانے والے خدشات
ے جو انہیں بار بار یہ سمجھا رہا تھا کہ اگر امریکہ سے تعاون نہ کیا تو نتائج توقعات سے زیادہ تباہ کن
ں گے۔ آخر میں کم گو مجاہد ملا عمر نے پاکستانی وفد کے جرنیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

''جنرل صاحب ہر انسان کی رائے اس کے تجربات کی بنیاد پر بنتی ہے۔ آپ جن
خدشات کا اظہار فرما رہے ہیں وہ ہمارے علم میں بھی ہیں لیکن ہماری سوچ آپ کے برعکس ہے۔
پ کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے آج تک کوئی جنگ جیتی نہیں اور ہم نے آج تک کوئی جنگ
اری نہیں۔ اگر زیادہ پریشانی ہے تو میں اپنے کچھ مجاہد آپ کے ہمراہ کر دیتا ہوں''۔

ملا عمر اور اسامہ بن لادن کی ملاقات کس طرح ہوئی، اس صورتحال پر اسامہ بن لادن
کے ایک طویل انٹرویو کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

سوڈان سے افغانستان ہجرت کے دوران پیش آمدہ حالات و واقعات اسامہ بن

لادن نے کچھ اس طرح بیان کرنا شروع کیے۔

صومالیہ کے بعد ہم سوڈان میں ہی رہ رہے تھے تو سعودی حکومت نے امریکہ کی شہہ پر مجھے سوڈان سے گرفتار کرنیکی کوشش کی تھی۔ ہماری کمپنی (بن لادن) کی وہاں کچھ جائیدادتھی انہیں یقین تھا کہ اسامہ کے دوسرے بھائی وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں لیکن سعودی سی آئی اے والے مجھے پہچانتے نہیں تھے اسلیئے وہ ناکام ہوگئے۔ سعودی حکام نے سوڈانی حکومت سے باقاعدہ طور پر میرا مطالبہ کیا لیکن سوڈان کے صدر عمر البشیر نے صاف انکار کردیا۔ بعدازاں وہ کسی بھی طریقے سے مجھے پکڑنے کیلیئے مدینہ منورہ میں میرے بھائیوں کے پاس آئے تو میرے بڑے بھائی ابوبکر نے سوڈان میں میرے پاس میرے چار بھائی بھیجے کہ اسامہ کو سازشی تانے بانے سے خبردار کریں اور اسے صحیح سلامت سوڈان سے باہر نکالیں۔ لیکن اس کے بعد شاہ فہد نے میرے بھائیوں کی وساطت سے مجھ سے صلح کرنی چاہی اور کہا کہ آپ ایک مرتبہ مجھ سے مل لیں تاکہ آپس کی غلط فہمیاں ختم کی جاسکیں تو میں نے سرسری سا جواب دے دیا کہ میں بیمار ہوں۔ دوسرے دن میرے بھائی ایک خصوصی طیارے میں سعودیہ سے سوڈان آئے اور ایک دن میں تین مرتبہ آئے تو میں نے معذرت ظاہر کردی لیکن وہ بدستور شاہ فہد سے ملاقات کرنے کے لئے دباؤ ڈالے ہوئے تھے اور مصر تھے کہ ایک مرتبہ ملاقات کرلو۔ اور شاہ ایک ایک گھنٹے میں ہمارے بڑے بھائی ابوبکر سے خود رابطہ رکھے ہوئے تھے کہ اسامہ آئے یا نہیں؟ آخر مجبور ہوکر ہمارے محترم بھائی ابوبکر خود میرے پاس آئے اور مجھے کہا کہ آپ کا آخر مقصد کیا ہے؟ جب شاہ فہد نے اپنی گزشتہ سب باتیں چھوڑ دی ہیں اور اپنی غلطیوں کو محسوس کررہا ہے تو بھی آپ نہیں آتے آخر وجہ کیا ہے؟ تین مرتبہ میرے پاس آئے اور مجھ سے منتیں کیں تو میں مجبور ہوگیا کیونکہ مجھے ان سے بہت پیار اور محبت ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ میرے بھائی ابوبکر کی عادت نہیں کہ کسی کو مجبور کرے یا کسی کی منت کرے۔ میں نے سمجھا کہ وہ مجبور ہے اور آخر کار وہ بیمار ہوگیا، میں تین دن کے لیئے سوڈان کی داراحومت خرطوم آیا جب ذاتی اور خاندانی طور پر ساری کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں تو سعودی حکومت نے سوڈان میں اپنے معین سفیر کی وساطت سے مجھ سے رابطہ کیا اور وارننگ دی کہ آپ آتے ہیں یا نہیں آپ کو سوچنے کے لئے سات دن کا وقت دیا جاتا ہے وگرنہ ہم آپ کی سعودی شہریت ختم کردیں گے آپ کا شناختی کارڈ اور پاسپورٹ ضبط کرلیں گے۔ ہم پچیس بھائی

ہیں اور بحمدہ تعالیٰ ہماری آپس میں بہت ہی محبت ہے، ایک دوسرے کا انتہائی احترام کرتے ہیں۔ خصوصاً بڑے بھائی کا تو والد کی طرح احترام کرتے ہیں لیکن میں نے ان سب کو انتہائی معذرت کے ساتھ عرض کیا۔

"میرا آپ سے نسبی اور اخوۃ کا تعلق ہے لیکن اسکے علاوہ پوری دنیا کے مجاہدین اور دیندار مسلمانوں سے بھی تعلق ہے اگر میں بادشاہ (فہد) سے صلح کرلوں بالفاظ دیگر یہ صلح امریکہ سے ہوگی اور میں عیش وعشرت اور آرام سے زندگی بسر کروں، میں تو ایسی ذلت کی زندگی کو زندگی نہیں بلکہ موت اور خودکشی کے مترادف سمجھتا ہوں۔ لیکن ان بے شمار مجاہدین کا کیا بنے گا؟ جن کا کوئی پرسان حال نہیں، کوئی سہارا نہیں۔ مجاہدین سے میرا یہ تعلق شاہ کی وجہ سے ختم نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے بھائیوں، بہنوں اور رشتہ داروں سے تو جدا ہوسکتا ہوں اسلامی تعلقات کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ اسامہ تختہ دار تک تو پہنچ سکتا ہے لیکن اپنے موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ اس کے باوجود بھی شاہ فہد باز نہ آیا۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد انہوں نے میرے محترم بھائیوں کو ایک بڑے وفد کے ساتھ میرے پاس بھیجا۔ انہوں نے کہا "شاہ (فہد) کہہ رہا ہے جو کچھ ہوا، سو ہوا، آپ واپس سعودیہ آئیں آپ آئندہ کیلیئے جہادی سرگرمیوں میں حصہ نہ لیں، آپ ہمارے پہلے کی طرح بھائی اور دوست ہیں"

میں نے کہا "جہاد تو میری زندگی کا نصب العین ہے میں جہاد کے بغیر زندہ کیسے رہ سکتا ہوں؟...... یہ نہ آج ہوگا نہ کل!

عقل کہتی ہے نہ جا کوچہ قاتل کی طرف
سرفروشی کی ہوس کہتی ہے چل! کیا ہو گا؟

اسکے بعد بڑا بھائی ابوبکر دوسرے بھائیوں سمیت آیا اور کہا "آپ صرف اتنا کریں کہ لکھ کردے دیں کہ مجھے شہریت دینا مجھ پر احسان تھا اور اب اگر وہ چاہیں تو میری شہریت منسوخ کرسکتے ہیں" تو میں نے کہا "یہ کون سی عقل کی بات ہے؟ اگر سعودی گورنمنٹ میری شہریت ختم کرتی ہے تو کردے" تو ابوبکر نے کہا "آپ شاہ (فہد) کو دھمکی دے رہے ہیں؟ میں نے کہا "کوئی دھمکی نہیں دے رہا ہوں لیکن حقیقت عرض کررہا ہوں اگر وہ ختم کرتے ہیں تو کرلیں میں انہیں کیوں کہوں؟"

چنانچہ اگلے ایک ہفتے کے بعد انہوں نے میری سعودی شہریت ختم کر دی تو عوام میں بے چینی بڑھی اور شاہ فہد پر تنقید کا سلسلہ شروع ہو گیا سعودی گورنمنٹ اس سے بوکھلا گئی پھر میرے بھائیوں کو بھیجا گیا کہ ٹھیک ہے آپ کی شہرت بحال کرتے ہیں اور آپ جہاد سے بھی دستبردار نہ ہوں لیکن صرف ایک بات کریں کہ آپ یہ جو حکومت کے خلاف بیانات جاری کرتے ہیں اور مجاہدین کو برانگیختہ کرتے ہیں اور اکساتے ہیں آپ یہ کام چھوڑ دیں" لیکن میں کیا کرتا، میں مجبور تھا! اور اسلام کی خاطر سب کچھ کرنا پڑ رہا تھا۔

بعد ازاں آخری مرتبہ میرے چچا جان جن کی عمر پچانوے سال تھی وہ ہمارے خاندان کے بڑے تھے، ہم سب ان کو والد کی طرح سمجھتے ہیں، میرے چچا تیس سال سے مدینہ منورہ میں رہتے ہیں اور میری بوڑھی والدہ کو سوڈان بھیجا گیا۔ ایک دن میں سعودیہ سے نو خصوصی پروازیں آئیں، اور میرے بھائی سب خرطوم آئے اور کہا "آپ اگر سعودیہ آنا نہیں چاہتے ہیں تو بے شک نہ آئیں یہ آپ کی مرضی ہے اور آپ بڑے شوق سے جہاد جاری رکھیں، آپ کے بیانات کا سلسلہ بھی جوں کا توں جاری رہے، حکومت آپ کو کچھ بھی نہیں کہے گی، صرف ایک بات کریں کہ آپ صرف تین جملے کہہ دیں جو بی بی سی لندن اور دوسرے عالمی نشریاتی اداروں سے نشر ہوں کہ:

"الملک (فهد) درجل صالح مسلم"

"شاہ فہد نیک و دیانتدار مسلمان شخص ہیں اور ملت اسلامیہ سے خارج نہیں"۔

میرے لئے اپنی تاریخ کی سب سے بڑی آزمائش تھی اور کڑا امتحان تھا۔ ایک طرف پچانوے برس کا بوڑھا چچا بوڑھی والدہ اور پیارے بھائی تھے اور دوسری طرف وہ سینکڑوں مجاہدین تھے جنہوں نے میرے ساتھ مل کر دنیا کے سب سے بڑے دجال امریکہ کے خلاف جہاد کیا تھا اور عالمی سامراج سے بغاوت کا علم بلند کیا ہوا تھا، سب سے زیادہ اسلام کے مستقبل کا سوال میرے سامنے کھڑا ہو گیا آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس اعصاب شکن مرحلے سے بھی صحیح سلامت پار کرا دیا۔

میں نے ان سب کے سامنے دست بدستہ ہو کر بڑے دکھی دل سے عرض کیا۔

"جس شاہ کے لئے میں قرآن و سنت کی روشنی میں کہہ چکا ہوں کہ یہ ملت اسلامیہ سے خارج ہے، اب میں اس کے لئے کیسے کہہ سکتا ہوں کہ یہ نیک صالح مسلمان ہے؟ شریعت میری جاگیر تو نہیں کہ جب میری مرضی ہو اسے اپنے تابع کر کے استعمال کروں میں بصد ادب

تمام آپ سے عرض کرتا ہوں کہ میں مجبور ہوں۔"

بہرحال اس کے بعد خاندانی طور پر کوئی اور کوشش نہیں کی گئی اس کے بعد سوڈان کے صدر عمر البشیر نے مجھے کہا۔

"اب ہم مجبور ہیں، ہم پر دباؤ بڑھ گیا اور اتنا بڑھ گیا ہے کہ ہم برداشت نہیں کر سکتے، اس لئے آپ براہ کرم اپنا دوسرا بندوبست کریں۔"

مجھے کوئی پریشانی نہ تھی کیونکہ میرا قرآن کے اس آسمانی وعدہ پر ایمان ہے......

"جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے تو وہ زمین کو اپنے لئے کشادہ پائے گا" (القرآن)

مگر مجھے یہ پریشانی ضرور تھی کہ والدہ کو کیسے اطلاع دوں۔ تین دن کے بعد والدہ کو فون پر اطلاع دی تو ان کی بے چینی کی انتہا نہ رہی، میں نے افغانستان جانے کا عزم کا اظہار کیا تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا اور کہا کہ وہاں آپ کو قتل کر دیا جائے گا یہ سب آپ کے خلاف سازش ہوئی ہے، میں جنرل بشیر سے بات کرتی ہوں اور انہیں ڈانٹتی ہوں کہ وہ بزدلی کیوں دکھا رہے ہیں۔ دوسرے دن والدہ فون پر ہشاش بشاش تھیں۔ میں نے سمجھا کہ شاید جنرل بشیر نے اجازت دے دی ہے، والدہ نے کہا ان سے بات کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ میں نے خواب دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف فرما ہیں، آپ (اسامہ) ان دونوں کے درمیان ہیں جب کہ میں سامنے بیٹھی ہوں، اللہ کے دونوں برگزیدہ نبی باہم صلاح و مشوروں میں مصروف تھے، مشورے سے فارغ ہو کر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ آپ مطمئن رہیں ہم نے اسامہ کے لئے حفاظتی تدابیر کر لی ہیں اور یہ جس جگہ (افغانستان) جانا چاہتے ہیں وہاں جانے دیں۔ اس کے بعد والدہ نے کہا کہ بس آپ اللہ کے بھروسے پر تیاری کریں۔

اس طرح میں اللہ کے بھروسے خصوصی طیارے کے ذریعہ خرطوم سے جلال آباد آ گیا، جہاں مولانا یونس خالص (حفظہ اللہ) نے مجھے اپنے ہاں ٹھہرایا، جلال آباد میں بھی امریکہ نے دشمنوں کا اہم ہمہ جہتی جال بچھایا تھا اور بڑے پیمانے پر نیٹ ورک تیار کیا تھا تا کہ مجھے گرفتار کیا جا سکے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے مکر و فریب ان کے منہ پر دے مارے۔

"اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر (تدبیر) کیا اللہ نے اور اللہ کا مکر سب سے بہتر

ہے"۔(آل عمران:53)

جلال آباد طالبان کے ہاتھوں فتح ہوگیا تو طالبان نے مجھے کہا کہ جلال آباد چونکہ ابھی فتح ہوا ہے اور پاکستان کے قریب ہونے کے ناطے یہ ایک غیر محفوظ علاقہ ہے اور دشمن (امریکی سی آئی اے) کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، قندھار ہمارا مرکز ہے اور وہ ایک محفوظ علاقہ ہے آپ وہیں چلیں، تو میں یہاں چلا آیا۔ یہ تھی اس طویل سفر کی ایک مختصر جھلک۔

میرے یہاں منتقل ہونے کے فوراً (فتح کابل کے) بعد امریکہ نے سعودی حکومت سے طالبان کی حکومت کو تسلیم کروایا تا کہ ان سادہ لوگوں (طالبان) پر ہاتھ رکھ کر ان سے اسامہ کو حاصل کیا جائے چنانچہ سعودی حکومت نے بڑی چابکدستی اور فنکارانہ مہارت سے طالبان کو کہا کہ آپ اسامہ ہمارے حوالے کریں۔ لیکن اللہ کے فضل وکرم سے یہ سادہ لوگ ان کیلئے لوہے کے چنے ثابت ہوئے جس سے سعودیہ سمیت امریکہ کے دانت نکل گئے طالبان نے سعودی گورنمنٹ سے کہا۔

"جس شخص کی آپ نے شہرت ختم کردی ہے اور جو شخص اب آپ کے ملک کا شہری نہیں رہا تو آپ کس منہ سے اس شخص کا مطالبہ کر رہے ہیں؟ کیا اصولی اور اخلاقی طور پر آپ کو یہ مطالبہ کرنے کا حق پہنچتا ہے؟" تو سعودی حکومت لاجواب ہوکر خاموش ہوگئی۔

اس نے رابطہ کر کے طالبان حکومت کو پیشکش کی کہ "آپ اسامہ کو ہمارے حوالے کر دیں اس کے بدلے میں یہ سارا شمالی اتحاد اور "شیر پنج شیر" احمد شاہ مسعود کو آپ کے راستہ سے اس طرح ہٹالیں گے جیسے دودھ سے مکھی کو باہر اٹھا کر پھینک دیا جاتا ہے اس طرح سارا افغانستان آپ کے زیرنگیں ہوجائے گا اور یہ کہ افغانستان کی تعمیر اور ترقی میں ڈالروں اور ریالوں کی بارش برسادیں گے آپ صرف یہی ایک کام کریں۔"

اس کشمکش کے جواب میں ملا محمد عمر مجاہد نے انہیں جو جواب دیا وہ اسلامی تاریخ کا ایک درخشندہ باب بن چکا ہے اور ہمیشہ کے لئے تاریخ کا ایک زندہ وجاوید کردار بن گیا ہے اور آب ز سے لکھنے کے قابل ہے اور ہمیں یقین ہے کہ جب مستقبل کا مورخ دور جدید کے عالم اسلام ک سب سے بڑے مجاہد، بطل حریت اور اسلام کے مقدس نام پر اپنا تن من دھن قربان کر کے اور ا سب کشتیاں جلا کر اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں، مصائب

ام کے پہاڑ ٹوٹنے کے بعد بھی خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلام کے پائے استقامت ذرہ بھر بھی لغزش نہیں آئی ہے۔ مورخ اس کی تاریخ مرتب کرے گا تو اس مرد مجاہد امیر المومنین عمر ثالث کے اس جواب کو جلی حروف میں تحریر کرے گا سامراج کی اتنی بڑی طاقت کے بلے میں ملا عمر کا جواب کیا تھا آیئے یہ جواب خود شیخ اسامہ کی زبانی سنتے ہیں۔

"ان کی اس "سنہری" پیشکش پر ملا عمر نے کہا کہ اسامہ تو شہزادۂ اسلام ہیں جو ہمارے ٹھہرا ہوا ہے، لیکن اگر ارض حرمین کی ایک بکری بھی ہم سے پناہ لیتی تو ہم اس کو بھی نہ صرف پناہ تے بلکہ اس کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ یہ اسامہ تو شہزادۂ اسلام ہے اس کا ایک بھی آپ کو نہیں دے سکتے چاہے شمالی اتحاد ہمارے ہاتھ ہی نہ آئے، ہم اس موضوع پر کوئی سننے کے لئے تیار نہیں۔"

اسامہ بن لادن اور ملا عمر کے رشتے کی بنیاد اسلامی اخوت تھی جس نے دونوں کو مضبوط ہ رکھا ہے اور آج جبکہ ایک طرف دنیا بھر کی طاغوتی طاقتیں جمع ہو کر ان پر حملہ آور ہو رہی ہیں کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آرہی۔



اُسامہ پر امریکی یلغار

21 اگست 1998ء کی شام پانچ بجے پاکستان بحریہ کے فضائی نگہبان اپنی معمول کی
پرواز کر رہے تھے۔ بحیرہ عرب پر ان کی یہ پروازیں پاکستان بحریہ کی معمول کی پریکٹس ہے۔
لیکن...... اس روز نہ جانے کیوں فضائی نگہبانی پر مامور کیپٹن کی چھٹی حس نے اسے کسی ناگہانی
صورتحال سگنل دے دیا تھا۔ اس کی وجہ شاید وہ اطلاعات تھیں جو صبح کراچی کے بین الاقوامی ہوائی
اڈے سے پرواز کرنے والے ایک پی آئی اے کے جہاز نے دی تھیں۔

اس جہاز کے کپتان کی اطلاع کے مطابق اس نے معمول کی اونچائی حاصل کر
کے لئے جیسے ہی سمندر کے اوپر اڑنا شروع کیا اس سے کچھ فاصلے پر ایک بڑے جہاز کی پرو
کرنے کے سگنل موصول ہونے لگے۔

یہ غیر معمولی بات تھی کیونکہ یہاں فضائی روٹ ہونے کی وجہ سے کسی غیر ملکی جہاز کو بغ
اطلاع داخلہ نہیں مل سکتا تھا۔ کیپٹن نے فوراً کراچی کے ائر کنٹرول ٹاور کی صورتحال سے آگا
جس کے ریڈار پر اب ایک سی۔130 قسم کا جہاز نمایاں ہو رہا تھا۔ کراچی کے ائر کنٹرول ٹاور
فوراً جہاز سے رابطہ کر کے اپنی شناخت اور اس علاقے میں پرواز کے مقصد سے آگاہ کرنے
درخواست کی۔ پراسرار جہاز نے جو امریکہ کا ایک جاسوسی ہوائی جہاز تھا اور بحیرہ عرب
پاکستان کی فضائی حدود سے تیس یا چالیس ناٹیکل میل کی دوری پر موجود امریکی بحری بیڑے سے

یا تھا اپنی شناخت ایک امریکی جہاز کی حیثیت سے کروائی جس پر ائر کنٹرول ٹاور سے اسے بتایا
ہ سویلین جہازوں کے اس روٹ پر اس کی موجودگی بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اور
ین جہازوں کے مسافروں کے لئے انتہائی خطرناک ہے کیونکہ اس کی موجودگی سے کوئی بھی
ہو سکتا ہے اس پر جہاز کی طرف سے معذرت کی گئی اور کہا گیا کہ وہ معمول کی مشقیں کر رہے
ن سے کسی جہاز کو خطرہ نہیں ہے۔

اس کے باوجود ائر کنٹرول ٹاور سے درخواست کی گئی کہ وہ اس فضائی روٹ سے نکل
ے جس پر جہاز نے آمادگی ظاہر کر دی۔ اور...... اگلے چند منٹ بعد جہاز وہاں سے غائب ہو
فضائی نگہبانی کے لئے سمندر پر پرواز کرنے والے اس جہاز کے پائلٹ کے شبہات کی جلد
یق ہو گئی۔ اسے پاکستان کی سمندری حدود کے نزدیک امریکی بحری بیڑے کی نقل و حرکت
ے رہی تھی۔ تین بحری جہاز پاکستانی ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے دوسرے ہی لمحے
نے اپنے مستقر کو اس صورتحال سے آگاہ کر دیا اور اگلے ہی لمحے یہ پیغام نیول ہیڈ کوارٹر سے
کو پہنچا دیا گیا۔ جب یہ پیغام جی ایچ کیو پہنچا تو وہاں امریکن چیف آف سٹاف جنرل
ی کچھ دیر کے لئے ’’سٹاپ اوور‘‘ کی درخواست بھی پہنچ چکی تھی اور وہ پاکستانی مسلح افواج
ر انچیف جنرل جہانگیر کرامت کے مہمان کی حیثیت سے اسلام آباد کے بین الاقوامی
ے پر لینڈ کر چکے تھے۔ جی ایچ کیو میں جنرل رالسٹن نے جنرل جہانگیر کرامت سے
بجے ملاقات کی ملاقات پر جنرل کرامت نے انہیں اپنی تشویش سے آگاہ کرتے ہوئے
ساحلوں کے نزدیک گشت کرتے امریکن بحری جہازوں سے متعلق استفسار کیا تو امریکن
نے گہری مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر جماتے ہوئے کہا۔

’’آپ بالکل بے فکر ہو جائیے۔ یہ جہاز پاکستان کے خلاف ہرگز کوئی کارروائی نہیں
والے...... پاکستان ہمارا دوست ملک ہے......‘‘

اس جواب سے گو کہ پاکستانی جرنیل کی تسلی نہیں ہوتی تھی...... لیکن...... جنرل رالسٹن
موضوع کو مزید آگے بڑھانے کے بجائے گفتگو کے لئے موضوع ہی تبدیل کر دیا۔ تھوڑی
گپ شپ کے بعد امریکن جنرل روانگی کے لئے تیار تھا۔ اس نے ’’سٹاپ اوور‘‘
Stop پاکستان میں ایک خاص مقصد کے لئے لیا تھا اور اب وہ مقصد پورا ہو چکا تھا۔ جب

جنرل جہانگیر کرامت امریکن جنرل رالسٹن کو الوداع کہنے کے لئے اسلام آباد ائر پورٹ کی طرف جا رہے تھے تو شاید پاکستان کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ امریکن بحری بیڑے کے جہازوں سے ٹام ہاک کروز میزائل فائر ہو چکے ہیں۔ ان میزائلوں نے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت طے کرکے پاکستانی فضاؤں میں قریباً 500 فٹ بلندی پر پرواز کرتے ہوئے افغانستان میں پہلے سے گائیڈ کردہ تین اہداف کو نشانہ بنانا تھا یہ میزائل اسامہ بن لادن کو نشانہ بنانے کے لئے فائر ہوئے تھے۔ دم رخصت رات کے قریباً دس بجے امریکی جنرل رالسٹن نے پاکستانی کمانڈر انچیف کو بتایا کر پاکستانی فضا سے گزرنے والے میزائلوں کو بھارتی میزائل نہ سمجھیں۔ یہ کارروائی امریکن بحریہ اسامہ بن لادن کے خلاف کی ہے۔ جنرل رالسٹن دراصل اس پیش بندی کے لئے پاکستان آ تھا۔ امریکہ کو ڈر تھا اگر کوئی میزائل اپنے نشانے سے بھٹک کر پاکستانی سرحد میں گر پڑا یا پاکستا سرحد کے نزدیک گر پڑا تو پاکستانیوں کو کہیں اس حملے کے پس پردہ بھارت کا ہاتھ دکھائی نہ پڑ کیونکہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے ساتھ تناؤ کی حالت میں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پاکستان آ لمحہ توقف کئے بغیر بھارت پر حملہ کر دیتا اور عین ممکن تھا کہ صورتحال اتنی سنگین ہو جاتی جس کے ایٹمی ہتھیار استعمال ہونے لگتے...... بلکہ ایٹمی جنگ چھڑ جاتی۔

امریکن جہاں ایک طرف اس خدشے کا شکار تھے وہاں دوسری طرف انہیں یہ خدشات بھی لاحق تھے کہ اگر انہوں نے افغانستان پر حملے سے پہلے پاکستان کو باخبر کر دیا تو عین ممکن ہے پاکستان طالبان کو اس حملے کی پیشگی خبر کر دے اور امریکن حملہ ناکام ہو جائے۔ اب صورت حال جائے رفتن نہ پائے ماندن والی بن چکی تھی۔ اس لئے امریکنوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد میزائل فائر کرنے کے بعد ہی پاکستان کو اعتماد میں لینے کا فیصلہ کیا امریکن چاہتے تھے کہ پاکستان کے میں اس حملے کی خبر تب آئے جب وہ کسی بھی صورت میں طالبان کی مدد نہ کر سکے۔

جنرل رالسٹن کی ٹائمنگ بڑی شاندار تھی۔ عین ان لمحات میں اس نے جنرل جہا کرامت کو اس حملے کی اطلاع دی جب امریکن کروز میزائل افغانستان میں منتخب اہداف پر گر تھے یا پھر گرنے والے تھے۔ جنرل جہانگیر کرامت نے اپنی تشویش یقیناً جنرل رالسٹن پہنچا دی تھی اور اس کی رخصتی کے فوراً بعد پاکستانی وزیراعظم کو اس حملے کی خبر سے آگاہ کر دیا۔

27 اگست کے اخبارات میں پاکستانی وزیراعظم کے حوالے سے جو بیانات

ئے اور وزیر خارجہ سرتاج عزیز نے جو بیان سینٹ میں دیا اس کے ساتھ ہی جنرل جہانگیر مت کے حوالے سے خبر شائع ہوئی تو اصل میں یہ تینوں بیانات صحیح تھے......

پاکستانی وزیراعظم کا کہنا تھا کہ انہیں حملے کے بعد خبر دی گئی۔

پاکستانی کمانڈر انچیف کا کہنا تھا کہ حملے سے پہلے خبر دی گئی۔

ان بیانات پر ہمارے سیاسی اور صحافتی پنڈتوں نے بڑی حاشیہ آرائی کی ہے جو کسی طور ی حوصلہ افزائی کی مستحق نہیں یہ حملہ امریکہ نے پاکستان کو لاعلم رکھ کر اسامہ کی موجودگی کی اطلاع یا تھا یہ الگ بات کہ میزائل پاکستانی علاقے میں ہی گرے ان حملوں کے خلاف شدید ردعمل ہوا ن امریکہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ امریکی صدر کلنٹن نے پریس کانفرنس میں کہا اسامہ بن لادن ے مفادات کے خلاف سرگرم عمل ہے میڈلین البرائٹ نے دھمکی کہ اگر افغانستان نے اسامہ الا گیا تو اس پر مزید حملے متوقع ہیں۔

20 فروری 1999ء کو ملا محمد عمر نے اعلان کیا کہ اسامہ افغان قوم کی عزت کا مسئلہ ہے ے کسی بھی قیمت پر ان کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ امیر المومنین نے ان خبروں کو بے بنیاد یا کہ گویا اسامہ کو امریکہ کے حوالے کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اسامہ کی حفاظت تان کی ذمہ داری ہے اور اسے کسی بھی قیمت پر ان کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ افغانستان پر حملے کے بعد سپاہ صحابہ اور جمعیت علماء اسلام نے امریکہ کے خلاف مظاہرے کئے اور ن کو قتل کرو" کے نعرے لگائے۔ مظاہرین نے امریکی پرچم جلایا اور حکومت پاکستان کے پر بھی تنقید کی۔ جماعت اسلامی نے کراچی اور لاہور میں مظاہرے کئے۔ سندھ کے دیگر ا میں بھی جماعت اسلامی اور سپاہ صحابہ نے مظاہرے کئے اور حکومت پاکستان پر امریکہ ی کا الزام لگایا۔



درندگی کے ناقابل فراموش مظاہرے

افغانستان میں چوہے بلی کا کھیل جاری تھا کہ امریکہ میں نائن الیون کا حادثہ ہوا جس
نے بین الاقوامی منظرنامے کو بدل کر رکھ دیا۔ ساری دنیا میں ہاہا کار مچ گئی۔ امریکیوں پر اس
نے دہشت طاری کر دی اور انہوں نے ''خوفزدہ شخص کی کیفیت'' میں ایسے حفاظتی اقدامات
جنہوں نے ساری دنیا کے امن کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا۔

اس بحث سے قطع نظر کہ یہ حملہ کس نے کیا؟ کیونکہ اس پر ایک الگ کتاب درکار ہے
حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ امریکہ اور یورپ کے درجنوں مصنفین اور تحقیقی ادارے یہ ثابت
چکے ہیں کہ نائن الیون پر حملہ ایک جعلی خودساختہ کارروائی تھی جس کے محرک امریکہ میں موجود
یہ کون تھے؟ اس پر آج تک بحث جاری ہے۔ بہرحال امریکہ نے اس کا ذمہ دار اُسامہ بن لادن
ٹھہرایا اور طالبان سے مطالبہ کیا کہ اسے فوراً امریکہ کے حوالے کرے۔ پاکستان کی طرف
طالبان پر ہر ممکن اخلاقی اور سفارتی دباؤ ڈالا گیا لیکن اپنی روایات اور اسلامی اصولوں کے اح
محمد عمر مجاہد نے انکار کر دیا جس پر پاکستان کو ''یوٹرن'' لینا پڑا اور ہماری گذشتہ 55 سال کی اف
پالیسی کا تیاپانچہ ہو گیا۔ بوکھلائے ہوئے امریکیوں نے نائن الیون کا بدلہ وحشیانہ انداز میں طا
سے لینے کا فیصلہ کیا اور افغانستان میں وحشت و بربریت کی وہ تاریخ رقم ہوئی کہ جس پر شیطان
منہ چھپاتا پھرتا تھا، اس کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

یہ اقتباسات محمد ناصر خان کی کتاب ''طالبان قیدیوں پر کیا گزری'' سے لیے گئے
یہ ناصر خان امریکہ کے خلاف لڑائی میں طالبان کے ساتھی رہے ہیں۔ گرفتار ہوئے اور
ری صعوبتیں جھیلنے کے بعد رہا ہو کر پاکستان آئے تھے۔ محمد ناصر خان لکھتے ہیں: ''جمعہ 9
طالبان قیادت نے مزار شریف سے پسپائی اختیار کی تو مزار میں نفاذ شریعت سے تعلق رکھنے
مجاہدین سینکڑوں کی تعداد میں موجود تھے افراتفری کی حالت میں یہ مجاہدین پسپائی کی بجائے
تاد سے مقابلہ کرنے پر بضد تھے۔ ذرائع کے مطابق پسپائی کے بعد سلطان رضیہ سکول میں
ی مجاہدین نے مستقر بنا رکھا تھا۔ انہوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ شمالی اتحاد والے
ہاں پہنچے تو دو منزلہ عمارت کے اندر پے در پے فائرنگ کی گئی اس کے علاوہ شمالی اتحاد والوں
ریکی لڑاکا بمبار طیارے طلب کر لئے جن کی زمینی مقامات سے رہنمائی طلب کر لی گئی۔
کے اندر سے بھی مجاہدین نے دفاع کے لئے مورچے بنا ڈالے اور شمالی اتحاد کے ساتھ
کا تبادلہ ہوتا رہا۔ امریکی طیاروں نے ہفتے کی سہ پہر دوبارہ سکول کو براہ راست نشانہ بنایا
اس قدر شدید تھی کہ کھڑکیوں کے ٹکڑے چوتھائی میل دور تک جا گرے ان دھماکوں میں
پاکستانی شہید ہو گئے۔

امریکی بمباری سے زخمی ہونے والے کئی پاکستانی دل شکستہ اور بھوک و پیاس کی حالت
بی کی علامت بن گئے۔ لیکن پھر بھی برابر مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ بالآخر ان میں
النے پر بحث ہوئی۔ اتنے میں عینی شاہدین کے بقول مکتب کی چاردیواری کے گرد ایک
ہو گیا جو ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ کچھ لوگ باہر کھڑے ''طالبان'' سے انتقام لینے کی
رہے تھے۔ ''مجاہدین کو قتل کر دو'' محصورین جواب میں بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ وہ
رگرفتاریاں دینا چاہتے ہیں شمالی اتحاد کے فوجیوں نے انتظار کیا حتیٰ کہ 100 پاکستانی
سے باہر آ گئے پھر اچانک ان درندوں نے پاکستانیوں پر فائر کھول دیئے ان میں سے بیشتر
رگئے۔ چند لڑتے ہوئے پلٹے اور چاردیواری پھلانگ کر شہر میں نکلے مگر شمالی اتحاد کے
انے گلیوں اور گھروں تک ان کا تعاقب کیا اور انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا۔

اتوار کی صبح ریڈ کراس والوں کو سلطان رضیہ سکول کے ارد گرد کی سڑکوں اور مکانوں سے
80 لاشیں ملیں۔ شمالی اتحاد والوں نے پھر سکول کی طرف توجہ مرکوز کی جہاں ہنوز سینکڑوں

پاکستانی محصور تھے۔ دن بھر فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہا۔ سوموار کی صبح اتحادی کمانڈروں نے 12 مقامی
ملا پاکستانیوں کو تسلیم ہونے کی ترغیب دینے کے لیے بھیجے۔ سہ پہر کو وہ ہاتھوں میں قرآن مجید
اٹھائے ''تسلیم، تسلیم'' اور ''سلامتی کی کتاب کو مانو'' کے آوازے بلند کرتے عمارت کی طرف
بڑھے۔ اسی دوران اتحادی ملا مارے گئے۔ اسی سہ پہر اتحادی فوج چاردیواری پار کر کے عمارت
کے چند گز قریب پہنچے اور کھڑکیوں سے گرنیڈ اندر پھینکنے لگے۔ چند گھنٹے کی لڑائی کے بعد حتمی
اتحادی غلبہ پانے میں ناکام رہے تو عمارت کی بیرونی دیوار پر پٹرول چھڑکا اور آگ لگادی۔ آگ
ساری رات جلتی رہی جسے مقامی باشندے دیکھتے رہے۔ کچھ پاکستانیوں نے عمارت سے باہر آ
کر ہتھیار زمین پر رکھ دیئے۔ ان کے بعد مزید افراد باہر آئے تو ان پر بھی فائرنگ ہونے لگی۔ اب
منگل آ گیا۔ عطا اور دوستم کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے اپنے آدمیوں کو دھاوا بولنے کا حکم د
چنانچہ شمالی درندے ان بے یارومددگار پاکستانیوں پر پل پڑے۔ سہ پہر کو عمارت کے اندر کی گنیں
خاموش ہو گئیں تو اتحادی فوجی آگ میں سلگتی عمارت کے اندر داخل ہوئے لیکن مزاحمت ابھی خ
نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت گشت کرتے اتحادی سپاہی عمارت کے ایک طرف سے گزرے جہا
تین پاکستانی زخمی مجاہد پناہ لیے ہوئے تھے۔ شدید زخمی ہونے کے باوجود انہوں نے تادم آخ
اتحادیوں کا مقابلہ کیا اور بالآخر یکے بعد دیگرے جان جانِ آفریں کے سپرد کر گئے۔ عطا کے
فوجیوں نے 175 اور دوستم کے فوجیوں نے 150 پاکستانی قیدی بنا لیے۔ جلی ہوئی عمارت سے
ریڈکراس والوں نے 400 لاشیں اکٹھی کیں، سفید کفن پہنائے اور ریگستان میں لے جا کر اجتمائی
قبروں میں دفن کر دیا لیکن 900 مجاہدین کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔

22 نومبر کو اسلام آباد میں انٹرنیشنل ریڈکراس کے سینئر اہلکار اولیویئر نے بتایا کہ مزا
شریف سے ریڈکراس کو چار سو تا چھ سو لاشیں ملی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہمیں یہ علم نہیں ہو سکا کہ
انہیں بیدردی سے قتل کیا گیا یا پھر یہ جنگ میں مارے گئے۔ عطا محمد نے مزار کے مضافات م
ایک سابق کاٹن ویئر ہاؤس میں قیدی رکھنے کا اہتمام کیا۔ امریکی جریدے ''ٹائم'' کا صحافی الیکس
پیری لکھتا ہے: ''مجھے شمالی اتحاد کے کمانڈر استاد عطا محمد کے گھر لے جایا گیا جس نے عبدالر
دوستم اور حاجی محمد محقق کے ساتھ مل کر مزار پر قبضہ کیا تھا۔ 37 سالہ باریش عطا محمد تاجک ہے۔ ا
نے مجھے قالین پر ''کابلی'' کھانے میں شرکت کی دعوت دی جو چاول، کشمش، بکرے کے گوشت

ہن سے تیار کیا جاتا ہے۔ عطا خود مزار شریف کے میئر کے عہدے پر فائز ہے۔ عطا محمد اور
ساتھیوں نے شہر پر قبضہ جمانے کے دوران 100 پاکستانی طالبان ہلاک کر دیئے جو ہتھیار
کوشش کر رہے تھے۔'' پیری کے بقول عطا نے اپنے 12 ملا طالبان کے پاس امن مشن پر
ان غالباً جھڑپ میں وہ مارے گئے اس کے جواب میں شمالی اتحاد نے مزاحمت کرنے
تی تمام افراد ذبح کر دیئے۔ یہ وہی 600 شہداء ہیں جن کی لاشیں ملنے کا ذکر ریڈکراس نے
۔ عطا محمد اور اس کے سیکورٹی چیف واثق نے مزار شریف پر قبضے کی تفصیلات بیان کیں۔
نے بتایا کہ شہر کے جنوب مشرق میں سلطانہ رضیہ گرلز سکول میں پاکستانی ''سیاح'' (جیسا کہ
رہے تھے) جمعرات تک ڈٹے رہے۔ واثق نے بتایا'' وہاں بہت سے افراد مارے گئے
ہمیں بہت سوں کو مارنا پڑا۔ عطا سے اجازت لے کر الیکس پیری اگلی صبح سلطانہ رضیہ گرلز
پہنچا تو ریڈکراس کی ٹیم ملبے سے لاشیں اور بریدہ اعضاء نکال رہی تھی جنہیں فلیٹ بیڈ ٹریکٹر
ڈالا جا رہا تھا۔ ریڈکراس کی ٹیم ان لاشوں پر زیادہ توجہ دے رہی تھی جنہیں بازوؤں اور
سے پکڑ کر ٹرک پر ڈالا جا سکتا تھا۔ 300 کے لگ بھگ لاشیں تھیں۔ پیری لاشوں پر لاشیں
چلا گیا۔ بہت سی لاشوں کے اعضا کٹے ہوئے تھے۔ اردگرد کی بمباری نے آگ لگا کر
کپڑے، لاشیں غرضیکہ ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

مندرجہ بالا تمام واقعات مغربی جرائد میں شمالی اتحاد والوں کی زبانی بیان ہوئے تھے۔
کنڈ ڈویژن کے مجاہدین کی زبانی حقائق بیان کیے جائیں تو اس کے لیے علیحدہ کتاب
۔ خیر، قرآن کا واسطہ دے کر ان کو ہتھیار ڈال کر تسلیم ہونے پر بحفاظت پاکستان پہنچانے
دے کی خلاف ورزی کر کے مجاہدین کے ساتھ یہ پہلی بدعہدی کی داستان رقم ہوئی۔ چوتھے
ات کو تخار میں موجود ہزار باغ کے مورچوں پر بمباری شروع ہو گئی۔ عین اُسی روز دن کے
B-52 طیارے سارا دن گول دائرے کے چکر لگا کر دھوئیں کے بادل بنائے ہوئے تھے۔
ات طالبان کی گاڑیاں سائرن بجاتی رہیں۔ طالقان میں رہنے والے طالبان ساری رات
ئے نہیں اور گھر کی چھتوں پر پوزیشن بنا کر بیٹھے رہے کیونکہ شہر کے اندر بغاوت کا خطرہ تھا اور
کے لوگ تاجک تھے۔ احمد شاہ مسعود کے رشتہ دار بھی اس شہر میں وافر مقدار میں رہتے تھے۔
ان بھی اپنے ٹینکوں اور بھاری اسلحے سمیت طالقان سے انخلا کر رہے تھے۔ دو گھنٹے بعد قندوز

مکتب پہنچ کر سکھ کا سانس لیا۔ یہاں آ کر دیکھا تو پورا قندوز طالبان اور غیر ملکی مجاہدین سے کھچا کھچ
بھر گیا تھا۔ یہاں معلوم ہوا کہ دو دن قبل 10 نومبر 2001ء کو قندوز کے ضلع دشتِ ارچی اور خواجہ
غار پر بنے مورچوں پر سے بھی طالبان کی پسپائی ہو گئی تھی۔ ان مورچوں پر امریکی طیاروں نے تباہ
کن بمباری کی۔ ایک جگہ پر تو باقاعدہ طور پر زمین سے پانی نکل آیا اور پیالہ نما حوض کی اختیار کر
گیا تھا۔ اس پانی سے چند دن مجاہدین بھی فائدہ اٹھاتے رہے کیونکہ ان مورچوں کے پانی دریائے
آمو سے خچروں کے ذریعے لایا جاتا تھا۔ خواجہ غار، دشتِ ارچی اور امام صاحب کے مورچوں پر
غیر ملکی مجاہدین کی کافی بڑی تعداد تھی۔ اچانک پسپائی سے دور دراز مورچوں تک خبر نہ پہنچنے کی وجہ
سے کئی ساتھی اپنے مورچے اور غاروں میں رہ گئے تھے۔ اُنہیں اُس وقت معلوم ہوا جب شمالی اتحاد
کے ٹینک اور گاڑیاں اُن پر بارود برسانے شروع ہو گئے۔ ان بے کس مجاہدین نے بھی دیدہ دلیری
سے مقابلہ کیا۔ افراتفری کی وجہ سے رات کی تاریکی میں کچھ مجاہدین آپس میں بھی فائرنگ کا تبادلہ
کرتے رہے۔

ٹائم کی صحافیہ ٹیری میکارتھی اپنی رپورٹ میں دشتِ ارچی میں واقعہ کا ذکر کرتی ہے:
"قندوز کے شمال میں دشتِ ارچی کے ایک قصبے میں شمالی فوجی تین عربوں کو گرفتار کرنے لگے تو
انھوں نے اپنے جسموں سے بندھے بم چلا دیئے جس کے نتیجے میں وہ خود تو شہید ہو گئے مگر پانچ
اتحادیوں کی جانیں بھی لے لیں۔ اس پسپائی کے دوران بھی مجاہدین کو بڑی بے دردی سے شہید کیا
گیا۔ کئی دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور وہاں سے پسپائی اختیار کرنے والے سینکڑوں مجاہدین
پیدل آتے رہے۔ قندوز میں طالبان کی تمام گاڑیاں اور ٹرک پکی سڑک پر کھڑے آنے والے
مجاہدین کو بھر بھر کر قندوز تک ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد پہنچاتے رہے۔ مزار شریف کی پسپائی کے
بعد شمال کے صوبے آہستہ آہستہ طالبان کے ہاتھوں سے نکل رہے تھے۔ بامیان اور بغلان بھی
طالبان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ یوں کابل سے قندوز آنے والی سپلائی لائن کٹ گئی۔ ہندوکش کے
مشرق میں واقع صوبہ سمنگان پر بھی طالبان کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ صوبہ بغلان کی وجہ سے شمال
راستے کے ذریعے طالبان کی سپلائی تخارا اور قندوز تک پہنچتی تھی۔ جیسے ہی اس سپلائی لائن پر دشمن
قبضہ ہوا، طالبان قندوز میں محصور ہو کر رہ گئے۔ پھر قندوز کئی روز تک عالمی خبروں کا موضوع بنا رہا۔
ماضی میں ان سپلائی لائنوں پر طالبان نے بھی 1997ء میں مقامی کمانڈروں کی مدد سے قبضہ

اب مقامی کمانڈروں کی غداری کے باعث ہی طالبان کو ان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ 1997ء
مقامی کمانڈر بشیر بغلانی نے جنوبی لائن اور قندوز کے سابق گورنر عارف خان نے شمالی لائن پر
میں طالبان کی مدد کی تھی۔ طالبان کی زمینی اور فضائی نقل و حرکت مسدود ہو کر رہ گئی تھی۔ مزار
یف اور بغلان جب طالبان کے ہاتھوں سے نکل گئے تو بامیان پر کنٹرول رکھنا مشکل ہو گیا لیکن
بان نے پہلے سے موجود دس ہزار فوجیوں کی مدد کے لیے تین ہزار فوجی مزید منگوا لیے تھے اور
غور بند کے محاذ پر چوکس کر دیا جو بامیان تک پہنچنے کے لیے اپوزیشن واحد راستہ تھا۔ یہ راستہ
یشن کے پروان صوبے کی طرف سے آ کر ملتا تھا۔ یہ راستہ مزید آگے جا کر کابل اور میدان
ک صوبے تک جاتا تھا۔ اگر یہ راستے طالبان کے قبضے سے پہلے نکل جاتے تو پھر اپوزیشن کے
ی چند دنوں میں بامیان کے علاقے شکاری درہ اور برفاک کے علاقے تک پہنچ جاتے جو
بان کے کمانڈر ملا باز محمد کے کنٹرول میں تھے۔ یہ برہان الدین ربانی کا سابق کمانڈر تھا لیکن
بان کے ساتھ مل گیا تھا۔ غرض یہ کہ ان صوبوں کا کنٹرول ختم ہونے کے بعد طالبان کی بڑی
اد کابل کی طرف نکل پڑی اور کچھ تعداد قندوز کی طرف آ گئی۔ گویا سب اطراف سے طالبان
ائی کے بعد قندوز میں محصور ہو کر رہ گئے۔ قندوز میں رہتے ہوئے وقت کی اہم ضرورت قندوز کا
وں طرف سے دفاع تھا اس لیے طالبان کی قیادت نے وقت ضائع کیے بغیر ہی چاروں طرف
ئی محاذ بنائے۔ قندوز کے شمال میں ہنگی کے قریب دفاعی مورچے بنے۔ مشرق میں خانہ آباد اور
ب میں علی آباد کے قریب اہم مقامات پر مورچے بنے۔ شمالی افغانستان کے صوبوں سے
لبان کی پسپائی کے اثرات مغرب تک بھی پہنچ گئے۔ ایران کے بارڈر سے ملحقہ صوبے بھی
ت کی وجہ سے طالبان کے کنٹرول سے نکلتے جا رہے تھے۔ اسماعیل خان پہلے سے تیار بیٹھا تھا
طالبان جوں ہی نکلے تو اپنے صوبوں کا کنٹرول دوبارہ سنبھالے۔ ان پسپائیوں نے اب کابل کا
ا اختیار کیا۔

امریکی جریدے ٹائم نے کابل جانے والی شاہراہ پر ایک طالب مجاہد کی شہادت والی
ی خبر بھی دی تھی۔ وہ سڑک کے کنارے کھائی میں زخمی پڑا تھا۔ شمالی اتحاد کے فوجی وہاں آئے
ا کی جان بخشی کی درخواست نظر انداز کر کے اُسے گھسیٹ کر سڑک پر لے گئے اور بری طرح
ب کیا۔ اُس نے پھر رحم کی درخواست کی جو مسترد کر دی گئی۔ ایک ظالم نے اُس کی شلوار اتار

کر اسے برہنہ کر دیا اور پھر تین تین افراد نے اُس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جبکہ باقی خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔ چند لمحوں میں زخمی مجاہد جامِ شہادت نوش کر گیا۔ شہر میں جہاں کہیں بھی طالبان، عرب اور پاکستانی مجاہدین ملے انہیں وحشیانہ طریقے سے شہید کر دیا گیا حتیٰ کہ ہتھیار ڈالنے کی شرط پر بھی جان بخشی نہ کی گئی۔ بعض کے سر کے زخموں اور ناک میں افغانی نوٹ ٹھونسنے کی مجنونانہ حرکت کی گئی۔ اُنہیں بری طرح زدوکوب کر کے قتل کر دیا گیا۔ شمالی وحشیوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر زخمی طالبان کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور ان کے خون سے انتقام کی پیاس بجھائی۔

پیر 12 نومبر کی سہ پہر جب شمالی اتحاد کی فوج کابل کے 28 میل شمال میں اپنے مستقر سے دارالحکومت کی طرف بڑھی تو پرانی شاہراہ پر انہیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ بے پناہ امریکی بمباری نے اُن کی راہ صاف کر دی تھی۔ راستے میں جگہ جگہ ایک ہزار پاؤنڈ کے امریکی بموں سے دس دس فٹ گہرے گڑھے بنے ہوئے تھے۔ طالبان کے بنکرز خالی تھے۔ بعض میں طالبان مجاہدین کی لاشیں پڑی تھیں۔ ایک مقام پر طالبان نے چھوٹے ہتھیاروں سے فائرنگ کی اور شمالی اتحاد کا ایک فوجی مردار کیا۔ ایک طالب اُن کے ہاتھ آ گیا۔ اُس کو زدوکوب کر کے جیپ میں بٹھا لیا گیا۔ شام تک طالبان کی معمولی مزاحمت دم توڑ گئی۔ شمالی اتحاد کی بریگیڈ نے قرہ باغ آ کر قیام کیا جسے امریکی بمباری نے کھنڈر بنا دیا تھا۔ بائیں طرف ایک گاؤں بمباری کے نتیجے میں بری طرح جل رہا تھا۔ اِس دوران طالبان نے قرہ باغ پر کوئی جوابی حملہ نہ کیا۔ اگلے روز کابل کی جنگ بمشکل تین گھنٹے جاری رہی۔ اِس میں شمالی اتحاد کے دس فوجی مردار ہوئے۔ امریکی فضائی بمباری نے طالبان کے اگلے مورچے تباہ کر دیئے تھے۔ ڈیڑھ اور ساڑھے تین بجے کے دوران خونریز جھڑپ ہوئی۔ جیسے ہی طالبان کو قرہ باغ پر شمالی اتحاد کے قبضے کی اطلاع ملی تھی، اُنہوں نے کابل خالی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ آٹھ ہزار طالبان میدان شہر، غزنی اور لوگر کی طرف پسپا ہو گئے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کابل کے شہریوں کا بے پناہ جانی نقصان ہو۔ تاہم یہ کہا جاتا ہے کہ آٹھ سو گاڑیاں طالبان ساتھ لے گئے اور بھاری اسلحہ اور ٹینک وہیں چھوڑ گئے تھے۔ ان کے پیچھے شہر میں بڑی لوٹ مار ہوئی۔

اٹلی کے خیراتی ادارے ایمرجنسی کے زیرِ اہتمام چلنے والے ہسپتال کے ملازم محمد شریفی نے کابل میں نمائندہ ''ٹائم'' اینتھونی ڈیوس کو بتایا: ''بعض لٹیرے کہتے تھے کہ وہ طالبان ہیں مگر

درحقیقت وہ مقامی مجرم تھے جنہیں شمالی اتحاد نے جیلوں سے رہا کر دیا اور وہ لوٹ مار کے لیے طالبان کا نام استعمال کرتے رہے۔'' سوموار کی رات نیچی پرواز کرنے والے امریکی گن شپ ہیلی کاپٹروں نے تاریکی میں ڈوبے ہوئے شہر پر پروازیں کر کے طالبان کے ٹھکانوں پر راکٹ برسائے تھے۔ ''ایمرجنسی'' کے ڈائریکٹر گینو سٹراڈا کے بقول: ''آسمان ان سے بھر گیا تھا''۔ ایک کار پر راکٹوں کی بارش سے اس میں تین طالبان شہید ہو گئے اور قریبی مکان میں کئی افراد زخمی ہوئے۔ ایک پک اپ ٹرک راکٹوں کا نشانہ بنا اور اس میں آٹھ عرب مجاہد شہید ہوئے۔ منگل کا سورج نکلتے ہی شمالی فوجیوں نے کابل پر دھاوا بول دیا۔ وہ جیپوں، ٹرکوں اور ٹینکوں میں سوار کابل کی طرف بڑھے۔ راستے میں اِکادُکا طالبان مجاہد اور زخمی ملے جنہیں قیدی بنانے کی بجائے ان کے جسموں میں گولیاں اتاری گئیں۔ حملہ آور فوجی ایک جھونپڑی سے ایک مشتبہ بے ریش نوجوان کو گھسیٹ لائے، اُسے بری طرح پیٹنے لگے تو مغربی صحافیوں نے آگے بڑھ کر اُس کی جان بچائی۔ وہ زمین پر زخمی پڑا تھا اُسے معمولی زخم آئے تھے مگر خوف سے بے حس ہو گیا تھا اور اُس کی نگاہیں آسمان پر جمی ہوئی تھیں۔

جنرل گل حیدر کی کمان میں شمالی اتحاد کی فوج ساڑھے چھ بجے صبح کابل کے مضافات میں پہنچ گئی تھی اور بین الاقوامی یقین دہانیوں کے پیشِ نظر کہ شمالی اتحاد کابل میں داخل نہیں ہوگا، وہ کئی گھنٹے وہیں رکے رہے۔ پھر اتحاد کا کمانڈر بسم اللہ خان وہاں آ پہنچا اور اُس نے پیش قدمی کا حکم دیا۔ اتحادی فوج کے آگے آگے مغربی صحافی شہر میں داخل ہوئے اور شہریوں نے ملے جلے جذبات سے ان کا استقبال کیا۔ شہر میں اِدھر اُدھر تشدد کے واقعات پیش آئے۔ دو عرب مجاہد ہوائی اڈے کے نزدیک ایک گھر کے باورچی خانے میں گھر گئے۔ مقامی مسلح افراد کا انہوں نے ایک گھنٹے مقابلہ کیا پھر کوئی چارہ کار نہ پا کر کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے ہی گرنیڈ مار کر شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ شہر نو میں تین عرب اور تین پاکستانی مجاہد اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کے ساتھی شہر چھوڑ گئے ہیں۔ وہ صبح کے وقت ایک دفتر سے نکلے تو شمالی اتحاد کے حامیوں کے گھیرے میں آ گئے۔ انہوں نے مقابلہ تو کیا مگر دشمن زیادہ تعداد میں ہونے کے باعث غالب آئے جو نعرے لگا رہے تھے ''پاکستان مردہ باد''۔ وہ کنکریٹ کے ایک خشک نالے تک پہنچے جس میں دو زخمی مجاہدین پڑے تھے۔ شمالیوں نے انہیں بوٹوں سے ٹھوکریں ماریں اور کچھ نے مغربی صحافی کو کھینچ کر آگے کر دیا کہ

مظلوموں کی بے بسی کا نظارہ کریں۔ شمالی فوجیوں نے سانس لیتے دونوں زخمی مجاہدوں کے سینے میں کلاشنکوف کی گولیاں اتار دیں۔ ایک اور شخص نے آگے بڑھ کر ایک تیسرے شدید زخمی مجاہد کی آنکھیں چاقو سے نکال لیں۔ اس درندگی پر بش، بلیئر، رمز فیلڈ اور ان کے ساتھیوں کی ''بدروحیں'' کس قدر خوش ہوئی ہوں گی۔

شام تک شمالی اتحادوالوں کا کابل پر قبضہ مکمل ہو چکا تھا۔ ان کے چھ ہزار مسلح افراد نے شہر میں ڈیوٹیاں سنبھال لی تھیں۔ پانچ سال کی بندش کے بعد پہلی بار کابل میں موسیقی سنائی دینے لگی۔ پک اپ، ٹرک پشتونستان چوک میں چکر لگا رہا تھا۔ اس میں طالبان کی سخت گیری کے شاکی بعض افراد سوار تھے۔ وہ تالیاں بجاتے ہوئے شب میں رقص کر رہے تھے۔ انسانی فطرت کے بھی عجب عجب رخ ہیں۔ ایک طرف طالبان صلیبیوں اور شمالی اتحادیوں کے جور واستبداد کا سامنا کر رہے تھے اور دوسری طرف کچھ گمراہ روحیں اُن کی شہادت کے جشن منا رہی تھیں۔ یہ تمام حالات مغربی میڈیا پر منظر عام پر آتے رہے لیکن کسی انسانی حقوق کے اداروں نے اس کو روکنے کی جرأت نہ کی۔



سقوط کابل نے قندوز میں محصور مجاہدین کو بھی بڑا دھچکا لگایا۔ ایک جگہ سے کچھ طالبان ساتھیوں نے اس گروپ کو مختلف سمتوں میں پھیلا دیا۔ ہم جس چوٹی پر پہنچے تو وہاں سے طالقان جانے والی سڑک پر دیکھتے ہی کیڑی نما گاڑیوں اور ٹینکوں کا ایک حد نگاہ قافلہ قندوز داخل ہوتے دکھائی دیا۔ عین اُسی وقت ہر طرف مجاہدین نے پوزیشن سنبھال لی۔ یہ قافلہ ایل ایم جی اور راکٹ لانچر کی رینج میں تھا۔ اوپر سے گولیوں کی بارش شروع ہوگئی اور اتفاق سے تازہ دم دستہ نیچے سڑک پر بھی تعینات تھا۔ اتنے بڑے لشکر کو اپنی آنکھوں سے ابرہہ کی طرح اپنے ہی ساتھیوں کو روندتے ہوئے بھاگتے دیکھا۔ یہ منظر آنکھوں سے نہیں بھولتا۔ اللہ نے اتنی بڑی نصرت اور فتح پہلی بار دکھائی۔ طالبان بھاگتا لشکر دیکھ کر خوشی سے رو رہے تھے اور صلوٰۃ شکرانہ پڑھنے لگے۔ اُن کو دیکھ کر ہماری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اب رات ہوئی، سخت سردی اور شمالی افغانستان کی سرد ہوائیں کھلے آسمان تلے اپنے مورچوں میں سوگئی۔ آدھی رات کے بعد پہرہ دینے کے لیے کمین گاہ کی طرف جاتے تو ہوا کی خوفناک آواز، رات کی تاریکی اور سامنے موجود اونچی نیچی دشمن کی چوٹیاں

ب خوفناک منظر پیش کرتی۔ ابھی اندھیرے میں گرتے پڑتے کمین گاہ تک پہنچے کہ اسی وقت
کی سیٹلائٹ آئے اور تصویریں لینے کے لیے فلیش مارنے لگے۔ اُن سے نکلنے والی روشنی سورج
مشابہ تھی۔ تاحد نگاہ روشنی نظر آنے لگی۔ پہلی بار تو گھبراہٹ محسوس ہوئی لیکن بعد میں معلوم ہوا
یہ سیٹلائٹ سے اتاری گئی یہ تصویریں اپنے کمپیوٹرائزڈ سسٹم کے ذریعے B-52 کو دیتا ہے۔

صبح کی روشنی پھیلی تو ہمارے مورچے کے نیچے کیڑی نما پانچ سو گھروں پر مشتمل گاؤں
ں اندھیرے میں ڈوبا نظر آیا۔ یہ گاؤں برلب سڑک آباد تھا اور سڑک کے پار دریا کے دوسرے
ارے بھی ایک بستی تھی۔ بلند ترین پہاڑی پر تعینات ہونے کی وجہ سے ہمیں یہ سارا منظر نظر آ رہا
دور سے چاندی کی طرح چمکتے ہوئے جہاز انتہائی بلندی پر پرواز کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ یہ
کی طیارے گمنام چکر لگا کر سروں پر منڈلانے لگے۔ F-16 طیاروں نے اب نہایت سرعت
ساتھ نیچی پرواز لی اور ہم پر بم پھینکنے شروع کر دیئے۔ دوسرے چکر میں B-52 کسر پوری کر
بموں کے بریسٹ ہمارے آگے پیچھے لگنے شروع ہو گئے۔ بموں اور بارود کی بارش پہلی مرتبہ
ی۔ قندوز میں سب سے زیادہ بمباری اسی دفاعی لائن پر ہوئی۔ دوسری طرف شمالی اتحاد کی
ل فوج اسی محاذ پر ہمارے سامنے دور دراز پہاڑوں پر مورچے بنائے بیٹھے تھے۔ اُن کا رابطہ
کی جہازوں سے ہونے کی بدولت طیارے ہم پر منظم طریقے سے بمباری کرتے رہے۔
ل فوج کے قندوز داخل ہونے کے اس خط اور دفاعی مورچوں کے توڑے بغیر ممکن نہ تھا۔
ے کئی ساتھی بمباری سے سرفرازی پاتے رہے۔ باجماعت نماز تک شدید بمباری کے وجہ سے
نا مشکل ہو گیا تھا۔

رات کے وقت پہاڑی کے دامن والی بستی میں کئی گھروں میں آگ جلتی دیکھ کر
وں نے بمباری شروع کر دی۔ عورتوں، بچوں کی چیخ وپکار رات کے سناٹے کی وجہ سے صاف
ادے رہی تھی۔ بستی کو تو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا حالانکہ وہ ہمارے مورچوں سے ہزاروں فٹ
موجود تھے۔ بستی میں آکر عجیب سا محسوس ہوا۔ ہر طرف سنسانی چھائی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ کچے
رانہی خستہ حالی اور ٹوٹ پھوٹ کا رونا رو رہے تھے۔ خوبصورت باغات، نہری پانی اور فصلوں
بھرا علاقہ اپنے اُجڑنے کا ثبوت کچھ اس طرح سے دے رہا تھا کہ انسان کجا یہاں پر تو کوئی
ریا پرندہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس بستی سے گزرنے والا نہری نالہ شدید بمباری سے اپنا راستہ

بدل گیا تھا۔ بڑا کھالہ تھوڑا سا دور تھا۔ اُس طرف پلٹتے تو دور پہاڑی پر شمالی اتحاد والے ایمبش لگائے بیٹھے تھے۔ بستی کی خستہ حالی دیکھتے ہوئے ایک کنوئیں پر نظر پڑی، اب حوصلہ بڑھ گیا۔ کنوئیں سے نامعلوم دسیوں ڈول نکال بیٹھے لیکن پانی مٹیالہ رنگ کا نکلتا رہا۔ ہمت نہ ہاری اور اب صاف پانی کی آمد شروع ہوئی۔ بمباری کی وجہ سے کنوئیں کے پانی میں بھی مٹی مل گئی تھی۔

شام کے قریب شمالی اتحاد اپنے توپ کے گولوں اور ایل ایم جی سے فائر کرتے رہے۔ طالبان کی طرف سے بھی ٹینک کے گولے داغے جانے لگے۔ دور سے نظر آنے والے فوجی ٹینک کے گولے لگنے سے بھاگ جاتے۔ ہمارے سر کے اوپر سے گولیوں کی آوازیں تیز ہواؤں کو چیرتی ہوئی شائیں شائیں کرتی گزرتیں۔ ادھر سے طیارے بھی بمباری میں اضافہ کرتے چلے گئے۔ عجب منظر اُس وقت پیش آتا جب طیارے بموں کے بریسٹ چھوڑتے جاتے۔ ان بموں کی بارش میں صرف زمین تک آنے کی آواز ہی خوفناک حد تک کانوں کو چیرتی ہوئی نکلتی اور جب بم پھٹتے تو کلیجے پھٹ جانے کے قریب ہوتے۔ ہر طرف مٹی کے اُڑتے ہوئے بادل گھنٹوں چھائے رہے۔ پورا جسم اور کپڑے گرد و غبار سے بھر جاتے۔ کئی ساتھی منوں مٹی تلے دب کر مورچوں میں شہید ہو جاتے اور کئی ہوا میں بکھر کر شہادت سے سرشار ہوتے رہے۔ اس جگہ مٹی بہت نرم تھی اور امریکی طیارے کنکریٹ کے بنکر توڑنے والے بم استعمال کر رہے تھے جو کہ نرم مٹی میں پیوست ہو جاتے۔ مورچوں سے واپسی پر قندوز شہر کے وسط میں ایک گھر میں پڑاؤ ہوا۔ ہمارے گروپ کا تبادلہ تھوڑا دور ہیلوٹرسٹ کی بلڈنگ میں ہوا۔ یہ انگلستان کا مائن صاف کرنے کا ادارہ تھا۔ ہیلوٹرسٹ کے شمال میں موجود اس ہیڈکوارٹر میں جدید ترین آلات اور مشینریاں نظر آتیں۔ یہاں کا عملہ امریکی حملے کے بعد فرار ہو گیا تھا۔ شمالی افغانستان کے دیہاتوں کے نقشے دیواروں پر آویزاں تھے۔ اس عمارت سے چند قدم ہٹ کر ہیلوٹرسٹ کی دوسری بڑی عمارت تھی جو کہ ازبکستان کے مجاہدین کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ اِن کا تعلق "اسلامک موومنٹ آف ازبکستان (IMU)" سے تھا۔ واضح رہے کہ امریکہ نے حملے سے قبل جن اسلامی تنظیموں کو دہشت گرد قرار دیا تھا اس میں یہ بھی شامل تھی۔ غرض یہ کہ قندوز شہر کے جس طرف بھی ہم پھرتے رہے ہمیں مجاہدین کی پناہ گاہیں نظر آتیں۔ طالبان اور غیر ملکی مجاہدین کی سب سے بڑی تعداد قندوز کے مدرسے تخارستان میں تھی۔ چاروں اطراف سے بمباری کا سلسلہ سمٹ کر شہر میں آ رہا تھا۔ امریکی جاسوس اور جنگی طیارے گھنٹوں

میں معلق رہ کر حالات کا جائزہ لیتے تھے۔ کبھی فضا کے اندر ہی دو طیاروں کو تیل دینے کے لیے ایک بڑا جہاز بھی نظر آتا جس سے نکلتے ہوئے پائپ طیاروں کو فضا میں معلق رکھ کر ایندھن پہنچا رہے تھے۔ اتفاق سے انہیں دنوں قندوز کے بڑے سرکاری ہسپتال میں بھی جانا ہوا۔ وہاں پر زخمیوں کی چیخ و پکار سننے اور دیکھنے پر بڑے سے بڑے کلیجے والا شخص بھی دل چھوڑ بیٹھتا۔ ساتھیوں کی عیادت کے لیے وقتاً فوقتاً ہسپتال میں چکر لگانے پڑتے۔ یہاں جگہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ انتظامیہ نے متفرق خالی حصوں کو بھی وارڈوں کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔ طالبان مجاہدین کے برعکس مریضوں کی اکثریت قندوز کے مضافات اور شہر کے مظلوم لوگوں کی تھی جو کہ سفاکانہ بمباری میں شدید زخمی ہو گئے تھے۔ قندوز میں افغانستان جنگ کے دوران شدید ترین بمباری کی گئی۔ آخری دنوں میں قندوز میں واقع مکتب کو خالی کیا گیا تو وہاں کے لوگوں نے سارا سامان لپیٹ لیا۔ قریب رہنے والے تاجک نژاد نے تو مکتب کے اندر کھڑی پرانی گاڑی کو بھی نہ چھوڑا۔ اُسے چند افراد گھسیٹ کر دروازے کے قریب لے آئے تھے۔ شہر کے وسط میں واقع یہ عمارت بھی امریکی طیاروں کے نشانے پر آنے کی وجہ سے خالی کی تھی۔



ہفت روزہ ٹائم کی رپورٹر ٹیری میکارتھی نے قندوز کے حالات کے بارے میں لکھا:

"طالقان سے قندوز تک جانے والی سڑک بموں کے گڑھوں، ٹینکوں اور ٹرکوں سے بھری پڑی تھی۔ شہری ٹریفک عنقا تھی۔ کھائیوں میں جیپوں، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ شمالی اتحاد کے کمانڈر محمد داؤد خان نے طالقان سے قندوز تک مجاہدین کا پیچھا کیا تھا (اس واقعے کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے)۔ قندوز سے 30 میل مشرق میں ہنگی نامی گاؤں میں داؤد کے فوجی ٹرکوں سے اُترے تو گھات لگائے طالبان سے اُن کی جھڑپ ہوگئی۔ بزدل اتحادیوں کی اگلی صف گھبراہٹ میں پیچھے ہٹی تو ان کے ٹرک آپس میں ٹکرا گئے اور اپنے فوجیوں کو کچلتے چلے گئے۔ 30 اتحادی فوجی جہنم رسید ہو گئے۔ ہفتے کے وسط تک طالبان نے ہنگی خالی کر کے تین میل مغرب میں ٹکھر کی پہاڑی پر مورچے بنا لیے۔ جنرل پیر محمد خاکسار نے کہا کہ مجاہدین نے ہمارے بہت سے اتحادی مار ڈالے۔ قندوز کے شمال میں دشتِ ارچی کے قصبے میں شمالی فوجی تین عربوں کو گرفتار کرنے لگے تو انہوں نے اپنے جسموں سے بندھے بم چلا دیئے جس کے نتیجے میں وہ خود شہید

ہونے کے ساتھ پانچ اتحادیوں کو بھی مردار کر بیٹھے۔ خاکسار نے میکارتھی کو بتایا: ''میں نے اپنے آدمیوں سے کہا ہے کہ غیر ملکیوں کو جہاں پائیں قتل کر دیں''۔ امریکیوں اور روسیوں کا ایجنٹ خاکسار اور کیا حکم دے سکتا تھا۔

17 نومبر کو امریکی طیاروں نے دن بھر قندوز کے اردگرد طالبان کی پوزیشنوں پر لگاتار بمباری کی۔ یہ امریکی حملوں کی شدید ترین بمباری تھی۔ قندوز کے دشتِ ارچی کے محاذوں سے پکڑے جانے والے مجاہدین طالقان کی آٹھ کوٹھڑیوں پر مشتمل جیل خانے میں پہنچا دیئے گئے۔ یہاں وہ اپنی شہادت کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ میلی نیلی شلوار قمیض میں ملبوس ایک عرب مجاہد اپنی کوٹھڑی کے گندے فرش پر چوکڑی مار کر بیٹھا تھا۔ فرنگی صحافی کو دیکھ کر اُس نے عربی میں اسامہ کے بارے میں کچھ کہا۔ صحافی نے اس گفتگو پر دیوانگی پر محمول کیا۔ جیل کمانڈر عوض محمد نے اُس کو دیکھ کر کہا ''اسامہ نے افغانستان کے لیے یہ تحفے بھیجے ہیں'' دنیا کے کتے کمانڈر عوض کو کیا معلوم یہ عالم اسلام کے ہیرے تھے جو مسلم حکمرانوں کے بے اعتنائی اور فرنگیوں کی غلامی کے باعث افغانستان کے دشت و جبل میں رُل گئے تھے۔ مزید لکھتے ہیں ''بی۔52 بمبار طیاروں نے طالبان کے ٹھکانوں اور شہروں پر ''کارپٹ بمبنگ'' کی۔ گویا پورے افغانستان پر بموں کے قالین بچھا دیئے جن پر شمالی اتحاد کے درندے پیش قدمی کرتے آئے اور آج مزار شریف، تخار، ہرات اور کابل پر قابض ہو چکے ہیں۔ قندوز کے طالبان امریکی بمباری کا بھی نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ شمالی اتحاد کی گولہ باری کا بھی سامنا تھا۔ قندوز میں چولھا تک بھی نہیں جل سکتا تھا۔ امریکی طیارے جہاں رات کو روشنی دیکھتے مہلک ترین بم گرا دیتے۔ قندوز ازبک، تاجک اکثریت کے صوبوں میں گھرا پشتون اکثریت کا صوبہ ہے۔ شمالی اتحاد کے بھیڑیے قندوز کے محصورین کے قتل عام کے لیے تیار تھے۔ طالبان نمائندوں کی جانب سے شہری آبادی کے تحفظ کی یقین دہانی پر اقوام متحدہ کی وساطت سے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کے جواب میں عالمی ادارے نے مجرمانہ لاتعلقی اختیار کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ مغربی مسیحی ممالک اور عالم کفر کا نمائندہ ادارہ ہے۔ اُس۔ خاموشی اختیار کی۔ اُن مسلمان حکمرانوں کے ڈوب مرنے کا مقام ہے جو امریکی خوشنودی کی خاطر قندوز کے مسلمانوں کے متوقع قتل عام پر دم سادھے ہوئے تھے۔ سی این این پر مسلسل دو ماہ۔ چلنے والی سرخی "War in Afghanistan" اب "Strike Against Terror"

بدل چکی تھی۔ یہ ایک ایسی غیر متوازن جنگ تھی جس میں جارح فریق کو ہر طرح کی عسکری ی حاصل تھی مگر ہزاروں بے گناہ افغانیوں کے قتل عام کے باوجود پراپیگنڈا کیا جارہا تھا کہ یہ شروعات ہے۔ یہ عجیب جنگ تھی جس میں پوری دنیا کا میڈیا ایک طرف تھا، دنیا بھر کے نی حقوق کے ادارے جو پچھلے پانچ سال سے افغانستان میں مردوں کی داڑھیاں رکھوانے اور وں کو برقعہ پہنانے جیسے ظالمانہ اقدامات کے باعث طالبان کے خلاف انسانی حقوق کی پامالی ور مچاتے تھے۔ کئی دنوں سے مزار شریف، ہرات، طالقان اور کابل میں پشت پر بندھے ے ہاتھوں والی سینکڑوں لاشیں دیکھ رہے تھے مگر خاموش تھے، کیونکہ شہید ہونے والے داڑھی لے تھے۔ انسانی حقوق کے ادارے بھی انسان کو دیکھنے کے بعد ان کے حقوق کا نعرہ لگاتے ۔ طالبان اور ان کے حامی ان کی ڈکشنری میں شاید انسان ہی نہیں تھے۔

طالبان کے فوجی ٹھکانوں اور اسامہ بن لادن کے ٹھکانوں پر ٹارگٹ بمباری کرنے ہوے کے ساتھ شروع ہونے والی بمباری اب ہسپتالوں، عام شہری علاقوں اور دیہات کے و مساجد پر بھی جاری رہی۔ سی این این نے بمباری کی جھلکیاں دکھائیں تو مسجد کا تباہ محراب مع طیبہ زمین پر بکھرا نظر آتا تھا۔ قندوز میں تیس چالیس ہزار کی آبادی، دس سے بیس ہزار تک پناہ ین، پشتون اور چند ہزار طالبان تھے جن کے ہمراہ چند سو عرب، پاکستانی، چیچن اور ازبک تھے ردگرد کے تمام تاجک اور ازبک علاقوں سے سمٹ کر ایک جگہ پر پناہ گزین تھے۔ طالبان کے ی کمانڈر اور طالبان کی ہائی کمان کی جانب سے خودمختاری ملنے کے بعد مسلسل اقوام متحدہ سے ظ کی یقین دہانی کے بعد ہتھیار ڈالنے کی بار بار پیشکش کر چکے تھے مگر اقوام متحدہ کے نمائندے ، کہا ہمیں کوئی ایسی پیش کش نہیں ہوئی۔ تقریباً پچاس ساٹھ ہزار انسانوں کی زندگی خطرے میں امگر پوری دنیا کی قیادت بشمول اسلامی ممالک مجرمانہ خاموشی کا شکار تھی۔ دراصل اقوام متحدہ ریکہ کے ٹاؤٹ کا کردار سرانجام دے رہی تھی۔ ریڈ کراس، ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر انسانی وق کی تنظیمیں خاموش تھیں۔ جنیوا کنونشن جانے کہاں جا کر چھپ گیا ہے لگتا ہے پوری انسانیت چکی تھی۔ دنیا میں اس ڈھٹائی سے بے شرمی کی یکطرفہ زیادتی کی مثال ملنا مشکل ہے۔

19 نومبر کو شمالی اتحاد کی فوجوں نے قندوز پر تین اطراف سے حملہ کر دیا۔ شہر پر امریکی باری سے سینکڑوں شہری شہید ہو گئے۔ اس روز پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے برطانوی

وزیر خارجہ جیک سٹرا نے تسلیم کیا کہ قندوز میں کسی بھی وقت کوئی المیہ رونما ہو سکتا ہے۔ اُس نے کہا وہاں لوگ ہتھیار ڈالنا چاہیں تو ان کا یہ اقدام قبول کیا جانا چاہیے لیکن موجودہ حالات میں ایسا بندوبست کرنا مشکل ہے"۔ ان کا بیان برطانوی سیاست کی روایتی مکاری اور فریب کاری کی عکاسی کرتا تھا۔



قندوز میں محصور رہتے ہوئے نت نئی خبریں سننے کو ملیں۔ حاجی ارباب ہاشم کے اطاق آنا جانا لگا رہا کیونکہ وہاں پر جمال ناصر سے حالات کا پتہ چلتا رہتا۔ ایک دن جمال ناصر نے بتایا کہ مذاکرات کا سلسلہ جو کہ ٹیلی فون کے ذریعے ہو رہا تھا، اب مذاکرات اور نمائندوں کی ملاقات کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ مزید یہ کہ آج مزار سے شمالی اتحاد والوں کا ایک وفد بھی حاجی ارباب ہاشم کے اطاق آیا ہے۔ مذاکرات کے حالات طالبان کے ایک کمانڈر کی زبانی جو کہ "ضرب مومن" میں بھی چھپ چکے تھے، لکھتے ہیں جنرل عبدالرشید دوستم نے سیٹلائٹ فون پر ملا فضل اخند سے رابطہ کیا اور کہا کہ "اگر طالبان اپنے ہتھیار مجھے دے دیں تو میں انہیں قندھار کے لیے راستہ دینے کا یقین دلاتا ہوں" اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ مزید مذاکرات کے لیے کمانڈر غوث الدین بلخی اور کمانڈر شمک کو قندوز روانہ کیا۔ انہوں نے یہ بات بھی سامنے رکھی کہ طالبان اپنی گاڑیاں اور چھوٹا اسلحہ بھی ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ ملا فضل اخند نے کمانڈروں کی شوریٰ بلائی اور دوستم کی پیشکش سامنے رکھی۔ دوستم کی اس پیشکش پر غور کرنا اس لیے بھی اہم سمجھا گیا کہ قندوز میں محصور رہ کر طویل جنگ کا فائدہ نہ تھا۔ اسلحہ ختم ہو رہا تھا، رسد میں کمی واقع ہو رہی تھی۔ شوریٰ کے دوران کمانڈروں نے مختلف آراء دی۔ بعض نے کہا کہ ہم آخری دم تک لڑتے لڑتے شہید ہوں گے اور بعض معاہدے کے حق میں تھے اس لیے آپس میں اختلاف ہونے لگا۔ آخر علماء کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ ہوا کہ علماء کا فیصلہ سب کو منظور ہوگا۔ مواصلاتی ذرائع سے علماء سے استفتاء کیا گیا۔ مولانا عبدالعلی دیوبندی مفتی اعظم، مولوی سدوزئی آغا، مولوی نور محمد ثاقب نے ٹیلی فون کے ذریعے جواب دیا کہ اگر جنگ کی صورت میں کامیابی کا کوئی امکان نہ ہو تو معاہدہ کرنا جائز ہے۔ علماء کا فیصلہ تمام کمانڈروں کو ریکارڈ کر کے سنایا گیا جسے سب نے تسلیم کر لیا۔ جب معاہدے کا فیصلہ ہوا تو طالبان کا مشہور دلاور کمانڈان ملا داداللہ مجلس سے اٹھا اور سب کو مخاطب کر

ل کلاشنکوف اور روسی ساخت کا میکاروف پستول دکھاتے ہوئے کہا کہ میں کبھی یہ اسلحہ دوستم ے نہیں کروں گا۔ میں زندہ ہوتے ہوئے دوستم کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ ملا داداللہ نے ے کہا کہ آپ مجھے اللہ کے سپرد کرتے ہوئے رخصت کی اجازت دیں۔ ملا داداللہ ے پر عملدر آمد سے پہلے ہی بلخ کے ایک کمانڈر کی گاڑی میں تین ساتھیوں کے ہمراہ خفیہ طور ہو گیا۔ وہ مزار شریف سے گزر کر بلخ کے ایک گاؤں میں جا ٹھہرا۔ ملا داداللہ نے چونکہ شمالی لوں سے بہت جنگیں لڑی تھیں اور یہ لوگ اُن کے سخت جانی دشمن تھے۔ رات کو مشورہ ہوا، بان کے کمانڈر انچیف ملا فضل اخند، قاری فیض محمد کو جو قندھار کے جہادی مدرسے کے ناظم اتھ لے کر مزار شریف روانہ ہو گئے۔ وہاں پر دوستم، استاد عطا اور استاد محقق سے طویل ت شروع ہو گئے۔ دوستم نے ملا فضل کو پیشکش کی کہ افغان طالبان قندوز چھوڑ دیں تو وہ انہیں ط طور پر ہرات تک جانے کی راہداری فراہم کرے گا جہاں سے با آسانی طالبان قندھار ہیں۔ مگر غیر ملکیوں کا کیا ہوگا؟ ملا فضل نے اچانک ہی سوال کر ڈالا۔ "ہم انہیں امریکیوں ے کر دیں گے" دوستم نے جواب دیا۔

"لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا" ملا فضل نے بہت زور لگایا کہ دوستم غیر ملکی طالبان کو جانے دوستم نہ مانا جس سے طالبان کے کمانڈر غیر ملکی مجاہدین کے متعلق سخت پریشانی میں مبتلا ہو ا اور اُن کو بحفاظت نکالانے کی تدبیریں بنانے لگے۔ مذاکرات کی خبریں گرم تھیں، پوری میڈیا کی نظر اس وقت قنوز میں محصور طالبان مجاہدین پر تھی۔ ملا فضل وغیرہ مذاکرات سے ئے اور بتایا کہ دوستم سے معاہدہ طے ہو گیا ہے۔ ہم قندوز سے باہر دشت یرگنک کے مقام ا اسلحہ دوستم کے حوالے کریں گے۔ اُس نے قندھار جانے تک ٹرک فراہم کرنے کا بھی ل وقت طالبان کے پاس سینکڑوں گاڑیاں تھیں۔ معاہدے کی رو سے طالبان کو پچاس ا ساتھ لے جانی تھیں۔

ملا فضل اور طالبان کمانڈروں کا جذبہ غیر ملکی مجاہدین کے لیے بڑا قابل دید تھا۔ وہ اس ے میں انتہائی فراست سے کام لے رہے تھے۔ غیر ملکی مجاہدین کو بچانے کے لیے کئی مجاہدین ا بدلنے کا کہا۔ پورے قندوز سے کپڑوں کی دکانوں پر سفید اور کالے رنگ کی پگڑیاں خریدی ر غیر ملکی مجاہدین کو پہن کر طالبان میں گھل مل جانے کا کہا اور پشتو بولنے والوں کو حکم ہوا کہ وہ

افغانستان کے جنوبی صوبوں کے ضلعوں اور گاؤں کے نام یاد کرلیں۔ پوچھنے پر مذکورہ پتہ بتائے۔
آخری دنوں میں ہر مجاہد کے سر پر سفید اور کالی پگڑی نظر آتی۔

24 نومبر بروز ہفتہ 9 رمضان المبارک کو ملا فضل اخند نے بلخ کے کمانڈروں سے رابطہ کر کے سینکڑوں غیر ملکی مجاہدین کو خفیہ راستے سے بحفاظت نکالنے کا انتظام کرلیا۔ ان میں عرب، چیچن اور ازبک مجاہدین کی اکثریت میں پاکستانی بھی شامل تھے۔ طالبان کے ایک کمانڈر جو کہ ان واقعات کے چشم دید گواہ تھے، وہی کمانڈر ان 600 طالبان کو قندوز سے لے کر نکلا تھا۔ اُن کی زبانی لکھتے ہیں:

”میں ہلکے اسلحے کے ساتھ ٹرکوں اور گاڑیوں میں غیر ملکی مجاہدین کو لے کر قندوز سے چاردرہ پہنچا۔ ہم نے نہایت ہوشیاری سے سفر کرنا تھا۔ اندھیرا ہوتے ہی رات کے وقت سپہ سالار ملا فضل اخند نے ہمیں دعاؤں کے ساتھ پرگنک کے پل تک رخصت کیا۔ ہم نے ملا فضل سے الوداعی ملاقات کی اور دشتِ ابدان میں سفر شروع کردیا۔ راستے میں بلخ کے اس کمانڈر شمک سے ملاقات ہوئی جو ملا داداللہ کو محفوظ مقام پر چھوڑ کر واپس قندوز آرہا تھا۔ اس نے ہماری رہنمائی کے لیے اپنے معاون کماندان کریم آغا کو ہمراہ کردیا۔ رات کے پچھلے پہر تاشقرغان پہنچے۔ دوستم کے پہرے داروں نے ہمیں پھاٹک پر روکا، کماندان کریم آغا نیچے اترا اور ان سے اپنا تعارف کروایا اور پھاٹک کھول دیا گیا۔ ہم روانہ ہوگئے۔ ہماری منزل بلخ تھی۔ ہم نے مزار شریف سے گزرنے کی بجائے حیرتان کی دوراہی سے پھر کر مزار شریف سے باہر ہو کر کچے راستے کے ذریعے رات کے وقت گزرنا تھا۔ لیکن شمک کا کمانڈر ہمیں حیرتان دوراہی سے سیدھا مزار شریف لے گیا۔ اس پر مجھے شک گزرا۔ مزار شریف کے ہوائی اڈے کے قریب آنے والے پھاٹک سے ذرا پہلے ہمارا قافلہ رک گیا۔ کمانڈر کریم آغا یہ کہہ کر پھاٹک کی طرف روانہ ہوگیا کہ میں آگے دیکھ کر آتا ہوں کیا صورتحال ہے؟ فجر کا وقت ہوگیا، ہم نے تیمم کیا اور نماز میں مشغول ہوگئے۔ ہم نے کچھ کھائے پیے بغیر ہی روزہ رکھ لیا تھا۔ کمانڈر کریم آغا نے واپس آکر اطلاع دی کہ دوستم کو ہماری آمد کی اطلاع ہوچکی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کمانڈر کریم آغا نے غداری کی۔ مجھے یقین تھا کہ اُس نے ہماری آمد کی اطلاع دوستم کو کسی طرح پہلے کردی تھی۔ ہلکی ہلکی روشنی پھیلی تو ہمیں سڑک کے دونوں طرف صحرا میں کچھ نقل و حرکت محسوس ہوئی۔ جب روشنی ذرا زیادہ ہوئی تو ہمیں پتہ چلا کہ ہم مکمل

ہرے میں آچکے ہیں۔ ہمارے چاروں طرف دور دور صحرا میں مسلح سپاہی اپنی اپنی پوزیشنیں بال چکے تھے۔ مزار شریف کی طرف سے ٹینک بھی آنا شروع ہوگئے۔ فضا میں طیارے اور ہیلی ہر نمودار ہو کر نیچی پرواز کرنے لگے۔ بڑے بڑے امریکی طیارے فضا میں گشت کر کے ہمیں ردہ کرنے لگے۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا جیسے پہلے سے منصوبہ ہو اور یقیناً انہوں نے پہلے سے وبہ بنالیا تھا۔ اب ہم وہاں سے نکل کر کہیں بھی نہیں جاسکتے تھے۔ ہم نے غیر ملکی مجاہدین کے اکا جو منصوبہ بنایا تھا وہ ناکام ہوتا ہوا نظر آیا۔ میں نے ملا فضل اخند، ملا عبدالقیوم اور امیر المومنین رعمر مجاہد سے وائرلیس پر رابطہ کر کے صورتحال سے آگاہ کیا۔ ملا عبدالقیوم نے مشورہ دیا لڑیں یار نہ پھینکیں۔ ملا فضل اور امیر المومنین نے کہا کہ جنگ کا فائدہ نہیں کیونکہ قندوز میں موجود بان کا نقصان ہوگا۔ اسلحہ رکھ دیں جنگ نہ کریں۔ ملا فضل نے کہا کہ میں نے بات کرلی ہے تم بدے دو۔ کمانڈر آمر جان تمہیں بلخ لے جائے گا۔ دوستم کی طرف سے پانچ رکنی وفد مجھ سے ات کے لیے آیا۔ اس وفد میں کمانڈر نادر علی ہزارہ، کمانڈر اسد ہزارہ، کمانڈر ہمایوں فوجی، نڈر آمر جان اور ایک نمائندہ کمانڈر استاد عطا کا تھا۔ مذاکرات کی تین نشستیں ہوئیں جو 4 گھنٹے ی رہیں۔ ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ تم اِدھر کیوں آئے ہو؟ ابھی معاہدے پر عمل کا ن باقی تھا تم بغیر اطلاع کے آگئے؟

میں نے اپنی آمد کا جواز بیان کرتے ہوئے انہیں جواب دیا کہ علی آباد کا دفاعی خط ٹ گیا تھا اور قندوز میں امریکی طیاروں کی سخت بمباری تھی، وہاں ٹھہرنا مشکل تھا اس لیے ہم اِدھر آئے۔ وہ ہمارے ہتھیار جمع کرنے لگے۔ عربوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کردیا تھا۔ ان کا رار تھا کہ ہتھیار ساتھ لے کر جائیں گے یا آخر دم تک لڑتے ہوئے شہادت کو ترجیح دیں گے۔ انے ملا فضل اخند سے رابطہ کیا، انہوں نے وائرلیس پر کمانڈر آمر جان سے جو بلخ کا پختون تھا، ت چیت کی۔ کمانڈر آمر جان نے ہتھیار ڈالنے کی صورت میں مجاہدین کو دوستم کے حوالے کرنے بجائے اپنے ہمراہ بلخ لے جانے کا وعدہ کیا۔ ملا فضل نے مجھے حکم دیا کہ تم اپنے ہتھیار کمانڈر رجان کے حوالے کردو وہ تمہیں بلخ پہنچادے گا۔ سخت سردی تھی۔ ہم سب لوگ کھائے پیے بغیر زے سے تھے۔ دوستم کے لوگ سگریٹ پی رہے تھے۔ پورا دن وضو کے لیے پانی نہ ملا ہم نے ظہر کی زتیمم سے پڑھی۔ ہم سے چھوٹی گاڑیاں لے لی گئیں۔ پھر کمانڈروں کے مطالبے پر مجاہدین نے

تمام اسلحہ ایک جگہ ڈھیر کرنا شروع کر دیا، اسلحہ رکھنے کے بعد دوستم آیا، اس نے دور سے اسلحہ کا ڈھیر
دیکھا اور مجاہدین کو ٹرکوں میں سوار ہونے کا حکم دیا۔ مجاہدین کی تلاشی لینے اور ہاتھ باندھے بغیر
ٹرکوں میں سوار کر دیا گیا۔ شہر کی پہلی چیک پوسٹ کے پاس دوستم کھڑا تھا۔ اس کے ہمراہ امریکی اور
کچھ صحافی تھے۔ پھاٹک سے شہر اور شہر سے قلعہ جنگی تک سڑک کے دونوں جانب مسلح افراد کھڑے
کیے گئے تھے اور تماشائیوں کی بڑی تعداد بھی موجود تھی جو قیدیوں کی گزرنے والی گاڑی کو پتھر
مارتے، ان پر تھوکتے اور گالیاں دیتے۔ بعض اوباش نوجوان اپنی تازہ مونڈھی ہوئی داڑھیوں پر
ہاتھ پھیر کا مزاح کرتے کہ او طالب! دیکھو ہم نے داڑھی مونڈھ ڈالی ہے۔ چیک پوسٹ عبور
کرتے ہی سڑک کے دونوں جانب مسلح نفری اور گاڑیوں کا رخ بلخ کی بجائے کسی اور طرف دیکھ کر
مجھے یقین ہو گیا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ کیا جا رہا ہے۔ معاہدے کے مطابق ہمیں جانے نہیں دیا جا
رہا۔ لوگوں کا رویہ اور دوستم کی بدعہدی دیکھ کر میں نے ٹرک میں جاتے ہوئے دل سے دعا کی:
”یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں خالص تیری رضا کے لیے تیرے راستے میں تیرے دین کی سربلندی کے
لیے نکلا ہوں۔ میں اپنے گھر سے کسی مکان، دکان یا دنیوی تجارت کے لیے نہیں نکلا۔ تو مجھے
شہادت نصیب کر یا رہائی دلا دے میں تیرے فیصلے پر راضی ہوں“۔ ہر ساتھی کی آنکھوں میں آنسو
تھے اور رقت طاری تھی۔ شام کا وقت تھا کہ ہمارے قافلے کو قلعہ جنگی پہنچا دیا گیا حالانکہ ہتھیا
ڈالنے سے پہلے ہمیں بلخ پہنچانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ہماری گاڑیاں قلعہ جنگی میں گھوڑوں والی جگ
پر جا رکیں۔ کسی قیدی کو بلا اجازت اترنے کی اجازت نہ تھی۔ سب سے پہلے میرا نام پکارا گیا۔ م
نیچے اترا تو کمانڈروں نے مجھے ساتھ کھڑا کر لیا۔ مجاہدین کو ایک ایک کر کے گاڑیوں سے اتارا
اور جامہ تلاشی لی جانے لگی۔ قیدیوں کو تلاشی کے بعد زمین پر ایک طرف بٹھا دیا جاتا۔ ان
جیبوں سے نکلنے والی رقم اور سامان چادر بچھا کر اس میں ڈالا جانے لگا۔ قیدیوں کے بوٹ، صدر
(واسکٹ)، ٹوپی، پگڑی اور رومال وغیرہ سب اتارے جا رہے تھے۔ سامان کا ڈھیر لگ گیا۔ ا
موقع پر ایک امریکی صحافی مرد اور ایک عورت موجود تھے جو فلم بندی کر رہے تھے۔ نماز مغرب
وقت تنگ ہونے لگا تو میں نے کمانڈر آمرجان اور نادر علی وغیرہ سے نماز پڑھنے کی اجازت چاہ
انہوں نے نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی۔ اتنے میں عرب قیدیوں کی گاڑی کی باری آئی، دو عر
کی تلاشی لی گئی جبکہ تیسرا اتر کر کچھ فاصلے پر تھوڑی دیر رکا اور پھر ہاتھ میں گرنیڈ پکڑے آگے بڑ

رب نے جیب میں چھپا رکھا تھا۔ میرے قریبا تقریباً 4 میٹر کے دائرے میں تلاشی لینے والوں
ساتھ کمانڈر نادر علی سربراہ پولیس مزار شریف اور حزب وحدت کا کمانڈر اسد ہزارہ کھڑے نگرانی
رہے تھے۔ عرب مجاہد نے پن نکلا ہوا ہینڈ گرنیڈ ہتھیلی پر رکھا اور بازو آگے بڑھا دیئے۔ زوردار
کہ ہوا میں زمین پر لیٹ گیا، مجھے کسی قسم کی چوٹ نہ آئی۔ قریب کھڑے پولیس سربراہ نادر علی
مانڈر اسد ہزارہ دھماکے سے 5 میٹر دور جا گرے۔ ان کے چیتھڑے اُڑ گئے اور وہ موقع پر
ہو گئے۔ تلاشی لینے والا بھی ہلاک اور بمبار عرب مجاہد بھی شہید ہو گیا۔ یکدم بھگدڑ مچ گئی۔
ب وحدت کے دونوں کمانڈر مارے گئے تھے۔ ہزارہ قوم کے بندوق برداروں نے مجھے پکڑ لیا
ہمارے کمانڈروں کو تو نے ہلاک کیا کیونکہ تو ان کے پاس کھڑا تھا وہ تو ہلاک ہو گئے اور تو صحیح
مت ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ حملہ آور یہ زمین پر پڑا ہوا عرب تھا۔ وہ مجھے بندوقوں کا بٹ
ر اپنا غصہ نکالتے۔ اس دوران میری یہ کوشش تھی کہ میں کسی طرح اپنے آپ کو طالبان قیدیوں
شامل کر لوں اور ان کے اندر گھل مل جاؤں کیونکہ مجھے بحیثیت کمانڈر شناخت کرنے والے
وں کمانڈر نادر علی اور اسد ہزارہ ہلاک ہو چکے تھے۔ ان کے بعد مجھے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔
رگان کے جنگجو سیخ پا ہو کر اپنے کمانڈروں کی لاشوں کی جانب متوجہ ہوئے۔ میں آہستہ آہستہ چل
ر قیدیوں کے مجمع کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ مجھے دیکھ کر بندوق تان لیتے، میں زمین پر بیٹھ جاتا۔
ر اٹھ کر چلتا وہ فوراً بندوق تان لیتے حتیٰ کہ میں قیدیوں کے مجمع میں پہنچ گیا۔ میں نے اپنے
تھیوں میں شامل ہونے کے بعد بتایا کہ اب میں کمانڈر نہیں اور مجھے عبدالغفار کے نام سے
ارنا۔ اسی وقت میں نے نام بدل لیا۔ ہم نے اس ہلڑ بازی کے دوران نماز مغرب فرداً فرداً تیمم
ے پڑھی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا، ہزارہ گان کے مسلح جنگجو بپھرے ہوئے آئے اور ہم پر بندوقیں
ان کر فائر کھولنے لگے تھے کہ دوستم کے ازبک سپاہی آڑے آ گئے، انہوں نے ہمیں بچا لیا۔
زبک سپاہیوں نے ہزارہ جنگجوؤں کو سختی سے دور دھکیل دیا۔ ازبک سپاہیوں نے درمیان میں آ کر
زارہ گان کے جنگجوؤں پر گنیں تان لیں، ان کے آپس میں ٹکراؤ کا خطرہ پیدا ہو گیا۔

اندھیرا پھیلنے لگے، قلعہ میں کشیدگی بڑھنے لگی۔ حزب وحدت کے کمانڈروں کی ہلاکت
ان کر جوق در جوق مسلح نفری قلعہ میں داخل ہونا شروع ہو گئی۔ مسلح جنگجو انتقام میں آگ بگولا ہو
ر قیدیوں کی طرف لپکتے، قیدی فصیل کے ساتھ گھاس پر سہمے بیٹھے غیر یقینی صورتحال کا سامنا کر

رہے تھے۔ بڑے کمانڈروں کی مداخلت پر وقتی طور پر خون خرابہ رک گیا اور ایک مرتبہ پھر قیدیوں کی تلاشی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حفاظتی انتظامات سخت کر دیئے گئے۔ تلاشی کے بعد 600 قیدیوں کو ایک تنگ و تاریک تہ خانہ میں بند کر دیا گیا، اس چھوٹے سے تہ خانہ میں جگہ کم تھی۔ سب نے بیٹھ کر رات گزاری، ٹانگیں لمبی کر کے نہ سو سکتے تھے، روٹی پانی نہ تھا، سب کے منہ خشک اور نقاہت بڑھ گئی۔ ہم بھوکے پیاسے تھے اور روزہ بھی سب نے بغیر کھائے پیئے رکھا تھا۔ سب نے عشاء کی نماز اپنی اپنی جگہ تیمم کر کے اشاروں سے پڑھی۔ سجدہ تک کی جگہ نہ تھی۔ عرب مجاہد مجھ سے شکوہ کرنے لگے کہ ہم نے آپ کے کہنے پر اسلحہ ان کے حوالے کیا اور انہوں نے وعدہ خلافی کرتے ہوئے ہمیں قید کر کے قلعہ میں بند کر دیا۔ میں عرب مجاہدوں کو جواباً تسلی دیتے ہوئے کہتا اس وقت میں بے اختیار ہوں، کچھ نہیں کر سکتا۔ میں بھی آپ کے ساتھ قید ہوں۔

رات کے کوئی 10 بجے ہوں گے کہ تہ خانہ زوردار دھماکے سے گونج اٹھا اور بارود، دھوئیں اور بو سے بھر گیا۔ شمالی اتحاد کے خونخوار جنگجوؤں نے ہینڈ گرنیڈ روشن دانوں کے ذریعے اندر پھینکے تھے جس کے نتیجے میں 7 طالبان موقع پر شہید ہوگئے اور زخمیوں کی ایک بڑی رات گے تک زخموں کی وجہ سے کراہتی رہی۔ اندھیرے میں پتہ نہ چلتا کہ کون کتنا زخمی ہوا۔ رات بیٹھے بیٹھے بے چینی میں گزری۔ ذکر و تلاوت کرتے کرتے فجر ہوگئی۔ نماز فجر بیٹھے بیٹھے تیمم سے پڑھی۔ 25 نومبر کی صبح ہوتے ہی ایک ایک قیدی کو باری باری تہ خانے سے باہر نکال کر تلاشی لے کر اور ہاتھ پیچھے باندھ کر بے تحاشا زدوکوب کرتے ہوئے نامعلوم مقام کی طرف لے جانے لگے۔ قیدیوں کو خدشہ تھا کہ قتل کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ دن کے 11 بج گئے۔ تہ خانے میں 50 قیدی رہ گئے۔ اچانک باہر سے تکبیر بلند ہونے کی آواز کے ساتھ زوردار دھماکہ ہوا اور ساتھ ہی گولیاں چلنی شروع ہوگئیں۔ جنگ اس وقت شروع ہوئی جب حزب وحدت سے تعلق رکھنے والے ایک ہزارہ نسل کے جنگجو نے عرب مجاہد یک تلاشی کے دوران اس کی جیب سے قرآن پاک کی حمائل نکالی اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرب مجاہد نے جواب میں کہا کہ یہ قرآن مجید ہے۔ بدبخت ہزارہ جنگجو نے حقارت سے مغلظات بکتے ہوئے اسے دور پھینک دیا۔ عرب مجاہد قرآن پاک کی توہین برداشت نہ کر سکا، اس نے پیچھے کھڑے عرب مجاہد کو اشارہ کیا جو پہلے سے ہینڈ گرنیڈ چھپائے ہوئے تھا۔ اُس نے نعرہ لگا کر گرنیڈ کی پن نکالی اور ہزارہ جنگجوؤں کی طرف اچھال دیا، کئی ایک دھماکے سے

ے۔ باقی ماندہ جنگجو بدحواسی کے عالم میں اپنی گنیں وہیں چھوڑ کر خوف زدہ ہو کر الٹے پاؤں گے، چھتوں اور برجوں پر پہلے سے متعین بندوق برداروں نے چاروں اطراف سے طالبان پر ز کھول دیا۔ عرب مجاہدین نے بھی ان کی بندوقیں چھین لیں اور گرا ہوا اسلحہ اٹھا کر مردانہ وار ابلہ شروع کر دیا۔

فائرنگ شدید تر ہوتی گئی اور اتنی تیز فائرنگ شروع ہوگئی کہ ہم سر اٹھا کر باہر نہ دیکھ سکتے ے۔ قلعہ کی چاروں دیواروں اور برجوں پر کھڑے شمالی جنگجو پیٹھ پیچھے ہاتھ بندھے نہتے قیدیوں پر ش کی طرح گولیاں برسانے لگے حتیٰ کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ ہم نے نماز پڑھی اور سورۃ ین کا ورد کیا اور اللہ سے مدد مانگنے کے ساتھ سب ساتھیوں نے ایک دوسرے کو گلے مل کر کہا سنا اف کیا اور آخری ملاقات کے طور پر ملنے لگے۔ ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ باہر نکالے جانے لے تمام قیدیوں کو شہید کر دیا گیا ہے اور اب ہمیں بھی ضرور شہید کر دیا جائے گا۔ اچانک تہ خانے اندر دروازہ کھلا اور ایک عرب مجاہد اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پتھر اٹھائے ئے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا کیا ہوا؟ اس نے جواب میں کہا ''الحمدللہ کامیابی شکراً'' میں رب مجاہد کی بات سن کر اٹھا اور اس کے ساتھ باہر نکلا۔ باقی ساتھیوں کو انتظار کے لیے کہہ دیا۔ میں ب تہ خانے سے باہر نکلا تو قیامتِ صغریٰ کا منظر تھا۔ قلعہ کے وسط میں دور دور تک شہداء کی لاشیں لھری پڑی تھیں۔ شہیدوں کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے، عرب مجاہد شاید شہادت کو امیابی کہہ رہا تھا۔

شہیدوں کے درمیاں پڑے ہوئے بڑے تعداد میں زخموں سے چور چور زخمی قیدی کراہ ہے تھے جبکہ 20 زندہ سلامت طالبان سامنے دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ پیچھے ندھے ہوئے تھے اور کچھ طالبان نے گڑھوں میں آڑ لے رکھی تھی۔ ان کے پاس گنیں تھیں اور قابلہ کر رہے تھے۔ چاروں طرف برجوں سے فائرنگ بغیر کسی وقفے کے جاری تھی۔ شمالی اتحاد ہتے قیدیوں کا ردعمل برداشت نہ کر سکا تو اس نے ان پر قابو پانے کے لیے امریکی طیاروں کی مدد للب کر لی۔ ظہر کی نماز کے بعد فضا میں طیارے نمودار ہو کر قلعہ کے جنوبی حصے پر بم برسانے لگے۔ دوستم کے ٹینک قلعہ کے شمالی حصہ سے آگے بڑھ کر گولہ باری کرنے لگے۔ باہر سے قلعہ کے ندر مارٹر توپوں کے گولے پھینکے جا رہے تھے۔ ٹینک توپیں اور طیارے اکٹھے آگ برسانے میں

مشغول تھے۔ ہر طرف دھواں ہی دھواں چھا گیا، سخت غبار اڑنے لگا، اس گرد وغبار کی وجہ سے ہماری نقل وحرکت آسان ہوگئی۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مقابلہ کرنے والے مجاہدین اِدھر اُدھر جا رہے تھے اور دشمن کی گولیوں سے محفوظ تھے۔

اتنے میں ایک زخمی عرب مجاہد میرے پاس آیا جس کا کٹا ہوا ہاتھ لٹک رہا تھا۔ صرف جلد کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میرا ہاتھ کاٹو۔ شاید اس کے ذہن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرنے کا خیال آیا تھا۔ میں نے اس کے لٹکے ہوئے ہاتھ کو اس کے بازو کے ساتھ باندھ دیا۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ زیادہ تکلیف تو نہیں، تو وہ جواب میں "الحمدللہ شکرا" "جوزیم جوزیم" (میں ٹھیک ہوں، بالکل ٹھیک ہوں) کہتا ہوا پھر لڑنے کے لیے خندقوں کی طرف چلا گیا۔ جنگ شروع ہونے سے قبل تہ خانے سے نکال کر باہر لائے جانے والے طالبان اور عرب مجاہدین کو قطار میں بٹھا کر امریکی سی آئی اے کے دو افسران تفتیش کر رہے تھے۔ سی آئی اے کے ایجنٹ تصاویر کھینچتے اور ویڈیو فلمیں بھی بنا رہے تھے۔ ان دونوں افسران نے اپنی ٹانگ کے ساتھ پستول باندھے ہوئے تھے۔ ایک نے افغانوں جیسا حلیہ بنا رکھا تھا اور داڑھی رکھی ہوئی تھی جبکہ دوسرے کے بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ وہ خاص کر صبح سے عرب مجاہدین سے خصوصی تفتیش کر رہے تھے جو کیمرے اٹھائے ہوئے صحافیوں کا روپ دھارے ہوئے تھے۔ جب تہ خانے کے قریب سے دھماکے اور فائرنگ کی آواز آئی تو مونچھوں والے سی آئی اے کے ایجنٹ نے اپنا پستول نکال کر سیدھا طالبان پر فائر شروع کر دیا۔ لیکن اگلے ہی لمحے اس کے قدموں کے قریب تفتیش کے لیے اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے عرب مجاہد نے جھپٹ مار کر اس کا پستول والا ہاتھ قابو کر لیا اور دوسرے مجاہدین نے آگے بڑھ کر اسے دبوچا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ ماجرا دیکھ کر دوسرا ایجنٹ اپنے پستول سے فائر کرتے ہوئے جان بچانے کی خاطر الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا۔ امریکی طیاروں نے قلعہ میں محصور قیدیوں پر 2000 پونڈ وزنی بم گرانے شروع کر دیے۔ آگ لگنے کے بعد عمارتیں گرنے لگیں۔ میدان میں گڑھے بن گئے۔ بموں کے دھماکوں کی لہر سے مجاہدین 20 میٹر دور جا گرتے اور جسموں سے خون کے فوارے پھوٹ پڑتے۔ زوردار دھماکوں سے میرے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور ان سے خون بہنے لگا۔ امریکہ نے خاص قسم کے کیمیاوی بم بھی استعمال کیے۔ میرے بدن میں اب بھی کیمیاوی اثرات ہیں، میرا سارا جسم درد

کرتا ہے، طیاروں کی بمباری اور دوستم کے ٹینکوں کی گولہ باری سے ان کے اپنے سینکڑوں گھوڑے ہلاک وزخمی ہوگئے جو قلعہ کے اندر اصطبل میں بندھے ہوئے تھے۔

اسی اثنا میں عرب مجاہدین جو مقابلے کے لیے کسی ہتھیار کی تلاش میں بے تاب تھے، میرے پاس آئے اور پوچھا کہ قلعہ کا اسلحہ خانہ کہاں ہے۔ میں نے چونکہ گاڑی میں سوار قلعہ کے اندر داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ ایک ورکشاپ کے دروازے پر بورڈ پڑھ لیا تھا "ورکشاپ ہوان ڈپو" یعنی مارٹر گنوں کا ڈپو اور ورکشاپ، اسی لئے گولیوں کی بوچھاڑ میں بھاگتے ہوئے میں عرب مجاہدین کو لے کر سیدھا اسلحہ گودام پہنچا۔ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے تو وہاں سے ایک عدد مارٹر گن اچھی حالت میں مل گئی جبکہ دو عدد بڑی مشین گنیں، ایک کلاشنکوف، ایک اینٹی ائرکرافٹ گن اور آر پی جی کے راکٹ بھی مل گئے۔ ہماری فوری ضرورت پوری ہوچکی تھی۔ اب ہم محصور ہو کر بھی اپنے دل کا ارمان نکال سکتے تھے۔ عرب چونکہ بہت جفاکش اور اسلحہ کے ماہر ہوتے ہیں اس لیے ہم نے ایک عرب کو ٹینک شکن راکٹ اور دوسرے کو اینٹی ائرکرافٹ دے کر قلعہ کے دروازے کے قریب بٹھا دیا جہاں سے ٹینکوں کے آنے کا امکان تھا۔ باقی اسلحہ مجاہدین میں تقسیم کر کے انہیں مختلف پوزیشنوں پر بٹھا دیا گیا۔ اب عملاً قلعہ پر ہمارا قبضہ ہوگیا۔ دشمن کی بھاری نفری قلعہ کے باہر جمع ہوگئی۔ انہوں نے قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں بھی لائی گئیں جن میں امریکی اور برطانوی بکتر بند گاڑیاں شامل تھیں۔ دشمن کی جانب سے پھینکے جانے والے ٹینکوں کے گولوں کے جواب میں ہم قلعہ کے اسلحہ خانہ میں پڑے پرانے گولوں اور راکٹوں کو آگ جلا کر چلا دیتے۔ وہ قلعہ سے باہر جا کر دھماکے سے پھٹ جاتے۔ اس شدید ترین جنگ کے دوران ایک عرب مجاہد قلعہ میں گھومتا پھرتا بلند آواز سے پر جوش آواز میں کہتا جاتا تھا: واللہ رائحۃ المسک، واللہ رائحۃ المسک" (اللہ کی قسم مشک کی خوشبو آ رہی ہے)۔ مجاہدین مختلف گروپوں میں تقسیم ہو کر لڑ رہے تھے۔ شام تک یونہی جنگ جاری رہی۔ جب گولہ باری میں کچھ کمی واقع ہوئی تو ہم نے پانی سے روزہ افطار کیا اور نماز مغرب پڑھی۔ میرے گروپ کے ساتھی پوچھنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ ہمارے پاس کافی اسلحہ وخوراک نہیں ہے، کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ میں چونکہ مزار شریف کے سارے علاقے سے واقف تھا میں نے مشورہ دیا کہ قلعہ کے جنوب مغربی سمت میں واقع برج پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس برج کی قریبی آبادی پشتونوں کی ہے۔ رات

کے اندھیرے میں وہاں سے نکلنا آسان ہوگا۔ ہم نے یکبارگی جنوب مغربی برج پر حملہ کردیا جہاں دوستم کے سپاہی مورچہ زن تھے۔ انہوں نے تھوڑی بہت مزاحمت کی پھر برج سے پسپا ہوکر بھاگ گئے۔ ہم نے برج پر قبضہ کرلیا۔ اب قلعہ کے باہر سے بھی اس برج پر گولیاں برسائی جانے لگیں۔ قبل اس کے کہ برج پر ٹینگ کے گولے آ لگیں ہم نے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قلعہ سے اترنے کا فیصلہ کرلیا۔ برج سے پگڑیاں لٹکا کر ایک ساتھی کو نیچے دیوار سے باہر اتارا جانے لگا۔ دو دو تین تین ساتھی آہستہ آہستہ بچتے بچاتے بستی میں داخل ہوگئے۔ دشمن کے آدمی دائیں بائیں کی گلیوں میں موجود تھے لیکن ان کی پوری توجہ قلعہ کی طرف تھی اور وہ ادھر ہی گولیاں چلا رہے تھے۔ تقریباً 30 عرب، پاکستانی اور افغانی مجاہد قلعہ سے باہر کودنے میں کامیاب ہوگئے۔ میں نے باقی عرب مجاہدین کو بھی نکل جانے کا مشورہ دیا تو انہوں نے ''اما الفتح واما الشھادۃ'' (فتح یا شہادت) کہتے ہوئے جانے سے انکار کردیا۔ جب وہ کسی صورت جانے پر راضی نہ ہوئے تو آخر میں بھی قلعہ سے اتر کر آہستہ آہستہ آبادی کی طرف بڑھا۔ قلعہ کے باہر مزید فوج جمع ہو رہی تھی۔ اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مزار شریف سے باہر نکل کر ہم تین جماعتوں میں بٹ گئے۔ دو جماعتیں چار برجک کی طرف روانہ ہوئیں اور ایک جماعت بلخ کی طرف۔ ہم ساری رات پیدل چلتے ہوئے سحر کے وقت بلخ کے ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔ جب ہم نے ان گاؤں والوں کو بتایا کہ ہم جنگی قلعہ سے آئے ہیں تو وہ ہماری حالت دیکھ کر رونے لگے۔ انہوں نے آگ جلائی، گرم پانی لائے، ہمارے منہ ہاتھ دھلوائے۔ کئی پہر کھانا نہ کھانے کی وجہ سے نقاہت بھی بہت تھی۔ گاؤں والوں نے ہمیں روٹی دی ہم نے روزہ رکھا۔ اذان کے بعد نماز فجر پڑھ کر پھر روانہ ہوگئے اور کمانڈر...... کے گاؤں کا پتہ پوچھتے پوچھتے اس کے ڈیرے پر پہنچ گئے۔ وہاں طالبان کے کمانڈر انچیف ملا داداللہ، گورنر سمنگان ملا عبدالمنان حنفی اور ملا عبدالعلی پہلے سے موجود تھے۔ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور ہم تین دن تک اس کے ڈیرے پر رہے۔ تیسرے دن ہمیں اطلاع ملی کہ دوستم نے امریکی فوج کی مدد سے قلعہ جنگی پر قبضہ کرلیا ہے، سینکڑوں مجاہدین کو شہید کردیا گیا۔

قلعہ جنگی میں بدھ کے روز صبح طلوع ہوتے ہی بچے کھچے طالبان جنگی قیدی جھنڈے لہرا کر صلح کے طالب ہوئے۔ شمالی اتحاد کے کمانڈر روزی کا اندازہ تھا کہ قلعے میں 600 طالبان قیدیوں میں صرف پچاس زندہ بچے تھے اور ان کے پاس بھی پانی اور اسلحہ ختم ہو چکا تھا۔ ان کے

پاس خوراک بھی نہیں تھی اور وہ مبینہ طور پر جنرل دوستم کے گھوڑوں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو چکے تھے۔ گذشتہ رات ان زندہ بچنے والے قیدیوں کا ایک ساتھی کسی طرح قلعے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگیا مگر اسے مقامی لوگوں نے پکڑ کر درخت سے لٹکا دیا تھا اور اس کی لاش تماشا کا سامان بنی تھی۔ شمالی اتحاد کے فوجی موت کے اس کھیل کے ختم ہونے پر فتح کا جشن منانے میں مصروف تھے۔ ان کے سپاہی چرس کے لمبے کش لے رہے تھے اور ان میں سے بعض امریکہ کی جانب سے دیئے گئے خوراک کے ڈبوں سے مونگ پھلی، مکھن اور جیلی نکال کر مزے سے کھا رہے تھے۔ صبح دس بجے سپیشل آپریشنز گروپ اور برطانوی کمانڈوز کا 17 رکنی دستہ قلعہ میں پہنچا۔ اس دستے میں ہلاک ہونے والے امریکی مائیکل کا ساتھی ڈیوڈ بھی شامل تھا جس نے اے کے 47 رائفل اٹھائی تھی۔ یہ غیر ملکی فوجی دستہ دیواروں سے پوزیشن لے کر قلعے میں داخل ہوگیا۔ شمالی اتحاد کے ایک سو فوجی قلعے کی فصیلوں سے ابھی تک طالبان پر گولیاں برسا رہے تھے۔ یہ فوجی ابھی تک فصیلوں سے اتر کر قلعے میں داخلے سے خوفزدہ تھے۔ ان سپاہیوں کے سروں پر ابھی تک طالبان قیدیوں کے فدائی حملوں کا خوف سوار تھا۔ کمانڈر کے حکم پر شمالی اتحاد کے چند سپاہیوں کو قلعے میں بھیجا گیا اور جب کسی مزاحمت کا خطرہ ختم ہوگیا تو باقی سپاہی بھی اندر داخل ہوگئے۔ شمالی اتحاد کے سپاہی شہید ہونے والے جنگی قیدیوں کے ہاتھ اور پاؤں کی رسیاں قینچی سے کاٹنے لگے۔ شمالی اتحاد کے ایک سپاہی نے اپنے کام کے دوران ایک زخمی مجاہد کو گھاس میں کراہتے ہوئے دیکھا تو اس کے قریب پہنچ کر گولی مار کر اسے ابدی نیند سلا دیا۔ شمالی اتحاد کے درندوں نے قلعے کے اندر لوٹ مار شروع کر دی تھی اور وہ شہید ہونے والوں کی بندوقیں، رائفلیں اور اسلحہ جمع کر رہے تھے۔ ان لٹیروں نے شہید ہونے والوں کی جیبوں کی تلاشیاں لے کر وہاں سے نقدی اور پن بھی نکال لیے تھے۔ اتحادی درندے مرنے والوں کے جوتے بھی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ اس موقع پر بہت ہی عبرت ناک مناظر دیکھنے کو ملے۔ جن طالبان شہداء کے جوتے اتارے گئے تھے ان کے پاؤں سردی سے نیلے ہوگئے تھے۔ قلعے کے اصطبل میں بند دوستم کے 30 گھوڑوں کی لاشیں بھی نظر آئیں۔ انسانوں اور جانوروں کی آنتیں بکھری پڑی تھیں۔ شمالی درندے ان دلدوز مناظر سے خوش ہو رہے تھے اور مرنے والوں کی لاشوں کو ٹھوکریں مار کر انہیں ''دہشت گرد'' اور ''خطرناک غیر ملکی'' کہہ رہے تھے۔ محمد یاسین نامی شخص نے پرجوش انداز میں بتایا ''اس نے چار چیچن فوجی مار ڈالے ہیں

اور وہ شہیدوں کی لاشیں بھی دکھا سکتا ہے"۔ شمالی درندوں کے غصے اور نفرت کی آگ اب بھی باقی تھی۔ قلعے کے ایک تہ خانے میں جب پانچ زندہ طالبان کی خبر ملی تو اتحادی فوجیوں نے کھڑکیوں سے تہ خانے کے اندر گرنیڈ پھینکنے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی اپنی رائفلوں سے فائرنگ بھی شروع کر دی۔ اس کے باوجود بھی شمالی درندے تہ خانوں میں داخل ہونے سے ڈر رہے تھے۔ اس دوران انہوں نے قلعہ کے اندر ایک ٹینک منگوا لیا۔ یہ ٹینک لاشوں کو کچلتے ہوئے تہ خانے کے نزدیک پہنچ گیا اور بعد ازاں ٹینک نے گولے داغنے شروع کر دیئے۔ قلعے کی ایک خندق میں ایک نوجوان مجاہد کے ابھی کچھ سانس باقی تھے، اتحاد کا ایک فوجی اسے دیکھ کر اس کے قریب گیا اور اس کے سر کا نشانہ لے کر ایک راکٹ داغ دیا۔ لاشوں کے اس ڈھیر سے سی آئی اے کے افسر مائیکل سپین کی لاش بھی برآمد کر لی گئی۔ ایک ہفتے بعد شمالی اتحاد اور امریکہ کے فوجی قلعہ جنگی کے تہ خانوں کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گئے۔ شمالی اتحاد والوں کا خیال تھا کہ ان تہ خانوں میں پانچ یا چھ طالبان زندہ ہوں گے۔ ان زندہ بچ جانے والے طالبان کو باہر نکالنے کا طریقہ سوچا جانے لگا۔

شمالی اتحاد کے پانچ افراد کو قلعے کے تہ خانے میں بھیجا گیا جس کی سیڑھی لاشوں، زخمیوں اور عمارت کے ملبے سے اٹی ہوئی تھی لیکن ان پانچ افراد میں سے دو کو تہ خانے سے باہر نکلنا نصیب ہی نہیں ہوا جبکہ باقی تین میں سے دو شدید زخمی اور ایک صحیح سلامت واپس باہر نکلا۔ انہوں نے بتایا کہ تہ خانے کے اندر کئی قیدی ابھی تک زندہ ہیں۔ اس صورتحال میں امریکی خصوصی فورسز نے اپنی انسانیت سوزی اور جلادی و سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تہ خانے کے دہانے پر تیز آگ لگا دی اور اس کا سارا دھواں اندر کی جانب جھونک دیا۔ تاریک تہ خانے کے اندر جب آگ کی تپش اور دھواں ز ہوا تو زندہ بچ جانے والے مجاہدین میں سے اور کا دم بھی گھٹ گیا اور وہ اسی حالت میں شہید ہو گئے جبکہ باقی ماندہ زخمی حالت میں کراہتے ہوئے تہ خانے سے باہر آنے پر مجبور ہو گئے۔

اب بھی تہ خانے کے اندر کچھ مجاہد ایسے تھے جنہوں نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا چنانچہ ان کو ختم کرنے کے لیے امریکی درندوں نے اب ایک اور حربہ آزمایا اور جسم کو شل کر دینے والا ٹھنڈا یخ پانی تہ خانے کے اندر چھوڑ دیا حتیٰ کہ تہ خانے میں ایک میٹر کی بلندی تک پانی بھر گیا جس۔ نتیجے میں مزید زخمی مجاہدین شہید ہو گئے جبکہ چند ایک باقی مجاہدین جن کی حالت کچھ بہتر تھی وہ پور رات اس پانی میں کھڑے رہے حتیٰ کہ اگلے دن 30 نومبر بروز ہفتہ صبح کے وقت جب دشمن۔

نی صورتحال کا جائزہ لینے قلعہ کے اندر داخل ہوئے تو ٹھنڈے پانی میں پوری رات کھڑے ہونے والے مجاہدین اس قابل بھی نہ رہے تھے کہ وہ کچھ حرکت کر سکتے۔ چنانچہ اسی حالت میں گارے سے لت پت جسم اور بھوک سے نڈھال مجاہدین کو حراست میں لے لیا گیا۔ حیرت انگیز طور پر 86 طالبان قیدی بچ کر گرفتار ہوئے انہی میں ایک کے متعلق یہ انکشاف بھی ہوا کہ وہ امریکی شہری ہے۔ بیس سالہ عبدالحمید (جان واکر) اپنا نام چھپا رہا تھا، اس کی ٹنگ میں دو گولیاں بھی لگی تھیں۔ یہ واشنگٹن کا رہائشی تھا جس نے اسلام قبول کرنے کے بعد پاکستان میں بنوں کے مدرسہ یہ میں داخلہ لے لیا اور وہاں سے طالبان کی مدد کرنے افغانستان چلا گیا۔ ان سب قیدیوں ثالی اتحاد والے تین ٹرکوں میں لاد کر شبرغان جیل لے آئے۔ قلعہ جنگی کی جنگ ختم ہو چکی تھی جنگ کا جس طرح آغاز ہوا ویسے ہی اس کا انجام بھی ہو گیا یعنی طالبان نے ہتھیار ڈال کر خود کو اتحاد کے حوالے کر دیا۔ دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی جنگ کا جب بھی ذکر ہوگا، زمانہ م کی وحشیانہ جنگوں کی یاد تازہ کرے گا۔



قندوز سے روانگی کا آخری دن تھا۔ مجاہدین قلعہ بالا حصار میں جمع تھے جس کے پھاٹک ری اب کسی طالب مجاہد کے ہاتھ میں نہیں تھی بلکہ جنرل دوستم کے سفاک درندوں کے ہاتھوں آ گئی جو کہ تازہ تازہ قندوز شہر میں داخل ہوئے تھے۔ ان درندوں نے دروازے کے قریب وں سے طالبان کو اپنا سامان بھی اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ اس پر ملا فضل اخند نے کہا کہ سب چھوڑ دو ہم صرف اپنے آپ کو یہاں سے نکالو کیونکہ ہم نے شہر کا کنٹرول اور اہم سرکاری توں کا کنٹرول دوستم کی ملیشیا کے سپرد کر دیا ہے۔ ملا فضل اخند کے ساتھ ایک کمانڈر جن کو ملا ب قلعے کی مختلف سمتوں اور مورچوں کے بارے میں معلومات دے رہے تھے، پیرم قل دوستم امی ازبک کمانڈر تھا۔ عین اسی رات ہونے والی امریکی بمباری سے پیرم قل کے 85 جنگجو ہوئے تھے کیونکہ امریکہ اپنی طرف سے طالبان کے مورچوں پر بمباری کر رہا تھا۔ ازے پر چند ایک گاڑیاں اور ٹرک بھی کھڑے تھے جو کہ ہم سب طالبان کی تعداد کے مطابق کم یکن پھنس پھنسا کر بیٹھ گئے۔ کئی ٹرک کی چھت پر چڑھ گئے۔ جس راستے سے بھی ماری گاڑی رتی وہاں دوستم کی فوج نظر آتی۔ ہمارا مجموعہ اب دوبارہ ہیلو ٹرسٹ کی بلڈنگ میں آ موجود ہوا

جہاں سے معلوم ہوا کہ عصر کے وقت تک طالبان قندوز سے انخلا کریں گے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سارا
عمل رات تک جاری رہے۔ اب انتہائی عجیب کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔ طالبان کی طرف سے سفر
کے بارے آخری ہدایات سب کو پہنچ رہی تھیں اور اللہ کی رضا کی خاطر اطاعت امیر میں رہتے
ہوئے مشکل حالات کے مقابلے کے لیے سب تیار تھے۔ سب مجاہدین اپنے ٹرکوں اور گاڑیوں
میں ضروری سامان رکھ رہے تھے۔ روٹیاں، کھجوریں، پانی کی کینیں اور گاڑی کے ڈیزل کے ڈرم
ہر ٹرک میں تھے کیونکہ معاہدے کی رو سے قندوز سے قندھار جانا تھا جو کہ تین دن کا سفر تھا۔

9 رمضان بمطابق 24 نومبر 2001ء بروز ہفتہ قندوز سے عصر سے پہلے روانہ ہوئے۔
طالبان مجاہدین کے چہرے اترے ہوئے، آنکھیں آنسوؤں سے نم تھیں۔ گویا چہرے کے آثار بتا
رہے تھے کہ بہت بڑی دولت چھن رہی ہو۔ یہ گلیاں اور بازار جہاں پر کبھی امن و آشتی کے فوارے
پھوٹتے تھے اپنے آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ازبک ملیشیا کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ڈنڈوں اور
کیبلوں سے لوگوں کو بھگا رہے تھے اور زبردستی دکانیں بند کروائی جا رہی تھیں۔ عصر کا وقت تھا۔
قندوز شہر میں مدرسہ تخارستان کے قریب نمازِ عصر سڑک پر پڑھی اور گاڑی میں سوار ہو کر یہ قافلہ
چاردرہ کی طرف روانہ ہو گیا اور مغرب کے وقت چاردرہ کے نہر والے پل کے قریب ٹھہرے۔
تقریباً سورج غروب ہونے کو تھا۔ اللہ اکبر کی آواز کے ساتھ ہی سب نے روزہ افطار کیا۔ نماز
مغرب کے بعد روٹی اور کھجور پانی کے ساتھ کھا کر شکر ادا کیا۔ رات اسی جگہ کھلے آسمان تلے پڑا
کرنا پڑا کیونکہ طالبان قیادت نے فیصلہ کیا کہ سب طالبان یہاں پر جمع ہو کر اکٹھے جائیں گے
کیونکہ ہزاروں کی تعداد میں ایک دم قندوز سے انخلا ناممکن تھا۔ سڑک کے کنارے ہی سخت سرد
کی رات بستر لگا کر سو گئے۔ تقریباً رات کے 12 بجے بمباری کی آواز اور گاڑیوں کے آمدہ قافلو
کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ دشت یرگنک کے کنارے خاموش صحرا اور بستی میں اچانک ایک
رکنے والا شور بپا ہوا اور بھرپور بمباری سے دشت گونج اٹھا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، اٹھتے ہی سب مجاہد
گاڑیوں کی طرف لپکے کیونکہ اچانک گاڑیوں کی آمد دیکھ کر روانگی کا اشارہ مل رہا تھا۔ دھماکے
آواز قندوز شہر سے ہوتے ہوئے دشت تک پہنچ رہی تھی اور اس میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ میزا
اور بموں کی بارش نے ہر طرف گاڑیوں اور گھروں کو جلا کر آگ روشن کر دی۔ یہ اصل میں امر
گن شپ ہیلی کاپٹر اور جنگی طیاروں کی بمباری تھی۔ افراتفری کے حالات میں قندوز سے آ

ے مجاہدین سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ شمالی اتحاد کے تاجک دھڑے نے قندوز پر بڑا حملہ کر دیا
نکہ قندوز سے انخلا کے بعد وہاں کا کنٹرول ازبک ملیشیا کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ طالبان کا آخری
ہ صرف خانہ آباد میں طالقان سے آنے والی سڑک پر معین تھا وہ بھی رات کے وقت اپنے
رچے چھوڑ چکے تھے اور تاجک دھڑے سے فائرنگ کے تبادلے میں وہاں سے نکل آئے تھے۔
ں یہ کہ قندوز کا شہر راتوں رات تین قسم کی فوجوں سے بھر چکا تھا۔ طالبان نے معاہدے کی رو
ے ازبک ملیشیا کو آگے کیا جس سے اب شمالی اتحاد کے ازبک تاجکوں پر شب خون مارتے رہے
ن رات کے اندھیرے کی وجہ سے تاجک صرف طالبان سمجھ کر اُن سے لڑتے رہے۔ راتوں
ت یہ سلسلہ اب قندوز شہر کے وسط سے سرعام سڑکوں اور گلیوں میں شروع ہو گیا۔ ازبک ملیشیا
ں قدمی کو روک نہ سکے اور اُن کے قدم اکھڑنے کے بعد قندوز کا شہر تھرّاتی اور آوارہ گولیوں،
کوں اور بھاری اسلحہ سے گرجتا رہا۔ کئی مکان منہدم ہو گئے جس کی وجہ سے کئی بے گناہ شہری پانچ
ال بعد تاجک اور ازبک دھڑوں کی آپس میں خانہ جنگی کا نشانہ بنتے گئے۔

یرگنک کے دشت سے مزار شریف کو جانے والی سڑک پر چلتی گاڑیوں میں سے میں
ایک ٹرک جس پر دو میلہ فٹ تھا لٹک گیا۔ ہم سے آگے بھی گاڑیاں اور ٹرک تھے دونوں طرف
ب و گیاہ صحرا اور خوفناک ٹیلے بلاؤں کی طرح نظر آتے۔ اس ٹرک کے شروع میں ترپال
ل چھپر بنایا تھا، باقی چھت خالی تھی۔ بہت زیادہ تعداد دیکھتے ہوئے ڈرائیور نے کئی
ں کو انتظار کا بھی کہا۔ اسی ترپال کے نیچے کچھ پاکستانی اور افغانی طالبان پشتو کی نظمیں پڑھ
تھے۔ اِن دشتوں سے گزرتے ہوئے مستان خان دشتِ لیلیٰ کی مشہور نظم جسے سن کر ہی انسان
آ جاتا، پڑھ رہا تھا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ آگے جا کر تاریخ ایک بار پھر دشتِ لیلیٰ کی یاد تازہ
ے گی۔ خیر نظمیں سنتے ہوئے جہاز کی آواز کے ساتھ اچانک بم چلنے کی آواز آئی۔ ہم سے
کچھ میٹر کے فاصلے پر ٹرک پر بم گرا جو کہ ہمیں نظر آ رہا تھا۔ اس سے پیچھے والا ٹرک بھی نشانہ
ران صحرا میں انسانی چیخیں کانوں کو چیرتی ہوئی ابھی سن رہے تھے کہ تیسرا نشانہ چشمِ زدن ہی
رک بن گیا۔ چیخ و پکار کے ساتھ پچھلی گاڑیاں بھی مسلسل نشانہ بنتی رہیں۔ ٹرک کے اگلے حصے
ر اور درمیان والے ساتھی بچ گئے۔ اگلی سیٹ والے تو موقع پر ہی جام شہادت نوش کر گئے اور
خموں کی زیادتی سے اسی ٹرک میں رہ گئے اور کئی زخمی چھلانگ لگا کر اندھیرے میں سامنے نظر

آنے والے صحرا میں اتر گئے۔ سب اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ ابھی ہم چند میٹر دور ہٹے تو ایک میزائل
پھر ہمارے ٹرک پر لگا۔ خالی ٹرک آگ کے لاوے کی طرح اچھلا پھر زمین پر گرا۔ اس ٹرک
آگ منٹوں میں بڑھی تو بمباری کا سلسلہ اب پیدل بھاگنے والوں پر شروع ہوگیا۔ گویا یہ رات
قیامت صغریٰ محسوس ہونے لگی۔ ٹرکوں کی آگ سے دونوں طرف صحرا میں چلنے والوں پر بم گر
لگے۔ چھوٹی گاڑیاں اس سڑک کو چھوڑ کر دشتوں میں اتر گئیں۔ تقریباً آدھ میل پیدل سفر کے بعد
خراش آواز کے ساتھ ایک میزائل ہم بارہ ساتھیوں کے درمیان لگا جن میں آدھے موقع پر شہید
گئے، دو زخمی حالت میں چیختے رہ گئے، باقی ہم چار ساتھیوں نے اب صحرا میں منتشر ہونے کا ارادہ
کیا۔ اندھیرے اور ریتلے صحرا میں چلتے ہوئے ٹخنے سے اوپر تک پاؤں دھنس جاتے جس کی وجہ
سے بھاگتے ہوئے ہمارے پاؤں جلد ہی جواب دے بیٹھے تھے۔ معلوم نہیں تھا کہ ہم کس سمت ر
کریں، اور ہم کدھر جا رہے ہیں۔ پیچھے ہم ٹرک کو دیکھتے تو وہ جلتا نظر آ رہا تھا۔ اس ٹرک میں کا
ایمونیشن پڑا تھا اس میں لگی بھاری گن کا بکسہ فل لوڈ تھا۔ دوسرا ہم سب ساتھیوں کو معلوم تھا
آگ جب درمیان کے ایمونیشن تک پہنچے گی تو ان آوارہ گولیوں اور راکٹ لانچروں کا رخ ہماری
طرف بھی ہوسکتا ہے اس لیے سب محفوظ جگہ کی تلاش میں بھاگے جا رہے تھے۔ رات
اندھیرے میں ہی اچانک ایک قبرستان نظر آیا۔ اس کے باہر پہلے سے ہی خندوق نما جگہ بنی ہو
تھی۔ ہمارے پہنچنے پر دیکھا تو پہلے بھی کئی ساتھی ان خندقوں میں اپنے آپ کو ساکت کیے بیٹھے
ہوئے تھے۔ سڑک سے دشت تک پیچھا کرنے والا گن شپ ہیلی کاپٹر اب ہمارے سر پر منڈلا
لگا لیکن ہم اب محفوظ ٹھکانے پر پہنچ چکے تھے۔ لیکن بمباری وقتاً فوقتاً جاری رہی۔ جلتے ہوئے ٹرکوں
کا ایمونیشن بھی آگ سے چلنا شروع ہوگیا جس نے مزید جلتی گاڑیوں کے چیتھڑے اپنے سا
اڑا دیئے۔ تقریباً تین گھنٹے کی مسلسل بمباری کے بعد ہیلی کاپٹر اور جنگی طیاروں کی آواز آنا بند
گئی۔ تقریباً دو گھنٹے بعد اذانیں شروع ہوئیں اور دشت پورا کا پورا زخمیوں کی چیخ و پکار اور کرا
سے گونج رہا تھا۔ کئی زخمی چیختے چلاتے ہمیشہ کے لیے خاموشی اختیار کر گئے۔ صبح کی ہلکی روشنی
بعد ہم قبرستان سے نکل کر اس کے ساتھ کئی میٹر اونچائی سے نیچے چھلانگ لگائی۔ اب کھیت
باغات شروع ہوگئے۔ ایک ساتھی کے پاس مخابرہ تھا اس پر ہم اپنے ساتھیوں سے رابطے کر
رہے لیکن ہر طرف ساتھیوں نے اپنے وائرلیس بھی بند کیے ہوئے تھے اس لیے کہ امریکی جہ

اپنے مخصوص سسٹم کے ذریعے ان لہروں کو پکڑ کر بمباری نہ کر دیں۔ اچانک ایک دفعہ ساتھی کا کوڈ
نمبر ملا تو مخابرے کی ہدایات پر ہم نے اپنا رخ پکڑا۔ بالآخر خوب روشنی ہونے پر ہم دوبارہ نہر کے
پل کے قریب پہنچ گئے۔ اس نہر کے کنارے بستی پر بے تحاشا بمباری ہوئی، کئی مکان منہدم اور ان
شکنہ گھروں سے نوحہ کی چیخ و پکار آ رہی تھی۔ گاؤں کے افراد قبرستان کی طرف یہ کہتے ہوئے جا
رہے تھے کہ ہم آپ کے شہیدوں کی قبریں کھود کر اُن کو دفنا دیں گے آپ کوئی غم نہ کریں۔ تمام
مجاہدین بمباری سے متاثرہ زخمیوں اور سہیدوں کو اکٹھا کر رہے تھے۔ بموں سے چھلنی شہداء کی
لاشیں نہر کنارے پڑی تھیں اور زخمیوں کو کمبلوں میں لپیٹ کر ایک ٹرک میں لاد کر قندوز ہسپتال لے
جانے کا بندوبست ہوا۔ راستے ہی میں صبح 9 بجے کے قریب طالبان قیادت کے قندوز سے انخلا
کرنے والے آخری قافلے نے ہمارے ٹرک کو موڑ دیا۔ کئی تندرست ساتھی زخمیوں کی چیخ و پکار،
کٹے اعضا دیکھ کر اس ٹرک سے اتر رہے تھے اور کسی دوسری گاڑی کی تلاش میں چل پڑے۔ اس
ٹرک کے اندر کا نقشہ ہی عجیب تھا۔ پورے فرش پر زخمیوں کو کمبلوں میں لپیٹ کر رکھا ہوا تھا۔ میں
صرف قندوز واپس جانے کے اس ٹرک میں سوار ہوا تھا لیکن گاڑیوں کی قلت کی وجہ سے اترنے کا
فیصلہ ترک کر دیا۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کی وجہ سے جب ٹرک ہچکولے کھاتا تو بیچارے زخمی ساتھیا کٹھے
آہ و فریاد بلند کرتے۔ افسوس و ملال کے ساتھ ہم زخمیوں کو تسلی دیتے اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔
زخمیوں کی تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ میں کئی گھنٹے ایک پاؤں پر کھڑا رہا۔ اس
کے علاوہ مجھے کوئی جگہ نہ ملی کہ دوسرا پاؤں رکھ لوں۔ دونوں پاؤں کو باری باری استعمال کرتا رہا۔
ٹرک کی بناوٹ ایسی تھی کہ بیٹھ کر پکڑنے کی کوئی جگہ نہ ملتی۔ اگر بیٹھ جاتے تو ٹرک کے جھٹکوں سے
زخمی ساتھیوں پر گر جاتے جس سے ان کی چیخیں ناقابل برداشت بن گئیں۔ میرے قریب ہی
سلیپنگ بیگ میں لیٹا ہوا ایک زخمی آخری دموں پر تھا۔ بظاہر اس کے پیٹ تک کوئی زخم نظر نہ آیا۔
اُس کے ہونٹ خشک اور نیلے پڑے تھے۔ پورے جسم میں اُس کا صرف سر ہل رہا تھا۔ اُس زخمی کی
چیخ و پکار آہستہ آہستہ اُس کا ساتھ چھوڑ رہی تھی اور مسلسل کراہنے سے ایسی آواز گلے سے نکل رہی
تھی جیسا کہ کسی نے رسی سے اُس کی گردن کو سخت باندھ رکھا ہو۔ ایک جگہ ٹرک رکنے کی وجہ سے
تھوڑی دیر ٹھہرنا ہوا تو تشویش سی ظاہر ہوئی کہ اس سے پوچھوں کہاں زخم لگا ہے۔ لیکن وہ آخری
گھڑیاں گن رہا تھا۔ میں نے بیٹھے ہوئے کپڑوں پر گیلا پن محسوس کیا تو دیکھنے پر کپڑوں کے ساتھ

خون لگا ہوا دیکھا جو کہ اس کمبل کو عبور کر کے نکل رہا تھا جو اُس کے پیروں پر رکھا تھا۔ میں نے جب کمبل ہٹایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جس کمبل پر میں نے پاؤں رکھا تھا اس کے نیچے زخمی کا ٹخنے تک کٹا پاؤں تھا اور اس کے پاؤں کا آخری سرا میرے پیر کے نیچے تھا۔ یہ منظر دیکھ کر دل کو جھٹکا لگا کہ یہ بیچارا اتنی دیر سے تڑپ رہا ہے اور اس میں اتنی سکت نہ رہی تھی کہ اتنا کہہ سکے اے بھائی! مجھ زخمی کے پاؤں پر سے اپنا پاؤں ہٹا دو۔ اسی لمحے شہید کی آنکھیں سیدھی ہو گئیں۔ اس ٹرک میں شہید ہونے والوں کی چیخ و پکار اب بھی کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ شہید ہونے کے بعد میں نے اُسے آگے پیچھے کر کے جگہ بنالی کہ صرف اپنے وزن پر بیٹھ سکوں۔ اسی شہید کے پیچھے ایک 20 سالہ نوجوان زخمی حالت میں تڑپ رہا تھا۔ اُس کا پاؤں گھٹنے تک کٹا ہوا تھا جس سے تازہ خون بہہ رہا تھا۔ وہ زخمی لڑ جھگڑ کر کہہ رہا تھا کہ ''خدا کے لیے میرا باقی پاؤں بھی کاٹ ڈالو۔ کوئی چاقو ہی دے دیں کہ میں خود کاٹ ڈالوں۔ اے مجاہدو! میں تمہارا بھائی ہوں مجھ پر تمہیں رحم نہیں آتا''۔ ہم اسے تسلی دیتے کہ ہمیں تو دکھ ہے لیکن تمہارا پاؤں کاٹنے سے درد مزید بڑھے گا تو وہ اس بات پر بضد تھا ''ایک بار میرا پاؤں کاٹ ڈالو تم مجھے سکون مل جائے گا۔'' وہ زخمی اصل میں شہادت کے سکون کو پانا چاہتا تھا۔ اس کے برابر ایک پچاس سالہ افغانی مجاہد تھا اس کا ناک ہونٹ اور ایک آنکھ بمباری سے متاثر تھے۔ اس کی شکل کو دیکھنے کے لیے بڑا جگرا چاہئے تھا، پھر اس کا تڑپنا اور چیخنا ماہی بے آب سے کم نہ تھا۔ اُس نے اپنے قریب کے زخمیوں کو تنگ کیا ہوا تھا۔ زخمی بیچارے عاجزانہ منت کرتے خدا کے لیے اس بوڑھے کو خاموش کروا دو لیکن یہ بوڑھا اور بیس سالہ نوجوان بھی ہماری آنکھوں کے سامنے خاموش ہو گئے۔ ہماری گاڑی کچی سڑک پر قطار میں کھڑی تھی۔ دوپہر 12 بجے کے قریب خم کھاتی ہوئی سڑک پر کئی گاڑیاں آگے پیچھے نظر آ رہی تھیں۔ تھوڑی دور آگے ازبک ملیشیا مجاہدین سے اسلحہ تسلیم کرتے ہوئے نظر آئے۔ اتوار 10 رمضان کا دن تھا، بالآخر ہمارے ٹرک کی بھی تلاشی کی باری آئی اور یہی وہ مقام تھا جہاں طالبان غیر مسلح ہو کر تسلیم ہوتے رہے۔ ہم نے تمام اسلحہ اکٹھا کر کے پہلے ہی ٹرک کے قریب رکھا تھا۔ سب ساتھیوں نے اپنی رقوم اور قیمتی اشیاء چھپالی تھیں۔ تین فوجی ہمارے ٹرک میں دندناتے داخل ہوئے۔ ہم نے منت کی کہ یہ سب زخمی ہیں لیکن طالبان کے سخت دشمنوں سے کوئی بات نہ بنی۔ وہ زخمیوں کو روندتے ہوئے ٹرک کے آخر تک تلاشی لیتے رہے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار نے تو ہمیں ہلا کر رکھ دیا لیکن یہ درندے زخمیوں پر

پیر رکھتے ہوئے بھی ایسا محسوس کرتے کہ وہ زمین پر چل رہے ہیں حتیٰ کہ شہدا کو بھی نہ چھوڑا، اُن کی بھی تلاشی لی۔ زخمیوں نے درخواست کی کہ اپنا سب کچھ دے دو تاکہ یہ ہمارے زخموں کو تو نہ روندیں۔ ایک ساتھی نے تلاشی کے دوران دوستم کے فوجیوں سے کہا کہ یہ شہید ہے تو غصے میں آکر ایک نے کہا کہ (نعوذ باللہ) یہ مردار ہے۔ لیکن ان شہدا کی بے حرمتی کا بدلہ اللہ لے گا۔ ہما تا سوچ کر خاموش ہو گئے۔ اب ہمارا ٹرک تلاشی کے بعد چل پڑا۔ باقی گاڑی والوں کو پیدل چلنے کا کہا جاتا اور اسلحہ سے بھرے ٹرک اور گاڑیاں صحرا میں کھڑی تھیں۔ کئی ازبک درندے اپنی جیبوں کو بھرنے کے بعد پہاڑوں کی طرف بھاگتے ہوئے کئی ساتھیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہمارے ٹرک کے علاوہ زخمیوں کی کئی گاڑیاں تھیں اور سب سے زیادہ مریض ہمارے ٹرک میں تھے۔ ٹرک ڈرائیور حبیب اللہ تونیری اور عاصم کو مار پیٹ کر پیچھے بھیج دیا اور اب ازبک درندے خود ٹرک چلانے لگے۔ انہوں نے خطرناک طریقے سے گاڑی چلائی۔ زخمیوں کی آہ و فغاں پھر بلند ہوتی رہی اور کئی خاموش ہوتے رہے۔ تقریباً دو بجے کے قریب کوتل یرگنک کے پیچھے ایک میدان میں کپڑوں اور کمبلوں کے ڈھیر کے پاس ہمارا ٹرک کھڑا ہو گیا۔ ہم سے تھوڑی دور ہٹ کر دوستم کے فوجی حلقہ بنا کر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ طالبان کے ایک ملا صاحب نے فارسی میں بات کر کے ان سے پیشاب کرنے اور نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ بڑی منت و سماجت کے بعد اجازت ملی۔ ہم تقریباً چھ افراد نے نیچے اتر کر علیحدہ نماز پڑھی۔ دور سے مجاہدین قطاریں بنائے ہوئے پیدل چلے آ رہے تھے۔ ملا فضل اخند کی گاڑی بھی چکر لگا رہی تھی کیونکہ اس دن دوستم امریکیوں سمیت ادھر آیا ہوا تھا۔ دوسری طرف قلعہ جنگی کے واقعے کا دوسرا دن تھا۔ قلعہ جنگی کا تو ذکر میڈیا پر آ گیا لیکن دشت یرگنک پر ساری رات بمباری اور پھر اس تسلیم ہونے کے دوران کا ظلم وستم میڈیا سے اوجھل تھا۔ تقریباً تین بجے کے قریب ٹرک دوبارہ روانہ ہوا تھا اور ہم کچھ ساتھی طالبان ساتھیوں کے ساتھ جو پیدل کوتل یرگنک کی طرف جا رہے تھے، اُن کے ساتھ ہم بھی شامل ہو گئے۔ ایک چڑھائی کے بعد پھر تلاشی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی جگہ پہ کیمرے والے فلمبندی کر رہے تھے۔ مجاہدین سے پگڑیاں اتروا کران کے ہاتھ باندھے جا رہے تھے۔ شمالی درندوں کو جو چیز اچھی لگتی وہ اتروا لیتے۔ یہاں پر میرے ساتھ بھی عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک فوجی نے میرے بوٹوں کو اتروایا اور اپنی ٹوٹی ہوئی جوتی دے دی۔ آگے چل کر تلاشی لینے والے نے دی ہوئی جوتی بھی اتروا کر

اپنے پاس رکھ لی اور مجھے ننگے پیر چلنے کا کہا۔ میرے پاس موجود رومال سے میرے ہاتھ بھی پشت
پر باندھ دیئے اور قریب ہی ایک کھائی میں بیٹھنے کا حکم ہوا۔ سورج غروب ہو رہا تھا، رمضان کا
دسواں روزہ نہ پانی نہ کھجور، ایسے ہی گزر گیا۔ چوبیس گھنٹے ہو گئے کہ کچھ بھی کھایا پیا نہ تھا۔ رات
انتہائی سرد تھی۔ وہاں پر ہم نے ایک دوسرے کے ہاتھ کھول دیئے۔ کئی ساتھیوں کے ہاتھ اتنے
سخت تھے کہ خون کی گردش رکنے سے ہاتھ شل ہو گئے۔ سب ساتھیوں نے اپنی مرضی کے مطابق
ہلکی گرہ لگا کر ہاتھ علامتی طور پر پشت پر باندھ لیے۔ ہمارے قریب ایک طالب نے اپنی چادر
سب کے سروں پر ڈالی لیکن باقی اطراف سے ہوا نہ رک سکی۔ ہم سب نے مغرب اور عشا کی نماز
اسی جگہ تیمم کر کیا اشاروں سے پڑھی۔ ننگے پیر ہونے کے سبب میرے دوست آصف نے اپنی
جرابیں اتار کر دیں جو پہن کر گزارہ کیا۔ اس مقام پر ہزاروں کی تعداد میں مختلف کھائیوں میں بیٹھ
کر رات گزاری اور مسلح افراد ہماری ذرا سی حرکت پر سیدھے ہو جاتے۔

طالبان کے ایک کمانڈر کی زبانی لکھتے ہیں کہ ”ملا فضل نے چار افغان طالبان کو اپنے
پاس بلایا اور انہیں تسلی دی کہ پریشان نہ ہوں سب کچھ واپس مل جائے گا۔ ملا فضل کے آنے سے
کچھ دیر پہلے دوستم کی فوج نے ہم لوگوں کے ہاتھ کھول دیئے۔ ملا فضل اخند قریب تشریف لائے
اور ایک کھائی میں بیٹھے طالبان سے رقت آمیز تقریر کی کہ سب طالبان رونے لگے۔ ملا فضل اخند
نے کہا کہ ”ہم سب پر اللہ کا امتحان ہے اور انبیاء علیہم السلام کا بھی امتحان ہوا تھا۔ تم اطاعت کرو اللہ
اسی میں خیر کرے گا۔ صبر سے کام لو“۔ دوستم، ملا فضل کو اپنے ساتھ مزار شریف لے گیا اور ہمارے
ہاتھ پھر باندھ دیئے گئے۔ رات اسی وادی میں کھلے آسمان تلے گزری۔ چاروں طرف سے پہرا
تھا، پیشاب کے لیے بھی کسی کو اٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لشکر میں زخمی طالبان بھی تھے جن کے
کراہنے کی آوازیں آتیں جو ناہموار زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ قریب خشک نالے سے رات اس
وقت زوردار چیخیں بلند ہوئیں جب چند زخمی پاکستانی مجاہدوں کو ازبک درندے گھسیٹ کر لے گئے
اور انہیں نالے میں گرا کر اوپر مٹی اور پتھر ڈالتے رہے۔ جو اٹھنے کی کوشش کرتا، اُس کے سر پر بڑے
بڑے پتھر مارے جاتے اور ساتھ ساتھ گالیاں دیتے ہوئے کہتے، بدمعاشو! امریکہ سے جہاد
کرنے آئے ہو۔ اب تمہیں مزا چکھاتے ہیں۔ کچھ دیر بعد اُن زخمی مجاہدین کی آوازیں دب
گئیں۔ صبح تیمم سے نمازِ فجر پڑھی۔ 12 ٹرک آئے ان میں طالبان کو ٹھونس کر بھرا گیا۔ جو رہ گئے

پیدل چلنے کے لیے کہا گیا۔ ہم بھوکے اور تھکے ہوئے تھے، ہمیں تیز تیز چلنے کا کہا گیا۔ جو
تے انہیں پتھر مارتے اور گالیاں دے کر ہانکا جاتا۔ ہمارے ساتھ زخمی بھی تھے۔ ہم انہیں
ں پر باری باری اٹھاتے۔ ان میں ملا عبدالرؤف ایک ٹانگ سے معذور بھی شامل تھے۔ اُن
ہت ساتھی اُنہیں اٹھا کر صبر کے ساتھ صحرا میں چلتے رہے۔ کاروان اسیران کا رخ مزار کی
تھا۔ بھوک اور پیاس زور پکڑتی گئی۔ چلتے ہوئے راستے میں جہاں کہیں گھاس نظر آتی انہیں
کھاتے۔ ہم اطاعتِ امیر کی وجہ سے اکٹھے چل رہے تھے ورنہ ہم تسلیم ہوتے وقت منتشر ہو کر
سکتے تھے۔ جب ہم قندوز میں تھے تو دوستم سے معاہدے کی بات سن کر بہت سے طالبان
ن لڑکیوں کی طرح پھوٹ کر رونے لگے کہ ہم کمزور نہیں کہ دوستم سے معاہدہ کر لیں۔ آخر دم
لڑیں گے لیکن اطاعتِ امیر کی وجہ سے انہیں ہتھیار حوالے کرنے پڑے۔ صحرا میں تین گھنٹے
چلنے کے بعد مزار کی جانب سے کچھ ٹرک آئے اور ان میں ہمیں ٹھونس کر سوار کیا۔ یہ ٹرک
شریف کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہاتھ بندھے ہونے کی وجہ سے بیدردی کے ساتھ ہمیں پھینکا
رہا“۔

26 نومبر بروز پیر ہم ساتھیوں کو بھی ٹھونس کر ٹرک میں پھینکا گیا۔ ہاتھ بندھے ہونے کی
ے بڑی بیدردی سے پھینکا جاتا۔ خراب راستوں نے تو آنتیں ہلا کر رکھ دیں۔ ظہر کی نماز ٹرک
اندر بیٹھے اشاروں سے پڑھی۔ تیمم اپنے کپڑوں پر کیا کیونکہ گرد و غبار سے کپڑے اٹے ہوئے
عصر کے وقت تاشقرغان پہنچے۔ وہاں پر سڑک پر صحافی کھڑے تصویریں لے رہے تھے۔
س کی شدت سے اکثر نے روزہ نہ رکھنے کی طاقت نہ پا کر روزے توڑ ڈالے۔ مقامی لوگ پہلے
ہی ٹرکوں پر سوار طالبان کو پانی پلا رہے تھے۔ گاڑیوں کے گرد مسلح پہرے دار چند خدا ترس پانی
نے والوں کو گالیاں نکالتے اور انہیں مار کر خبردار کرتے کہ انہیں پانی مت پلاؤ حتیٰ کہ پانی پیتے
ئے منہ سے لگی کین چھین کر پھینک دیتے۔ مسلسل تیسرا دن تھا کہ سب ساتھی بھوک اور پیاس
اشت کر رہے تھے۔ اب ہماری گاڑیاں پختہ سڑک پر رواں تھیں۔ آگے پیچھے کئی ٹرکوں کی
ریں لگی تھیں۔ مزار شریف شہر میں داخل ہوئے تو لوگ اپنی منڈھی داڑھیوں پر ہاتھ پھیر کر
بان کو چڑا رہے تھے۔ عورتیں سر سے دوپٹے پھینک کر یہ احساس دلا رہی تھیں کہ ہم نے دوپٹے
ا اتار دیئے ہیں۔ مزار شریف جس مزار کی نسبت سے منسوب ہے وہاں ہر طرف چراغاں ہوا

تھا۔ بلخ کے لوگ اس مزار کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن روایات میں اس کا کوئی
ثبوت نہیں ملتا۔ اُن کا مزار عراق کے شہر نجف میں ہے۔ اِس مزار پر خرافات و بدعات جو طالبان
نے ختم کیں، دوبارہ شروع ہوگئی تھیں۔ مزار سے گزرتے ہوئے گاڑیاں مغربی جانب سڑک کے
کنارے واقع قلعہ زینی رکی۔ قلعہ زینی ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی ہے۔ اس میں پانی کے
چھوٹے نالے بھی بہتے ہیں۔ جغرافیائی لحاظ سے یہ قلعہ کچھ اس طرح بنا ہے کہ بڑی سڑک اس کے
اندر سے گزر کر شبرغان جاتی تھی۔ قلعہ زینی کے اندر جا کر جب ٹرک رکے تو سورج غروب ہو چکا
تھا۔ کئی ساتھیوں کا روزہ بغیر افطار گزر گیا۔ ٹرک میں بیٹھے ہی مغرب کی نماز اشاروں سے پڑھی۔
ہمارا ٹرک ایک کنٹینر کے منہ پر رکا اور اتحادی درندوں نے ایک بار پھر درندگی دکھائی۔ لاتوں اور
مکوں سے ٹرک سے نیچے پھینکنے کا عمل ایک بار پھر شروع تھا۔ جس کے ہاتھ کھلے نظر آتے اُس
بیچارے پر تو لاتوں اور مکوں کی قیامت ٹوٹ پڑتی۔ چار فٹ اونچے ٹرک سے دھکے دے کر پھینک
دیا جاتا۔ ہاتھ بندھے ہونے کی وجہ سے کئی ساتھیوں کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اسی تشدد کو
جاری رکھتے ہوئے کنٹینروں میں پھینکا جاتا۔ اندھیرا مکمل طور پر چھا گیا تھا۔ ہم چند ساتھی انہیں
منت کرتے رہے کہ مزید اس کنٹینر میں ساتھی داخل نہ کریں، ہماری تعداد بہت زیادہ ہوگئی ہے
لیکن ایک نہ سنی۔ دروازہ بند ہوتے ہی قبر کی طرح خطرناک اندھیرا چھا گیا۔ ہر ایک کے پاس اپنی
جسامت جتنی جگہ بیٹھنے کو ملی۔



8 فٹ اونچائی اور 8 فٹ چوڑائی اور 40 فٹ لمبائی والے ان کنٹینروں کی باڈی لوہے
کی ہیوی گیج کی چادر سے بنی تھی۔ کنٹینر کا فرش سخت ترین لکڑی سے بنا تھا اور بعض لوہے کے فرش
تھے۔ یہ کنٹینر اس قدر ایئر ٹائٹ (ہوابند) ہوتے ہیں کہ لاک لگنے کے بعد کوئی ذی روح اس میں
نہیں بچ سکتا۔ اِن کنٹینروں کا داخلہ افغانستان میں روس کے قبضے کے دوران ہی شروع ہوا تھا۔ یہ
کنٹینر اب ''گڈز کارگو کنٹینر'' کی بجائے انسان بردار کنٹینر یا چلتی قبروں میں تبدیل ہونے لگے
تھے۔ قبر نما اندھیرے میں دروازے کے قریب دائیں طرف جگہ ملی۔ میرے ساتھ بیٹھے دو طالبان
ساتھیوں نے ٹارچ جلائی اور فرش پر لکڑی میں معمولی سا سوراخ نظر آیا۔ اس سوراخ کو دیکھ کر ان
ساتھیوں نے اس کو بڑا کرنے کے لیے کہا۔ اُن کی بات پر غور کرتے ہوئے ہم نے اعلان کیا کہ کسی

کے پاس پیچ کس یا قینچی وغیرہ ہو تو دے دیں کنٹینر کے فرش میں سوراخ کرنا ہے۔ اسی اثنا میں دو
عدد چھوٹی قینچیاں اور ایک چھوٹا سا پیچ کس ہاتھ لگ گیا۔ ضرب لگانے کو کوئی چیز نہ تھی اس لیے اپنی
ہتھیلی پر کپڑا لپیٹ کر استعمال کیا۔ اب یہ سوراخ بڑا ہوتا گیا اور امید کے آثار پیدا ہوگئے کہ ہوا کی
آمد شروع ہو جائے گی۔ آدھے گھنٹے بعد کنٹینر میں حبس ہوگیا۔ اُسی کنٹینر پر تیمم کر کے عشاء کی نماز
اشاروں سے پڑھی اور یہی سمجھا کہ یہ زندگی کی آخری نماز ہے اسے جلدی سے ادا کرلیں۔ تقریباً دو
گھنٹے بعد انتہائی بری حالت ہوگئی۔ سب ساتھیوں نے بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کردیا۔ کئی
ساتھی سورۃ یٰسین پڑھنے لگے اور کنٹینر کی دیوار کے پاس بیٹھنے والوں نے کنٹینر کو پیٹنا شروع کردیا،
یوں ایک شور سا بپا ہوگیا کہ کہیں ہمارے احتجاج پر ان درندوں کو رحم آجائے اور وہ دروازہ کھول
دیں۔ ہم دو تین ساتھی جن میں بھائی بشیر بھی تھے، سوراخ بڑا کرتے رہے۔ ایک لوٹے کے بقدر
سوراخ ہوگیا، لکڑی انتہائی سخت تھی اور اس کا بورا بھی ہم نیچے نہ گرنے دیتے کہ کہیں باہر پہرے
داروں کو معلوم نہ پڑ جائے۔ جب ٹارچ جلائی تو آخری دو پہیے نظر آنے لگے۔ وقت گزرنے کے
ساتھ کئی ساتھی کنٹینر پیٹتے ہوئے بے ہوش ہوگئے۔ اس صورت حال میں سانس کی بندش کے وقت
نکلتی چیخیں اگر یاد کریں تو اب بھی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ بچے کچھے ساتھیوں نے مزید
شور بڑھا دیا تو باہر سے ظالم درندوں نے کنٹینر پر فائر شروع کردیے۔ کئی گولیوں کا نشانہ بن کر زخمی
ہوگئے۔ میری پشت کے پیچھے لوہے کی چادر سے سوراخ کرتی ہوئی گولی نکلی لیکن فائرنگ کی آواز
سنتے ہی سب لیٹ گئے تھے۔ کئی ساتھیوں کو اللہ نے بچا لیا۔ کنٹینر کے دونوں اطراف پر آنکھوں
کے بقدر سوراخ ہوگئے۔ جس کے قریب یہ سوراخ تھے وہ ساتھی منہ کو اس سوراخ پر لگا کر ہلکی سی
سانس کو جسم میں داخل کرتے رہے۔ کوئی ساتھی وقفے وقفے سے باری بدل کر ان سوراخوں سے
منہ لگا کر اپنی زندگی کی آخری رمق کو باقی رکھنے کی کوشش کر رہے تھے جو کہ خالص اللہ کی مدد کے سوا
کچھ نہ تھا۔ تمام آوازیں آہستہ آہستہ خاموش ہوگئیں اور تقریباً آخری دروازے والے حصے کے
علاوہ پچھلا سارا حصہ بے ہوش ہوگیا۔ کنٹینر کے اندر نمی پیدا ہونے سے چاروں طرف لوہے سے
پسینہ ٹپکنے لگا۔ چھت سے ایسے پانی ٹپکتا جیسے بارش کے قطرے گرتے ہیں۔ پیاسے مجاہدین کنٹینر
کی چھت سے پگڑی اور رومال کو مار کر گیلا کر کے اپنے اور دوسرے مجاہدین کے منہ میں قطرے ٹپکا
کر پیاس بجھانے لگے۔ کئی سخت تشنگی برداشت نہ کرتے ہوئے دیواروں سے لگے قطرے چاٹتے

رہے جو کہ بالکل آخری سٹیج والی حالت تھی۔ بے بسی کی آخری حدود بھی ختم ہونے کو تھیں۔ بالآخر نصف شب کے بعد سوراخ کرتے ہوئے ہماری ٹارچ کی روشنی باہر پڑی۔ ایک پہرے دار آیا اس کے ساتھ ایک ساتھی نے فارسی میں بات چیت شروع کی۔ تین دن کے بھوکے پیاسے اب تازہ ہوا کی بندش سے مزید پیاس محسوس کر رہے تھے۔ اس کنٹینر کا دروازہ کھولنے اور روٹی و پانی کا مطالبہ کیا۔ اس سوراخ کے قریب ہاتھ بڑھا کر فارسی میں بولا: ''پل بتی...... ڈالر ڈالر بتی'' روپے دو، ڈالر ڈالر دو۔ طالبان بھی ان کی منت کرتے رہے۔ برادر جان، وطن دار، لیکن وہ ڈالر کے بغیر اور کوئی بات کرنا ہی گوارہ نہ سمجھتے۔ ایک طالب نے علان کیا کہ سب باقی ماندہ رقم جمع کر کے ان کو دیتے ہیں۔ اگر ہم شہید ہو گئے تو روپوں کا کیا کریں گے۔ ہزاروں پاکستانی اور لاکھوں افغانی روپے اکٹھے کر کے اُن کو سوراخ سے دیئے۔ اس کے بعد پانی کے لوٹے بھر کر دیئے اور ڈرائیور سے کہہ کر انہوں نے آکسیجن چلا دی۔ ہم سب آکسیجن چلنے کے بعد گھبرا گئے۔ گیس کے دباؤ سے تیز آواز نکل رہی تھی جسے سن کر ہم سمجھے کہ ہمیں شہید کرنے کا تو پروگرام پہلے سے طے تھا، اب انہوں نے زہریلی گیس چھوڑ دی ہے۔ دوبارہ کلمہ طیبہ کا ورد ہونے لگا لیکن یہ قیاس آرائی پانچ منٹ بعد اُس وقت ختم ہوئی جب کنٹینر میں موجود حبس آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ ہماری سانسیں جو آخری دموں کو چھو رہی تھیں، دوبارہ بحال ہو گئیں۔ پورے کنٹینر کے بے ہوش ساتھی دوبارہ ہوش میں آ کر کھڑے ہوتے گئے اور حیرت سے سوال کرتے کہ اب کیا ہو رہا ہے۔ کچھ ساتھی دبنے کے بعد ہمیشہ کی سرفرازی حاصل کر چکے تھے۔ جن ساتھیوں کے پاس پاکٹ ٹارچ تھی اُن کو جلا کر حالات دیکھتے رہے۔ ایک ساتھی لوٹا لے کر ایک سرے سے سب کو پانی پلانے لگا۔ انتہائی پیاس والے بے قابو ہو کر لوٹے پر جھپٹ پڑتے تو اُن کو پہلے پانی دے دیتے۔ ہمیں اتنا پانی مل گیا کہ سب ساتھیوں کی پیاس بجھ گئی۔ بے ہوش ساتھی پانی کے چھینٹوں کے بعد ہوش میں آ گئے۔ اسی اثنا میں اس سوراخ سے ایک ہاتھ بڑھا تو معلوم ہوا کہ دو تین روٹیوں کے ٹکڑے مل گئے جن کو سب ساتھیوں پر تقسیم کر دیا۔ اکثر نے ایثار کا جذبہ دکھایا اور روٹی کا ایک ٹکڑا اپنے دوسرے ساتھی کو دینے کا اظہار کیا۔ زخمی ساتھی مسلسل خاموش نظر آنے پر کامیابی سے دوچار ہو گئے۔ آدھ گھنٹے بعد آکسیجن بند ہو گئی۔ سوراخ کو بڑا کرنے کا کام مزید جاری رہا۔ اس کے بعد رات کے وقت ہی کنٹینر میں ہتھوڑے کی ضرب لگنے کی آواز شروع ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھ کے قریب آنکھ کے

ندر سوراخ ہو گئے۔ ان سوراخوں پر بھی ساتھی منہ لگا کر بیٹھ گئے۔ یہ سوراخ ناکافی تھے۔ ایک بار ہر حبس بڑھا تو شور پھر بڑھا۔ دوبارہ تھوڑی سی رقم دے کر صبح صادق کے قریب آکسیجن چلوائی جو ند منٹ بعد بند ہو گئی۔ گھڑی کے مطابق اشاروں سے نمازِ فجر پڑھی۔ تیرھواں روزہ بھی بغیر سحری ے گزر گیا۔ انتہائی کسمپرسی نے رمضان المبارک کا مہینہ ہی بھلا دیا۔ ساری رات سوراخ کرتے ہے اور دن کی روشنی میں سوراخ اتنا بڑا ہو گیا کہ انسان اپنا سر اس میں داخل کر سکے۔ اسی سوراخ ے ساتھیوں نے بے بسی کی وجہ سے اپنے پاؤں داخل کر کے باہر نکلنے کی کوشش کی جس پر ہم نے اتھیوں کو سمجھایا۔ کئی اپنا سر اس میں دے کر باہر نہ نکالتے جس پر ہم نے دیکھا کہ ہوا کے داخل ونے کا راستہ بند رہا تو ہم کچھ زندہ رہ جانے والے بھی نہ رہیں گے اس لیے میں نے اپنا رومال ں کنٹینر کے سوراخ میں لٹکا دیا۔ پہلے ہوا نیچے سے گزر جاتی، اب رومال سے ٹکرا کر ہوا کنٹینر میں اخل ہوتی جس سے حبس قدرے کم ہو گیا۔

27 نومبر بروز منگل جب روشنی اچھی طرح پھیل گئی تو سوراخ کے قریب مسلح پہرے ار اکٹھے ہو کر دیکھ رہے تھے۔ ایک پہرے دار نے لٹکا ہوا رومال کھینچا اور فارسی میں غلیظ گالیاں بکنے لگا۔ اِن چھوٹے سوراخوں سے باہر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ تقریباً دن کے دس بجے کے ریب رات سے بھی بڑھ کر حبس پیدا ہو گیا۔ رومال چلے جانے کے بعد اپنا سویٹر نیچے لٹکایا اور اس کے بازوؤں کو اندر رکھ کر اس پر بیٹھ گیا۔ پہرے دار دو تین بار سویٹر کھینچتے رہے لیکن ہم دو ساتھیوں نے مضبوطی سے پکڑ لیا جس کے بعد پہرے دار نے تنگ نہ کیا۔ ان حالات کے ساتھ ساتھ ہمارا وراخ کرنے کا کام جاری تھا۔ ہم باری باری سوراخ کرتے رہے، پیچ کس بھی ٹیڑھا اور قینچی بھی راب ہو گئی۔ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سوجھ کر ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ ایک بار پھر حبس کے شکار باقی ماندہ البان چیختے چلاتے بے ہوش ہو گئے۔ دن بارہ بجے کنٹینر ہلا جس کے ساتھ ہی ہمارا سفر شروع ہو گیا۔ کسی کو معلوم نہ تھا ہمارا پڑاؤ کہاں ہوگا۔ کنٹینر کچے پکے راستوں پر چلتا رہا، دونوں طرف صحرا ظر آتے۔ کئی تو کہہ رہے تھے کہ یہ شبرغان کے دشتِ لیلیٰ کی طرف لے جا رہے ہیں جس کی زمین البان علماء کے لہو سے پہلے بھی سیراب ہوئی تھی۔ کنٹینر چلنے کے بعد سوراخوں سے اندر ہوا داخل وتی رہی اور ساتھی ہوش میں آنے لگے۔ خم کھاتے راستوں پر آگے پیچھے لمبی کنٹینروں کی قطاریں ظر آ رہی تھیں۔ تقریباً 13 کے قریب چلتی قبریں اپنی منزل کی طرف رواں تھیں۔ ظہر کی نماز بھی

اشاروں سے پڑھی اور کنٹینر تقریباً عصر کے وقت سے ایک آدھ گھنٹہ قبل قبرغان جیل کے باہر بڑی سڑک پر کھڑے ہو گئے۔ ہر طرف مسلح ازبک درندے کھڑے سوراخوں سے نظر آتے۔ طالبان ساتھیوں نے جیل کو پہچان لیا کہ یہ شبرغان جیل ہے۔ پھر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کنٹینر اسی جگہ کھڑا رہا۔ ایک ایک کر کے کنٹینر جیل میں داخل ہوتے اور خالی ہونے کے بعد باہر نکل آتے۔ تقریباً چوبیس گھنٹے تک اس قبر میں بند رہنے کے بعد بالآخر غروب آفتاب سے آدھ گھنٹہ قبل ہم شبرغان جیل کے اندر داخل ہوئے تو ہتھوڑے کی ضرب لگی۔ اچانک دروازہ کھلا تو نیم بے ہوش ساتھی روشنی دیکھ کر آہستہ آہستہ ہوش میں آتے گئے اور دروازے کی طرف لپکے۔ سب ساتھی اپنی جیکٹ، سویٹر اور قمیض وغیرہ اتار چکے تھے کیونکہ دھوپ کی تپش نے جسم کو گویا گرم بھٹی بنا دیا تھا اور ہوش ٹھکانے نہ ہونے کی وجہ سے کئی بغیر قمیض پہنے ننگے بدن اور ننگے پاؤں ہی کنٹینر سے اتر گئے۔ ایک نظر پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا تو تقریباً دوسو کے قریب افراد میں ہم پچاس کے قریب ساتھی کنٹینر سے اترے اور کئی بے ہوش پڑے رہنے کی وجہ سے حرکت نہ کر سکے اور دروازہ ان پر پھر بند ہو گیا اور کنٹینر جیل سے باہر چلا گیا۔ کنٹینر سے اترنے کے بعد ہماری رُکی سانسوں کو آزادی کی ہوا نے فرحت بخشی۔ یوں محسوس ہوتا کہ ساری دنیا کی دولت صرف یہ تازہ ہوا کی سانسیں ہیں جس کو اللہ نے زندہ رہنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ جیل کے اندر موجود ڈنڈا اور کیبل بردار دوستم کے فوجی درندے ہم پر پل پڑے۔ اسی طرح ہانکتے ہوئے جیل کے مرکزی دروازے سے دور ایک ہال میں لے گئے جو انتہائی بدبودار اور بھیڑ بکریوں کی مینگنیوں سے بھرا پڑا تھا (یہ ہال بعد میں جیل کا مطبخ بن گیا تھا)۔ عصر کی نماز آخری وقت میں داخل ہونے سے پہلے ہی پڑھ لی۔ ابھی دو کنٹینر باقی تھے وہ بھی ہماری آنکھوں کے سامنے خالی ہوئے اور ہر کوئی اپنے دوستوں کو ڈھونڈ کر حال احوال پوچھنے لگا۔

امارتِ اسلامیہ کے سقوط پر جہاں سب نوحہ کناں تھے ساتھ ہی قرآن مجید کی بے حرمتی کے متعدد واقعات نے بھی دل کو ٹھیس پہنچائی۔ قرآن کی بے حرمتی مزار شریف کے رضیہ سلطانہ گرلز سکول سے شروع ہوئی جب کئی شہید سینوں سے قرآن پاک کو لگائے جامِ شہادت نوش کرتے رہے اور شمالی درندے ان لاشوں اور بمباری زدہ عمارت کے ڈھیر تلے ان شہیدوں کو روندتے رہے حتیٰ کہ قلعہ جنگی میں لڑائی کی اصل وجہ ہی قرآن کی بے حرمتی بنا اور اس پر بھی بس نہ تھی کہ جب قندوز سے اہل حق کا آخری قافلہ انخلا کرتے وقت یرگنک کے دشت میں تسلیم ہوا تو ہزاروں کے

لشکر میں سینکڑوں علما اور حفاظ کے پاس قرآن موجود تھے لیکن دورانِ تلاشی درندے قرآن پاک کو بھی جیبوں سے نکال کر پھینکتے رہے اور جب شبرغان جیل میں پہنچے تو قرآن کی بے حرمتی کے کئی واقعات بھی ساتھیوں نے بتائے جو کہ ہر ایک کی زبان پر تھے۔ یوں تاریخ میں چنگیز خان کی اولاد نے اپنے جد امجد کے کردار کو دوبارہ دہرایا جو بغداد پر قبضے کے بعد ادا کیا تھا۔ بے ہوش زندہ اور شہیدوں سے بھرے کنٹینر دوستم کے درندے جیل سے باہر نکال کر دشتِ لیلیٰ لے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان سب کو بڑے بڑے گڑھے کھود کر دفنا دیا گیا اور کئی ہزاروں کی تعداد میں شہادتیں ہوئیں۔ حتیٰ کہ ساتھیوں نے بتایا کہ دوسو سے زیادہ افراد بھی کئی کنٹینروں میں شہید ہوئے اس لیے کچھ حالات کنٹینروں کے بارے میں مغربی میڈیا کی زبانی لکھتے ہیں کیونکہ اصل حقائق کو تو امریکی اور شمالی اتحاد والے چھپاتے رہے لیکن پھر بھی کئی انکشافات کھل کر بعد میں سامنے آئے۔

(قندوز کے واقعات میں نے محمد ناصر خان کی آپ بیتی ''طالبان قیدیوں پر کیا بیتی'' سے لیے ہیں)

دہشت گردی کے خلاف جنگ کرنے والی ''کروسیڈی دہشت گردوں'' کی اصلیت آپ نے جان لی ہو گی اس سے زیادہ کچھ بیان کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔



یکم نومبر 2006ء کو میں نے اس حوالے سے ایک مضمون نوائے وقت لاہور میں لکھا: ملاحظہ فرمائیں۔

7 اکتوبر 2001ء کو امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر دیا، اس حملے کو اس نے Operation Enduring Freedom کا نام دیا۔ اس حملے میں امریکہ کے ساتھ ایتی پٹھو برطانیہ اور NATO کے ممبران سمیت اتحادی ممالک کا گروپ بھی شامل تھا۔ اس حملے میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے طالبان کے ٹھکانوں، مورچوں اور شہریوں پر اندھا دھند بمباری کی۔ افغانستان میں صرف دسمبر 2001ء تک پانچ ہزار سے زیادہ ہوائی حملے ہوئے، جن میں پانچ لاکھ سے زیادہ بم گرائے گئے اس میں چپے چپے پر بمباری Carpet Bombing کے علاوہ امریکی اسلحہ خانے کا خطرناک ترین بم (Daisy Cutter) بے دردی سے استعمال کیا گیا، جو 16 ہزار پونڈ الومینیم اور دوسرے کیمیائی مواد کو زمین سے تین فٹ کی بلندی پر دس ہزار درجہ

فارن ہائٹ گرمی پر ایک آتشیں ہیولے کی شکل میں جنم دیتا ہے اور یہ آگ کا بادل ایک میل تک اس کی زد میں آنے والی ہر شے کو بھسم کر دیتا ہے۔ دور کے لوگ جگر کے سرطان یا سماعت سے محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس بمباری میں لاتعداد شہریوں کے علاوہ 5 سے 10 ہزار طالبان شہید کیے گئے، جن میں ایک ہزار کے قریب پاکستانی، عرب اور دوسرے رضا کار بھی شامل ہیں۔ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ نہیں تھا کہ جب امریکہ نے اپنے مفاد کے خلاف کام کرنے والی حکومت کو بروز بتانے اور اس کو سزا دینے کا فیصلہ کیا ہو

Super power a guide to the worlds only Rague State.

کے مصنف William Blum نے اپنی کتاب میں ان واقعات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے جس میں امریکہ نے جنگ عظیم دوم کے بعد دوسرے ملکوں کے خلاف سازشیں کی ہیں۔ اس کے مطابق دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ نے تقریباً 40 حکومتوں کو ختم کرنے کی کوششیں کی ہیں، تقریباً 20 مختار ریاستوں پر حملے کیے ہیں۔ تقریباً 30 عوامی حکومتوں کو ختم کیا ہے اور تقریباً ہر ملک میں فوجی آمریت کی حمایت کی ہے۔

طالبان کے خلاف اتحادی فوجیں صرف بمباری کر رہی تھیں اور زمینی جنگ شمالی اتحاد کے فوجی کر رہے تھے وہ تمام قوتیں اور لسانی گروہ جن کو طالبان نے اقتدار سے الگ کیا تھا اتحادی افواج کے ساتھ مل کر لڑ رہے تھے۔ امریکی بمباری سے ہرات، قندھار، کابل، جلال آباد، غزنی اور دیگر شہر بری طرح تباہ ہو گئیں، 13 نومبر تک طالبان جلال آباد اور کابل سے چلے گئے تھے۔ دسمبر کے پہلے ہفتے میں انہوں نے قندھار بھی چھوڑ دیا۔ یہ عجیب بات تھی کہ طالبان نے کسی جگہ بھی زمینی جنگ میں مقابلہ نہیں کیا بلکہ ایسا لگتا تھا کہ یہ لوگ ہوا میں تحلیل ہو گئے ہوں دو مہینے کی شدید بمباری نے جس پر Stealt F-16-B-52 بمبار طیارے، چینوک اور دوسرے ہیلی کاپٹر استعمال کیے گئے افغانستان کو تباہ کر دیا، اسامہ اور اس کے ساتھیوں نے جلال آباد کے نزدیک تورا بورا کی پہاڑیوں میں پناہ لی لیکن اس پہاڑی سلسلے پر مسلسل پندرہ دن بمباری کر کے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔ اس طرح افغانستان میں امریکہ نے طالبان کو شکست دے کر حامد کرزئی کی حکومت قائم کی۔

افغانستان پر امریکی قبضے کو پانچ سال مکمل ہو چکے ہیں۔ ان پانچ برسوں میں امریکہ اور

افغان مزاحمتی قوتوں میں سے کس نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے مختلف مغربی ماہرین سر جوڑے بیٹھے ہیں۔ پانچ برس سے القاعدہ اور طالبان کی کمر توڑنے کی خوشخبریاں سنانے والے اب حیران و پریشان ہیں۔

پانچ برس گزرنے کے بعد افغانستان سے آنے والی اس خبر سے صورت حال بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نیٹو کی افواج نے طالبان کے ساتھ پہلا امن معاہدہ کر لیا ہے۔ اگرچہ قابض فوج کے ترجمان نے کہا کہ یہ معاہدہ پاکستان کی طرح طالبان کے ساتھ نہیں کیا گیا بلکہ قبائلی عمائدین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ترجمان نے محض لیپا پوتی کی ہے۔ کیونکہ اس معاہدے کے مطابق ضلع موسیٰ قلعہ کے جس علاقے سے غیر ملکی فوج کا انخلا ہوا ہے، وہاں ایک عرصے سے طالبان کی عمل داری قائم ہے۔ ذرائع کے مطابق نیٹو کمانڈروں کے ساتھ مذاکرات قبائلی عمائدین ہی نے کئے تھے، لیکن وہ طالبان کی نمائندگی کر رہے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس معاہدے کی شرائط از خود بتا رہی ہیں کہ یہ معاہدہ طالبان ہی کے ساتھ ہوا ہے۔ معاہدے کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ طالبان غیر ملکی افواج کے خلاف حملے بند کر دیں گے تاکہ وہ انخلا کر سکیں۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ علاقے میں امن و سلامتی کی صورت حال کنٹرول کرنے کی ذمہ داری مقامی ملیشیا کی ہوگی۔ یہ بات اب کسی سے مخفی نہیں رہی ہے کہ مقامی ملیشیا مکمل طور پر طالبان پر مشتمل ہے۔ یوں پاکستان پر طالبان کے ساتھ معاہدہ کرنے کا الزام لگانے والوں نے بذات خود طالبان ہی کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدے کے بعد یہ جاننا کچھ مشکل نہیں رہا کہ امریکہ اور افغانستان کی مزاحمتی قوتیں کس حال میں ہیں؟

ایک برطانوی ادارے نے بھی حال ہی میں امریکہ کی پانچ سالہ مہم کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ اس کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق امریکہ کی جانب سے گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد پانچ سال قبل افغانستان پر حملے کے نتیجے میں طالبان کی حکومت بظاہر تو ختم کر دی گئی تھی لیکن غیر ملکی افواج کے خلاف ان کی مسلح مزاحمت مسلسل جاری ہے، جواب بقول مبصرین کے تحریک کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ ''دہشت گردی'' کے نام پر شروع کی گئی اس جنگ میں کون ہارا، کون جیتا؟ اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا تاہم افغانستان کی حد تک امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو ایک ایسی گوریلا جنگ کا سامنا ہے جو ان کے لئے یقینی طور پر ایک بڑا درد سر بنتی جا رہی ہے۔

7 اکتوبر 2001ء کو امریکی طیاروں نے پہلا فضائی حملہ افغانستان کے دارالحکومت کابل پر کیا اور اس کے بعد فضائی اور زمینی حملوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا۔ ان حملوں میں غیر ملکی افواج نے طرح طرح کے جدید ہتھیاروں کو استعمال کیا جس سے بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصان ہوا۔ طالبان کے خاتمے اور بون کانفرنس کے نتیجے میں حامد کرزئی کی حکومت قائم ہونے کے بعد مغرب نے سمجھ لیا کہ افغانستان کو آخر کار طویل لڑائیوں اور خانہ جنگیوں سے نجات مل گئی ہے ایک طرف جنگ سے تباہ حال ملک میں تعمیر نو اور بحالی کا عمل شروع ہوا تو دوسری طرف ملک کے جنوب اور مشرقی صوبوں میں اقتدار سے الگ کیئے گئے طالبان میں مزاحمت کی تحریک پروان چڑھی۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ پاکستانی سرحد کے ساتھ واقع افغان صوبوں قندھار، زابل اور ارزگان، پکتیا، پکیتکا، خوست، گردیز، ننگر ہار کنٹر اور نورستان کے علاقوں میں طالبان کی امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے خلاف جاری مزاحمت میں تیزی آتی چلی گئی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اب یہ مزاحمت عروج پر پہنچ گئی ہے۔ پاکستان اور افغانستان میں رہنے والے اکثر افغانیوں کا خیال ہے کہ امریکہ نے افغانستان کی روایات کے بالکل منافی اقدامات کیے۔ دوسری طرف طالبان نے ان امریکی غلطیوں کا فائدہ اٹھایا اور عام افغانیوں میں ان کی حمایت میں اضافہ ہوتا رہا۔ گھروں کے اندر بغیر اجازت داخل ہونا، چھاپے مارنا، خواتین کو گرفتار کرنا اور ان کی تلاشی لینا وغیرہ، ایسی غلطیاں ہیں جنہیں افغان قوم کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کر سکتی۔ طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد افغان حکومت، نیٹو فوج اور مغربی میڈیا پاکستان پر طالبان کی در پردہ امداد حمایت کرنے کے مسلسل الزامات عائد کرتے رہے۔ ان الزامات کو مزید دوام صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے حال ہی میں ایک امریکی ٹی وی کو دیئے گئے انٹرویو میں بخشا، جب انہوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے خفیہ ادارے آئی ایس آئی کے بعض ریٹائرڈ افسران، طالبان کی در پردہ مدد کرنے میں ملوث رہے ہوں۔ اب مبصرین کہہ رہے ہیں کہ وہاں پر طاقت کے استعمال نے ہمیشہ سے مسائل کو جنم دیا ہے لہٰذا انہیں طالبان کے خلاف فوجی کارروائیوں کی بجائے ان کو سیاسی عمل میں شامل کرنا چاہیے تا کہ افغانستان میں جاری لڑائی کا مستقل اور پائیدار بنیادوں پر حل تلاش کیا جا سکے۔

سیاسی عمل میں طالبان کی شرکت کا معاملہ خاصا ٹیڑھا ہے۔ ایک طرف بش انتظامیہ

ی سر پر اب بھی لڑائی کی دھن سوا ہے دوسری طرف طالبان سمیت افغانستان کی ساری مزاحمتی
ں اس وقت تک سیاسی عمل میں شریک نہیں ہوں گی۔ جب تک امریکی اور دوسرے غیر ملکی فوجی
انستان میں رہیں گے اور ان کا ذرہ برابر بھی اثر و رسوخ برقرار رہے گا۔ طالبان اور دیگر مزاحمتی
توں کو اپنی کامیابی بالکل سامنے نظر آ رہی ہے اس لئے وہ ہر ایسی پیشکش کو پائے حقارت پر رکھتی
، جس میں ان کو امریکی اثر و رسوخ کے تحت سیاسی عمل میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ ایسی
یشکشیں بار بار ہو رہی ہیں کیونکہ قابض فوج شدید مزاحمت کی وجہ سے اب شدید اضطراب کی شکار
ہے حتیٰ کہ امریکہ کے دوسرے بڑے اتحادی برطانیہ کی فوج میں اس وجہ سے پھوٹ پڑ چکی ہے۔
طانوی فوج میں پھوٹ پڑنے کا انکشاف فوجیوں کی بعض ای میلز سے ہوا جو برطانوی اخبارات
ٹائمز" اور "آبزرور" نے شائع کی ہیں۔ برطانوی فوجی افغان صوبہ ہلمند میں تعینات کئے گئے
ں۔ دونوں اخبارات کے مطابق انفنٹری کے کمانڈر میجر جیمی لوڈن نے حکام کو لکھی گئی اپنی ای
یل میں کہا ہے کہ برطانوی فضائیہ (رائل ایئر فورس) ہلمند میں جنگ کی دوران "بالکل بیکار" ثابت
رہی ہے۔ میجر لوڈن نے کہا کہ ہلمند کے ضلع سنگین مین ان کے اہلکاروں کو شدید مزاحمت کا
امنا کرنا پڑا اور اس دوران ایک برطانوی خاتون پائلٹ درست اہداف کو نشانہ بنانے میں ناکام
ہی۔ اس نے 2 فاسفورس راکٹ داغے جو ہمارے اپنے فوجیوں کے قریب گرے۔ اس کے بعد
ں نے ہمارے قریب فائرنگ کی جبکہ دشمن کو 200 میٹر دور چھوڑ دیا۔ میجر لوڈن نے مزید کہا کہ
اپاچی ہیلی کاپٹروں کے پائلٹ بھی سرکش رویئے کا مظاہرہ کرتے ہیں اور "انا پسند" ہیں۔ دوسری
انب رائل ایئرفورس کے ایک پائلٹ نے میجر لوڈن کے فوجیوں پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا کہ
یک مرتبہ انہوں نے فائرنگ کر کے ایسی جگہ کو آگ لگا دی جہاں اس نے ہیلی کاپٹر اتارنا تھا اور
یادہ فوجیوں کے اقدامات سے برطانوی اہلکاروں کی جانیں خطرے میں پڑ گئیں۔ پائلٹ نے کہا
کہ برطانوی پائلٹوں نے فوجیوں کے لئے لائے گئے راشن کے تھیلے طالبان کی پوزیشنوں کے
ریب گرا دیئے۔ آبزرور نے خدشہ ظاہر کیا کہ برطانوی فوج کا ان اختلافات کے باعث مورال
گر سکتا ہے۔ آبزرور جس خدشے کا اظہار کر رہا ہے وہ اب حقیقت کا روپ دھار چکا ہے کیونکہ
طانوی آرمی چیف اب کہہ رہے ہیں کہ برطانوی فوج کا عراق اور افغانستان میں مزید قیام ممکن
ہے۔ برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے بھی اب کہنا شروع کر دیا ہے کہ افغانستان کا مشن توقعات

سے بڑھ کر مشکل ثابت ہوا ہے۔

امریکہ اور اسکے اتحادی طالبان کی فتوحات کو تسلیم کر رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش موجود نہیں ہے۔ جن علاقوں میں طالبان کو کامیابی حاصل ہو چکی ہے، وہاں سے امریکہ کی کٹھ پتلی حکومت کی عملداری بھی مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے۔ ان علاقوں میں مزاحمت کاروں کے اپنے ہی قوانین لاگو ہوتے ہیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ کہتے ہیں کہ ایسے علاقوں میں طالبان کی تعداد چند سو ہے جبکہ ایک طالبان رہنما کے مطابق ان کی تعداد 12 ہزار ہے۔ طالبان رہنما گل محمد کے مطابق امریکی قبضہ کے پانچ سال بعد بھی طالبان افغانستان سے امریکی اور بیرونی وجود کے صفایا کے لئے بھرپور مزاحمت کر رہے ہیں۔ افغانستان میں طالبان کو امریکی افواج اور خود افغان افواج کا بھی سامنا ہے۔ گزشتہ چند ماہ کے دوران طالبان کی افغانستان اور امریکی افواج کے خلاف اپنی عسکری کارروائیوں میں کافی شدت پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ طالبان نے امریکی افواج کے خلاف کئی تابڑ توڑ حملے کئے جس میں اتحادی افواج کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ حملوں کی شدت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ افغان کٹھ پتلی صدر حامد کرزئی نے طالبان کے قائد ملا محمد عمر سے مصالحت کے لئے آمادگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے ملا عمر کو کابل حکومت کے ساتھ گفت وشنید کی دعوت دی جسے طالبان قیادت نے یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ فدائی حملے آئندہ بھی جاری رہیں گے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ملک سے امریکی افواج کا انخلاء نہیں ہوتا۔

جب کمانڈر گل محمد سے طالبان کے آئندہ کے لائحہ عمل کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ طالبان قابض افواج پر مزید حملوں کی تیاری کر رہے ہیں۔ آنے والے موسم گرما میں ہم اپنے حملوں میں مزید شدت پیدا کریں گے۔ اتحادی افواج چاہے کچھ بھی کریں، وہ افغان مزاحمتی تحریک کا صفایا نہیں کر سکتیں۔ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں امریکی افواج زبردست نقصان سے دوچار ہو رہی ہیں۔ اب ان کے لئے افغانستان چھوڑنے کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچا۔ واشنگٹن اور اس کے حلیفوں نے افغان عوام کی اسلامی عادات واطوار اور طرز بود وباش کو بدلنے اور عورتوں کے لئے حجاب ختم کرنے کی جو کوشش کی ہے، اس سے طالبان ہی کو فائدہ ہوا ہے۔ امریکہ کے اس طرز عمل سے افغان عوام میں قابض افواج سے متعلق نفرت میں اضافہ ہوا ہی حتیٰ کہ بعض

عوامل کے سبب جو لوگ سیاسی سطح پر طالبان کے الف تھے، ان کی جانب سے بھی امریکہ سے ی کا اظہار کیا جا رہا ہے اور وہ سب طالبان کی تائید اور ان کے دستور سے اتفاق کرنے لگے ہیں کہ مزاحمتی کوششوں میں طا' بان سے تعاون بھی کر رہے ہیں۔ طالبان کمانڈر نے تسلیم کیا کہ بلہ کے خلاف جہاد میں صرف طالبان ہی شریک نہیں ہیں بلکہ بڑے پیمانے پر مزاحمتی کوششوں کامیابی کا سہرا قابض افواج کے خلاف عوامی انتفاضہ ہے۔ بیرونی افواج کا انخلاء سارے ئوں کا مشترکہ مقصد ہے۔ تمام افغانی گروہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ افغانستان کو بیرونی ج سے آزادی حاصل ہو جائے۔ طالبان کو اس سے قبل مختلف قبیلوں سے جو سیاسی و مادی ن حاصل ہوتا تھا، طالبان اس میں سے بیشتر تعاون کو بحال کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ کہ بعض خفیہ اور فوجی ادارے جو 90 کی دہائی کے شروع سے 2001ء تک افغانی سطح پر بان سے تعاون کرتے تھے، وہ پھر سے طالبان کی مدد کرنے لگے ہیں۔ کیونکہ بعض ممالک کا ا بھی اس میں ہے کہ امریکہ کی پسپائی ہو چنانچہ ایسے ممالک فوجی سطح پر طالبان کے ساتھ بھرپور ون کر رہے ہیں۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ اتحادی افواج اپنے آپریشنز میں طالبان کی ایک بڑی تعداد صفایا کرنے کے دعوے کر رہی ہیں تو انہوں نے کہا کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔ افغانستان میں لبان کی طاقت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ طالبان نے عزم کیا ہے کہ آنے والے دنوں میں حادی افواج پر طاقتور حملہ کریں گے۔ ہمارے لئے یہ کافی ہے کہ افغان عوام ہمارے مزاحمت اروں کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہے ہیں۔ انہیں چھپنے کے لئے پناہ دی جاتی ہے اور اسلحہ کی کمی کی صورت میں عوام کی جانب سے اسلحہ بھی فراہم کیا جاتا ہے وہ سرزمین افغانستان میں جاری ہاد میں طالبان کے ساتھ مکمل طور پر شریک ہیں حتیٰ کہ حکومتی شعبوں میں کام کرنے والے افغان بھی طالبان کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ امریکیوں کے طرز عمل ے افغانی عوام تنگ آ چکے ہیں۔ امریکی فوج دندناتی ہوئی گھروں میں گھس آتی ہی اور اندھا دھند گرفتاریاں کر کے بے قصوروں کو اذیت دیتی ہے۔

طالبان کی افرادی قوت کی بابت ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ غربی ذرائع ہماری تعداد چند سو بتا رہے ہیں۔ دراصل انہیں طالبان سے متعلق مکمل معلومات ہی

نہیں ہیں۔صرف جنوبی افغانستان میں ہمارے مزاحمت کاروں کی تعداد 12 ہزار ہے جبکہ
افغانستان کے دیگر حصوں میں بھی طالبان کی اچھی بھلی تعداد موجود ہے۔اگر ہمنواؤں اور ہماری
جدوجہد سے متفق لوگوں کی بات کی جائے تو ان کی تعداد ان گنت ہے۔روز بروز ہماری طاقت
میں اضافہ ہو رہا ہے۔افغان حکومت خود اس کا اعتراف کر رہی ہے۔اس سے بہتر بات اور کیا ہو
سکتی ہے کہ افغان وزیر خارجہ خود ہماری بڑھتی ہوئی قوت کا اعتراف کر رہے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ
ہماری قیادت پاکستان میں موجود ہے وہاں سے مزاحمت کاروں کو ہدایات جاری کرتی ہے حالانکہ
یہ بات غلط ہے۔ ہم اپنی عسکری کارروائیوں کا پروگرام خود بناتے ہیں اور یہ سارا پروگرام
افغانستان کے اندر ہی مرتب ہوتا ہے۔ہمیں پاکستان سے کسی قسم کی ہدایت نہیں ملتی۔ہم اپنی
ساری جنگی کارروائیاں اپنے قائد ملا عمر کے پڑوس میں رہ کر انجام دیتے ہیں۔ملا عمر افغانستان میں
ہیں اور وہ ہماری پوری رہنمائی کرتے ہیں۔"

گزشتہ پانچ برسوں سے طالبان نے دوبارہ خود کو منظم کیا اور مسلح ہوئے اور دیگر بہت
سے مزاحمت کاروں کو جنگ کے قابل بنایا۔اس عرصہ میں طالبان نے دشمن کے مقاصد،منصوبوں
اور جنگی طریقہ کار کا بھرپور جائزہ لیا۔اس وقت طالبان ایک طویل مدتی پروگرام پر کاربند ہیں جس
کا مقصد قابض افواج کو کمزور کر کے انہیں افغانستان چھوڑنے پر مجبور کرنا ہے۔قابض افواج کے
انخلاء کے بعد کرزئی حکومت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

طالبان کی عراق میں تربیت کے سوال کے جواب میں طالبان رہنما نے کہا کہ عراق پر
امریکی جارحیت کے آغاز اور سقوط بغداد کے بعد ہمارے بہت سے کارکن عراق منتقل ہو گئے تھے
تا کہ امریکی قبضہ کے خلاف اسلامی مزاحمتی تحریک میں شامل ہو جائیں۔عراق میں ہمارے
کارکنوں نے جنگ کے جدید طریقوں کی ٹریننگ حاصل کی اور گوریلا جنگ کی بھی انہیں تربیت دی
گئی۔نیز کار بم دھماکے اور میزائل داغنے کی بھی انہیں تربیت دی گئی۔چنانچہ جب کارکن افغانستان
واپس آئے تو انہوں نے عراق میں آزمائے ہوئے طریقوں کو افغانستان میں دہرایا جس سے
اتحادی افواج کو کافی الجھن ہوئی۔طالبان سے انہیں توقع نہیں تھی کہ وہ اپنی کارروائیوں میں جدید
تکنیک اختیار کریں گے۔2004ء سے خودکش اور کار بم دھماکوں میں اضافہ ہوا جس کے نتیجہ میں
بہت سے شہروں اور دیہاتوں پر کنٹرول حاصل ہوا جبکہ گوریلا جنگ کا آغاز بھی ہوا۔

افغانستان کے حالات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ طالبان
دکو بہت حد تک ترقی یافتہ بنالیا ہے۔اب گوریلا جنگ کے مرحلہ سے وہ جنگ کے نئے مرحلہ
اخل ہو چکے ہیں جو پہلے سے زیادہ منظم اور مسلح ہے۔اس دوسرے مرحلے میں طالبان
ت کار افغانستان کے مختلف علاقوں میں پھیل چکے ہیں۔اس نئے مرحلہ میں عوامی انتظامیہ کی
یں خاص تبدیلی محسوس کی جا رہی ہے بالخصوص 29 مئی 2006ء سے افغان جنگ میں
ست پیش رفت ہوئی ہے۔

عوامی انتقاضہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغان عوام میں امریکی افواج کے خلاف شدید
پائی جاتی ہے۔افغان عوام اتحادی افواج کو امریکی ایجنٹ سمجھتے ہیں جنہیں امریکی مفادات
لئے افغانستان پر مسلط کیا گیا ہے۔کرزئی حکومت کو بھی افغان عوام امریکہ کی پٹھو خیال کرتے
کابل کے عوامی انتقاضہ سے سارے افغان عوام میں ایک تحریک اور ولولہ پیدا ہو چکا ہے۔یہ
انتقاضہ بہت جلد انقلاب کا روپ دھار سکتی ہے۔اب افغانوں پر ظاہر ہو چکا ہے کہ
ستان پر قبضہ کے بعد اقتصادی اور سلامتی کی صورتحال بہتر بنانے کے جو سبز باغ امریکہ نے
ئے تھے،وہ سب ڈھکوسلے ہیں۔امریکہ کے سارے وعدے جھوٹے نکلے۔اس کے علاوہ
جی مظاہروں میں شریک افغان عوام پر اتحادی افواج نے جس سختی اور تشدد کا مظاہرہ کیا،اس
عوام میں قابض افواج کے خلاف مزید نفرت پیدا ہو گئی ہے۔اتحادی افواج کی پر
کارروائیوں کے نتیجہ میں کابل میں ایسے مزاحمتی گروہ وجود میں آئے جن کا طالبان سے کوئی
نہیں ہے۔تنظیمی اعتبار سے ان کا طالبان سے کوئی رابطہ نہیں،البتہ قبائلی اعتبار سے وہ پشتون
۔وہ افغانستان کی مجموعی آبادی میں 95 فیصد سے زائد ہیں۔

ان گروہوں کے ابھرنے سے امریکی قبضہ کے بعد پہلی مرتبہ کابل میں سلامتی کی
ت حال اس قدر بگڑ گئی کہ اتحادی افواج کو کرفیو نافذ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔امریکی رپورٹوں
مریکی اخبارات میں شائع شدہ تفصیلات میں کابل کے حالات کے حوالے سے تشویش ظاہر کی
ئی ہے اور طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد اب تک کا سب سے خطرناک واقعہ قرار دیا گیا۔
ل کا عوامی انتقاضہ اس بات کا ثبوت ہے کہ افغانستان میں امریکی پالیسی ناکام ہو رہی ہے۔
2006ء کے آغاز سے طالبان افغانستان کے طول و عرض میں آزادی سے اپنا کام کر

رہے ہیں اس لئے کہ عوام کی جانب سے انہیں کھلی چھوٹ دی جا رہی ہے کہ وہ آزادی سے اتحادی افواج کے خلاف کارروائی کرتے ہیں۔ موجودہ طالبانی مزاحمت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ انفرادی مرحلہ سے نکل کر اجتماعی مرحلہ میں داخل ہو چکی ہے۔ طالبان اب ایک بڑی تعداد میں ایک ساتھ دشمن پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ اس طرح کے اجتماعی نوعیت کے حملے اب بکثرت ہو رہے ہیں۔ ان حملوں کے سبب طالبان کو زیادہ سے زیادہ علاقوں پر اپنا کنٹرول قائم کرنا آسان ہو گیا ہے۔ طالبان اتحادی افواج کا دائرہ تنگ کرتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ اتحادی افواج اور حکومت کا اثر مرکزی نوعیت کے چند علاقوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جبکہ ملک کے بقیہ علاقے ان کے کنٹرول سے باہر ہیں حتیٰ کہ جن مرکزی علاقوں میں حکومت اور اتحادی افواج کا کنٹرول ہے۔ ان علاقوں میں بھی حکام اپنے گھروں سے باہر نہیں نکل سکتے۔ امریکی چار یا پانچ مرکزی علاقوں تک محدود ہیں بقیہ سارے علاقے طالبان کے کنٹرول ہیں۔

اس سال گزشتہ سالوں کی نسبت بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ گزشتہ سال طالبان اپنی فوجی کارروائیوں کے بعد پہاڑوں میں پناہ لیا کرتے تھے لیکن اس سال ملک کے بڑے بڑے شہر طالبان کے ہاتھ آ چکے ہیں جہاں کے سارے امور طالبان نمائندے ہی چلاتے ہیں۔ متعدد اضلاع کے ذمہ دار طالبان کارکن ہیں۔ مختلف شہروں میں طالبان کا محکمہ عدالت کام کرتا ہے۔ اس سال افغان عوام کا اعتماد حاصل کرنا طالبان کی سب سے بڑی پیش رفت ہے۔ امریکہ کے فضائی حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے طالبان لائحہ عمل تیار کر رہے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے کمانڈر گل محمد نے بتایا کہ ہم لوگ مختلف افراد کے توسط سے ایسے ترقی یافتہ میزائل حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جن کے ذریعے امریکہ کے فضائی حملوں کو ناکام بنایا جائے۔ اس سلسلے میں ہمیں رقو کی فراہمی میں کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ اس قسم کے میزائل خریدنے سے قبل ہمارے پاس ا متبادل منصوبے ہیں جن کے ذریعے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ان منصوبوں ذریعہ ہم نے دشمن کے بہت سے طیاروں کو مار گرانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن اس باوجود آئندہ ایسی تیاری کے لئے کوشاں ہیں کہ ہمارے لئے دشمن کی فضائی طاقت کو توڑنا مز آسان ہو جائے۔

طالبان کا منصوبہ یہ بھی ہے کہ آنے والا موسم گرما بھی امریکی فوج کے لئے خونریز ثابا

ہو بالخصوص مادی تعاون کے اضافہ کے بعد ہمارے لئے یہ بات آسان ہو گئی ہے۔ ہمارے جنگجو جدید تجربہ حاصل کر چکے ہیں۔ اس سے قبل اتحادی افواج نے ہمارے خلاف اپنے آپریشن کا نام "الجبل" رکھا تھا تو ہم نے اپنے آنے والے گرما کے آپریشن کا نام "الصاعقہ" (بجلی) رکھا ہے۔ اس آپریشن کے نتیجے میں وہ افغانستان چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ طالبان کے ایک دوسرے کمانڈر ملا محمود اللہ حق یار نے بتایا کہ ساری دنیا کے مسلمان اس بات کو شدت سے انتظار کر رہے ہیں کہ افغانستان میں دوبارہ اسلامی حکومت کب قائم ہو گی۔ اس کے لئے کچھ وقت درکار ہے لیکن ایسا ضرور ہو گا کیونکہ طالبان کی ساری جدوجہد اس مقصد کی خاطر ہے۔ ابتدائی مراحل طے ہو چکے ہیں۔ اب ہم حکمت عملی اور فیصلے کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ اس کا اندازہ امریکہ اور اتحادی ممالک کی طالبان کے خلاف چیخ و پکار سے لگایا جا سکتا ہے۔ عسکری مزاحمت کے حوالے سے طالبان اب جنوبی افغانستان سے باہر بھی ایک نیٹ ورک تشکیل دے رہے ہیں جس سے تمام مزاحمتی قوتیں متحد ہو جائیں گی۔ طالبان نے مولانا جلال الدین حقانی، جو طالبان کے ڈپٹی چیف ہیں، کو جلال آباد بھیج دیا ہے وہ وہاں سے مزاحمتی کارروائیوں کی قیادت کریں گے جبکہ مشرقی افغانستان میں بھی طالبان طاقتور ہو رہے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ اسامہ بن لادن اور ڈاکٹر ایمن الظواہری کا افغان مزاحمت میں کتنا کردار ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم سب متحد ہیں اور ہر تدبیر میں ایک ساتھ ہیں جہاں پر بھی مجاہدین لڑ رہے ہیں وہاں اسامہ بن لادن، ڈاکٹر ایمن الظواہری سمیت دیگر القاعدہ کے رہنماؤں اور عرب مجاہدین کا اہم حصہ ہوتا ہے۔ انہوں نے افغانستان میں طالبان کو بہت سہارا دیا۔

طالبان کو دیگر قوتوں کا بھی بھرپور تعاون حاصل ہے۔ گلبدین حکمت یار کی حزب اسلامی اور مولوی یونس خالص کی حزب اسلامی دونوں طالبان کے ساتھ ہیں۔ اس کے علاوہ ڈیڑھ سال قبل شمالی اتحاد کے کئی گروہوں نے ہم سے گفتگو کی۔ ہم نے ملا عمر کی اجازت سے ان سے رابطہ کیا۔ یہ اجلاس شمالی افغانستان میں ہوئے۔ میں نے طالبان کی طرف سے گفتگو کی۔ اس اجلاس میں کئی گروہوں کے لوگ شامل ہوئے انہوں نے اس پر زور دیا کہ امریکہ کے خلاف مزاحمت کی قیادت طالبان ہی کریں۔ ایک اور میٹنگ میں بھی اسی طرح کی باتیں ہوئیں۔ اب ان سے طالبان کا رابطہ قائم ہے۔

اسی طرح قبائلی سردار ہمیشہ سے طالبان کے ساتھ رہے ہیں۔ آخر وہ ایسا کیوں نہ کرتے۔ امریکی بمباری میں سینکڑوں قبائلی شہید ہوئے لیکن کرزئی حکومت خاموش رہی۔ سارے افغانی لوگ امریکی ظلم اور بمباری سے بیزار ہیں۔ چاہے وہ عام لوگ ہوں یا کسی قبیلے کے سردار۔ سب لوگ طالبان کے ساتھ ہیں۔ ملا عمر کی ہدایات پر میں نے تمام قبائلی سرداروں نے ساتھ دینے کا یقین دلایا۔ انہوں نے اس بات کی سختی سے تردید کی کہ طالبان چرس کی تجارت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک شرمناک بات ہے طالبان کے لئے۔ طالبان جنہوں نے افیون کو افغانستان سے ختم کیا ہے وہ چرس اور افیون کی تجارت کیونکر کریں گے۔ یہ غلط ہے جہاں تک پیسے کی بات ہے ہمیں زیادہ پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنی بھی ضرورت ہے، اس کے لئے ہمارے اپنے ذرائع ہیں۔

طالبان پر افیون فروخت کر کے یا پاکستان سے مالی امداد حاصل کر کے جہاد کرنے کا جو الزام ہے، یہ دراصل ایک شکست خوردہ فوج کی باتیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ ''دہشتگردی'' کے خلاف مہم کا سرخیل امریکہ اپنی غلطیاں تسلیم کر کے مزید خسارے میں نہیں جانا چاہتا ورنہ امریکی اور اتحادی افواج کی شکست و ریخت کا سلسلہ مزید تیز ہو جائے گا لیکن اس وقت جو صورتحال ہے وہ بھی کسی طور پر خود امریکہ کے لئے تسلی بخش نہیں ہے۔ حال ہی میں آمدہ ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بگرام ائر بیس کے سامنے امریکی فوجی راز فروخت ہو رہے ہیں۔ یہاں سے ملنے والے ایک حساس ہارڈ ویئر میں امریکی فوجی اڈوں کے متعلق نقشے، جنگی پلان، فوجیوں کے ذاتی اور پیشہ وارانہ معلومات موجود تھیں۔ اس طرح کباڑ بازار میں یو ایس بی ڈرائیوز، سی ڈیز، لیپ ٹاپ اور دیگر حساس ہارڈ ویئر فروخت ہو رہے ہیں۔ جو بگرام ایئر بیس سے منسلک کباڑ بازار تک پہنچ چکے ہیں جن سے استفادہ کرنے والوں میں امریکہ مخالف جنگجو اور طالبان سرفہرست ہیں۔ چند روز پہلے جب نیویارک ٹائمز نے اپنی رپورٹ میں اس امر کا انکشاف کیا تو واشنگٹن سے لے کر پینٹاگون تک کھلبلی مچ گئی تھی۔ اس رپورٹ کی اشاعت کے فوری بعد امریکی حکام کے ایما پر درجنوں تفتیشی اہلکاروں نے اس بازار کا رخ کیا اور وہاں ''اپنے مطلب'' کی نظر آنے والی تقریباً تمام اشیاء کو دگنے داموں پر خرید لیا۔

امریکی فوج سے منسلک ایک تفتیشی اہلکار کا دعویٰ ہے کہ جب اس نے ایک USB کا

مواد چیک کیا تو اس میں امریکی صدر بش کے دورۂ افغانستان کے موقعہ پر ائر بیس میں کھینچی گئی تصویر موجود تھیں جو یقیناً ایک حساس معاملہ ہے، اے پی نے واشنگٹن نے اپنی رپورٹ میں دعویٰ کیا ہے کہ پکڑی گئی (اصل میں خریدی گئی) یو ایس بی ڈرائیوز میں بگرام ائر بیس کے نقشے سے لے کر وہاں موجود بندی خانے تک کی تمام تر تفصیلات موجود تھیں۔ اے پی کے استفسار پر امریکی فوجی ترجمان مائیک کوڈی نے کسی بھی تبصرے سے انکار کر دیا اور کہا کہ معاملے کی جانچ جاری ہے اور وہ اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ اس حساس معاملے پر کوئی رائے زنی کر سکیں۔ اے پی کے رپورٹر نے بتایا کہ اسے مقامی دکانداروں نے نہ صرف یو ایس بی ڈرائیو دکھائیں بلکہ امریکی ساخت لیپ ٹاپ بھی فروخت کرنے کی پیشکش کی۔ دکاندار نے اپنی شناخت ظاہر نہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک دن پہلے بھی سامان آدھی قیمت پر بیچ چکا ہے لیکن آج وہ کم قیمت نہیں لے گا اور 50 ڈالر میں ایک یو ایس بی فروخت کرے گا۔

ایک اور دکاندار نے کہا کہ اس سے امریکی فوجی ساری یو ایس بی ڈرائیوز لے کر ائر بیس گیا اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں واپس کر دے گا۔ فوجی نے زر ضمانت بھی دیا ہے جو اصل قیمت سے کہیں زائد ہے۔ اے پی نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ اس کے پاس USB آئی ہیں ان میں خوفناک حد تک حساس مواد موجود ہے مثلاً ایک USB میں امریکی فوجیوں کی مکمل فہرست پتے اور انکے سوشل سیکورٹی نمبر بھی موجود ہے جبکہ اس میں امریکی فوج کے نیوکلیائی، کیمیائی اور حیاتیاتی جنگی رازوں اور پلان کی مکمل عصری تفصیلات درج تھیں۔

لاس اینجلس ٹائمز نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ ایک یو ایس بی ڈرائیو میں حساس معلومات، اہم نقشے، چارٹس، انٹیلی جنس رپورٹ سمیت وہ معلومات بھی موجود تھی جس میں امریکی حکام کو بریفنگ دی گئی تھی کہ کس طرح طالبان جنگجو پاکستانی علاقے کو استعمال کرتے ہیں۔

لاس اینجلس ٹائمز نے ایک الگ USB ڈرائیو کا تجزیہ کرنے کے بعد بتایا کہ اس میں ان تمام افغان باشندوں کی تفصیلات تک درج تھیں جو امریکی فوج کیلئے مستقل بنیادوں پر جاسوسی کر رہے ہیں۔ مقامی دکانداروں نے صحافیوں کو بتایا کہ جناب! ہمیں نہیں معلوم کہ اس میں کیا ہے، ہم ان پڑھ لوگ ہیں لیکن صرف ہارڈ ویئر کی قیمت وصول کر رہے ہیں، اب کس کیلئے اس میں کیا دلچسپی ہے، اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ادھر امریکی کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل کارل ایکن ہیری

نے اخباری رپورٹوں کے بعد ایک حکم جاری کیا ہے جس کے تحت کمپیوٹر معلومات کو تلف کرنے،
محفوظ رکھنے سمیت نا قابل استعمال ہارڈ ویئر کی فروخت کی تمام سابق پالیسیاں روک دی گئی ہیں۔
اے پی کی بعد ازاں میڈیا میں آنے والی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ان میں پاس
موجود ایک USB ڈرائیو میں چینوک ہیلی کاپٹروں کی اڑان اور آپریشن کی معلومات موجود ہیں۔
جو اسے بگرام ائربیس سے منسلک بازار سے ملی ہیں۔

ان USB ڈرائیوز سمیت دیگر اہم حساس مواد کی کباڑی بازار میں فروخت کے
حوالے سے ایک امریکی فوجی نے بتایا کہ بگرام ائربیس پر سینکڑوں افغان ورکرز کام کرتے ہیں، ان
میں صفائی کرنے والے بھی ہیں، ہو سکتے ہے کہ یہ ان کا کام ہو۔

لاس اینجلس ٹائمز نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ وہاں بازار میں فوجی اشیائے صرف
مثلاً جوتوں، جیکٹوں، چاقوؤں اور دیگر آلات سمیت USB ڈرائیوز، سی ڈیز، ہارڈ ڈسک سمیت
لیپ ٹاپ اور اس کا سامان بھی فروخت کیا جاتا ہے۔

افغانستان میں مقیم ایک امریکی کمانڈر نے بتایا کہ ان حساس معلومات کی اتنی زیادہ
اہمیت ہے کہ اگر یہ طالبان یا القاعدہ کے جنگجوؤں کے ہاتھ لگ گئیں تو اس سے افغانستان میں
امریکی آپریشن کو زک پہنچنے کا خدشہ ہے۔

ایک امریکی اخبار کی نمائندہ خاتون نے بگرام سے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ جب
وہ حساس معلومات کی فروخت کی اطلاع کی تصدیق کرنے بازار پہنچی تو وہاں 6 مسلح محافظوں کے
درمیان ایک امریکی فوجی افسر کو پایا جو وہاں موجود یو ایس بی ڈرائیوز خرید رہا تھا۔
اس کا نام معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے سینے پر کوئی شناختی علامت موجود نہ تھی۔ خاتون
رپورٹر نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ میں نے بازار میں افغان لڑکیوں کو دیکھا جن کے پاس نئی او
پرانی یو ایس بی ڈرائیوز موجود تھیں۔ ایک افغان دکاندار نے صحافیوں سے بات چیت میں کہا ک
ہمارا یہ بازار بگرام ائربیس سے منسلک ہے جس سے ہمیں تحفظ بھی ہے لیکن کچھ عرصے سے امر
فوجی حکام چاہتے ہیں کہ ہم یہ جگہ خالی کر دیں، وہ ہمیں اچھا معاوضہ اور مناسب زمین فراہم کر
کا وعدہ کر چکے ہیں لیکن ہم یہ جگہ خالی نہیں کرنی چاہتے۔ واضح ہو کہ اس بازار میں عام طور پر
سامان ملتا ہے جو ہر جگہ دستیاب نہیں ہوتا۔ یہاں فوجی ساز و سامان مثلاً گھڑیاں، استعمال شد

جیکٹ، جوتے اور دیگر آلات مل جاتے ہیں جو 4 ڈالر سے لے کر 100 ڈالر تک قیمت پاتے ہیں
لیکن کچھ دنوں سے یہاں امریکی فوجیوں کے استعمال شدہ لیپ ٹاپ اور یو ایس بی وغیرہ بھی
فروخت کی جا رہی ہیں۔ ان دکانداروں کا موقف ہے کہ یہ سب سامان ان کو مقامی باشندے
خاموشی سے لا کر فروخت کر دیتے ہیں، ہم ان سے ارزاں قیمت پر خریدا گیا قیمتی سامان
''مناسب'' قیمت پر فروخت کر کے روزی روٹی کماتے ہیں۔

ان حساس USB ڈرائیوز کے ملنے کے بعد کمانڈر آف جوائنٹ ٹاسک فورس 76
آرمی میجر جنرل بنجامن فریکلے نے تحقیقات کا حکم جاری کیا جو کریمنل انوسٹی گیشن کمانڈ کے تحت
جاری کی گئی۔ امریکی ترجمانی لیفٹیننٹ مائیک کوڈی نے کہا کہ اب تک کسی گرفتاری کی اطلاع
نہیں دی گئی ہے لیکن اگر کوئی گرفتاری ہوئی تو اس کے متعلق ضرور بتایا جائے گا تحقیقات مکمل ہونے
کے بعد اے پی کے رپورٹر نے اپنی رپورٹ میں قرار دیا ہے کہ اسے مقامی دکاندار نے اپنے
انٹرویو کے دوران بتایا کہ وہ حساس معلومات کے متعلق کچھ نہیں جانتا، اسے دلچسپی ہے تو اس کی
فروخت سے ہے۔ ادھر اے ایف پی نے اپنی رپورٹ میں واضح کیا ہے کہ ان حساس قسم کی
معلومات میں پاکستان کے حوالے سے بھی کافی معلومات تھیں جو اگر کسی کے ہاتھ لگ جاتیں تو
کافی مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔

فوجی رازوں اور حساس معلومات پر مشتمل ہارڈ ویئر کی بگرام ائربیس کے سائے تلے
فروخت پر امریکی حکام کا موقف ہے کہ یہ سب ان افغان ورکرز کی کارستانی ہے جو بگرام ائربیس پر
صفائی ستھرائی کا کام کرتے ہیں۔ لیکن مقامی افراد کا موقف ہے کہ یہ بات اس حد تک ٹھیک ہے کہ
انہیں بازار تک افغان ورکرز نے پہنچایا جبکہ پوری بات کچھ اور ہے۔ مقامی افراد کا موقف ہے کہ
یہ بات اس حد تک ٹھیک ہے کہ انہیں بازار تک لانے کا کام خود امریکیوں میں سے کسی نے کیا
ہے بگرام ائربیس سے منسلک ایک خطرناک بندی خانہ بھی ہے اور وہاں سے حساس اشیاء کو اٹھانا اور
باہر لانا ان افغان ورکرز کا کام نہیں ہے کیونکہ وہاں قدم قدم پر جدید کیمرے نصب ہیں اور مقامی
ورکرز پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔

ایک مقامی دکاندار نے بڑی دلچسپ بات کی ہے۔ اس نے کہا کہ ہمیں تو USB اور سی
ڈی بیچنے سے مطلب ہے، اب اس کے اندر کیا ہے اور کس کیلئے یہ معلومات کار آمد ہیں۔ اس سے

ہمیں کوئی غرض نہیں۔ شاید اس لئے امریکی حکام نے ان سے حساس معلومات پر مبنی ہارڈ ویئر خریدنے میں ہی عافیت جانی وگرنہ وہ سینکڑوں کی تعداد میں آ کر پورا بازار ہی ختم کر دیتے تو ہم ان کا کیا بگاڑ لیتے۔

اس کہانی کے اختتام پر یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ امریکہ کا اپنی پوری مہم پر ہی سے کنٹرول ختم ہو چکا ہے۔ اب وہ دن دور نہیں کہ امریکہ کو افغانستان میں اپنی مخالف حکومت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ستمبر 2006ء اختتام تک طالبان کے حوالے سے جو صورتحال تھی اس پر میں نے ان دنوں لکھا تھا۔ کیا امریکی صدر بش پاکستان اور افغانستان کے درمیان وہ اختلافات ختم کروانے میں کامیاب ہو سکیں گے جو ایک عرصے سے الزامات اور جوابی الزامات کے مراحل سے گزر کر کشیدگی کی انتہا کو چھو رہے ہیں؟ کیا امریکی صدر مشرف اور حامد کرزئی دونوں کو اقتدار میں دیکھنے کا خواہاں ہے اور کیا دونوں اتحادی آپس میں اتحادی بن سکیں گے؟ یہ اہم ترین حساس سوالات اور پیچیدہ معاملات ہیں۔ ایک طرف افغانستان میں انٹرنیشنل اسسٹنٹ فورسز کے لگ بھگ نو ہزار فوجیوں میں جن میں جرمنی کے تین ہزار، کینیڈا کے 23 سو، برطانیہ، ناروے، ترکی، سپین، امریکہ اور ہالینڈ سمیت کئی ممالک کی نمائندگی ہے اور افغان نیشنل آرمی جس میں اس وقت 33 ہزار فوجی بیان کئے جاتے ہیں۔ دونوں کی جانب سے اس ماہ ہونے والے آپریشن "میڈیوسا" میں سینکڑوں افراد کے مارے جانے کے باوجود افغانستان کے حالات کسی طور پر بہتری کی جانب جاتے نظر نہیں آ رہے۔ دو ہفتے سے زائد جاری گھمسان کی لڑائی کے دوران نیٹو کے سپریم کمانڈر جنرل جیمز جانز نے نیٹو ممالک سے گزارش کی کہ وہ افغانستان مزید فوج بھیجیں لیکن جہاں سپین، جرمنی، فرانس اور اٹلی جیسے بڑے ممالک نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا وہاں لٹویا جیسے چھوٹے ملک نے ایسا کرنے کی ہامی بھر لی جس سے اس احساس کو مزید تقویت ملی کہ بڑے مغربی ممالک اب افغانستان میں اپنے شہریوں اور فوجیوں کی زندگیاں داؤ پر لگانے کو آسانی سے تیار نہیں ہو رہے اور جنوبی افغانستان کے بدتر ہوتے حالات نے وہاں فوجی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ خود کابل میں کرزئی حکومت کی گرفت برقرار رکھنا دشوار تر ہوتا جا رہا ہے۔ خودکش حملوں سے پکتیکا صوبے کے گورنر حکیم القول کے مارے جانے کے بعد نمروز صوبے میں یالا رام ضلع اور افارات صوبے میں فراروت کے علاقوں پر بھی طالبان کی مکمل گرفت بیان کی جا رہی ہے لیکن ایک طرف مختلف

افغان علاقوں میں خونریزی میں تیزی آ رہی ہے خود یہ سوال اب وہاں بھی زیر بحث آ چکا ہے کہ کیا کابل حکومت بھی مزاحمت کاروں سے سمجھوتہ کر سکتی ہے؟ اور خود میجر سکاٹ لینڈس یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ طالبان ان سے مذاکرات پر آمادہ ہیں۔ براہ راست مذاکرات کی دعوت نیٹو تک پہنچاتے طالبان یہ پیغام بھی دے رہے ہیں کہ اس پورے کھیل میں جواب ان کے اور غیر ملکی افواج کے درمیان جاری ہے حامد کرزئی جیسے کٹھ پتلیوں کا کردار ختم ہونے کو ہے۔ حکومت پاکستان کے وزیرستان میں معاہدے کو صدر مشرف ایک رول ماڈل بنا کر پیش کر رہے ہیں جبکہ حامد کرزئی کا کہنا ہے کہ اس معاہدے کو افغانستان میں اطلاق کی صورت ان کا اقتدار کمزور تر ہو جائے گا کیونکہ پھر ایسی صورت امریکہ کی کڑی شرائط مثلاً دہشت گردی کے خاتمے یا غیر ملکیوں کی بے دخلی وغیرہ جیسے معاملات کے بعد طالبان کو کسی بھی دوسرے نام سے شامل اقتدار کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ حامد کرزئی شمالی اتحاد کے تعاون سے امریکی کاندھوں پر سوار ہو کر تخت کابل پر بیٹھ گئے۔ تھے۔ وہ شمالی اتحاد اب موجودہ حکومتی سیٹ اپ سے بڑی حد تک علیحدہ ہو کر حامد کرزئی کے خلاف سرگرمیوں کو ہوا دے رہا ہے۔ شمالی اتحاد کے دو اہم رہنماؤں یعنی جنرل نہیم اور عبداللہ کی کابینہ سے علیحدگی ہوئی ہے جو کہ مختلف جنگجو گروپوں اور ملیشیا کو سیاسی سیٹ اپ سے علیحدہ کرنے کی حکمت عملی سے حامد کرزئی کے خلاف مزید محاذ کھول چکے ہیں۔ نیٹو کی قیادت سے ایک حالیہ ملاقات میں شمالی اتحاد کے ایک راہنما عبدالرسول حیات نے موجودہ سیاسی سیٹ اپ سے سوویت یونین کے خلاف لڑنے والے تمام مجاہدین کمانڈروں کو علیحدگی پر شدید تنقید کی اور یہی نقطہ نظر سابق صدر برہان الدین ربانی کا بھی ہے۔ تاہم شمالی اتحاد کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ صرف وہی طالبان کو ایک بار پھر کچلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں کیونکہ ماضی میں وہی ان کے خلاف لڑتے رہے ہیں لیکن موجودہ حالات میں وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اس وقت امریکہ نیٹو فورسز افغانستان سے نکل جائیں تو طالبان 2001ء سے بھی زیادہ قوت سے آگے بڑھتے قتل عام کرتے ان علاقوں پر بھی قابض ہو جائیں گے جو 2001ء تک شمالی اتحاد کے قبضے میں تھے۔ یعنی سادہ الفاظ میں یوں کہا جائے کہ طالبان کی قوت پانچ سال میں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ یہ سابق مجاہدین کمانڈر حامد کرزئی سیٹ اپ سے ناراض ہیں۔ باوجود اس حقیقت کے دونوں نائب صدور، پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سپیکرز اور نائب سپیکرز، وزارت دفاع داخلہ اور

کابینہ کی کئی اہم نشستوں کے علاوہ کئی دوسرے ممالک میں افغان سفیر بھی ان سابق مجاہد دھڑوں سے تعلق رکھتے ہیں۔عبدالرسول سیاف، برہان الدین ربانی، عبدالسلام سمیت دیگر کئی مجاہدین نہ صرف افغان پارلیمنٹ کے رکن ہیں بلکہ پارلیمان کمیٹی کے سربراہان ہیں یہ تمام جہادی دھڑے دوبارہ سے ملیشیا کے ساتھ اہم ترین حکومتی سیٹوں پر قبضہ چاہتے ہوئے طالبان کے ساتھ سمجھوتوں کے خلاف ہیں لیکن اپنے حمایتیوں کو افغان نیشنل آرمی میں بھرتی کروا کے طالبان کے خلاف لڑوانے کو بھی تیار نہیں ہیں۔طالبان سے سمجھوتے کے بعد امریکی دباؤ کی صورت وہ طالبان حامد کرزئی کی پشت پناہی کیلئے دوبارہ کھڑے ہونگے اور ایران، بھارت اور روس مختلف بنیادوں پر ان دھڑوں کی حمایت کررہے ہونگے 90ء کی دہائی کے آغاز کی طرح یہ خانہ جنگی اب افغانستان کو ناکام ریاست سے ٹکڑوں میں تقسیم کرسکتی ہے۔عراق کے سابق گورنر اور موجودہ وزیر توانائی اسماعیل خان جو ایران سے تجارت کے راستوں کو کنٹرول کرنے کے بعد اپنے علاقے کو افغانستان کا سب سے بہترین ترقیاتی علاقہ بنانا چاہتے ہیں کرزئی انہیں ہٹانے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد دوبارہ کابینہ میں شامل کرچکے ہیں۔

ازبک سردار جنرل رشید دوستم 80ء کی دہائی میں سوویت فوجیوں کے ساتھ تھے اور اس کے بعد بدترین خانہ جنگی میں اہم کردار ادا کرنے کے بعد 2001ء میں طالبان کے قتل عام میں آگے آگئے تھے۔فہیم کی وزارت دفاع سے علیحدگی کے بعد انہوں نے اس عہدے کے لئے کوششیں کی تھیں لیکن بعد میں وہ چیف آف سٹاف کی پوزیشن پر مطمئن ہوگئے۔جنرل دوستم کے کٹر مخالف جنرل عطا محمد بھی وہاں موجود ہیں۔جو شمال میں بلخ صوبے کے گورنر ہیں منشیات کے کاروبار میں ملوث ننگرہار کے گورنر گل آغا جو طالبان آمد سے پہلے بھی وہاں قابض تھا اور کچھ عرصے تک قندھار کا گورنر رہا۔اب طالبان کی صفوں میں مزاحمت میں شریک حزب اسلامی کے سربراہ گلبدین حکمت یار جن کی جماعت سوویت یونین کے خلاف مزاحمت کرنے والے ان سات گروپوں میں شامل تھی جسے امریکہ اور پاکستان کے حساس ادارے رقم اور ہتھیاروں کی فراہمی کیلئے استعمال کرتے تھے حکمت یار کی جماعت کے جس دھڑے نے ان سے علیحدہ ہوکر افغان الیکشن میں حصہ لیا وہ بھی بڑی تعداد میں الیکشن جیت گئے اور پھر یہ تمام سیاسی گروہ کسی نہ کسی انداز میں افیون کی تیزی سے بڑھتی کاشت سے وابستہ ہیں جو اس سال 60 فیصد اضافے کے ساتھ ہمارے

سامنے ہے۔ایک سال میں وہاں ایک لاکھ 65 ہزار ایکڑ رقبے پر چھ ہزار ایک سوٹن افیون کاشت ہوئی جو دنیا بھر کے کاروبار کا 92 فیصد ہے جبکہ منشیات کی عالمی ضروریات سے 30 فیصد زیادہ ہے۔ افغانستان کے جنوبی حصہ ہلمند میں افیون کاشت میں 160 فیصد اضافے سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ 80ء کی دہائی کی طرح مزاحمت کار ایک بار پھر افیون سے حاصل شدہ رقم اسلحہ کی خریداری کیلئے استعمال کررہے ہیں اور پھر خود کرزئی حکومت میں شامل شخصیات ریاستی مشنری بھی کرپشن کی دلدل میں دھنس کر منشیات کی دولت سے فیض یاب ہورہی ہے اور ایک انتہائی تشویشناک بات یہ ہے کہ خود افغانستان میں اس وقت 9 لاکھ 20 ہزار افراد منشیات کے عادی ہو چکے ہیں اور ضرورت سے زیادہ کاشت ہوئی افیون کی قیمت مزید کم کرنے سے ان عادی افراد میں اضافہ ہوگیا ہے۔امریکہ کی پوزیشن افغانستان کے مسئلے میں یوں نازک ہے کہ اس کے دونوں اتحادی پاکستان اور افغانستان باہمی اتحاد پر آمادہ نظر نہیں آرہے۔صدر مشرف کا استدلال یہ ہے کہ طالبان اور پختون قبائل میں تفریق کرنا لازم ہے اور صرف جنگی کارروائیوں سے یہ معرکہ جیتا نہیں جاسکتا۔ان کا کہنا ہے کہ امن پسند قبائلی سرداروں کو اعتماد میں لے کر انتہا پسندوں کی سرکوبی ممکن ہے لیکن حامد کرزئی کا اصرار ہے کہ پاکستان کی جانب سے طالبان حمایت پالیسی کا اعلان ہے جو کسی بھی طرح انہیں قبول نہیں۔



طالبان تحریک ماضی وحال کے عنوان سے جمیل مرغزے نے روزنامہ ''جناح'' میں اکتوبر 2006ء میں ایک سلسلہ مضامین لکھا جس کے کچھ حصے پیش خدمت ہیں تاکہ طالبان کے پس منظر اور پیش منظر کو جاننے میں کچھ مدد مل جائے جمیل مرغزے لکھتے ہیں۔

سوویت یونین نے افغانستان میں انقلاب ثور کے بعد بیرونی مداخلت سے اس ملک کو بچانے کے لئے یہاں کی حکمران جماعت کی درخواست پر اپنی فوج بھیجی تھی کیونکہ افغانستان کے سامراج دشمن انقلاب کے بعد پوری سامراجی دنیا، مسلمان بادشاہ اور پاکستانی حکمرانوں نے امریکی سامراج کی زیر قیادت اس انقلاب کو ختم کرنے کے لئے صف بندی کرلی تھی۔سامراج کو خوف تھا کہ اگر افغانستان میں یہ انقلاب کامیاب ہوگیا تو پھر ایشیاء کے تمام ممالک میں انقلابی

لہریں حرکت میں آ جائیں گی۔ سامراجی سرمایہ، افرادی قوت اور افغانستان کے چند افراد کے ایک اتحاد نے افغانستان کی سرزمین کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ آج جب ہم ماضی کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ سوویت یونین کو افغانستان میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ کسی بھی ملک پر فوج کشی اور وہاں بزور ایک نظام نافذ کرنے کی پالیسی بنیادی طور پر غلط ہے۔ سامراج نے اس مقصد کے لئے اسلام کا مقدس نام اور جذبہ جہاد کو استعمال کیا۔ افغانستان سے بلائے گئے چند نام نہاد کمانڈروں کو اسلحہ اور ڈالروں کی ڈرپ چڑھا کر اور میڈیا میں ان کی تشہیری مہم چلا کر ان کو عظیم مجاہدین لیڈر بنا دیا گیا۔ گلبدین حکمت یار، صبغت اللہ مجددی، عبد الرسول سیاف ربانی گیلانی اور بہت سے دوسرے مجاہد لیڈر تیار کئے گئے۔ پوری مغربی اور سامراجی اطلاعاتی مشینری ان کے کارناموں کیلئے وقف تھی۔ ان لوگوں کو "طارق بن زیاد محمد بن قاسم، حضرت خالد بن ولید، موسیٰ بن نصیر کے مقام تک پہنچا دیا ہے۔

پاکستان میں مجاہدین کے ٹریننگ کیمپ قائم ہوئے کمانڈروں کو عظیم الشان بنگلے، درجنوں بہترین گاڑیاں، نوکر چاکر، اربوں ڈالر اور اسلحہ دیا گیا، کمانڈروں نے چار چار شادیاں رچائیں۔ اس دوران عرب ممالک خاص کر سعودی عرب، مصر، اردن، یمن، الجزائر سے نوجوانوں کو جہاد کے نام پر بھرتی کر کے یہاں لایا گیا۔ اخوان المسلمین کے رہنما ڈاکٹر ایمن الظواہری اور دوسرے اس کے ساتھ جیل میں تھے۔ ان کو سزائے موت دی گئی تھی۔ امریکی حکومت نے انور سادات سے خصوصی درخواست کر کے ان کو رہائی دلائی اور افغانستان لایا گیا۔ اسامہ بن لادن جو ایک مالدار سعودی خاندان کا چشم و چراغ تھا کو خصوصی طور پر لایا گیا ان کو ٹریننگ دی گئی۔ اور افغانستان جہاد کے لئے لائے گئے دیگر مجاہدین کی قیادت ان کو سونپ دی گئی۔ آخر کار سوویت یونین کی فوجیں "جنیوا معاہدے" کے تحت افغانستان سے چلی گئیں۔ وہ افغان مجاہدین رہنما اور کمانڈر جو ایک دوسرے سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے اور ان کو اجلاس میں شرافت کا مظاہرہ کرنے اور سنجیدہ نظر آنے کے لئے کبھی کبھی ڈنڈا بھی استعمال کرنا پڑتا۔ وہ افغانستان پر حکومت کرنے کے لئے دوڑے۔ مجاہد اعظم ضیاء الحق یہاں اپنی مرضی کی انتہا پسند حکومت کی تشکیل چاہتے تھے جبکہ امریکی مفادات اس کی خلاف تھے۔ جنرل ضیاء الحق اور امریکی حکومت کے اس اختلاف نے

ین صورت اختیار کر لی اور بالآخر جنرل ضیاء الحق کی موت اسی تنازعے کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔
ں کے بعد افغانستان کی جہادی قیادت نے یہ اودھم مچایا کہ پورا افغانستان خانہ جنگی کا شکار ہو گیا قیقت پوری دنیا جانتی ہے کہ سوویت یونین کی موجودگی میں کابل شہر محفوظ رہا تھا لیکن مجاہدین کی پس کی لڑائی نے اس شہر کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔ اقتدار کی یہ جنگ پورے افغانستان میں ری تھی۔ ہر ایک کمانڈر نے اپنی طاقت کے مطابق علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ سڑکوں پر جگہ جگہ یک پوسٹ بن گئیں۔ آنے جانے والے لوگوں سے ٹیکسوں کی وصولی عام بات تھی۔ کابل، جلال باد سڑک پر تقریباً 30 چوکیاں تھیں۔ جن کے ذریعے مختلف کمانڈر لوگوں سے رقم وصول کرتے ھے۔ ہر ایک کمانڈر برے کردار کا حامل تھا۔ لوگوں کو زبردستی گھروں سے اٹھانا معمول بن چکا تھا۔ یون کی کاشت، منشیات کی سمگلنگ عام تھی۔ افغانستان کے عجائب گھر لوٹ لئے گئے اور عظیم اریخی ورثہ فروخت کر دیا گیا۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ اور رشوت کا بازار گرم تھا۔ طاقت کے ستعمال سے افغانستان میں جنگل کے قانون کا نفاذ ہو گیا تھا۔ پاکستانی حکام کو بھی ان پر اختیار نہیں ھا۔ مصنوعی طریقے سے تیار کردہ "عظیم مجاہدین اسلام" اپنے اصلی روپ میں نمودار ہوئے۔ ان کا کردار لٹیروں کا تھا۔ اس افراتفری میں ان مجاہدین کی مرکزی تنظیمیں جو پاکستانی ایجنسیوں نے نائی تھیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئیں۔ امریکی حکومت نے پاکستان اور بڑے کمانڈروں کو بائی پاس کر کے چھوٹے کمانڈروں سے ڈائریکٹ تعلقات قائم کر لئے اور ان کو اپنے مقصد کے لئے ستعمال کرنے لگے۔ عوام ان کمانڈروں کی لوٹ مار اور بدمعاشیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ مختلف صوبوں میں عوام اور کمانڈروں میں لڑائیاں بھی ہوئیں۔ عوام کسی نجات دہندہ کے انتظار میں تھے کہ ایک واقعے نے پوری صورتحال تبدیل کر دی۔

قندھار کے گورنر کو ایک خوبصورت لڑکے سے محبت ہو گئی اس نے اس لڑکے سے باقاعدہ شادی کا پروگرام بنایا، کہتے ہیں کہ اس شادی کی تیاری قندھار تو کیا پورے افغانستان کی تاریخ میں یادگار تھی۔ پورے شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا اس دن پورے شہر کے لوگوں کی دعوت تھی۔ بارات کے دن شہر کے گورنر ہاؤس سے اس لڑکے کے گھر تک سڑکوں پر پھول بکھیرے گئے تھے۔ بارات ٹینکوں، بکتر بند گاڑیاں سمیت سینکڑوں گاڑیوں پر مشتمل تھی۔ شادیانے اور بینڈ بج

رہے تھے کمانڈر صاحب روسی سوٹ پہنے ایک کھلی گاڑی میں سوار تھے۔ عوام یہ ساری صورت حال غم و غصے کی حالت میں دیکھ رہے تھے کہ اچانک نوجوانوں کے ٹولے نے مرکزی بازار میں بارات پر حملہ کر دیا۔ اس حملے کی قیادت ملا عمر کر رہے تھے حملے سے شادی کا پروگرام درہم برہم ہو گیا، ان لڑکوں میں اکثریت ایک مدرسے کے طالبان کی تھی اسلئے عوام نے ان کو طالبان کے حملے کا نام دیا۔ اس حملے کے بعد عوام کمانڈر اور اس کے حواریوں کے خلاف سڑک پر نکل آئے اور چند گھنٹے میں قندھار کی حکومت پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ یہ طالبان تحریک کی ابتداء تھی۔ اس کے بعد جو ہوا وہ تاریخ کا حصہ ہے۔ امریکی اور پاکستانی اداروں نے سالوں کی محنت اور اربوں ڈالر کے خرچے کے بعد جو عظیم جنگی قوت اور بڑے بڑے عظیم مجاہدین پیدا کئے تھے۔ یہ سب بمعہ اپنے لاؤ لشکر کے ہوا میں تحلیل ہوگئے۔ جلد ہی طالبان کا پورے ملک پر قبضہ ہوگیا۔

1994ء میں طالبان تحریک بنیادی طور پر مجاہدین کمانڈروں اور امریکی اور پاکستان ایجنسیوں کی بڑھتی ہوئی مداخلت کے خلاف عوام کا ایک ردعمل تھا۔ ابتداء میں یقیناً اسلامی مدرسوں کے طالبان نے یہ تحریک قندھار سے شروع کی تھی لیکن پھر اس تحریک میں عوام کے مختلف طبقے شامل ہوگئے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ طالبان جہاز اور ہیلی کاپٹر اڑاتے ٹینک، بکتر بند گاڑیاں توپخانے و میزائلوں اور راکٹوں سے لڑائی لڑتے۔ کسی علاقے پر قبضہ کرکے وہاں کی انتظامیہ تشکیل دیتے۔ پاکستان میں طالبان کے سفیر ملا عبدالسلام ضعیف کی انگریزی اور وزیر خارجہ کی فصاحت و بلاغت تو سب نے سنی ہوگی۔ ایک تجزیہ یہ بھی ہے کہ جب امریکی اور پاکستانی اداروں نے اپنے بنائے ہوئے کمانڈروں کی نااہلیوں اور حکومت پر قبضہ کرنے میں ان کی ناکامی کو دیکھا تو متبادل کے طور پر طالبان تحریک کو منظم کیا۔ یہ دعوے جنرل نصیر اللہ بابر اور دیگر لوگ بھی کر رہے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ افغانستان میں بیرونی مداخلت نے پورا قبائلی اور سماجی ڈھانچہ تباہ کر دیا تھا اور وہاں پر تبدیلی کے پیچھے بیرونی مداخلت کا ہونا ایک معمول کی بات تھی۔ لیکن میرا تجزیہ یہ ہے کہ طالبان تحریک افغانستان کے پختونوں کی ایک خودرو تحریک تھی جو ردعمل کے طور پر پیدا ہوئی۔ لیکن جیسے جیسے تحریک کامیاب ہوتی گئی بیرونی عناصر ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ افغان عوام جہادی کمانڈر (War-Lords) سے اتنے تنگ آ چکے تھے کہ جوق در جوق طالبان تحریک میں شامل

ہوتے گئے امریکہ تو کھل کر طالبان حکومت پر تنقید کرتا تھا لیکن پاکستان شاید مجبوری کے تحت طالبان سے اچھے تعلقات رکھنے پر مجبور تھا۔

طالبان نے جلد ہی کابل پر قبضہ کر لیا اور وہاں اپنی حکومت قائم کی۔ دیگر مسلمان حکمرانوں کی طرح ملا عمر جو اب خلیفۃ المسلمین بن چکے تھے جاہ و حشمت اور شان و نمود کے رسیا نہیں تھے۔ پوری زندگی میں انہوں نے کوئی تصویر نہیں بنائی۔ ایک جلسے میں لی گئی تصویر کو انکی تصویر کہا جاتا ہے وہ کابل نہیں آئے اور قندھار سے حکومتی امور چلاتے رہے۔ چونکہ طالبان افغانستان کے نمائندے تھے۔ اسی لئے جلد ہی عوام نے ان کو قبول کر لیا۔ لوگوں نے اسلحہ ان کے پاس جمع کرا دیا۔ افیون کی کاشت ملا عمر کے اعلان سے بند ہوگئی، پورے ملک میں امن وامان قائم ہوگیا۔

اس زمانے میں جب افغانستان پر طالبان کی یلغار جاری تھی۔ کابل پر قبضے کیلئے طالبان اور گل بدین حکمت یار کی فوجوں میں سخت لڑائی ہوگئی جس میں جماعت اسلامی نے حسب معمول پاکستان اور خصوصاً صوبہ سرحد سے نوجوانوں کو گلبدین حکمت یار کی حزب اسلامی کی کمک کے لئے بھیج رہی تھی۔ ہمارے گاؤں کا ایک بہادر نوجوان عالم زیب جس کا تعلق اسلامی جمعیت طلباء سے تھا اور اکثر مساجد میں جہاد پر تقریریں کیا کرتا تھا۔ وہ بھی گل بدین کی مدد کے لئے کابل چلا گیا۔ چند دن کے بعد اس کی لاش گاؤں آئی۔ وہ طالبان اور حکمت یار کے درمیان لڑائی میں مارا گیا تھا جماعت اسلامی کے رہنما اس کے جنازے میں شرکت کے لئے آئے تو ایک شخص نے پوچھا کہ ''روسی کافروں'' کے خلاف لڑائی میں ہمارے نوجوان مرکر شہید کہلاتے تھے لیکن طالبان کے خلاف مرنے والے کو کیا کہیں گے تو انکے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔ بہت سے لڑکے گل بدین اور احمد شاہ مسعود کے درمیان کابل پر قبضے کے لئے جاری لڑائی میں مارے گئے تھے۔ غرض جہاد کے نام پر وہ افراتفری برپا ہوئی کہ ہر کوئی، کانوں کو ہاتھ لگا کر اس مصیبت سے نجات کی دعائیں مانگتا رہتا تھا۔ کیونکہ اقتدار کے لئے مسلمان مسلمان کو مار رہا تھا۔

افغانوں کی تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ کبھی بھی غیر ملکی حکمرانوں کو قبول نہیں کرتے بلکہ جلد یا بدیر ان کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن امریکہ نے سوویت یونین کو شکست دینے کے لئے جس طرح پاکستان کو استعمال کیا اور اس جنگ میں پاکستان نے کبھی ایک فریق کی حمایت

کی اور کبھی دوسرے فریق کی۔ اسی طرح پاکستان کے خلاف افغانستان میں مختلف طبقوں میں نفرتیں بھی پیدا ہوئیں۔ اس وقت بھی حالات پر نظر رکھنے والوں کا خیال تھا کہ پاکستان کو افغانستان میں امریکی مفاد کی جنگ نہیں لڑنی چاہئے۔ کیونکہ امریکہ قابل اعتبار دوست ہے۔ وہ ویتنام، لاؤس، کمبوڈیا یعنی پورے انڈو چائنا میں اپنے حواریوں کو کمیونسٹوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ یہ بات اب جنرل حمید گل بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ پاکستان نے افغانستان میں امریکہ کی لڑائی لڑ کر غلطی کی تھی۔ گل بدین حکمت یار کی بے جا نازبرداری اور مدد کر کے پاکستان نے شمالی اتحاد کو مستقل اپنا دشمن بنالیا۔ صبغت اللہ مجددی، عبدالرسول سیاف بھی اسی لئے پاکستان کے خلاف ہیں۔ غرض پاکستان نے اپنی مغربی سرحدوں کو مستقل ایک خطرہ بنا دیا حالانکہ یہ سرحدیں ہمیشہ محفوظ ہوا کرتی تھیں۔ ان سرحدوں کو غیر محفوظ بنانے اور افغانستان کو ہندوستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات پر پاکستانی حکمرانوں کی پالیسیوں نے مجبور کیا۔ پاکستانی حکمران افغانستان کے بارے میں انگریزی سامراج کی پالیسیوں پر عمل کرتے رہے۔ خیر یہ ایک الگ بحث ہے جس میں ڈیورنڈ لائن سے لے کر اور بھی بہت سے امور شامل ہیں۔

طالبان نے افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی پالیسیوں پر عمل درآمد شروع کیا۔ یہ تو ذکر ہو چکا ہے کہ انکی پالیسیوں کی وجہ سے پورے ملک میں لوگوں سے اسلحہ لے لیا گیا۔ امن و امان کی صورت حال قابل رشک تھی۔ پورے ملک سے افیون کی کاشت ختم کر دی گئی۔ اور افغان قوم ایک پرامن زندگی گزارنے لگی۔ 1994ء میں طالبان تحریک کے حکومت سنبھالنے سے 2001ء تک جب ان کی حکومت ختم کی گئی ملک میں جرائم کی تعداد نہ ہونے کی برابر تھی۔ افغانستان کے امیر المومنین ملا محمد عمر مسجد کے ایک حجرے میں رہتے تھے اس زمانے میں جو شخص یا سرکاری وفد بھی قندھار میں ان سے ملنے جاتا تو وہ ان سے مسجد میں ملاقات کیا کرتے تھے۔ حکومت کے سارے اہلکار بہت سادہ زندگی گزارتے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے۔ پاکستان کے ساتھ انتہائی خوشگوار تعلقات تھے امریکہ اس خیال سے ابتداء میں خاموش رہا کہ شاید طالبان اقتدار میں آنے کے بعد سابق بادشاہ ظاہر شاہ کو واپس لے آئیں گے۔ لیکن بعد میں یہ امید دم توڑ گئی اور طالبان کے طرز عمل سے یہ واضح ہوا کہ وہ کسی کو بھی اقتدار میں شریک نہیں کریں گے۔ اس

کے بعد امریکہ نے طالبان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی۔ لیکن ایک حقیقت پوری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ طالبان نے افغانستان میں ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم کی۔ امن وامان بحال کیا۔ امریکہ اور پاکستان کی مہربانی سے ہر افغانی کے پاس خطرناک اسلحہ تھا۔ انہوں نے وہ واپس لے کر معاشرے کو ناجائز اسلحے سے پاک کر دیا۔ افیون کی کاشت مکمل طور پر ختم کی گئی۔ وارلارڈز کی بدمعاشیاں ختم کر دیں بلکہ ان میں سے اکثر پاکستان بھاگ کر آنے پر مجبور ہوئے۔ خارجہ محاذ پر طالبان حکومت کو مشکلات کا سامنا تھا۔ صرف تین ملکوں نے ان کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔ پاکستان۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات کے ساتھ سفارتی تعلقات تھے۔ چیچنیا کی اسلامی حکومت نے بھی ان کو تسلیم کیا تھا لیکن یہ حکومت خود غیر قانونی تھی۔

طالبان کی پالیسیوں میں ازمنہ وسطی کی جھلکیاں نظر آتی تھیں۔ چونکہ طالبان کے اکثر ممبران شوریٰ مساجد کے امام یا اسلامی مدرسوں کے طالب علم تھے اس لئے ان کا تصور اسلام بہت پسماندہ تھا۔ شریعت کے نفاذ کو ان کے پروگرام میں فوقیت حاصل تھی لیکن شریعت کی تشریح کرتے وقت یہ لوگ زمانے کے تقاضے سامنے رکھنے میں ناکام رہے۔ ایک تو ان پر دیوبندی فقہ کا غلبہ تھا اور دوسرے ان کا علم بھی اتنا وسیع نہیں تھا اس لئے اندرونی طور پر جو پالیسیاں انہوں نے چلائیں اس کی ساری دنیا نے مذمت کی اور ان پالیسیوں کی بنیاد پر طالبان حکومت کے خلاف ایک عالمی رائے عامہ بن گئی اور یہی وجہ ہے کہ جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا تو عالمی سطح پر اس طرح کا احتجاج نہیں ہوا جیسا کہ عراق حملے کے وقت عالمی رائے عامہ نے کیا تھا۔ ان کی پالیسیوں میں تشدد کا عنصر بہت زیادہ تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے شریعت نافذ کی اسکے خاص خاص اصول یہ تھے۔

☆ ہر شخص کے لئے ایک خاص حد کی داڑھی رکھنا لازمی تھا اگر کوئی غیر ملکی افغانستان جاتا اور اس کی داڑھی نہ ہوتی تو اس کو باقاعدہ سزا دی جاتی۔ میرا ایک دوست ان کے دور حکومت میں کابل کسی کام کے سلسلے میں گیا۔ اس کی داڑھی تھی لیکن چھوٹی۔ اس نے بتایا کہ پولیس چوکی پر لالٹین کا شیشہ پڑا تھا۔ داڑھی کو اس میں ڈال کر دوسری طرف ناپتے اگر کم ہوتی تو کوڑے اور جیل کی سزا۔ بڑی مشکلوں سے اس نے اپنی جان بچائی۔

☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا محکمہ قائم کیا گیا تھا جس کے احکامات پر عمل درآمد کے لئے شریعت فورس کے نام سے پولیس کا محکمہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ یہ پولیس ہر جگہ حتیٰ کہ گھروں میں بھی بلا اجازت گھس جاتی تھی عورتوں کو بازار میں ڈنڈوں سے مارنا شروع کر دیتے اگر ان کا برقعہ سائز میں چھوٹا ہوتا یا انکا صرف دوپٹہ بھی نظر آ جاتا۔ عورتوں کا سر سے پاؤں تک برقعہ میں ڈھانپا ہونا لازمی تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم چونکہ ان کی نظر میں غیر اسلامی فعل تھا اس لئے لڑکیوں کے سکول بند کر دیئے گئے تھے۔

☆ موسیقی، فلم، ٹی وی پر مکمل پابندی تھی۔ ان چیزوں کا دیکھنا یا سننا منکرات میں شمار ہوتا تھا۔

☆ بلوچستان سے فٹ بال کی ٹیم قندھار میں دوستانہ میچ کھیلنے کے لئے گئی۔ سٹیڈیم میں میچ کے دوران ہی شریعت فورس نے حملہ کر دیا۔ پاکستانی لڑکوں کے سر اس لئے منڈوائے گئے کہ انہوں نے نیکر کیوں پہن رکھی ہے۔

☆ بت پرستی کی ممانعت چونکہ قرآن اور سنت کا حکم ہے اسلئے بامیان کے وہ تاریخی بت بھی توڑ دیئے گئے جو گندھارا کے دور کی یادگار تھے۔ یہ دو بت پہاڑ میں بنائے گئے تھے۔ ایک بت 38 میٹر بلند اور 1800 سال پرانا تھا۔ جبکہ دوسرا بت 53 میٹر بلند اور 1500 سال پرانا تھا۔ پوری دنیا Unicef اور خاص کر بدھ مت کے ماننے والوں نے اس حرکت کی سخت مذمت کی۔

☆ مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کے لئے الگ الگ رنگ کے لباس پہننے کا حکم دیا گیا۔ تا کہ ان کو پہچانا جا سکے۔

غرض اسلام کے نام پر جو بھی حرکات کی گئیں وہ مغربی دنیا کی نظر میں قابل مذمت تھیں۔ لیکن افغانستان کے قبائلی اور پسماندہ معاشرے میں یہ حرکات اتنی بھی غیر انسانی نہ تھیں۔ کیونکہ یہ معاشرہ ہمیشہ سے جبر اور ظلم کے نظام کا عادی تھا۔ اس لئے طالبان حکومت کو عوام کی مکمل تائید حاصل تھی۔ صرف چند وار لارڈز مثلاً احمد شاہ مسعود اور رشید دوستم ان کے خلاف تھے۔ یہ حکومت اندرونی طور پر جو کچھ بھی کر رہی تھی لیکن ایک بات واضح تھی کہ اس حکومت کا دوسرے ملکوں میں مداخلت یا اپنا اسلامی انقلاب برآمد کرنے کی پالیسی بالکل نہیں تھی۔ یہ حکومت عدم

اخلت کے اصولوں پر قائم تھی۔

طالبان حکومت پر پختونوں اور خاص کر قندھار کے لوگوں کا غلبہ تھا اس لئے دوسری موں کے لوگ ان کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ہر شخص اپنے نظریات میں انتہا پسند ہوتا ہے لیکن جب حکومت کی ذمہ داریاں اس کے لدھوں پر آ جاتی ہیں تو خود بخود اعتدال اور حالات سے سمجھوتہ کرنا اس کی مجبوری بن جاتی ہے اگر البان کی حکومت بیرونی حملے کے نتیجے میں ختم نہ کی جاتی اور اب تک موجود ہوتی۔ تو مجھے یقین ہے لہ کافی حد تک معتدل ہو چکی ہوتی۔ یا اگر اپنی پالیسیوں پر اصرار کرتی تو عوام اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

(بشکریہ روزنامہ جناح 18 اکتوبر 2006)



انٹرنیشنل کرائسس گروپ کی رپورٹ

انٹرنیشنل کرائسس گروپ ایک آزاد غیر سرکاری بین الاقوامی ادارہ ہے۔ پانچ براعظموں میں ادارے کے 120 ارکان مختلف اہم مسائل کے حوالے سے اپنے تجزیے اور آراء پیش کرتے ہیں۔ گروپ نے گزشتہ برسوں کے دوران خصوصاً جنوبی ایشیا میں ہونے والے خونی تصادم، دہشت گردی کے بڑے واقعات اور دہشت گرد گروپوں کے حوالے سے جامع رپورٹیں شائع کی ہیں۔ نومبر 2006ء کو انٹرنیشنل کرائسز گروپ کی پالیسی رپورٹ افغانستان کی بدامنی اور اس کے فوری تدارک کے اقدامات بروئے کار لانے کے حوالے سے ہے۔ رپورٹ میں اس حوالے سے کئی جامع سفارشات بھی شامل ہیں۔

افغانستان میں پولیس اور عدلیہ کو فعال بنانے کی ضرورت

جنوبی افغانستان میں شدید لڑائی، مشرقی سرحدوں پر بے چینی اور حملے اور کابل کے اطراف میں واقع صوبوں میں حملوں کے واقعات، شہری علاقوں میں دہشت گردی اور ہنگامے منتخب حکومت کے لئے خطرہ بنتے جا رہے ہیں۔ صورت حال اگرچہ بہت سنگین نظر نہیں آتی مگر اسے کنٹرول کرنے کے لئے فوری اقدامات کی ضرورت ہے۔

امن وامان کے لئے نئے ٹائم ٹیبل اس بات کی ضرورت ہے کہ مزید بین الاقوامی

افواج جنگ سے زیادہ متاثر ہونے والے علاقوں میں بھیجی جائیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ افغانستان میں پائی جانے والی بے چینی اور بدامنی کو صرف فوجی اقدامات کے ذریعے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں پاکستان کی حکومت پر دباؤ ڈالنے اور صدر حامد کرزئی کی جانب سے داخلی بے چینی کو سنجیدگی کے ساتھ ختم کرنے کی ایک سیاسی خواہش کی بھی ضرورت ہے۔ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ وہاں موجود بدعنوانی کو منتخب قومی اسمبلی کے ذریعے ختم کیا جائے۔ قانون کی حکمرانی کے دائرہ کار میں اضافہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں لاقانونیت کے کلچر کو ختم کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

افغانستان میں فوری طور پر جنگ چھیڑنے اور اس کے بعد امن قائم کرنے کی کوشش کے نتیجے میں موجودہ خطرناک صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ افغانستان میں اس وقت ایک ایسی مؤثر اور شفاف حکومت کی ضرورت ہے جو اپنے عوام کو حقیقی معنوں میں سیکورٹی فراہم کر سکے۔ افغان عوام کو اس بات کی یقین دہانی کی ضرورت ہے کہ افغانستان میں ایسی حکومت قائم ہوگی جس کے واضح سیاسی مقاصد ہوں گے۔ پولیس اور عدلیہ میں اصلاحات کی بھی ضرورت ہے۔ ان اقدامات کے علاوہ غیر تربیت یافتہ ملیشیا پر کم سے کم انحصار اور طالبان کے ساتھ مذاکرات بھی ضروری ہیں۔

افغانستان میں بوسنیا اور کوسوو کی سی شدید جنگی صورت حال نہیں تھی۔ اس کے باوجود خانہ جنگی اور جنگ کی سی صورت کے بہانے سے اس ملک میں مداخلت کی گئی۔ نیٹو کے کئی رکن ملکوں کی افواج جو جنوب سے مشرق تک کہیں بھی جانے کو تیار رہتی ہیں، ان کا مقابلہ اب طالبان سے ہے۔ ان ملکوں میں امریکا، برطانیہ، کینیڈا، نیدرلینڈ، رومانیہ، آسٹریلیا اور ڈنمارک شامل ہیں۔

افغانستان اور اس سے باہر اتحادی افواج نے موجودہ بحران میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان بھی ایک بہترین اتحادی ثابت ہوا ہے۔ طالبان اور القاعدہ نے پاکستان ہی میں پناہ حاصل کی تھی اور وہاں نئے سرے سے منظم ہونے کی کوشش کی تھی۔ پاکستان کی فوجی حکومت نے ان کی کوششوں کو بہت حد تک غیر مؤثر بنا دیا ہے۔ صدر مشرف نے اسلامی جماعتوں سے متاثر ہونے کی بجائے جہادیوں کے ساتھ جنگ کو ترجیح دی۔ بین الاقوامی سطح پر بھی افغانستان کو مستحکم

کرنے کی کوششیں کی گئیں۔اس سلسلے میں پاکستان پر بھی سفارتی ذرائع سے دباؤ ڈالا گیا کہ وہ موثر انداز میں دہشت گرد قوتوں سے نمٹے اور ایسی پالیسیاں اختیار کرے جن کے ذریعے انتہا پسندی کو تقویت دینے والی قوتوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ان اقدامات میں انتہا پسندوں کے مدرسوں میں کی جانے والی اصلاحات بھی شامل ہیں۔افغانستان میں داخلی سطح پر بھی اصلاحات کی ضرورت ہے تاکہ گزشتہ پانچ برسوں کے دوران رونما ہونے والے حکمرانی کے غلط طریقوں اور نااہل رہنماؤں کا خاتمہ کیا جا سکے اور معافی کے کلچر کو فروغ دیا جا سکے۔منشیات کا کاروبار بھی افغانستان میں عدم استحکام اور کرپشن کی بڑی وجہ ہے۔افغانستان کے جنوبی علاقوں میں صورت حال زیادہ خراب ہے جہاں صوبائی اور علاقائی سطح کے لیڈروں کے مرکزی انتظامیہ سے قریبی تعلقات ہیں۔ان علاقوں میں گزشتہ کئی عشروں سے انتہا پسندی اور شورش عروج پر ہے۔منشیات کی تجارت کرنے والے ان انتہا پسندوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔بعض بدعنوان سرکاری حکام بھی حکومت کے خلاف جاری سرگرمیوں میں مصروف افراد کا ساتھ دیتے ہیں۔

تعمیر نو کے کاموں میں پولیس اور عدلیہ کو بری طرح نظر انداز کیا جاتا ہے۔یہ ادارے عوام کے تحفظ کی بجائے خوف میں مبتلا ہیں۔ملک کے بیشتر علاقوں میں یہ دونوں ادارے انتہائی غیر موثر ہیں۔انہیں اپنے فرائض سے زیادہ ملیشیا سے خطرات لاحق ہیں۔اگرچہ نو قائم شدہ سپریم کورٹ سے ایک بار پھر اچھی امیدیں وابستہ کی گئی ہیں۔انصاف اور سیکورٹی کی عدم موجودگی میں عوام ایک بار پھر طالبان کے انتہائی سخت قوانین کا شکار ہو سکتے ہیں۔افغانستان میں جمہوریت تو ناکام نہیں ہوئی ہے مگر نمائندہ اداروں کو بھی کام کرنے کا موقع نہیں دیا گیا ہے۔افغانستان میں اب قانون کی حکمرانی کے تصور کو اجاگر کیا جا رہا ہے۔بین الاقوامی افواج کو بھی یہ نکتہ ذہن نشین کرنا چاہئے کہ قانون سے بلند کوئی نہیں ہے۔بگرام میں امریکی اڈے پر ہونے والی ہلاکتوں، مکانات کی تلاشی اور ماورائے قانون گرفتاریوں کی وجہ سے دشمن کے پراپیگنڈے کو تقویت ملی ہے۔

افغانستان کے موجودہ بحران سے یہ بات تو ثابت ہو گئی ہے کہ اس وقت حکومتی ادارے اور باغیوں کے درمیان تصادم کی صورت حال ہے۔افغان حکومت اور بین الاقوامی کمیونٹی کو یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ بعض قلیل مدتی اقدامات ضروری ہیں۔موجودہ بدامنی کی صورت حال [illegible]ی طور پر کچھ کر گزرنے کی متقاضی ہے۔پالیسیوں پر نظر ثانی کے ذریعے ہی یہ اہداف

حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

افغانستان کی حکومت کے لئے چند سفارشات:

1- صدر کی سربراہی میں بدعنوانیوں کے خلاف مہم کا آغاز کیا جائے۔مہم کے اہداف میں منشیات کی تجارت کے خاتمے اور شفافیت پر مبنی بین الاقوامی پالیسیوں کا اجراء بھی شامل ہے۔

(الف) ان تمام افراد کو جرگہ میں لایا جائے جنہوں نے معافی کی درخواست کی ہے۔ان افراد کو عام معافی دی جانی چاہئے۔

(ب) تمام صوبائی گورنروں، صوبائی کونسلوں کے سربراہوں اور قومی اسمبلی کے ارکان کے لئے ضروری قرار دیا جائے کہ وہ ہر سال اپنے اثاثوں کا اعلان کریں۔

(ج) تمام ایجنسیوں کے سربراہوں کو جو اینٹی کرپشن کے کام میں مصروف ہیں، ان کی کارکردگی کا صدر کی جانب سے جائزہ لیا جائے۔

(د) ان تمام مشتبہ افراد کے خلاف بلاتخصیص قانونی کارروائی کی جائے جو فنڈز کی خرد برد میں ملوث ہیں۔اس سلسلے میں ان کی حیثیت یا عہدے کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے۔

2- امن وامان، مصالحت اور انصاف کی فراہمی کے لئے ایکشن پلان پر نظر ثانی کی جائے اور یہ بات واضح کر دی جائے کہ کمیونسٹوں سے طالبان تک تمام افراد کا محاسبہ کیا جا سکتا ہے۔

(الف) صدر سیاسی مفاہمت کے لئے پانچ مراحل پر مشتمل منصوبے پر عمل درآمد کے لئے نئے ٹائم ٹیبل کا اعلان کریں۔

(ب) اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ تمام اہم عہدوں پر تقرریاں مشاورتی بورڈ کے ذریعے کی جائیں تاکہ اہل افراد کو موقع مل سکے۔

3- اس بات کی نشان دہی کی جائے کہ افغانستان نیشنل آرمی والے اپنی کارکردگی کے اعتبار سے ناقص کارکردگی کا کیوں مظاہرہ کر رہی ہے۔اس بات کی نشان دہی بھی کی جائے کہ افغان نیشنل آرمی فوجیوں اور ان کے اہل خانہ کی بہبود کے لئے کیا اقدامات

کررہی ہے اورانہیں کس طرح بہتر بنایا جاسکتا ہے۔

4۔ فوج کے باہمی رابطوں کے لئے پشاور اور کوئٹہ اور افغانستان کے جنوبی اور مشرقی علاقوں میں افغانستان، پاکستان، نیٹو اور ایساف کے کمیشن کے ذیلی دفاتر قائم کئے جائیں۔

5۔ وزارت خارجہ میں ایک اعلیٰ سطحی ٹیم کا قیام عمل میں لایا جائے جو پاکستان کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں رہنمائی کرے اور مندرجہ ذیل اقدامات تجویز کرے۔

(الف) میڈیا اور شہری حکومت کے وفود کا تبادلہ تاکہ عوامی رابطوں کو بہتر بنایا جاسکے۔

(ب) پاکستان، افغانستان اور اقوام متحدہ کے نمائندوں پر مشتمل سہ فریقی سیاسی کمیشن قائم کیا جائے۔

(ج) اچھے پڑوسیوں کے تعلقات کے حوالے سے کابل سمجھوتے پر دستخط کرنے والے ملکوں (افغانستان، چین، پاکستان، ایران، تاجکستان، ترکمانستان اور ازبکستان) کے باقاعدہ اجلاس کئے جائیں۔ جن میں علاقائی تنازعات کے حل کے لئے منصوبہ بندی کی جائے۔

افغانستان:

☆...... پالیسی کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو ترجیح دی جائے۔

☆...... اعلیٰ عہدوں پر تقرریوں اور تنخواہوں میں اصلاحات کو پیش نظر رکھا جائے اور امیدواروں کے انتخاب میں طے شدہ طریق کار کو پیش نظر رکھا جائے۔

☆...... Tier II کے افسروں کی عارضی تقرری کے طریق کار میں سختی اختیار کی جائے اور امیدواروں کے تقرر کے سلسلے میں گزشتہ کارکردگی کو پیش نظر رکھ کر شفاف انداز میں فیصلے کئے جائیں۔

☆...... کسی خلاف ورزی کی صورت میں داخلی طور پر ڈسپلن قائم کیا جائے۔

☆...... صدر کے آفس میں ایک مواصلاتی یونٹ قائم کیا جائے اور اس کے ذریعے باغیوں کے پروپیگنڈے کا جواب دیا جائے۔ جنوبی اور مشرقی صوبوں میں سیکورٹی امور کے

لئے ترجمان مقرر کئے جائیں۔

☆...... آزاد مانیٹرنگ گروپوں کو شہریوں کی ہلاکتوں، قیدیوں اور بے گھر افراد کے بارے میں معلومات کی فراہمی کے لئے زیادہ بہتر سہولتیں دی جائیں۔

☆...... پالیسی ایکشن گروپ (پی اے جی) کے سلسلے میں طریق کار میں تبدیلی لائی جائے اور اس قانون کی عمل داری کے لئے ایک مانیٹرنگ گروپ قائم کیا جائے۔ گروپ کے تحت وزارت داخلہ اور انصاف کا قیام عمل میں لایا جائے اس کے علاوہ اٹارنی جنرل انسداد بدعنوانی اور رشوت کی روک تھام کے ادارے) بھی قائم کئے جائیں۔ اس کے علاوہ افغانستان کا انسانی حقوق کمیشن بھی قائم کیا جائے۔

☆...... تمام گورنروں اور سیکورٹی اداروں کے سربراہوں کے کاموں کا جائزہ لیا جائے۔ عدالتوں اور گورنروں کے کام میں درپیش مشکلات کے خاتمے کے لئے مقامی سطح پر حکمت عملی تیار کی جائے۔

☆...... نیشنل اسمبلی کی دفاع اور خارجہ امور سے طبقاتی کمیٹی کا اجلاس ہر ماہ طلب کیا جائے۔

☆...... شورش پسندوں کو مالی وسائل فراہم کرنے والوں کا ایک مشترکہ جائزہ لیا جائے۔

افغانستان نیشنل اسمبلی کے لئے تجاویز:

☆...... اچھی حکمرانی، محاسبے اور سیکورٹی کے محکموں میں ترجیحی بنیاد پر قانون سازی کی جائے اور مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں۔

☆...... انتظامی حدود کا تعین کیا جائے۔ ضلعی اور بلدیاتی انتخابات کے لئے قوانین بنائے جائیں۔ صوبوں کو مزید اختیارات اور بجٹ سازی کرنے کے لئے ایک خصوصی کمیشن قائم کیا جائے۔

☆...... عدالتی نظام کے ڈھانچے کے قیام کے لئے اتفاق رائے پیدا کیا جائے۔

☆...... تعزیتی قوانین کے جائزے کے لئے ایک خصوصی کمیشن قائم کیا جائے۔ کمیشن میں بین الاقوامی سطح کے ماہرین کو شامل کیا جائے۔

☆...... دہشت گردی کے انسداد کے لئے صرف ایسے ضابطوں کو برقرار رکھا جائے جو قانون

سے ہم آہنگ ہوں۔

☆ ...... امور داخلہ اور دفاع سے متعلق کمیٹیاں پولیس اور فوج کو ترجیح نہ دیں۔ وزیر داخلہ اور دفاع نیشنل اسمبلی میں ان اداروں کے بنیادی ڈھانچے اور ذرائع سے متعلق مکمل تفصیلات پیش کریں۔

☆ ...... ہر صوبے میں مناسب تعداد میں پولیس اہلکاروں کو تربیت دی جائے۔

☆ ...... محکمہ انصاف کو مناسب تعداد میں فنڈز مہیا کئے جائیں۔

☆ ...... عوامی نمائندگی رکھنے والے اداروں کی استعداد کار میں اضافہ کیا جائے جس میں صوبائی کونسلوں اور نیشنل اسمبلی کی کمیٹیوں کا قیام شامل ہے۔

کچھ نیٹو اور ایساف حکومتوں کے بارے میں:

☆ ...... پاکستان پر سفارتی دباؤ برقرار رکھا جائے تاکہ وہ سیاسی اور فوجی پرورش گاہوں کے خاتمے کے لئے طالبان کے رہنماؤں کو افغانستان کے حوالے کرے یا ان پر مقدمات چلائے جائیں۔ مدرسوں میں اصلاحات کی جائیں اور 2007ء میں وہاں آزادانہ اور صاف ستھرے انتخابات کے لئے ترقی پسند اور جمہوری قوتوں کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔

☆ ...... ایساف کے آپریشنل پلان پر عمل درآمد کے لئے افغانستان میں اضافی فوج اور فوجی سازوسامان بھیجا جائے۔ نیٹو کے سیکریٹری جنرل نے بھی اس سلسلے میں درخواست کی ہے۔ اس حوالے سے تازہ دم فوجوں اور ذرائع کی فراہمی کیلئے نیا آڈٹ کیا جائے۔

☆ ...... قومی سطح پر عائد بعض پابندیاں ختم کی جائیں تاکہ بین الاقوامی فوج افغانستان میں ہر مقام پر جاسکے۔

☆ ...... افغان اور بین الاقوامی مقام کو منشیات کی کاشت اور اس کی تجارت کے حوالے سے تمام اطلاعات فراہم کی جائیں تاکہ اس مذموم کاروبار کے انسداد کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔

افغانستان میں اقوام متحدہ کی امداد اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ افغانستان کے تنازعہ

کے تمام فریقوں کو غیر جانبدارانہ اور آزاد رپورٹنگ کے ذریعے کسی بھی خلاف ورزی اور جرم کے بارے میں مطلع کیا جائے۔

افغانستان کی بدامنی کی کوئی فوری روک تھام نہیں کی جاسکتی۔ صدر حامد کرزئی کی حکومت کے لئے افغانستان میں بڑھتی ہوئی بدامنی ایک بڑا خطرہ ہے۔ ملک کے ایک تہائی حصے پر اس وقت قانون کی حکمرانی نہیں ہے۔ اس صورت حال کی وجہ سے گروہی اور علاقائی منافرت میں اضافہ ہورہا ہے۔ جرائم پیشہ عناصر مضبوط ہورہے ہیں۔ اس ملک کے لئے اگرچہ یہ صورت حال نئی نہیں ہے مگر اس کی وجہ سے آج افغان حکومت اور بین الاقوامی برادری کو کئی چیلنجوں کا سامنا ہے۔

افغانستان کے حوالے سے اب تک کئی جائزہ رپورٹیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان تمام رپورٹوں میں مختلف حوالوں سے افغان میں ہونے والی بدامنی اور خطرناک صورت حال کا جائزہ لیا گیا۔ طالبان اور حکومت مخالف قوتوں کی وجہ سے گزشتہ برسوں میں کئی علاقوں میں شورش برپا رہی ہے۔ حکومت عوامی توقعات سے نمٹنے اور عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے میں ناکام رہی ہے۔ افغانستان کے جنوبی صوبوں اور مشرقی سرحدوں پر ہونے والی شورش کے اثرات کابل پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دیگر شہری علاقے بھی بدامنی کے خطرات سے محفوظ نہیں۔ افغان باشندوں کا خیال ہے کہ اگر اس ملک میں امن واستحکام کا کوئی امکان نہیں ہے تو پھر بین الاقوامی افواج کی یہاں موجودگی ضروری ہے۔ افغان عوام گذشتہ تین عشروں سے جاری شورش سے پریشان ہیں۔ اس صورتحال میں مستقل امن وامان کا قیام فوری طور پر اور مستقل بنیادوں پر عمل میں نہیں آسکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ افغانستان میں نا صرف امن قائم ہو بلکہ ایک ایسی حکومت بھی تشکیل دی جائے جو اپنے عوام کو جواب دہ ہو۔

2001ء میں افغانستان میں طالبان کی حکومت کے خاتمے کے بعد ایک ایسی نسل نے جنم لیا جو جنگ کے علاوہ کچھ جانتی ہی نہیں تھی۔ افغانستان میں بین الاقوامی فوجی مداخلت کا آغاز 11 ستمبر 2001ء کے واقعے کے بعد ہوا۔ امریکا کی قیادت میں یہاں مداخلت کرنے والی اتحادی افواج کو طالبان اور القاعدہ سے مقابلہ کرنا تھا جن کی پشت پناہی افغانستان کے بعض جنگجو سردار کررہے تھے۔ یہ سردار 1992ء سے 1996ء تک اس خطے میں جاری خانہ جنگی کی پیداوار تھے۔ 6 ستمبر 2001ء کو طالبان کے ہیڈکوارٹر قندھار پر بھی معمولی مزاحمت کے بعد قبضہ

کرلیا گیا۔اس کے بعد جنگ جو سرداروں کی حمایت ان پشتون علاقوں سے بھی ختم ہوگئی جو کسی وقت میں طالبان کے لئے ایک فیصلہ کن قوت تھے۔

بون سمجھوتے کے تحت عبوری انتظامیہ نے افغانستان میں کسی حد تک قیام امن کی کوشش کی۔اب ان افغان جنگی سرداروں اور کمانڈروں کی جانب بھی توجہ دی گئی جنہوں نے مرکزی، صوبائی اور ضلعی سطحوں پر طالبان کے قدم جمانے میں ان کی مدد کی تھی۔طالبان مخالف پشتون رہنماؤں کو ابتدائی برسوں میں ملک کے جنوبی اور مشرقی علاقوں میں ان کمانڈروں پر قابو پانے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا جنہوں نے ان علاقوں میں اپنی اتھارٹی قائم کررکھی تھی۔بون سمجھوتے میں کابل میں ایک بین الاقوامی سیکورٹی فورس کے قیام پر زور دیا گیا تھا۔2002ء میں افغانستان میں بین الاقوامی افواج کی کل تعداد 4500 تھی۔ یہ افواج انٹرنیشنل سیکورٹی اسسٹنس فورس (ایساف) کے تحت کام کررہی تھیں۔ایک اندازے کے مطابق اس وقت افغانستان میں مستقل قیام امن کے لئے پچیس سے تیس ہزار تک امن فوج کی ضرورت تھی۔جو افغانستان کے بڑے شہروں اور شاہراہوں پر امن بحال کرسکتی تھی۔بعض بین الاقوامی اداروں نے اس وقت بھی یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ افغانستان کے جنوب اور مشرق میں واقع ''پشتون بیلٹ'' میں جوابی دہشت گردی ہوسکتی ہے۔ان علاقوں میں منشیات کی تجارت عروج پر تھی۔

نیٹو نے اگست 2003ء میں ایساف کی کمان سنبھالی تھی، جب کہ 2004ء میں انہوں نے شورش زدہ شمالی اور مغربی علاقوں کی جانب پیش قدمی کی تھی۔پشتون اکثریت والے علاقوں میں انہیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔اس کے برعکس غیر ملکی افواج کا کھلے دل سے استقبال کیا گیا۔پانچ سال تک افغانستان میں فوجی تصادم کے بعد اتحادی افواج کے سربراہ جنرل کارل ایکن ہیری نے کہا کہ ہمیں جس دشمن کا سامنا ہے وہ مضبوط ہے مگر افغانستان کے ادارے کمزور ہیں۔

افغانستان میں اداروں کو برق رفتاری کے ساتھ مضبوط نہیں کیا جاسکتا۔اقتصادی جائزوں کے مطابق افغانستان افریقی ملکوں کے بعد دنیا کا غریب ترین اور کم ترقی یافتہ علاقہ ہے۔متعلقہ وزارتوں کی یہ حالت ہے کہ 2005ء میں انہیں حکومت کے ترقیاتی بجٹ میں سے صرف چوالیس فیصد رقم ہی فراہم کی جاسکی تھی۔تعمیر نو کے لئے مختص کئے جانے والے بھاری فنڈز کا

زیادہ حصہ انسانی ضروریات اور افسروں کی تنخواہوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔افغانستان اب بھی ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق بدعنوان ترین ملکوں میں سرفہرست ہے۔عدلیہ کی عدم موجودگی میں قابل اعتماد ایڈمنسٹریٹر اور پولیس بھی اپنے فرائض کی انجام دہی سے قاصر ہے۔

2005ء میں اقوام متحدہ کی جانب سے جاری کئے جانے والے جائزے میں کہا گیا تھا کہ افغانستان میں حالیہ اصلاحات سے صرف فوج ہی کو فائدہ پہنچا ہے۔اب تک صرف افغان نیشنل آرمی کی تشکیل نو، افسروں اور جوانوں کی تربیت کا کام ہی جاری ہے، جب کہ ایک نیشنل پولیس فورس، سول سروس اور عدالتی نظام کا قیام عمل میں لایا جانا باقی ہے۔دستاویزات کے مطابق افغانستان میں مرکزیت کی حامل انتظامیہ کا عمل دخل ہے۔مرکزی حکومت ہی صوبائی گورنروں اور پولیس کے سربراہوں کا تقرر کرتی ہے۔گزشتہ برسوں کے دوران افغانستان میں ایک نئی قوت ابھر کر سامنے آئی ہے۔منشیات کی تجارت کا یہ عالم ہے کہ صرف ایک سال میں 6 ہزار ایک سو ٹن افیون تیار کی گئی جو ساری دنیا میں تیار کی جانے والی افیون کا نوے فیصد ہے۔اس صورت حال کی وجہ سے اب افغان اقتصادیات کو منشیات کی اقتصادیات کہا جانے لگا ہے۔بون سمجھوتے میں جو سیاسی اہداف مقرر کئے گئے تھے ان میں بیش تر حاصل کر لئے گئے ہیں مگر سرکاری اداروں کی کمزوریوں اور کرپشن اب بھی بہت بڑا مسئلہ ہیں۔حالیہ واقعات سے یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ گزشتہ حکومت کے حامی اب سرحد پار پاکستان میں نئے سرے سے صفیں درست کررہے ہیں۔

افغان عوام کو ایک دور میں پولیس کے رویے سے بہت شکایات تھیں۔اب بین الاقوامی سیکورٹی فورسز سے بہت شکایات پیدا ہورہی ہیں۔عوام کو ان فوجیوں سے شکایت ہے کہ ان کے گھروں پر چھاپے مارتے ہیں اور غیر سرکاری طور پر نوجوانوں کو قید کیا جاتا ہے۔

افغانستان میں انسانی حقوق کے حوالے سے کام کرنے والے ایک کارکن کا کہنا ہے کہ عوام حکومت سے فاصلہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، کیوں کہ حکومت بھی ان سے فاصلہ رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات لوگ پریشان ہوکر بدامنی پھیلانے لگتے ہیں۔عوام سے کئے گئے وعدے پورے نہیں ہوتے اس لئے وہ حکومت مخالف عناصر کے ساتھ شامل ہوجاتے ہیں۔خواتین کا بھی اس ملک میں کافی استحصال کیا گیا، لیکن وہ طالبان کو بھی اچھا نہیں سمجھتیں۔ان کا کہنا ہے کہ وہ جنگلی وحشی اور ان پڑھ لوگ ہیں۔

عوام نے انتخابات میں ووٹ دے کر بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اب وہ دیکھتے ہیں کہ حکومت بھی ان کے لئے کچھ نہیں کر رہی ہے۔ اس صورت حال میں کسی احتجاج کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں۔ لوگ حکومت سے اس لئے بھی نالاں ہیں کہ ان کی سیکورٹی اور انہیں ملازمتوں کی فراہمی میں ناکام رہی ہے۔ بعض بدعنوان لوگ اپنے مذموم مقاصد پورے نہ ہونے کی وجہ سے بھی حکومت کے دشمن ہو گئے ہیں۔

کرائسس گروپ نے 2002ء میں اس بات پر زور دیا ہے کہ افغانستان میں اب بھی جنگی اقتصادیات کی کیفیت ہے۔ اس صورت حال میں بعض افراد اپنی حیثیت کو نمایاں رکھنے کے لئے اپنی حامی ملیشیا کی مالی مدد بھی کر سکتے ہیں۔ افغانستان میں منشیات کی بڑی مقدار میں تیاری سے بھی اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ وہاں قانون کی حکمرانی کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ منشیات کی تجارت کرنے والے اس دھندے کے ذریعے ملک ہی میں 79 فیصد تک منافع حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق 2005ء میں منشیات کی تجارت کا حجم 20 ارب 14 کروڑ ڈالر تھا۔ اس کاروبار میں زیادہ تر سرکاری حکام ملوث ہیں۔ یہ حکام شان دار محلوں میں زندگی گزارتے ہیں اور قافلوں کے جلوس میں سفر کرتے ہیں۔ حکومت منشیات کے انسداد کے لئے مختلف اقدامات کرتی رہتی ہے مگر لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ سب کچھ دل سے نہیں کیا جاتا۔ صرف ہلمند صوبے میں ہیروئن کی تیاری کے لئے 42 فیصد پوست کاشت کی جاتی ہے۔

افغانستان میں مداخلت کے پانچ سال مکمل ہونے کے بعد اب غیر ملکی افواج کو شدید مزاحمت کا سامنا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پولیس کو فعال کئے بغیر سیاسی مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ افغانستان میں شہریوں کی بڑے پیمانے پر ہلاکت بھی تصادم کی ایک بڑی وجہ ہے۔ اتحادی فوجوں کے لئے ضروری ہے کہ اس صورت حال سے ہر صورت میں گریز کیا جائے۔ ہلال احمر کی بین الاقوامی کمیٹی نے بھی تمام فریقین سے کہا ہے کہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے قوانین کا ہر صورت میں احترام کیا جائے۔ ہلال احمر کی بین الاقوامی کمیٹی نے بھی تمام فریقوں سے کہا ہے کہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے قوانین کا ہر صورت میں احترام کیا جائے۔ پنج وائی کے علاقے میں فضائی بمباری کے دوران بارہ شہری ہلاک ہو گئے تھے۔ سرکاری ذرائع کے مطابق ان کی تعداد 25 تھی، جب کہ بعض حکام کا کہنا تھا کہ اس واقعے میں کئی درجن افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ کرزئی

نے اس واقعے کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن تشکیل دیئے جانے کا اعلان کیا تھا۔ جنگ کے نتیجے ں حال ہی میں قندھار، ارزگان اور ہلمند میں تقریباً پندرہ ہزار خاندان بے گھر ہو گئے تھے۔ رورت اس بات کی ہے کہ اقوام متحدہ اس نوعیت کے واقعات میں اپنا کردار ادا کرے۔

نیٹو کی سربراہی میں ایساف اب افغانستان میں ہونے والے ملٹری آپریشنز کی ذمہ دار ہے۔ ان فوجوں نے اکتوبر 2006ء میں مشرقی صوبوں کی کمان سنبھالی تھی۔ امریکی کمان میں ں ہزار فوجی یہاں مصروف عمل ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر فوج دہشت گردی کی کارروائیوں کو کام بنانے میں مصروف ہے۔ امریکا کے ایک فوراسٹار جنرل ایساف کی قیادت کر رہے ہیں۔ ان غربی افواج کو وطن سے دوری کے علاوہ بھی بعض مشکلات کا سامنا ہے۔ نیٹو کی افواج اگر فغانستان میں ناکام ہو جاتی ہیں تو یہ ان کا ایک بہت بڑا نقصان ہوگا۔ ان کی ساکھ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گی۔ افغانستان میں اب دو ڈھائی ہزار مزید مغربی فوجیوں کو بھیجنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ یہ فوجی پولینڈ اور رومانیہ سے آئیں گے، توقع ہے کہ 2007ء کے اوائل تک یہ اضافی فوج افغانستان پہنچ جائے گی۔

افغانستان کی اپنی افواج کو سرگرم عمل ہونے کے لئے ابھی کافی وقت درکار ہوگا۔ انہیں بدامنی کے خاتمے کے لئے مختلف علاقوں کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا ہوگی۔ افغانیوں کا کہنا ہے کہ اگر ان کی افواج میدان عمل میں آئیں گی تو ان کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ اس وقت اے این اے (افغان نیشنل آرمی) اور اے این پی (افغان نیشنل پولیس) تشکیل اور تربیت کے مراحل سے گزر رہی ہیں۔ ان افواج کو میدان میں اتارے جانے کے بعد امید ہے کہ شہریوں کی ہلاکتوں کی تعداد میں بھی کمی ہو جائے گی۔

افغان نیشنل آرمی کو ایک ایسے قومی ادارے کی حیثیت حاصل ہے جو علاقائی اور نسلی تعصبات سے پاک ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فوج کب تک خود اپنے ذرائع سے کسی آپریشن کے لئے تیار ہوگی۔ غیر ملکی سفارتی ذرائع کے مطابق افغان فوج کو ابھی ذرائع نقل و حمل اور سپلائی کے شعبوں میں بہت تربیت کی ضرورت ہے۔ اندازہ ہے کہ 34 ہزار افغان فوجیوں کو آپریشن کے لئے تیار کیا جائے گا، بعد میں ان کی تعداد میں 70 ہزار تک اضافہ کر دیا جائے گا۔ ان فوجیوں کو ہتھیاروں، گاڑیوں اور دیگر ساز و سامان کی ضرورت ہوگی۔ اس وقت صورت حال یہ

ہے کہ ایک افغان فوجی کو صرف پانچ میگزینز کے ساتھ ہلمند کے محاذ پر بھیج دیا گیا ہے۔

افغان نیشنل پولیس اس وقت زیادہ تر پرائیوٹ ملیشیا پر مشتمل ہے۔ انہیں ہر جگہ سلامتی سے زیادہ عدم سلامتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ پولیس کی شہرت اتنی خراب ہے کہ لوگ اس محکمے میں ملازمت سے ہی کتراتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ افغانستان میں پولیس اہلکاروں کی تعداد 65497 ہے۔ یہ بات اگر افغانستان میں کسی کو بتائی جائے تو وہ قہقہوں کے ساتھ اسے سنتا ہے۔ زمینی حقائق یہ ہیں کہ قندھار کے گورنر نے حال ہی میں انکشاف کیا ہے کہ ان کے صوبے کے ہر ضلع میں صرف 35 یا 40 پولیس اہلکار ہیں۔ جن پولیس اہلکاروں کو دور دراز علاقوں میں ڈیوٹی پر بھیجا جاتا ہے ان میں سے صرف بعض ہی وہاں حاضر ہوتے ہیں۔ کئی علاقوں میں پولیس کا روایتی نظام "اربکائی" نافذ ہے، بعض صوبوں میں تو قبائلی پولیس نظام پر ہی انحصار کیا جا رہا ہے۔ صدر نے ایک نئے منصوبے کی منظوری دی ہے جس کے تحت بہت زیادہ شورش زدہ علاقوں میں 11 ہزار سے زائد پولیس فورس بھیجی جائے گی۔ پولیس کے ضلعی سربراہ انہیں تربیت دے رہے ہیں مختصر مدت کے لئے اقدامات ابھی سے کئی خدشات کو جنم دینے لگے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ افغانستان میں چھاپہ مار انداز میں جاری کارروائیوں کو صرف میدان جنگ میں نہیں روکا جا سکتا۔ ملایا میں کسی دور میں جاری کمیونسٹوں کی شورش کے خاتمے کے لئے جو حکمت عملی اختیار کی گئی تھی اس کا اطلاق آج افغانستان میں بھی کیا جانا چاہیئے۔

☆...... ایک آزاد سیاسی طور پر مستحکم اور اقتصادی اعتبار سے مضبوط ملک کے قیام کے لئے واضح سیاسی عزائم متعین کئے جانے چاہئیں۔

☆...... تمام امور قانون کے دائرے میں انجام دیئے جائیں۔

☆...... سیاسی مخالفین کو شکست دینے کے لئے ترجیحی اقدامات کئے جانے چاہئیں۔

اگر اس ملک کے اہم رہنما اس خیال پر قائم رہے کہ ملیشیا پولیس کی طرح امن و امان کے قیام میں مدد دے سکتی ہے تو اس سے حکومت کی قانونی حیثیت اور اداروں کی تشکیل نو کے کام کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جمہوری طور پر منتخب نمائندوں سے مذاکرات کی بجائے مختلف گروہوں سے تعلقات رکھنے والے رہنماؤں کو مذاکرات کو میز پر لایا جانا چاہیئے اور قلیل مدتی اقدامات سے گریز کرنا چاہیئے۔

ملک کی بھاگ دوڑ اور کمان سنبھالنے والے رہنماؤں میں اتحاد کی کمی بھی ایک بڑا چیلنج ہے۔ فوجی افرادی قوت اور سرمایہ افغانیوں کے ہاتھ میں ہے، جب کہ کئی قومی ادارے کمزور حالت میں ہیں۔ ایساف کا بھی کہنا ہے کہ بعض اوقات اس صورت حال کی وجہ سے افراتفری پھیل جاتی ہے۔

ٹی وی انٹرویوز اور پمفلٹس کے شرپسندوں پر مثبت اثرات مرتب نہیں ہو رہے ہیں اور ان کے پراپیگنڈے کا کوئی موثر جواب بھی نہیں دیا جا رہا ہے۔ بعض اوقات ٹی وی سے دہشت گردی کرنے والے گروپوں کی کارروائیوں کو اتنی زیادہ اہمیت کے ساتھ نشر کیا جاتا ہی جس سے ان کے عزائم کو تقویت ملتی ہے اور افغان افواج کمزور محسوس ہوتی ہے۔

عوام بھی سرکاری میڈیا پر زیادہ بھروسا نہیں کرتے اور انہیں یہ پیغام ملتا ہے کہ شاید ملک میں اب کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ ایسی صورت حال میں ضرورت اس بات کی ہے کہ قابل اور علاقائی کمان کے علاقوں میں فوج کے ترجمان مقرر کئے جائیں جو مقامی صحافیوں اور دیگر متعلقہ افراد کی مدد سے اپنا موقف عوام تک پہنچائیں۔

افغانستان کے آئین کے مطابق صدر کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر سکتے ہیں اس مقصد کے لئے انہیں نیشنل اسمبلی کی تائید کی بھی ضرورت ہو گی، بعض بین الاقوامی اداروں کی جانب سے ایسی دستاویزات تیار کی جا رہی ہے جن کی مدد سے منشیات کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روکا جا سکے گا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نیشنل اسمبلی کے بعض ارکان خود اس مذموم کاروبار میں مصروف ہیں۔ اس صورت حال میں وہ اپنے ہی خلاف کوئی قانون منظور کرانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

2001ء میں ہونے والے سمجھوتے میں اس بات کی نشان دہی کی گئی تھی کہ طالبان کو بھی حکومتی امور میں شریک کیا جائے۔ 2005ء میں سابق صدر صبغت اللہ مجددی نے اس سلسلے میں کوششیں بھی کی تھیں۔ طالبان اور حزب اسلامی کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا تھا مگر حکومتی عہدوں کے حوالے سے امکانات کی وجہ سے یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکی، حالانکہ ملا عمر نے بھی اس تجویز کی حمایت کی تھی۔ صدر حامد کرزئی نے انتخابات کے بعد طالبان دور کے کئی اہم افراد کو حکومت میں شامل کیا تھا مگر اس کا بھی کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکا۔ جولائی 2006ء میں

افغانستان میں ایک پالیسی ایکشن گروپ تشکیل دیا گیا تھا۔ اس گروپ کا ہر مہینے ایک بار صدر مملکت کی صدارت میں اجلاس بھی منعقد ہوتا تھا۔ اس گروپ میں کئی سفارت خانوں کے اعلیٰ حکام بھی شریک تھے۔ اسکے باوجود گروپ کو فنڈز مہیا نہیں کئے گئے اور گروپ غیر موثر ہوکر رہ گیا۔

یہ ساری صورت حال اس بات کی متقاضی ہے کہ افغانستان میں مزید جمہوری ادارے فراہم کئے جائیں۔ بعض طاقت ور حلقوں کو احتساب کے دائرے میں لایا جائے۔ بجٹ کو بھی مرکزی حکومت کے تابع کیا جائے۔ ضلعی اور بلدیاتی سطح پر قانون کی عمل داری کو یقینی بنایا جائے۔

مختلف محکموں میں تقرریوں کے طریق کار کو بھی شفاف بنانے کی ضورت ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اینٹی کرپشن اور اس قوت کی روک تھام کرنے والے ارکان کی کل تعداد 140 ہے، بعض مجرموں کو برسرعام سزائیں دینے کی ضرورت ہے۔ عدالتی نظام کو موثر بنانے کے لئے بھی ایک طویل المدتی منصوبہ تیار کیا جانا چاہیئے۔

پاکستان اور افغانستان کے تعلقات بھی بہتر بنائے جانے کی ضرورت ہے صدر مشرف اور حامد کرزئی کئی بار ایک دوسرے کی پالیسیوں اور بیانات پر نکتہ چینی کر چکے ہیں۔ کرزئی کا طالبان کے حوالے سے لکھنا ہے کہ پاکستان ایک سانپ کو پال رہا ہے جو خود اسے بھی کسی وقت ڈس سکتا ہے۔ صدر مشرف کی جانب سے اس بات کی واضح تردید کی جا چکی ہے کہ پاکستان افغانستان میں ہونے والی شورش میں ملوث ہے۔ پاکستان میں 2007ء میں انتخابات ہونے والے ہیں اور امید یہ ہے کہ روشن خیال قوتیں برسراقتدار آجائیں گی۔ پاکستان، تاجکستان، چین، ایران اور ازبکستان 2002ء میں کابل سمجھوتے پر دستخط کر چکے ہیں جس کے تحت ان ملکوں نے اچھے پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا عزم کیا ہے۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ افغانستان میں قانون کی حکمرانی قائم کی جائے۔ سیاسی اداروں کو مضبوط کیا جائے اور بدعنوان عناصر کے خلاف بھرپور کارروائی کی جائے۔

(اس رپورٹ کا انگریزی سے اردو ترجمہ سلیم باسط نے روزنامہ ”جنگ سنڈے ایڈیشن 3 دسمبر 2006 میں کیا)

شیطانی کھیل

خوف، غصہ اور بدحواسی کی کیفیت میں مبتلا امریکی حکومت نے طالبان پر ہر غیرانسانی سلوک روا رکھا ان پر ڈیزی کٹر اور نیپام بم پھینکے گئے۔ ایسے خطرناک بم جو پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیتے تھے۔ شمالی اتحاد اور دوستم کے غنڈوں کو کھلی چھٹی دی گئی کہ وہ طالبان اور ان تمام ”مجاہدین“ کے خون سے جی بھر کے ہولی کھیلیں جنہیں امریکہ نے دنیا کے کونے کونے سے افغانستان میں جمع کیا تھا۔ پاکستان نے امریکی اطاعت میں کبھی کوئی فروگذاشت نہیں کی۔ امریکی تھرڈ سیکرٹری لیول کے ایک سابقہ سی آئی اے کے گینگسٹر کی دھمکی پر ہم نے اپنی پالیسیاں یکدم بدل دیں۔ اپنی زمین اور فضا دشمن کے حوالے کردی۔

امریکیوں نے اپنی فطرت کے مطابق پاکستان پر دباؤ میں مسلسل اضافہ کئے رکھا اور نہ صرف امریکی جہاز اور میرین ہمارے مہمان بنے بلکہ امریکی خفیہ ایجنسیاں خاص طور پر ایف بی آئی بھی پاکستان میں دندنانے لگی۔ یہ لوگ پاکستان سے ”القاعدہ“ کے دہشت گرد کھوجنے آئے تھے لیکن ہم نے شاہ سے زیادہ شاہ کی فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پانچ سے پچاس ہزار ڈالر فی بندہ کے حساب سے تبلیغی جماعت کے مبلغوں سے لے کر دکاندار، ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان اور غیرملکی سفیر (ملاضعیف) تک ان کے حوالے کر دیئے۔ یہ انسانی بے شرمی کی تاریخ کا نقطہ کمال تھا۔ ان دنوں شیخ محمد اکرم پراسرار طور پر اغواء ہونے والے بدقسمت پاکستانیوں کے نوحہ گری پاکستانی

عدالتوں میں لے جایا کرتے تھے۔ ان کا انٹرویو ملاحظہ کریں جس سے اس دور کی صورتحال کی سنگینی کا اندازہ ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ حالات اب بھی جوں کے توں ہیں اور اس کھیل میں بھارت بھی اب امریکہ کا سٹریٹجک پارٹنر بن چکا ہے۔



''تعارف: دنیا میں موجودہ حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس وقت امریکہ کا سپر پاور کا کردار ادا کرتے ہوئے اور صیہونی اور یہودی طاقتوں کی آشیرباد سے مسلمانوں کو دنیا سے ختم کرنے پر تلا ہوا ہے لیکن انشاء اللہ یہ حسرت اس کے دل میں رہے گی، پاکستان جو اسلام کا قلعہ ہے یہاں امریکی ایجنٹوں نے ڈیرہ ڈالا ہوا ہے ان ایجنٹوں کے خلاف متحدہ مجلس عمل کے نائب امیر پروفیسر ساجد میر کی طرف سے لاہور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن راولپنڈی بنچ کے صدر محمد اکرام نے رٹ دائر کی جس میں انہوں نے صدر مملکت، چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف، وفاقی وزیر داخلہ معین الدین حیدر چاروں صوبوں سمیت وفاقی دارالحکومت کے انسپکٹر جنرل آف پولیس کو فریق بنایا ہے کہ امریکی ایجنٹ پاکستان میں کس کی اجازت سے دندناتے پھر رہے ہیں؟ محمد اکرام چودھری ایک بے باک اور جراتمند وکیل ہیں ''روزنامہ اسلام'' نے حال ہی میں ان سے ایک انٹرویو کیا جو قارئین کی نذر ہے۔

روزنامہ اسلام: امریکہ نے افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگا کر پوری دنیا میں مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے آپ ان حالات کو کس تناظر میں دیکھتے ہیں کہ یہ طے شدہ ہے یا اچانک ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں؟

اکرام چودھری: 11 ستمبر 2001ء میں ٹریڈ ٹاور کی تباہی کے بعد امریکی صدر بش نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا اصل میں 11 ستمبر کے واقعہ سے بہت پہلے زبانی اور تحریری طور پر میں اس بات کا واضح اظہار کر چکا تھا بلکہ ہر ذی شعور مسلمان اس بات کا ادراک رکھتا تھا کہ امریکہ وسط ایشیاء میں آنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس خطے کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ اس سوچ کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ روس کے تباہ ہونے کے بعد امریکہ دنیا میں واحد سپر پاور رہ گیا تھا اب اس نے دنیا کو اپنے مفادات کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا، اگر امریکہ کی تاریخ دیکھی جائے تو امریکہ شروع سے ہی دہشت گردی کا عالمی نشان رہا ہے۔ 1945ء میں جب دوسری جنگ عظیم اپنے

اختتام کو پہنچ چکی تھی تو اس نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینک کر لاکھوں بے گناہ شہریوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا۔ اصل میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی بم گرا کر انہوں نے اپنے ایٹمی تجربات کئے تھے لیکن ان تجربات میں انہوں نے لاکھوں افراد کو اپاہج اور لاکھوں افراد کو اگلی دنیا میں بھیج دیا اور اس واقعہ پر ڈھٹائی اور فخر سے بات کرتا رہا پھر آپ نے وقت بدلتے دیکھا کہ روس وسط ایشیاء میں داخل ہونے کے بعد افغانستان میں گھس آیا، امریکہ کو پھر بے چینی شروع ہوئی اب اس نے سرد جنگ شروع کر دی، سرد جنگ کے بعد عملی جنگ کرنے کے لئے انہوں نے 1979ء سے 1989ء تک مسلمانوں کو خوب استعمال کیا اور اس وقت انہوں نے مسلمانوں کے جہادی جذبہ کو بھی اپنے مطلب میں استعمال کیا اور مسلمانوں کو دنیا بھر میں آزادی کی جنگ جیتنے کا ہیرو قرار دیا۔ اس وقت کیونکہ امریکہ کے مفادات اس جنگ سے وابستہ تھے اس لئے انہوں نے روس کے خلاف لڑنے والوں کو پاکستان کے ذریعے اسلحہ بھی دیا لیکن یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ اس وقت کی دنیا کا کوئی مسلمان اس زاویئے سے نہیں سوچ رہا تھا کہ امریکہ کے ہاتھوں میں کھیلنے سے ہم پر کیا اثرات مرتب ہونگے ہم سب ون وے طریقے سے آگے بڑھتے رہے جب 1990ء میں روس کے ٹکڑے ہو گئے تو اس وقت مغرب میں ایک کتاب Clash of Civiliazation لکھی گئی جس میں واضح طور پر لکھا گیا کہ سرد جنگ کے بعد اگلی جنگ مغرب اور اسلامی قوتوں کے درمیان ہوگی دراصل جنگ مغرب کی اپنی ضرورت ہے کیونکہ اپنی معیشت کو سہارا دینے کے لئے ان علاقوں کی تلاش ضروری ہے جہاں پر قدرتی وسائل کی فراوانی ہو اور یہ بھی دیکھا گیا کہ مغرب نے منصوبہ بندی کر کے پہلے عراق اور ایران کے درمیان جنگ کرائی اور اس کے بعد انہوں نے کویت پر حملہ کرایا، یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ کویت پر حملہ سے پہلے امریکی سفیر عراقی صدر صدام کو ملی اور اس نے صدام کو کہا کہ کویت عراق کا حصہ رہا ہے حملہ کیجئے اور اسے عراق کا حصہ بنالیں اور پھر دنیا نے دیکھا کہ امریکہ اور برطانیہ کی صیہونی طاقتوں نے ایسا جال بچھایا کہ ہزاروں بے گناہ مسلمان شہید ہوئے، یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ عراق نے جب اپنا ایٹمی پروگرام شروع کیا اس کی بنیادی معیشت میں یہ پروگرام آگے جا رہا تھا تو اس کے ایٹمی منصوبے پر حملہ ہوا، اس دوران اسرائیل نے پورا ایک منصوبہ بنایا اور اس منصوبے کے تحت عراق کو اس میں ملوث کیا گیا مغرب کی یہودی اور صیہونی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف ایک مکمل پلاننگ کے ساتھ

آگے چل رہی ہیں ان طاقتوں نے 20ویں صدی میں پہلی جنگ عظیم کے دوران عثمانیہ سلطنت کو پارہ پارہ کیا یہ ایک مکمل سلسلہ ہے جو پلاننگ کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، دنیا کے مختلف ممالک جن میں 600 سال سے پورا مغرب خصوصاً یہودی یہ پلاننگ کر رہے تھے کہ کس طرح انہوں نے اپنے لوگوں کو حکمرانی کے اندر لانا ہے اور کس طرح انہیں استعمال کر کے وقتاً فوقتاً انہیں فارغ کرنا ہے۔ یہ سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔ 1990ء کے بعد سعودی عرب، عراق، لیبیا، شام متحدہ عرب امارات کے تمام اثاثے جو مغرب کے بینکوں میں تھے انہیں ''منجمد'' کر لیا گیا اور خدا کی پناہ کہ ذاتی اثاثے جو کسی فرد واحد کے تھے اس سے نکلوانے کیلئے جو 20 ملین سے زیادہ ہوتے ہیں انہیں بتانا پڑا کہ انہیں یہ رقم کس سلسلے میں چاہیئے اس کے بعد کویت جنگ میں سعودی عرب 56 ملین ڈالر سے زیادہ کا مقروض ہو گیا تھا اور 26 ملین ڈالر سے زیادہ کا کویت مقروض ہو گیا، 7 ملین ڈالر کا مقروض متحدہ عرب امارات ہو گیا اس دوران امریکہ نے اپنا بے کار اسلحہ جو اس کے اسٹوروں میں پڑا خراب ہو رہا تھا ان ممالک کو دھڑا دھڑ فروخت کیا اور ان پر صدام کا خوف مسلط کیے رکھا یہ مکمل مغرب کا پلان ہے جس پر عمل ہو رہا ہے مغرب کی یلغار روس کے ٹوٹنے کے بعد مڈل ایسٹ پر ان کا قبضہ رہا، ان کے بعد ان کی دوڑ ہندوستان کی مارکیٹ پر قبضہ کرنا، ایران کو دباؤ میں رکھنا، پاکستان کے ایٹمی اسلحہ کو ختم کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ بنانا، چائنا کا گھیراؤ ڈالنا، اس کی مارکیٹ پر قبضہ کرنا تھا، دنیا کے تیل کے بڑے ذخائر جو روس کی نئی آزاد ہونے والی ریاستوں میں ہیں ان پر قبضہ کرنا افغانستان میں اور پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے پہاڑوں میں قیمتی قدرتی ذخائر ہیں جو آج تک کسی نے تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ امریکہ 16ویں صدی کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرح یہاں سے اپنے تجارتی مفادات حاصل کرنا چاہتا ہے، امریکہ اور برطانیہ کے تجارتی مفادات کے علاوہ انہیں اس علاقے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ 16ویں صدی میں ڈائریکٹ ملکوں کو اپنی غلامی میں لے لیا جاتا تھا اب یہ رواج تو نہیں رہا لیکن اب معاشی طور پر لوگوں کو غلام بنا لیا جاتا ہے جیسے پاکستان 38 ملین ڈالر کا مقروض ہے جو ملک اتنا مقروض ہو اور وسائل بھی اس کے پاس نہ ہوں، کرپشن، بددیانتی،، عام ہو نا اہل قیادت ہو وہ ملک ان کے چنگل سے کیسے نکل سکتا ہے۔ یہ عام باتیں کہنے کا مقصد یہ ہے کہ 11 ستمبر کا واقعہ اس سلسلے کی کڑی ہے جو امریکہ اور برطانیہ نے بنایا ہوا ہے، جس پروگرام کے تحت وہ عمل پیرا ہیں یہ بین الاقوامی تناظر

میں دیکھنے کی چیزیں تھیں جس پر ہمارے پڑھے لکھے طبقے نے سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، ان طاقتوں نے دنیا میں کہیں بھی مسلمان ملک کو دفاعی، تجارتی، معاشی طور پر مضبوط ہوتے دیکھا تو اسے ختم کرنے کے لئے اور پیچھا کرنے کے لئے اپنے ہدف پر کام شروع کر دیا، ملائشیا کی مارکیٹ جب بہت اوپر چلی گئی تو انہوں نے پورے شاہی ریجن کو سٹاک مارکیٹ میں کریش کرا دیا جس میں جاپان، ہانگ کانگ، تائیوان بھی متاثر ہوا اور ملائیشیا بلین ڈالر پیچھے چلا گیا، یورپ دوسری جنگ عظیم میں معاشی طور پر تباہ ہو گیا تھا برطانیہ جزوی طور پر بچا تھا، امریکہ اور برطانیہ آپس میں فرسٹ کزن ہیں دونوں ملکوں کا تاریخی رابطہ ہے اب دونوں ملک روس سمیت تمام ممالک کو آگے لیکر چل رہے ہیں یہ دونوں ملک قزاقوں پر مشتمل ٹولہ ہے لیکن 11 ستمبر کے واقعہ نے امریکہ کو ہلاک کر رکھ دیا وہاں اس دوران اربوں ڈالر کا فراڈ ہوا مختلف انشورنس کمپنیوں کے بڑے عہدیداروں نے غلط اثاثے بتا کر فراڈ کیا وہاں سماجی اور معاشی اعتماد ختم ہو کر رہ گیا انشورنس کمپنی لائڈ آف لندن بہت نیچے آ گیا انران Inran میں کئی ملین ڈالر کا فراڈ ہوا اور ورلڈ کام میں 14 ملین ڈالر کے غلط اثاثے بتائے، فیکس مشین بنانے والی کمپنی نے 32 ملین ڈالر کے غلط اثاثے بتا کر فراڈ کیا جس کی وجہ سے امریکی صدر کو تقریر کر کے کہنا پڑا کہ اس فراڈ کو ہم دیکھ لیں گے۔ بش حکومت میں موجود سینیٹر اور ارکان اسمبلی میں بہت بڑے بڑے تاجر شامل ہیں، یہ پوری دنیا کو تاجر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ 11 ستمبر کا واقعہ ایک بہت بڑی سازش تھی جو مسلمانوں کے خلاف کی گئی امریکہ سمیت دنیا میں اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا اور مختلف اسلامی ممالک دفاعی اور معاشی طور پر تیزی سے آگے جا رہے تھے۔ یہ یہودیوں کو کھٹک رہا تھا اور اہم بات یہ کہ یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ عیسائیوں کو استعمال کیا یہودیوں نے ڈائریکٹ کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف حصہ نہیں لیا۔

روزنامہ اسلام: آپ کے خیال میں 11 ستمبر کے واقعہ میں کون لوگ شامل تھے؟

اکرام چودھری: اس واقعہ کے پیچھے یہودی سازش کا ہاتھ تھا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان جو دنیا میں آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں وہ اس سازش میں ان کے کام آ گئے ہوں مجھے یقین ہے کہ یہ سازش یہودیوں کی ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ امریکہ جو دنیا میں بہت بڑی طاقت کے طور پر سامنے آ رہا ہے اسے ایک حد میں رکھا جائے گذشتہ دہائی میں جس امریکی حکومت نے اسرائیل

کے خلاف کوئی بات کہی یا پالیسی بنائی یا اسرائیل کے خلاف عربوں کی حمایت کی بات کی تو فوری طور پر کوئی نہ کوئی حادثہ رونما ہوا اور وہ صدور جو بظاہر بہت مضبوط نظر آتے تھے انہیں کسی نہ کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، سابق صدر نکسن کا واٹر گیٹ سکینڈل، سابق صدر بل کلنٹن پر لڑکی کا جنسی سکینڈل، ہمارے سامنے ہے کہ ان لوگوں نے اسرائیل کے خلاف تھوڑا بہت قدم اٹھانے کی کوشش کی تو انہیں کسی نہ کسی مسئلہ میں الجھا دیا گیا، موجودہ صدر بش کو یہودی نے ایک کونہ میں کھڑا کر دیا ہے موجودہ حالت میں کیونکہ امریکہ سمیت دنیا بھر میں یہودی بڑی کاروباری کمپنیوں کے مالک ہیں اس لئے وہ امریکہ میں مخصوص حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ امریکہ ایک وقت میں ہلنا شروع ہو جاتا ہے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، 11 ستمبر کے واقعہ کے بعد مڈل ایسٹ کا واقعہ ہوا افغانستان کے اوپر خاص یلغار ہوئی، دنیا بھر میں دہشت گردی کے خلاف ایک سوچ ابھری ہے جب افغانستان پر ملا عمر کی حکومت تھی تو انہیں کہا جاتا رہا کہ آپ پائپ لائن آئل سنٹرل ایشیا کے ممالک سے نیچے لانے دیں تاکہ پاکستان کے ذریعے بحیرہ عرب میں آجائیں جہاں سے اسے دنیا کے دیگر ممالک میں لے جایا جا سکے جب انہوں نے اسے قبول نہیں کیا تو یہ سوچا جانے لگا کہ ملا عمر کو کیسے ہٹایا جائے؟ اس سے پہلے یہ بھی کہا جاتا رہا کہ اس دور میں ہزاروں سال پرانے بتوں کو بارود سے اڑا دیا گیا حالانکہ اسلام تو کسی کے جھوٹے خدا کو بھی برا کہنے سے منع فرماتا ہے میرے خیال میں یہ بات غلط تھی کیونکہ اب دنیا 200 سال پرانی نہیں ہے اب تو نیویارک میں ہونے والا واقعہ ٹھیک آدھے منٹ میں دنیا بھر میں پہنچ جاتا ہے دنیا سکڑ گئی ہے، مسلمان سمیت ہر قوم کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہم اپنا فیصلہ کرنے سے پہلے کیا کر رہے ہیں اس کا دنیا میں کیا ری ایکشن ہوگا مختلف ممالک کیا سوچیں گے وہ کیا پلاننگ کر سکتے ہیں؟ ان کی سوچ ہمارے کل کے پلان پر کیسے اثر انداز ہو سکتی ہے، میرے خیال میں یہ چاہے معاشی پہلو سے ہو، چاہے مذہبی پہلو سے ہو چاہے دفاعی پہلو سے ہو ان تمام حوالوں سے ہمیں بطور مسلمان پوری سوجھ بوجھ کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔ اسے روکنے سے کہاں سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور انہیں روکنے کیلئے ہمارے پاس کیا وسائل اور طریقے ہونے چاہئے اگر یہ تمام پلاننگ ہماری نہ ہوگی تو ہمارے اقدامات متاثر ہونے کے بھرپور چانس ہوں گے۔ افغانستان کی تباہی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس علاقے میں جو خاص قسم کی سوچ

ابھر رہی تھی اسے ختم کرتے ہوئے یہاں کے قدرتی وسائل پر اپنا قبضہ کیا جائے اور ساتھ ہی علاقائی چودھراہٹ کے مفادات جس میں ان کا نقطہ نظر واضح ہے۔ ہندوستان کی بڑی مارکیٹ جس میں امریکہ بہت زیادہ انوسٹ کرتا ہے وہ اس علاقے کے انسانی وسائل، معاشی وسائل اور قدرتی وسائل سب اپنے ملک کو چلانے کیلئے اپنی دسترس میں رکھنا چاہتا ہے۔ اپنی دفاعی قوت اور بین الاقوامی سٹریٹجک پوزیشن کے لئے اپنے اڈے بنا رہا ہے اور خود بھی یہاں موجود ہے حال ہی میں ہونے والی جنگ کے دوران انہوں نے سنٹرل ایشیا کے 3 ممالک میں اپنے اڈے قائم کئے ہیں اس موجودگی کا مقصد یہ ہے کہ ان ملکوں کو اپنی خواہش کے مطابق چلایا جائے ان ملکوں کی پالیسیاں ان کے کہنے کے مطابق بنیں اور وسائل کو اپنے طریقے سے استعمال کریں اور دنیا کی واحد سپر پاور کے سٹیٹس کو بحال رکھیں۔

روزنامہ اسلام: جاپان، معاشی طور پر بہت زیادہ مضبوط ہے لیکن امریکہ نے جاپان کو ٹارگٹ نہیں بنایا بلکہ افغانستان کو ٹارگٹ بنایا ہے کیا اہم وجہ یہ تھی کہ یہاں کے اسلامی نظام کو وہ اپنے لئے مسئلہ سمجھتا تھا آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟

اکرام چودھری: جاپان سے امریکہ کو نظریاتی طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسے امریکہ نے معاشی طور پر تو مضبوط ہونے دیا ہے اس نے ایٹم بم بنایا ہے، مشینری بنائی ہے، تعلیمی گراف زیادہ ہے ان سب باتوں کے باوجود دفاعی لحاظ سے وہ بالکل ناکارہ ہے وہاں امریکہ کا بہت بڑا بحری بیڑہ ہر وقت موجود رہتا ہے دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان نے خود کو معاشی ترقی کیلئے محدود کر لیا تھا۔

روزنامہ اسلام: امریکہ دنیا بھر میں اسلامی تحریکوں کو ختم کرنے کے لئے اقدامات کرتا ہے لیکن عیسائی اور دیگر قوموں کی تحریک آزادی کو دنیا بھر میں سپورٹ کیا، مسلمان ممالک کے حکمرانوں کو ایسی صورتحال میں کونسی طاقت ہے جو متحد ہونے سے روک دیتی ہے؟

روزنامہ اسلام: دنیا کے بیشتر ممالک میں اسلامی تحریکیں خاص کر آزادی کی تحریکیں جاری ہیں، چیچنیا کو روس نے تباہ کیا کیونکہ وہ آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے، دنیا نے چیچنیا کی آزادی کی جنگ کو دہشت گردی کہا اور روس کا ساتھ دیا کیونکہ چیچنیا کے لوگ مسلمان تھے، دنیا کی کسی انسانی حقوق کی تنظیم کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ ان کی مدد کریں، اب بھی چیچنیا کے لوگ پریشان

پھر رہے ہیں۔ فلسطین کا حال سب کے سامنے ہے، کشمیر میں 80 ہزار افراد شہید ہو چکے ہیں، ہندوستان میں 54 سال سے مسلمانوں کو کوئی نہ کوئی وجہ بنا کر گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا جاتا ہے لیکن ان تمام معاملات پر دنیا کا کوئی ملک آواز اٹھانے پر تیار نہیں ہے، سب سے بڑی بدقسمتی کی بات تو یہ ہے کہ اسلامی ممالک کی تنظیم بھی ان معاملات پر کوئی آواز بلند نہیں کر رہی ہے وہ گونگے بہروں کا کردار ادا کر رہی ہے، اسلامی تحریکوں کے ساتھ ساتھ آزادی کی تحریکوں کا ایک مکمل ایجنڈا ہے وہ ان مسائل کو حل نہیں ہونے دیں گے، یہ سلسلہ ایسے ہی برقرار رہے گا۔ ساؤتھ افریقہ میں نیلسن منڈیلا 30 سال جیلوں میں رہا آخر کار برطانیہ کو وہاں سے نکلنا پڑا انڈونیشیا تیمور میں چند لاکھ عیسائی تھے اور سال میں زیادہ سے زیادہ چند سو عیسائی مرے ہوں گے لیکن امریکہ، یورپ اور برطانیہ کی مدد کی وجہ سے تیمور کو الگ آزاد ریاست بنا دیا گیا لیکن کشمیر پر 1948ء سے اب تک اقوام متحدہ کی قراردادوں پر کوئی عمل نہیں کرتا یہ ایک پورا ایجنڈہ ہے اور مسلمان ممالک اس ایجنڈے کو دیکھ ہی نہیں رہے مسلمان ممالک کے بادشاہ اپنی اپنی کرسی کو بچانے میں لگے ہوئے ہیں اور یہی حال پاکستان کا ہے یہاں فوجی حکمران ہو یا غیر فوجی اس کے ایجنڈے میں نہ اسلام نہ غریب آدمی کے حقوق کا تحفظ اور نہ پاکستان کو آزاد ریاست بنانے کا پروگرام رہا۔ امریکہ نے بار بار ہمیں ڈسا 1962ء میں ہمیں حکم دیا کہ چین اور ہندوستان کی جنگ میں مت آنا ہم کشمیر کا مسئلہ حل کرا دیں گے لیکن کچھ نہیں ہوا 1965ء میں سینٹو اور نیٹو معاہدے ہونے کے باوجود امریکہ نے جنگ کے دوران ہمیں کہا کہ کمیونسٹ ممالک آپ پر حملہ کریں گے تو ہم مدد کریں گے ورنہ نہیں 1971ء میں مشرقی پاکستان الگ ہوا لیکن امریکہ ہماری مدد کو نہیں آیا بلکہ پاکستان کے ٹکڑے کرنے میں مکمل تعاون کیا موجودہ حالات میں پاک انڈیا ٹینشن میں امریکہ نے کوئی مدد نہیں کی بلکہ پورا زور لگاتا رہا کہ پاکستان کو دہشت گرد ملک ثابت کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے پہلے افغانستان کے خلاف امریکہ نے ہمیں استعمال کیا اور ابھی تک کر رہا ہے، افغانستان جسے کل ہم سپورٹ کر رہے تھے، اب امریکہ کے کہنے پر اسے دہشت گرد کہنا شروع کر دیا اور وہاں بے گناہ شہریوں کی ہلاکت میں جنرل پرویز مشرف نے اپنا پورا کردار ادا کیا، اب امریکہ اپنے ایجنٹوں، ایف بی آئی، پاکستانی پولیس انتظامیہ اور پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ساتھ مل کر افغانستان اور قبائلی علاقوں میں مسلمانوں کے گھروں میں گھس جاتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں گولی مار دیتے

ہیں، عزت نفس مجروح کی جاتی ہے، خود ہی ملزم اور مجرم کا فیصلہ کرتے ہیں اور بعض جگہ پر قرآن پاک کی انہوں نے بے حرمتی کی (شہید کر دیا) دنیا کا کوئی قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی ملزم اور مجرم کو پکڑ کر گولی مار دی جائے، ملزم کو گرفتار کرنے کے بعد مقدمہ چلایا جائے اگر اس پر جرم ثابت ہوتا ہے تو اسے قرار واقعی سزا دی جائے، حکومت اپنی کرسی بچانے کے لئے امریکہ کا ساتھ دے رہی ہے، سارا عمل پاکستانی قوم اور پاکستانی نظریہ اسلام کے خلاف ہے۔ اس وقت ملک میں عملاً کوئی حکومت نہیں ہے، ہم امریکی کٹھ پتلی اور ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

روزنامہ اسلام: اس وقت افغانستان میں امریکہ اور دیگر ممالک جو انوسٹمنٹ کر رہے ہیں اس کے اصل اسباب کیا ہیں وہ اس سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟

اکرام چودھری: امریکہ نے افغانستان میں انوسٹمنٹ کرنے کے لئے 50 ملین روپے مختص کئے ہیں تعلیمی ادارے دوبارہ کھول دیئے گئے ہیں، اصل میں یہ تمام رقم امداد کے نام پر بہت ساری تخریب، تحریکوں کے اندر مختلف لوگوں کو رشوت دینے اور مختلف لٹریچر پرنٹ کرانے پر خرچ کی جائے گی، یہ تخریب کاری کا نیا طریقہ ہے۔ پاکستان کی سلامتی کو اس وقت بہت بڑے خطرات لاحق ہیں۔ اس وقت نظریاتی اور جغرافیائی خطرات لاحق ہیں صدر کی تقریریں ان کے بیانات ان کی یقین دہانیاں پر فریب اور جھوٹ پر مبنی ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کس منہ سے جمہوریت اور عوام کے حقوق کی بات کرتا ہے اس حکومت اور سابقہ حکومتوں نے آئین کی پاسداری نہیں کی، اپنے حلف کی پاسداری بھی نہیں کی، انہوں نے اقتدار کو طوالت دینے کے لئے تمام کام کئے پھر ان کا یہ کہنا کہ اس قوم کی بہتری کیلئے آئین میں ترامیم کر رہے ہیں، یہ باتیں جھوٹ اور فریب پر مبنی ہیں ان پر اعتماد کرنا ایسے ہی ہے جیسے صحرا میں سراب پر اعتماد کیا جاتا ہے، پاکستانی قوم کو اکتوبر کے الیکشن پر خصوصی نظر رکھنی ہوگی، موجودہ حکومت کو 1973ء کے آئین میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرنے دے موجودہ آئینی ترامیمی پیکج کو قوم نے مسترد کر دیا ہے، وکلاء آئین کے بارے میں بہتر سمجھتے ہیں، اس پیکج کے خلاف عنقریب ہم کونشن بلا رہے ہیں جس میں اس بارے میں فیصلے کئے جائیں گے، ہم ایسی تمام کوششوں کے خلاف بھرپور مزاحمت کریں گے، یہ سازش سابقہ حکمرانوں کی طرح ملک کی بقا کے خلاف چند جرنیل چند بیوروکریٹس اور پاکستان مخالف لوگ مل کر اس قسم کے اقدامات کر رہے ہیں، ہم انشاء اللہ ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔ اصل بات افغانستان میں امریکہ کی طرف

سے بھیجا جانے والے سرمایہ پر بات ہو رہی تھی اس سے یہاں دہشت گردی کی مبینہ کوششوں کو یہ لوگ پاکستانی فوج اور پولیس کے ذریعے آگے بڑھا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ بطور سر کی قیمت کیلئے بھی اسے استعمال کر رہے ہیں ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ امریکہ نے پاکستان کو مختلف لوگوں کے سر کی قیمت کی مد میں کتنا سرمایہ دیا ہے یہ چاہے القاعدہ کے پاکستان میں موجود لوگ ہوں دہشت گرد ہوں یا کوئی اور لوگ ہوں اور اس رقم کو کہاں کہاں خرچ کیا جا رہا ہے اور وہ کونسا معاہدہ ہے جس کے تحت پاکستانی حکمرانوں نے امریکہ کو ہوائی اڈے بھی دیئے، اڈوں پر ایف بی آئی کے ایجنٹوں کو بٹھا دیا اور مسلمانوں کے سامنے قرآن کی بے حرمتی کی جاتی ہے، اس صورتحال میں مشرف کو کسی صورت بھی خیر خواہ نہیں کہا جا سکتا؟ وہ امریکہ کی حمایت میں ہر بات پر ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اس جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کہنے سے ان کی زبان نہیں تھکتی۔ کیا انہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ پاکستان میں کتنے لوگ بیروزگاری کے جہنم میں گرفتار ہیں، کتنے لوگ رات کو اپنے بچوں کے ساتھ بھوکے سوتے ہیں، مشرف کی پالیسیوں کی وجہ سے پاکستان میں پریشان حال لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، کیا مشرف اس بات پر توجہ دیں گے کہ پاکستان میں لا اینڈ آرڈر خراب کرنے میں پولیس کا کتنا کردار رہا ہے پولیس جہاں چاہتی ہے شہریوں کو پکڑ لیتی ہے اپنے عقوبت خانوں میں لے جا کر تشدد کیا جاتا ہے، انہیں گولیاں مار کر کہتے ہیں کہ خودکشی کر لی جعلی مقابلے کرا کر ملزموں سے جان چھڑاتے ہیں اور حکومت سے انعام بھی لیتے ہیں حکومت کے پاس کوئی ایجنڈا نہیں ہے سوائے اس کے کہ پاکستان پر مسلط رہا جائے، قوم پر حکومت کی جائے، چاہے دلوں پر حکومت ہو یا نہ ہو اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، اگر کچھ ہے تو وہ فریب اور جھوٹ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے موجودہ حکومت نے غیر ملکی طاقتوں اور ہندوستان کے ساتھ مل کر کشمیر کو تقسیم کرنے کا پروگرام بنا لیا ہے لیکن محب وطن لوگ اور ہم انشاءاللہ حکومت کو ایسا کبھی نہیں کرنے دیں گے۔

روزنامہ اسلام: امریکی جاسوس اور فوجی جو پاکستان میں موجود ہیں انہیں پاکستان سے نکالنے کیلئے ہمیں کیا حکمت عملی ترتیب دینا ہوگی؟

اکرام چوہدری: جب حکمران عوام کے حقوق کا خیال نہیں کریں گے تو اقتدار اعلیٰ کمزور ہوگا اور موجودہ حکومت کو یقین ہو چلا ہے کہ امریکہ کی امداد کے بغیر یہاں چند روز بھی نہیں نکال سکتی

ہے یہ دفاعی حوالے سے ہو چاہے معاشی حوالے سے ہو نتیجتاً امریکہ اور دیگر ملکوں کے ایجنٹس
مبوط نظر آنے والے اداروں میں (جو در اصل مضبوط نہیں) انہیں ملازم کے طور پر ساتھ لے کر
لیتے ہیں، انہیں اپنے مقصد میں استعمال کرتے ہیں اس لئے ہمیں بالکل توقع نہیں ہونی چاہئے کہ
ومت امریکیوں کو یہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گی، اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ
کستانی قوم قومی یکجہتی کا ثبوت دیتے ہوئے امریکہ کے خلاف مکمل نفرت اور اپنے نقطہ نظر کا اظہار
رے، عدالتوں، اشتہارات، اخبارات، جلسہ، جلوس اور دیگر مقامات پر امریکی سازشوں کو بے
ب کرنا ہوگا اور دنیا کو بتانا ہوگا کہ ہماری حکومت جو امریکہ کی چٹی بٹی بنی ہوئی ہے وہ مسلمانوں کو
ردینی مدارس جو بالکل پر امن اور اسلامی تعلیمات کے مطابق کام کر رہے ہیں انہیں دہشت
ردی کے لیبل کے تحت حکومتی اور غیر حکومتی ذرائع سے ختم کرنے پر تلی ہوئی ہے، ہمیں من حیث
نوم یک جان ہو کر حکومت کے خلاف سٹینڈ لینا ہوگا تب ہی ہم امریکہ اور امریکی ایجنٹوں سے
نکارا حاصل کر سکتے ہیں۔

روزنامہ اسلام: آپ نے حکومت کیخلاف حال ہی میں ہائیکورٹ میں ایک رٹ پٹیشن
ئر کی ہے اس سے آپ کو کوئی دھمکیاں وغیرہ نہیں ملیں؟

اکرام چودھری: میں یہ کام پاکستانی اور مسلمان ہونے کے ناطے کر رہا ہوں یہ ملک
ہیں اللہ تعالیٰ نے نعمت کے طور پر اسلام کے نام پر دیا ہے، ہر شہری کا فرض بنتا ہے کہ اسکی حفاظت
رے، اس مقدمہ پر میں ابو عمر قریشی کو شاباش پیش کرتا ہوں جو مسلمانوں پر ہونے والے ظلم پر
ہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے سامنے آئے ہیں، راولپنڈی میں ساجد میر صاحب کی طرف
ے دائر کی جانے والی پٹیشن میں بھی ابو عمر قریشی میرے ساتھ رہے۔ ان کے تعاون سے ہم نے
ں کام کو آگے بڑھایا ہے۔ اس میں اٹارنی جنرل پاکستان کو نوٹس جاری ہو گئے ہیں، صدر جنرل
یز مشرف، وزیر داخلہ معین الدین حیدر پولیس کے آئی جی اور آئی ایس آئی کے ڈائریکٹرز کو
ں جاری ہو گئے ہیں کہ تین ہفتے کے اندر اندر اپنے اپنے جواب داخل کریں اس کا مقصد بھی یہ
ہے کہ ہم پاکستانی عوام اور دنیا کو بتائیں کہ یہ دنیا میں امن کے علمبردار اور پاکستان میں ان کا ساتھ
ینے والے ہمارے حکمران کس قدر گھناؤنا کردار ادا کر رہے ہیں، دہشت گردی کے نام پر کس
رح بے گناہ لوگوں کو جیلوں میں ڈال رہے ہیں اور کس طرح مسلمانوں اور اسلام کے خلاف

سازش کو آگے بڑھانے میں یہ اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

روزنامہ اسلام: اس دوران کوئی مسئلہ تو پیش نہیں آیا؟

اکرام چودھری: اگر ہمارا دامن صاف ہے اور نیک نیتی سے کام کر رہے ہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، لالچ کی باتیں ہوتی ہیں گاڑیوں کا پیچھا ہوتا ہے، ٹیلی فون ٹیپ ہوتے ہیں لیکن مجھے اللہ کے کرم سے کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی میں اپنا کام کرتا چلا جا رہا ہوں اور اللہ نے مجھے ہمیشہ کامیابی دی انشاء اللہ اس ملک کے دشمن جو اس ملک میں ہیں یا باہر ہیں انہیں ناکامی ہوگی اور اس ملک کو اسلامی جمہوریہ بنانے میں اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے اور قائد اعظمؒ نے جیسے کہا تھا کہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہوگا ہم اسے اسلامی ملک بنائیں گے انشاء اللہ پاکستان سے اس اسلامی تحریک کا آغاز ہوگا جو دنیا میں تیزی سے پھیلے گی صیہونی، ہندو اور یہودی طاقتیں اپنے انجام کو پہنچیں گی۔

روزنامہ اسلام: کیا افغانستان میں امریکہ اپنے مفادات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا؟

اکرام چودھری: افغانستان ایک مشکل سرزمین ہے اسٹریٹیجک اور نظریاتی طور پر بہت مشکل مقام ہے یہاں کے رہائشیوں کی اسلام کے حوالے سے پختہ سوچ ہے، لا الہ الا اللہ کے حوالے سے ان کے عزائم اور استقلال کو لغزش نہیں آسکتی لاکھوں بے گناہ افراد کو شہید کرنے کے باوجود امریکہ کو بہت مشکل صورتحال کا سامنا ہے، امریکہ کے جو افغانستان میں حامی ہیں وہ بھی اب امریکہ کو یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ امریکہ افغانستان میں بے گناہ افراد کو قتل کرنا بند کرے امریکہ کو اس سے تشویش ہوئی ہے امریکی بنیادی طور پر بزدل قوم ہیں اگر مسلمان ممالک کے حکمران یا عوام نے ایک نقطہ نظر کی تکمیل کے لئے منصوبہ بندی کرلی تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا ایک گولی چلائے بغیر ذہنی، دفاعی، معاشی اور پروفیشنل طور پر تسلط قائم ہو جائے گا ہمیں صرف منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں قطعاً نعرے لگانے کی ضرورت نہیں ہے جس سے دشمن کو غیر ضروری طور پر اپنے اندر مداخلت پیدا کرنے کا موقع فراہم کریں لیکن درست منصوبہ بندی ہمارا پہلا اور آخری کام ہونا چاہئے۔

روزنامہ اسلام: صدر مشرف نے کہا ہے کہ قبائلی علاقہ جات میں امریکی ایف بی آئی

کے 10 افراد کام کر رہے ہیں آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

اکرام چودھری: یہ بالکل جھوٹ ہے پاکستان کے تمام ہوائی اڈوں اور پاکستان کے مختلف شہروں میں قائم سیل جو امریکی ایف بی آئی چلا رہی ہے کیا یہ صرف 10 افراد ہیں ہم نے عدالت سے ساجد میر کی رٹ میں یہ بات کی ہے کہ پاکستانی حکومت بتائے کہ اس نے امریکہ کو کتنے فوجی اڈے دیئے ہیں؟ کتنے ایف بی آئی کے ایجنٹس ہیں انہوں نے کتنا سرمایہ دیا ہے؟ کتنے لوگوں کو یہ مار چکے ہیں؟ کتنے لوگوں کو امریکہ بھیجا ہے اور پاکستان میں کتنے وقت تک یہ امریکی فوجی رہیں گے؟ اگر کوئی معاہدہ ہوا ہے تو یہ بتائیں کہ کس قانون کے تحت یہ کام کیا ہے کیونکہ سکیورٹی کونسل کے 11 ستمبر کے ریزولیشن اور اس کے بعد ریزولیشن کا کہیں بھی تذکرہ نہیں آتا کہ پاکستان کا بھی وہی حال ہوگا جو افغانستان کا حال ہوا ہے، اگر موجودہ حکومت زیادہ عرصہ برقرار رہی تو یہ پاکستان کو تباہی کے آخری دہانے تک پہنچا جائیں گے پوری قوم کو سوچنا چاہئے اور اکتوبر کے الیکشن میں انتہائی دیانتدار اور قابل لوگوں کو اسمبلیوں میں پہنچانا چاہئے تاکہ کم از کم وقت میں مفاد پرست فوجی جرنیل اور مفاد پرست بددیانت سول و فوجی بیوروکریسی اور مفاد پرست سیاستدانوں کا پاکستان میں ہمیشہ کے لئے "ناطقہ" بند کردیں۔

(بشکریہ روزنامہ اسلام کراچی 17 جولائی 2002ء)



یہ تیرے پُراسرار بندے......القاعدہ

''القاعدہ'' جو امریکیوں کی ذہنی اختراع اور ان کے حواس پر سوار ہے آخر افغانستان میں امریکہ کی شکنجے سے کیسے نکل گئی جس کو تباہ کرنے کے لئے اس نے انسانی تاریخ کا بدترین آپریشن افغانستان میں لانچ کیا تھا۔ اس سوال کے جواب میں ستمبر 2002ء کو میں نے ایک آرٹیکل لکھا تھا ملاحظہ فرمائیں:

افغانستان میں امریکہ کی لڑائی کو عام طور پر کامیاب تصور کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کو القاعدہ کو نیست و نابود کرنے میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ ان دنوں امریکی فوجی افغانستان میں القاعدہ کے ارکان کو شدت کے ساتھ سونگھتے پھر رہے تھے جب تورا بورا کے پہاڑوں میں القاعدہ کے غاروں کے کمپلیکس پر حملہ کیا گیا۔ دسمبر کی یخ بستہ ہوائیں ہڈیوں کے اندر تک سرایت کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں رگوں میں خون جمتا اور سانسیں اکھڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں جب القاعدہ اور طالبان کے ارکان نے حملے کی شدت کے باعث تورا بورا کے پہاڑوں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں روپوش ہو جانے کا فیصلہ کیا اور القاعدہ کے سینکڑوں ارکان نے تورا بورا سے نکل کے اسپن گھر کے پہاڑی سلسلے میں کوہ سفید اور اس سے بھی دور دراز علاقوں میں دشوار گزار راستوں کا سفر کیا۔ ایک طرف امریکی B-52 بمبار طیارے پہاڑوں پر اندھا دھند بم برسا رہے تھے تو دوسری جانب گن شپ ہیلی کاپٹر ان پہاڑوں پر گولیاں اور راکٹ برسا رہے تھے اور

پاکستانی فوجی پاک افغان سرحد بند کر چکے تھے۔

اس کے علاوہ مغرب نواز کمانڈر حضرت علی کی قیادت میں 1500 افغان جنگجوان کا پیچھا کر رہے تھے جنہوں نے ایک دور افتادہ وادی میں القاعدہ کے 30 جنگجوؤں سے تین گھنٹے تک لڑائی کی اور تقریباً تمام جنگجوؤں کو اسی دن ہلاک کرنے کے بعد واپس جا کر اپنی فتح کا اعلان کر دیا۔ لیکن حضرت علی کا کہنا ہے کہ اس لڑائی میں ہلاک ہونے والے افراد علیحدہ ہو جانے والا ایک چھوٹا سا گروپ تھے جبکہ القاعدہ کے باقی ارکان وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے تھے کچھ افغانوں کا کہنا ہے کہ القاعدہ کے لیڈرز نے ایک مغرب نواز وار لارڈ کو پیسے دے کر محفوظ راستہ لے لیا تھا۔ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ امریکی B-52 طیارے اپنے دو ہزار پونڈ وزنی بم دوسرے راستے پر برساتے رہے۔ حضرت علی سمیت کئی افغان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے رات کے وقت سیاہ رنگ کے ایک پراسرار ہیلی کاپٹر کو انتہائی نیچی پرواز کرتے ہوئے دیکھا ہے جو القاعدہ کے سرکردہ رہنماؤں کو وہاں سے نکال کر لے گیا۔ پینٹا گون کے ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ ہیلی کاپٹر امریکہ کی اسپیشل فورسز اتارنے کا کام کر رہا تھا۔

ان تمام باتوں کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ القاعدہ کے ایک ہزار سے زیادہ ارکان بشمول اہم رہنما بلکہ اسامہ بن لادن وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے بعد ازاں مارچ کے مہینے میں پاکستان کے شہر فیصل آباد میں القاعدہ کے ایک اہم رہنما ابو زبیدہ کو گرفتار کر کے بڑی کامیابی حاصل کی گئی تاہم دوسرے رہنماؤں اور عام جنگجوؤں کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہیں۔ ایک امریکی فوجی اہلکار کے بقول تورا بورا سے بڑی تعداد میں القاعدہ کے ارکان فرار ہو کر پاکستان اور ایران گئے ہیں تاہم القاعدہ بری طرح برباد ہو چکی ہے اور ہم القاعدہ کے ارکان کو اکھٹے کے بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے ختم کر رہے ہیں۔

کچھ یورپی اور عرب انٹیلی جنس ماہرین کا خیال ہے کہ القاعدہ نے اپنی ترتیب بدلی ہے اور وہ اب بھی اتنی ہی خطرناک ہے جتنی پہلے تھی لیکن اب اس سے لڑنا بہت زیادہ مشکل ہو گیا ہے اور دسمبر میں جتنا خطرہ تھا اب اس سے کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب واشنگٹن کے رہنما صدام حسین کے اقتدار کے خاتمے کے لئے نئی جنگ شروع کرنے کی مخالفت کر رہے ہیں انہی میں کچھ ناقدین ایسے بھی ہیں جو افغان مہم

پر تنقید کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ افغان مہم ابھی ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ ابھی تو ابتدائی مشن بھی پورے نہیں ہوئے ہیں۔ کابل کے باہر حامد کرزئی کی حکومت بے اثر ہو جاتی ہے اور کرزئی بذات خود اپنی حفاظت کے لئے امریکی اسپیشل فورسز کے محتاج ہیں۔ گو کہ القاعدہ اور ان کے اتحادی طالبان اپنی کارروائیاں پہلے کی طرح آسانی سے نہیں کر پا رہے جیسا کہ وہ پہلے کیا کرتے تھے تاہم ان کی کارروائیاں پوری دنیا میں جاری رہیں گی۔ جبکہ افغانستان میں امریکی اور ان کی اتحادی افغان افواج سے چھوٹی چھوٹی ہلاکت خیز جھڑپیں جاری ہیں گذشتہ دنوں جیل سے فرار ہو جانے والے القاعدہ کے ارکان نے کابل میں افغان آرمی کی ایک چوکی پر حملہ کیا اس حملے میں 16 افراد ہلاک ہوئے۔ اس کے علاوہ امریکی فورسز کے گشتی دستوں اور بیسز پر حملوں کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔ امریکیوں کو اس بات پر تشویش ہے کہ القاعدہ کے سینکڑوں ارکان افغانستان سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پھیل چکے ہیں اور وہ کسی بھی وقت مغربی اہداف پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

گذشتہ دنوں امریکی جریدے نیوز ویک نے ان لوگوں کے انٹرویوز کئے جن لوگوں نے القاعدہ کے ارکان کو افغانستان سے نکالنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

افغان سرحد سے ایک میل دور واقع گاؤں ملاباغ کے ایک چرواہے کریم نے بتایا کہ رمضان کے پہلے دن 16 نومبر کو اس نے زرن کی چوٹی پر روشنی دیکھی جو آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس وقت ہلکی برف باری بھی ہو رہی تھی۔ جب وہ روشنیاں قریب آئیں تو اس نے دیکھا کہ وہ سینکڑوں مسلح افراد کا قافلہ تھا جو آہستہ آہستہ گاؤں میں داخل ہوا۔ قافلے کے زیادہ تر افراد نے سیاہ پگڑیاں پہنی ہوئی تھیں اور کلاشنکوف اٹھائے ہوئے تھے۔ کچھ افراد فوجی وردی میں ملبوس تھے اور کچھ نے شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ تقریباً 600 طالبان اور القاعدہ جنگجوؤں کے اس قافلے کی ایک مقامی گائیڈ یعقوب رہنمائی کر رہا تھا جو انہیں تورا بورا سے افغان گاؤں ملاوا اور زرن کی چوٹی عبور کر کے سات گھنٹے کی مسافت کے بعد پاکستان لے کر پہنچا تھا۔ کریم یہاں سے اس قافلے کو لے کر اپنے گاؤں سراکنڈا گیا جہاں اس وقت درخان اور دوسرے قبائلی روزہ کھولنے کی تیاری کر رہے تھے۔ درخان نے بتایا کہ اس وقت ہمارے پاس جو کچھ بھی تھا ہم نے انہیں دے دیا آخر کو وہ ہمارے مسلمان بھائی تھے تب عبداللہ نامی ایک بحرینی جنگجو نے کہا تھا کہ اس نے پانچ دن بعد کچھ کھایا ہے۔ اس وقت کچھ لوگ سو گئے اور کچھ آرام کرنے لگے۔ کچھ لوگ جو زیادہ بھاری اسلحہ

اٹھائے ہوئے تھے انہوں نے کچھ دیر آرام کیا لیکن کچھ کھایا پیا نہیں اور اس کے بعد اپنا اسلحہ اٹھا کر آگے چل دیئے۔ ان میں سے کئی لوگ کافی اہم معلوم ہوتے تھے جنہیں معلوم تھا کہ ان کی منزل کہاں ہے۔ کئی دیہاتیوں کا کہنا ہے کہ قافلے میں ملا عمر کے نائب مولوی عبدالقبیر، ننگرہار کے گورنر مولوی سردار اعظم اور ننگرہار کے انٹیلی جنس ڈائریکٹر مولوی تاج میر بھی موجود تھے۔ اگر اس قافلے میں بن لادن بھی شامل تھے تو اندھیرے کی وجہ سے کسی نے ان پر توجہ نہیں دی۔

جنگجو جیسے جیسے گاؤں میں آگے بڑھتے گئے مقامی لوگ ان کی فاتح ہیروز کی طرح پذیرائی کرتے رہے، بچے ان کے ساتھ ساتھ بھاگتے رہے حتیٰ کہ گاؤں کی عورتوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے کچے مکانوں سے باہر آ کر انہیں چائے پیش کریں تب ان جنگجوؤں کے ساتھ ساتھ شریف گل نامی ایک نوجوان چل رہا تھا جسے عربوں نے بتایا تھا کہ وہ تورا بورا سے آ رہے ہیں جہاں امریکی طیارے پہاڑوں پر بنے غاروں کے کمپلیکس پر بمباری کر رہے ہیں۔ شریف گل یہ بات سن کر سڑک کے کنارے بیٹھ گیا اور پہاڑوں کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ جس راستے سے قافلہ آیا تھا اس راستے پر بمباری کا کوئی نشان تک نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ غاروں کے کمپلیکس سے آنے کے دو راستے ہیں...... ایک راستہ کوہ سفید کی طرف جاتا ہے جس سے یہ جنگجو آئے ہیں اور دوسرا راستہ وہ ہے جو خوست کی طرف جاتا ہے اور احمق امریکی دوسرے راستے پر بمباری کر رہے تھے۔

شریف نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی گائیڈ بنے گا آئندہ ایک مہینے میں اس نے کوہ سفید کے راستے تورا بورا کے پانچ چکر لگائے اور ہر پھیرے میں القاعدہ کے تقریباً 20 ارکان کو پاکستان پہنچایا۔ شریف گل اکیلا گائیڈ نہیں تھا بلکہ اور بھی لوگ تھے جو شیرزئی کے بیٹے کی معرفت یہ کام کر رہے تھے جو عربوں سے پیسہ اور ان کا اضافی اسلحہ لیتا اور شریف گل کو اور دوسرے گائیڈز کو سفر کے لئے پہنچا دیتا تھا۔ شریف گل اپنے گروپ کو تورا بورا سے لے کر سلمان خیل کے کیمپ پہنچتا اور پھر ملاوا سے ہوتا ہوا کوہ سفید عبور کر کے وادی گنداب میں داخل ہو جاتا۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے اس کام میں کتنا پیسہ کمایا۔ شریف گل کا کہنا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ میں اس قابل تھا کہ عربوں کی مدد کر سکوں اور میں نے اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کر کے اپنا فرض نبھایا ہے۔ شریف گل کے بقول ہر پھیرے میں سات سے دس گھنٹے لگتے تھے اور وہ لوگ رات کی تاریکی میں پہاڑوں میں

اسمگلنگ کے پرانے راستے پر سفر کرتے تھے۔ ان گروپس میں زیادہ تر سعودی ہوتے تھے لیکن ان کے ساتھ ساتھ یمنی اور الجزائری باشندے بھی ہوتے تھے۔ یہ تمام افراد عموماً بڑے قد کاٹھ کے تندرست وتوانا تھے۔ شریف گل کے بقول ایک بار ایک سعودی نے اسے بتایا تھا کہ ''اسامہ بن لادن اور ان کا بیٹا یکم دسمبر کو تورا بورا سے کسی نامعلوم مقام کی طرف چلے گئے تھے''۔

افغانستان سے آنے والے جنگجو کوہ سفید عبور کرنے کے بعد پاکستان کے قبائلی علاقوں میں داخل ہوئے اور اپنے مقامی ہمدردوں میں غائب ہوگئے۔ نیوز ویک کی ٹیم سرا کنڈا، منھرانی، سیوت اور ڈوگر گاؤں سے ہوتی ہوئی کوہ سفید کے دامن میں واقع ایک چھوٹے سے قصبے میدان میں پہنچی جہاں چند مقامی لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا کہ انہوں نے ان جنگجوؤں کو دیکھا ہے جبکہ ایک مقامی پک اپ ڈرائیور شربت خان نے بتایا کہ اس نے بہت سارے عربوں کو دیکھا ہے اور ''ان کے مضطرب چہروں کی یاد سے اب بھی میری رات کے وقت آنکھ کھل جاتی ہے۔ انہوں نے سفر لئے مرکزی شاہراہ استعمال نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے کچا راستہ اختیار کیا تھا جس پر چرواہے اپنے ریوڑ لے کر چلتے ہیں''۔

گنداب میں ایک مقامی ملا نے جھجکتے ہوئے اس بات سے انکار کیا کہ مدرسے میں کوئی عرب آ کر ٹھہرا تھا۔ حالانکہ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ افغانستان سے فرار ہونے والی القاعدہ فورسز اسی جگہ آ کر کچھ دیر کے لئے ٹھہری تھیں اور یہاں سے روانہ ہونے کے بعد جنگجو قصبے کے مشرق میں دو حصوں میں بٹ گئے تھے اور آدھے جنگجو جنوب میں اور کرزئی ایجنسی کی جانب اور باقی خیبر ایجنسی کی طرف جاتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ اس کے بعد آئندہ ہفتوں میں سینکڑوں جنگجو انہی راستوں پر جاتے ہوئے دیکھے گئے۔

تورا بورا میں امریکی آپریشن کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی تھی کہ افغان سپاہی القاعدہ کے جنگجوؤں کو مار کر اس راستے پر لائیں گے جہاں امریکی اسنائپر بیٹھے ہوں گے۔ بظاہر یہ منصوبہ بہت خوشنما معلوم ہوتا تھا لیکن یہ ناممکن ثابت ہوا کیونکہ امریکی فوجیوں کی تعداد اتنی نہیں تھی کہ وہ فرار کے تمام ممکنہ راستوں کو بند کر سکیں جبکہ پاکستانی افواج کو سرحد بند کرنے میں نہایت گھمبیر مشکلات کا سامنا تھا کیونکہ پاکستانی فوج 1973ء سے پہلے صرف ایک بار قبائلی علاقے میں داخل ہوئی تھی تا کہ بغاوت کو دبایا جا سکے۔ اس وقت 18 مہینے کی خونریز لڑائی ہوئی تھی اور پاکستانی فوجی افسروں

کو امید تھی کہ وہ تاریخ دوبارہ نہیں دہرائی جائے گی۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے دو ہفتے تک قبائلی عمائدین سے مذاکرات کر کے انہیں فوج کی تعیناتی پر آمادہ کیا تھا۔

قبل اس کے کہ جنرل پرویز مشرف سرحد بند کرنے کے لئے پاراچنار میں دو بریگیڈ فوج بھیجتے، 13 دسمبر کو دہلی میں پارلیمنٹ کی عمارت پر مسلح افراد نے حملہ کر دیا جس کی ذمہ داری پاکستان میں موجود کشمیری گروپ پر عائد کی گئی جس کے القاعدہ سے قریبی تعلقات تھے اس کے ساتھ ہی بھارت اپنی افواج سرحدوں پر لے آیا اور جنرل پرویز مشرف نے افغان سرحد پر فوج کی تعیناتی روک دی کیونکہ مشرقی سرحدوں پر بڑا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ دہلی کے واقعے کے تین دن بعد یعنی 16 دسمبر کو تورا بورا پر شمالی اتحاد اور امریکہ کو فتح حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد طالبان کی جانب سے آخری مورچے پر قبضے اور ہتھیار ڈالنے کے منصوبے پر اتفاق کا تاثر دیا جاتا ہے۔ اس دوران القاعدہ اور طالبان کے سینکڑوں جنگجو جن میں بعض اہم رہنما بھی شامل تھے جان بچا کر پاکستان چلے جاتے ہیں۔

ادھر شریف گل کی قسمت بھی یاوری نہیں کرتی ہے اور اسے 18 دسمبر کو پاکستانی سپاہی افغانستان میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہوئے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیتے ہیں۔ اس واقعے کے اگلے روز تورا بورا سے آنے والے عربوں کا ایک گروہ منگھل کے گاؤں میں داخل ہوتا ہے لیکن اس وقت وہاں پاکستانی فوجی ان کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں شریف گل کا کہنا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے آخر میں تورا بورا سے بچ کر آئے تھے، وہ جنگجو پیچھے ہٹ جانے والے اپنے القاعدہ کمانڈرز کو کور دینے کے لئے وہاں رک گئے تھے۔ ایک مہینے کی وحشیانہ بمباری کے باعث وہ لوگ بہت تھک چکے تھے۔ زخمی، بھوکے اور بیمار ہونے کے باعث مزید لڑنے کے قابل نہیں تھے لہٰذا انہیں پاکستان میں داخل ہوتے ہی فوراً گرفتار کر کے غیر مسلح کر دیا گیا۔ اگلے دن صبح انہیں تین بسوں میں بھر کر وہاں سے 100 میل دور کوہاٹ جیل کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ ان لوگوں کو جب بسوں میں بٹھایا گیا تو ان کے ہاتھ تک نہیں باندھے گئے تھے۔ ایک بس کے نو محافظوں میں سے ایک محافظ، 24 سالہ ناظر حسین نے بتایا کہ قیدی مسلسل کچھ کھانے کے لئے مانگ رہے تھے اور ہم انہیں نظر انداز کر رہے تھے لیکن جب بس علی زئی قصبے میں پہنچی تو ایک دوسرے گارڈ نے جو کسی مذہبی شدت پسند گروپ سے تعلق رکھتا تھا اور کچھ عربی بھی بول سکتا تھا عربوں پر طنزیہ جملے کسنا

شروع کر دیئے اور انہیں کہا کہ ”عربوں پر موت ہے! تم لوگوں کو جلد ہی ہتھکڑی لگا کر امریکیوں کے حوالے کر دیا جائے گا اور تب تم گندے عربوں کو پتہ چلے گا کہ زندگی کیسی ہوتی ہے“۔

اس کی بات سن کر بس ڈرائیور پریشان ہو گیا اور اس نے گارڈ سے خاموش ہونے کو کہا لیکن اس نے ڈرائیور کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی بالآخر کئی قیدیوں نے ”اللہ اکبر“ کا نعرہ لگایا اور بس میں ہی اس گارڈ سے گتھم گتھا ہو گئے، ایک قیدی نے بس کا اسٹیئرنگ گھما کر بس گڑھے میں اتار دی اور اس ہنگامہ آرائی میں اندازاً 15 قیدی بس سے اتر کر فرار ہو گئے جبکہ قیدی اور چھ فوجی شہید ہو گئے تاہم دوسری دو بسیں آگے چلی گئیں جنہوں نے تمام قیدیوں کو مقامی قید خانے میں بند کر دیا۔ اس کے بعد فوج اور پولیس نے بڑے پیمانے پر فرار ہو جانے والے قیدیوں کی تلاش کر کے تمام قیدیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس لڑائی میں جاں بحق ہونے والے دس قیدیوں کی قبروں پر مزار بنا دیا گیا ہے جہاں القاعدہ زندہ باد، طالبان زندہ باد، یہ افراد شہید ہیں کہ بڑے بڑے بینرز آویزاں کر دیئے گئے ہیں جبکہ اس علاقے کے لوگوں میں امریکہ مخالف جذبات بہت شدت سے پائے جاتے ہیں۔

یہ بات آج تک معمہ بنی ہوئی ہے کہ اسامہ بن لادن کہاں ہیں؟ امریکی وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ نے 31 جولائی کو کانگریس کو بتایا کہ ہو سکتا ہے کہ اسامہ بن لادن مر گیا ہو یا شاید شدید زخمی ہو شاید وہ افغانستان میں ہو یا پھر کہیں اور ہو لیکن وہ جہاں کہیں بھی ہے اگر ہے تو اسے یقیناً اپنی تنظیم چلانے میں شدید مشکلات پیش آ رہی ہوں گی۔

جرمنی کے انٹیلی جنس چیف اوگست ہیننگ کا کہنا ہے کہ انہیں یقین ہے کہ ”بن لادن اب بھی زندہ ہے اور وہ پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقے میں کہیں روپوش ہے۔ وہ اب بھی القاعدہ کی علامتی شخصیت ہے لیکن اس کی نقل و حرکت انتہائی محدود ہے لیکن اگر وہ کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو کڑے پہرے میں جاتا ہے“۔ اسامہ بن لادن کے زندہ ہونے کا ایک ثبوت وہ وائرلیس پیغام بھی ہے جسے ایک امریکی انٹیلی جنس افسر نے الیکٹرانک ٹرانسمشن مانیٹرنگ کے دوران پکڑا تھا جبکہ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اگر اسامہ بن لادن مر گیا ہوتا تو اس کے ماننے والوں کے مابین ہونے والے ریڈیو پیغامات کے تبادلے کا طوفان اٹھ جاتا۔

2002ء وسط دسمبر میں ایک امریکی انٹیلی جنس افسر نے ایک ریڈیو پیغام سنا تھا جو

اسامہ بن لادن کا معلوم ہوتا تھا اس پیغام میں اسامہ بن لادن تورا بورا میں اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بلند کر رہے تھے۔ مذکورہ پیغام ریکارڈ نہیں کیا جا سکا اور نہ آواز کی صحیح شناخت ہو سکی۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذکورہ پیغام پہلے سے ریکارڈ شدہ تھا اور جب اسامہ تورا بورا سے نکل رہے تھے تو اسے وائرلیس ریڈیو کے ذریعے نشر کیا گیا۔

ایک پروفیشنل گائیڈ اور طالبان کے عہدیدار نے بتایا وہ دیگر 28 آدمیوں کے ساتھ اسامہ بن لادن کو گھوڑوں پر سوار کرا کے تورا بورا سے تقریباً اسی وقت نکلا تھا جب وہ پیغام وائرلیس پر نشر ہوا تھا۔ وہ لوگ تورا بورا سے نکل کر پاکستان کے راستے افغانستان میں شاہی کوٹ کے غاروں کے کمپلیکس کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ گائیڈ کا کہنا تھا کہ ”وہ سفر اس کے 23 سالہ جہاد کا مشکل ترین سفر تھا۔ برفباری اور رات کی تاریکی میں ان پر پیچ پہاڑی راستوں پر سفر کرتے ہوئے وہ چار یا پانچ دن میں شاہی کوٹ پہنچے تھے۔ سفر میں ہمیں بار بار گھوڑوں کی پیٹھ سے اترنا پڑتا تھا جبکہ اسامہ بن لادن بہت اچھے گھڑ سوار ہیں اور وہ مشکل راستوں پر بھی بمشکل ہی گھوڑے سے اترتے تھے“۔

26 سالہ طالبان سپاہی علی محمد، جس کا اس گائیڈ سے کوئی تعلق نہیں ہے نے بتایا کہ اس نے اسامہ بن لادن کو شاہی کوٹ میں دیکھا تھا۔ علی کے بقول فروری کے وسط میں اس کے یونٹ کو حکم ملا کہ امریکہ کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ جب جنگجو اپنے مورچے سنبھال رہے تھے تو اس نے چلم کاس کی چوٹی سے اسامہ بن لادن جیسے ایک دراز قامت اور چھریرے بدن کے شخص کو 15 محافظوں کے ساتھ اترتے ہوئے دیکھا تھا۔ القاعدہ کے اس رہنما نے ان چھاپہ مار جنگجوؤں سے تفصیلی گفتگو کے بعد مصافحہ کیا اور کہا ”ایک دوسرے کے ساتھ ایماندار رہنا اور اپنے کمانڈر سے مخلص رہنا اور اپنا حوصلہ بلند رکھنا۔ زخمیوں کا خیال رکھنا اور پراعتماد رہنا، خدا تمہیں روز قیامت اس کا اجر دے گا“ علی کا کہنا ہے شاہی کوٹ میں ہم امریکیوں سے چار یا پانچ دن تک لڑے اور اس کے بعد پیچھے ہٹ گئے۔ علی اس وقت کراچی میں اپنے بھائی کے ساتھ مقیم ہے۔

آج علی جیسے سینکڑوں جنگجو افغانستان کے باہر گمنامی کی زندگی گزار رہے ہیں لیکن وہ اب بھی اسامہ بن لادن کے حامی ہیں اور دنیا بھر کی انٹیلی جنس ایجنسیز جہادیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ امریکیوں کے ساتھ کام کرنے والے ایک عرب انٹیلی جنس ایجنسی کے

عہدیدار کا کہنا ہے کہ کسی آپریشن کی پیشین گوئی کرنے کا فن اب ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہو گیا ہے۔ عرب تجزیہ نگاروں کو خاص طور سے ایران کی جانب سے خدشہ لاحق ہے کہ ایران اب افغانستان سے نکلنے والے القاعدہ کے سینکڑوں کارکنوں کا سب سے اہم راستہ بن گیا ہے اور القاعدہ کے بہت سے ارکان قندھار سے نکل کر ہرات کے راستے ایران گئے ہیں جب وار لارڈ اسماعیل خان نے یہ راستہ بند کر دیا تو القاعدہ کے ارکان مزید جنوب میں دوسرے راستوں سے ایران جانے لگے تھے تورا بورا سے نکل کر ایران جانے کیلئے مقامی گائیڈز کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ 30 سالہ طالبان سپاہی ملا نادر جو قندھار ایئرپورٹ پر نصب طیارہ شکن توپ پر تعینات تھا نے بتایا کہ یکم دسمبر کو اس کے کمانڈر رحمت اللہ نے اسے القاعدہ کے اتحادیوں کے ایک گروپ کو ایران پہنچانے کا حکم دیا تھا کیونکہ وہ دوسرے راستے جانتا تھا۔

کمانڈر رحمت نادر کو قندھار میں فارن ایڈ آفس کی خالی عمارت میں لے کر گیا جہاں اس کی ملاقات تقریباً ایک درجن عربوں سے ہوئی۔ نادر نے بتایا کہ ان لوگوں کی حالت خراب تھی اور انہیں امریکہ کی بمباری کا خدشہ تھا جبکہ مقامی آبادی بھی ان کے خلاف ہو گئی تھی اور کہا جا رہا تھا کہ شہر امریکی جاسوسوں سے بھر چکا ہے۔ نادر کے بقول اس رات وہ اونگھ رہا تھا جب وہ عرب ایک بڑا بریف کیس اٹھائے کمرے کے اندر داخل ہوئے اور جب اس آدمی نے بریف کیس کھولا تو اس نے مختلف رنگوں کے پاسپورٹ، مہریں، ویزا اسٹیکر اور ان افراد کی شرٹ اور ٹائیاں پہنے ہوئے شناختی تصاویر بھری ہوئی دیکھی تھیں۔ اس وقت ان عربوں نے وہاں بیٹھ کر درجنوں پاسپورٹس پر تصاویر اور ویزے لگائے تھے۔

تقریباً ایک بجے رات کو وہ سب باہر نکلے۔ اس وقت وہاں تقریباً 120 عرب موجود تھے جو قندھار میں ملا عمر اور اسامہ بن لادن کی رہائش گاہ کے نزدیک القاعدہ کے ایلیٹ گارڈ کے کیمپ میں کام کرتے تھے۔ وہ سب 6 فور وہیل ڈرائیور پک اپ گاڑیوں میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس بند تھیں اور ہر گاڑی کے درمیان تقریباً 100 میٹر کا فاصلہ تھا لیکن جب یہ لوگ گرمسیر پہنچے تو ایک چوکی پر موجود طالبان نے انہیں بتایا کہ آگے بڑھنا بہت خطرناک ہے لہٰذا انہوں نے وہ گاڑیاں طالبان کے استعمال کے ۔ ئے وہیں چھوڑ دیں اور وہ سب اس علاقے میں کام کرنے والے اسمگلروں کے تین بڑے ٹرکوں میں سوار ہو کر وہاں سے

روانہ ہو گئے۔ نادر کے بقول اگلے دن جب وہ ایران کی سرحد کے نزدیک قصبہ ربات پہنچے تو ایک عرب ابو زبیر نے سرحد پار اپنے ایک ساتھی سے وائرلیس پر بات کی تھی۔

رات کے وقت سرحد عبور کر کے ایران میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے افغانستان کے علاقے میں بہت حفاظت کے ساتھ اپنا تمام اسلحہ زمین میں دفن کیا اور ایک ایرانی گائیڈ کی رہنمائی میں زاہدان کی طرف چلے گئے۔ جانے سے پہلے ابو زبیر نے نادر کا شکریہ ادا کیا ور کہا کہ ”اسلامی قوانین کے مطابق طالبان کی حکومت بالکل صحیح تھی لیکن تم لوگوں نے بہت سی لطیاں کیں ایک خامی یہ ہے کہ ہر سطح پر نظم وضبط کا فقدان تھا اور ہر طالب اپنے آپ کو کمانڈر سمجھتا ہے۔ اللہ ہم پر نازل ہونے والی مصیبتوں میں صرف ہمارے صبر کا امتحان لے رہا ہے“۔

افغانستان سے نکلنے والے ایسے ہی تین عرب مراکش میں گرفتار ہوئے جو آبنائے برالٹر میں امریکی بحریہ کے جہازوں پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ جنہیں بعد ازاں سعودی عرب روانہ کر یا گیا۔ اس تمام صورتحال سے امریکی فوج نے کیا سبق سیکھا؟ ایک امریکی افسر کا کہنا ہے کہ اس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ افغان ملیشیا کی اپنی ایک استعداد اور حدود ہیں جن پر آپ کو انحصار کرنا ہے۔ امریکی سینٹرل کمانڈ کے چیف جنرل ٹامی فرینکس کے محتاط تجزیہ کے مطابق ”جس طرح پریشن کیا گیا میں اس سے مطمئن ہوں“ حال ہی میں جنرل ٹامی فرینکس نے سینٹ کی آرمڈ روسز کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ”نہیں! میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں تورا بورا کے علاقے ں افغانوں کو کام کرنے کی اجازت دینے کے فیصلے سے مطمئن ہوں“۔

در حقیقت جنرل ٹامی فرینکس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ دسمبر کے اوائل میں تقریباً تین ہزار امریکی فوجی افغانستان کے 17 علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ جن ں سے بمشکل ایک تہائی بلندی کے عادی تھے۔ تورا بورا کا میدانی علاقہ بھی سطح سمندر سے ایک بل بلند ہے اور پہاڑوں اور دروں میں جس جگہ پر عرب موجود تھے وہ جگہ سطح سمندر سے دو میل ند ہے جبکہ افغانستان میں امریکی فوج کی کم از کم تعداد رکھنا ایک انتہائی محتاط فیصلے کا نتیجہ تھا۔ جس لا ایک وجہ یہ تھی کہ پنٹاگون نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ بھی وہی ہو جو سوویت یونین کی فوج کے اتھ ہوا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں نقل وحمل کی مشکلات تھیں اور ایک سپاہی بڑھانے کا مطلب یہ تھا کہ غیر مستحکم سپلائی کے نظام پر مزید بوجھ پڑتا بالآخر جنرل ٹامی فرینکس کو افغانستان کے وار لارڈز

کوتورابورا میں جانے کی اجازت دینا پڑی جو وہاں جانے کے لئے تیار تھے اور یوں بھی امریکہ کی طرح یہ ان کی بھی جنگ تھی۔

دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی جنگ میں کامیابی کا پیمانہ یہ بتایا گیا ہے کہ اب تک 11 ستمبر جیسا کوئی ہولناک واقعہ پیش نہیں آیا اور نہ ہی کہیں حیاتیاتی ہتھیاروں سے حملہ کیا گیا ہے جیسا کہ امریکی وزیر دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ کا کہنا ہے کہ امریکی انٹیلی جنس ایجنسیاں القاعدہ کو ہراساں کرنے اور اس کے کئی سازشی منصوبے ناکام بنانے میں کامیاب ہوگئی ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ صبر القاعدہ کی ایک بڑی قوت ہے اور اس سے وابستہ لوگوں کا ابدی زندگی پر پختہ ایمان ہے۔ درحقیقت مجاہدین کو شہادت کی صورت میں وہ عزت اور اکرام ملتا ہے جو ان سے شاید ہی کسی کو اس کی زندگی میں ملتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ درجنوں چیچنوں نے تورابورا کی لڑائی میں وہاں سے جانے کے بجائے ٹھہرنے کو ترجیح دی تھی۔ شریف گل کے بقول ''وہ سب غریب تھے اور دیکھنے میں بالکل روسی لگتے تھے جس کی وجہ سے انہیں بہ آسانی پہچانا جا سکتا تھا اور یوں بھی ان کے پاس کوئی جگہ نہیں تھی کہ جہاں وہ جا سکیں۔ وہ سب شہید ہوگئے''۔ تورابورا میں اگام نامی گاؤں کے نزدیک ایک تین فٹ اونچی سنگی دیوار کے ساتھ ان شہداء کی یادگار بنائی گئی ہے جسے ڈھونڈنا کوئی مشکل نہیں ہے اس جگہ پر 20 فٹ اونچے کھمبے لگائے گئے ہیں جن پر گلابی، سبز اور سفید جھنڈے لہراتے رہتے ہیں۔

مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں ہر روز پانچ چھ گاڑیوں میں سوار لوگ آتے ہیں۔ دیہہ بالا کے 31 سالہ ڈاکٹر ریحان کھوپول وار کے مطابق آپ آج بھی یہاں ہر روز رات کے وقت ان کے جنگ کے نعرے ''اللہ اکبر'' کی صدائیں وادی میں گونجتی ہوئی سن سکتے ہیں۔ خونریزی کے بعد طالبان کو اقتدار سے ہٹانا نسبتاً آسان تھا لیکن القاعدہ اور اس کے نظریات جن کی وجہ سے طالبان اقتدار میں آئے تھے کے خلاف عالمگیر جنگ بہت طویل اور مشکل ہوگی۔

2002ء میں جو کچھ دکھائی دے رہا تھا اسے سامنے رکھ کر مستقبل کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ میں نے جو بھی گمان کیا وہ حقیقت کی شکل میں 2007ء میں ہمارے سامنے ہے۔ آج صورتحال یہ ہے کہ امریکہ کو اسامہ بن لادن کی تنظیم القاعدہ کے خلاف جنگ آغاز کئے آٹھ سال ہوگئے۔ اس جنگ کا باقاعدہ آغاز 1998ء میں کلنٹن انتظامیہ نے بحیرہ عرب کے پانیوں

سے افغانستان میں القاعدہ کے تربیتی کیمپوں پر میزائل برسا کر کیا۔ اس وقت پاکستان میں نواز شریف حکومت تھی۔ اس کے بعد بش انتظامیہ آئی تو اس نے باقاعدہ القاعدہ کے خلاف جنگ کے نام پر افغانستان اور عراق میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ افغانستان میں فوجیں اتارنے کے بعد امریکہ اور اس کی اتحادی حکومتوں نے دعوے شروع کردیئے کہ القاعدہ کی کمر توڑ دی گئی ہے لیکن آج آٹھ سال بعد صورتحال مختلف نظر آرہی ہے۔ یہ دعوے کرنے والے آج خود ہی کہہ رہے ہیں کہ وہ القاعدہ کے مقابلے میں جنگ ہار چکے ہیں اگرچہ ان میں ابھی اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ مکمل شکست تسلیم کریں وہ ہر پہلو کی الگ شکست تسلیم کر کے شاید اپنی رسوائی میں کچھ کمی چاہتے ہیں۔ حال ہی میں امریکی حکام نے کہا ہے کہ وہ پروپیگنڈے کے محاذ پر القاعدہ کو شکست دینے میں ناکام رہے ہیں۔ اس محاذ پر القاعدہ بھرپور انداز سے جیت رہی ہے۔ اب ان کا کہنا ہے کہ القاعدہ کے پراپیگنڈے کو ناکام بنانے کے لئے ایک مضبوط لائحہ عمل طے کرنا ہوگا۔

عربی جریدے ''الوطن العربی'' کے مطابق انگلینڈ میں منعقدہ ایک کانفرنس میں یورپ کے زیادہ آبادی والے چھ ممالک برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، سپین اور پولینڈ کے وزرائے داخلہ نے ان ویب سائٹس کے خاتمے کی کوششوں پر اتفاق کیا ہے جنہیں بقول ان کے ''دہشت گرد'' القاعدہ کی پروپیگنڈہ مہم کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ایک بڑی تعداد ان ویب سائٹس کی ہے جن میں القاعدہ سے متعلق پروپیگنڈہ پر مشتمل مواد ہوتا ہے۔ امریکہ میں 11 ستمبر حملوں کی پانچویں برسی کے موقع پر ''دہشت گردی'' سے نمٹنے کے لئے وضع کی گئی قومی حکمت عملی میں کہا گیا ہے کہ اس وقت دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کو ویسے دشمن کا سامنا نہیں جیسے دشمن کا سامنا 11 ستمبر 2001ء میں تھا۔

دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے تیار کردہ 32 صفحات پر مشتمل قومی حکمت عملی رپورٹ میں امریکہ کو درپیش بہت سے چیلنجز کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سے ایک اہم چیلنج انٹرنیٹ پر پھیلی ہوئی وہ ویب سائٹس ہیں جن کی باگ ڈور ایک مرکزی قیادت کے ہاتھ میں نہیں ہے اگرچہ وہ ایک دوسرے سے الگ تھلگ خلیوں کی شکل میں کام کرتے ہیں لیکن سب کی آئیڈیالوجی ایک ہی ہے۔ القاعدہ اور دیگر مزاحمتی تنظیموں کے لئے پروپیگنڈہ کرنے والی ویب سائٹس اگرچہ مختلف ناموں سے پائی جاتی ہے لیکن ان سب کے پس پردہ ایک ہی قسم کا ذہن اور ایک ہی طرز کی فکر

کارفرما نظر آتی ہے۔



ذیل میں ایک ایسی مغربی رپورٹ پیش کی جارہی ہے جس میں القاعدہ کی پروپیگنڈہ مہم اوراس کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رپورٹ میں وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ القاعدہ اپنے کارکنوں کی بھرتی یا اپنی سرگرمیوں سے لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے کس طرح انٹرنیٹ سے استفادہ کررہی ہے۔ ایک تازہ امریکی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ نیویارک پولیس انتظامیہ کی ایک خفیہ سیکورٹی ٹیم نے بعض عرب محققین کے تعاون سے انٹرنیٹ کے ذریعہ مجاہدین کو شکار کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔

رپورٹ میں ایک ایسی سیکورٹی خفیہ ٹیم کی نشاندہی کی گئی ہے جو خودکش دھماکوں پر ابھارنے اور مغویہ افراد کو ہلاک اور دیگر کارروائیاں سرانجام دینے کی تلقین کرنے والی ویب سائٹس تلاش کرنے پر مامور ہے۔ اعلیٰ خفیہ ٹیم سے تعلق رکھنے والے نیٹ پر خود کو اسلام پسند اور جہاد کے حامی ظاہر کرتے ہیں تاکہ مزاحمتی تنظیموں سے وابستہ افراد انہیں ایسی خفیہ معلومات فراہم کرسکیں جن میں امریکی شہروں پر امکانی حملوں کی باتیں کہی گئی ہوں اگرچہ امریکہ خفیہ تنظیموں کے تعاون سے القاعدہ کا مسلسل پیچھا کررہا ہے اور جہادی ویب سائٹس کو بند کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے لیکن اس سب کچھ کے باوجود امریکہ کے سابق وزیر دفاع ڈونالڈ رمزفیلڈ نے اعتراف کیا ہے کہ القاعدہ کے خلاف شروع کی گئی میڈیا وار میں پنٹاگان ناکام ہوچکا ہے۔

رمزفیلڈ نے کہا ہے کہ اس میدان میں ہم صحیح جوہر نہیں دکھا سکے ہمیں اعتراف ہے کہ ہم نے میڈیا وار کا حق ادا نہیں کیا۔ ان کے مطابق دہشت گردوں کے پاس میڈیا کی الگ الگ کمپنیاں ہیں اور وہ پروپیگنڈہ مہم کے لئے مسلسل منصوبہ سازی کرتے رہتے ہیں اور ان میں عالمی ذرائع ابلاغ کی راہ سے شائع ہونے والی خبروں پر اثر انداز ہونے کی بھرپور صلاحیت ہے۔ رمز فیلڈ کا کہنا ہے کہ یہ لوگ پروپیگنڈہ مہم کو نہایت کامیاب انداز میں چلارہے ہیں اور وہ اس میں عبور بھی رکھتے ہیں۔ رمزفیلڈ نے کونسل برائے بیرونی تعلقات میں اس بات کی وضاحت کی کہ آج کی جنگ کے مجملہ اسلحہ میں ای میل پیغامات موبائل اور دقیق قسم کے کیمرے اور انٹرنیٹ کے ویب سائٹس بھی شامل ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو حیرت انگیز ذرائع ابلاغ اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور

میں مہارت کے ساتھ جنگ لڑنے کا بھرپور تجربہ ہے لیکن ہمارا ملک ابھی خود کو ان حالات سے ہم آہنگ نہیں کرسکا۔

دوسری جانب برطانیہ کے بین الاقوامی امور کی تحقیقات کے خصوصی ادارہ کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ 11 ستمبر کے حملوں کو پانچ برس بیت چکے ہیں لیکن القاعدہ ابھی تک طاقتور ہے۔ خصوصی ادارہ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ القاعدہ سے متعلق اب تک انٹرنیٹ پر مباحث کا سلسلہ جاری ہے اور لوگ بڑی اہمیت کے ساتھ القاعدہ کے فروغ میں حصہ لے رہے ہیں۔ اسی طرح اس تنظیم کی فکری جڑیں اس قدر گہری ہیں کہ ان کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ امریکیوں پر القاعدہ کی پروپیگنڈہ مہم کی تاثیر کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ 19 جنوری 2006ء کو الجزیرہ چینل پر نشر شدہ ویڈیو ٹیپ میں القاعدہ کے چیف اسامہ بن لادن نے امریکیوں کو ''سرکش ملک'' نامی کتاب کے مطالعہ کی تلقین کی۔ مذکورہ کتاب سابق امریکی سفارتکار نے شائع کی ہے۔ کتاب میں مولف نے دوسری جنگ عظیم کے بعد سے اب تک جاری امریکی مداخلتوں کی مذمت کی ہے۔ مصنف نے دنیا کے مختلف خطوں میں جاری امریکی مداخلت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے اگرچہ یہ کتاب بہت پہلے شائع ہوچکی تھی لیکن اسامہ بن لادن کی جانب سے مطالعہ کی تلقین کے بعد بلندی کی چوٹیوں کو چھولیا چنانچہ یہ کتاب انٹرنیٹ پر کتابوں کی فروخت کی ویب سائٹس امازون ڈاٹ کام کی لسٹ میں ابتداء ہی میں آگئی۔ اسامہ بن لادن کا ویڈیو ٹیپ نشر ہونے سے قبل یہ کتاب ساٹھویں نمبر پر تھی۔ ویڈیو ٹیپ کے نشر ہونے کے بعد جس میں اسامہ بن لادن نے امریکیوں سے اس کے مطالعہ کی اپیل کی تھی 30ویں نمبر پر آگئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان رپورٹس کے یہ معنی ہیں کہ حالیہ دنوں میں القاعدہ کو اپنے طریقہ کار میں کچھ تبدیلی لانے پر مجبور کردیا گیا ہے؟ رپورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ تبدیلیاں تنظیم کے صدر اور اس کی شاخوں کے درمیان میں رابطہ اور کنٹرول کی نوعیت میں لائی گئی ہیں بالخصوص عراق اور افریقی ملک ''القرن الافریقی'' اور یورپ کے بعض علاقوں میں رابطہ کی نوعیت میں تبدیلیاں لائی گئی ہیں۔ پروپیگنڈہ کے متعلق سے آئیڈیالوجی طرز کی حامل خاص کارروائیوں پر القاعدہ کی خصوصی دلچسپی دیکھی جارہی ہے۔ القاعدہ اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتے ہوئے پروپیگنڈہ پر زیادہ توجہ مبذول کررہی ہے۔ ایسا اس لئے کیا جارہا ہے تاکہ پروپیگنڈہ کے سبب تنظیم

کی فکر کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہو اور لوگ اس فکر کو اپنانے لگیں۔ القاعدہ کی میڈیا مہم کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس پروپیگنڈہ مہم کے نتیجہ میں القاعدہ اور عراق میں کام کرنے والی اس کی شاخ ''قاعدۃ الجہاد'' کے درمیان گہرے تعاون کی شکل پیدا ہوئی حتیٰ کہ اس مہم کے سبب دنیا بھر میں جہاد کے عنوان سے کام کرنے والی جماعتوں سے القاعدہ کے روابط پیدا ہو گئے پھر اس سب سے ہٹ کر پروپیگنڈہ کے سبب ایک ایسی نئی نسل پیدا ہو گئی ہے جو القاعدہ کی کسی بھی شاخ سے مربوط ہونے کے باوجود ذہنی طور پر القاعدہ کی فکر سے متاثر ہے۔

11 ستمبر کے حملوں سے قبل اور بعد کے حالات میں القاعدہ کے طریقہ کار میں کئی ایک تبدیلیاں اور اصلاحات ہوئی ہیں۔ 11 ستمبر سے پہلے القاعدہ کی اعلیٰ قیادت خود مزاحمتی کارروائیوں کو عملی جامہ پہناتی تھی یا دیگر کارکنوں کو اس تعلق سے براہ راست احکام نافذ کرتی تھی علاوہ ازیں مزاحمتی کارروائیوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مال کی فراہمی یا کارکنوں کی تربیت دینے کا کام القاعدہ کے مرکزی قائدین انجام دیا کرتے تھے۔ ان عظیم حملوں کو کامیاب بنانے کے لئے اعلیٰ منصوبہ بندی ناگزیر تھی۔ امریکی رپورٹ جب 11 ستمبر کے بعد 2005ء میں نصف سال کے دوران القاعدہ کے سارے چوٹی کے منصوبہ سازوں کو گرفتار کر لیا گیا تو پھر القاعدہ کی مرکزی قیادت کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی اور دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی القاعدہ کی شاخوں سے مرکزی قیادت کا رابطہ کمزور پڑنے لگا پھر یہ کہ تنظیم کے مرکزی قائدین کے مضبوط گڑھوں کو دشمنوں کی جانب سے نشانہ بنایا جانے لگا جس کے نتیجہ میں القاعدہ کے قائدین بتدریج بکھرنے لگے۔ 11 ستمبر کے حملوں کے بعد کی اس صورتحال نے القاعدہ قائدین کو مجبور کیا کہ وہ اپنے کارکنوں اور ذیلی شاخوں سے رابطہ رکھنے کے لئے انٹرنیٹ کا استعمال کریں۔ اس وقت القاعدہ کارکنوں کے باہمی رابطہ کا واحد ذریعہ انٹرنیٹ ہے۔

انٹرنیٹ القاعدہ کا ہیڈ کوارٹر بن گیا ہے جہاں سے القاعدہ کا میڈیائی جہاد جاری ہے۔ القاعدہ نے اپنے اس جہاد کو ''یہود و نصاریٰ کے خلاف عالمی محاذ'' کا نام دے رکھا ہے جس کا آغاز 1998ء میں افغانستان میں کیا گیا تھا۔ القاعدہ حیرت انگیز حد تک انٹرنیٹ سے استفادہ کر رہی ہے انٹرنیٹ کے ذریعے وہ اپنے سیاسی پیغامات عالمی حالات کے تعلق سے اپنے موقف اور حکمت عملی سے عالمی برادری کو واقف کرانے میں بڑی حد تک کامیاب دکھائی دیتی ہے حتیٰ کہ القاعدہ

نے میڈیا وار میں امریکہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

انٹرنیٹ استعمال کرنے والے جانتے ہیں کہ القاعدہ نے انٹرنیٹ پر اپنے ہزاروں حامی پیدا کر لئے ہیں گزشتہ چند سالوں میں انٹرنیٹ پر بہت سی جہادی ویب سائٹس شروع کی گئی ہیں جن پر عالمی سطح پر جہاد کے موضوع پر مختلف افراد سے تبادلہ خیال کیا جاتا ہے حتیٰ کہ بسا اوقات ان ویب سائٹس کے ذریعہ القاعدہ سے وابستہ افراد لوگوں کو اپنے نظریہ کا قائل کرانے میں بھی کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ جہادی ویب سائٹس پر پیش کیا جانے والا مواد اس قدر پرکشش اور موثر ہوتا ہے کہ انٹرنیٹ کے عادی افراد کی ایک بڑی تعداد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ جہاد کے موضوع پر انٹرنیٹ پر ہونے والی ان کوششوں کو الیکٹرانک جہاد سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ القاعدہ کے پروپیگنڈہ جنگ میں کامیابی کے پس پردہ چند عوامل کارفرما ہیں۔ القاعدہ کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ عوام کی امریکہ مخالف ذہنیت ہے۔ ساری دنیا کی عوام بلا لحاظ مذہب و ملت امریکہ کی غلط پالیسیوں اور ظالمانہ اقدامات سے نالاں ہے، جس کے سبب امریکہ کے خلاف پیش کیا جانے والا سارا مواد عوام کے لئے مرکز توجہ بن جاتا ہے۔ القاعدہ اس وجہ سے بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہے کہ اب وہ کوئی ایسی تنظیم نہیں رہی ہے جس کی مرکزی قیادت ہو اور اس کے متعین ارکان اور شاخیں ہوں بلکہ اب القاعدہ ایک فکر اور پیغام کا نام ہے جس کے لئے خاص افراد اور خاص گروپ سے وابستگی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص القاعدہ کا رکن ہے جسے اس کی فکر سے اتفاق ہے۔ عام لوگوں کو القاعدہ کے پیغام سے فکری و روحانی طور پر متاثر کرنے میں انٹرنیٹ بنیادی کردار ادا کر رہا ہے۔ القاعدہ میں اصل حیثیت اس کے فکر اور پیغام کو حاصل ہے۔ اس تفصیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ القاعدہ تنظیم میں ذرائع کی زیادہ اہمیت نہیں بلکہ فکر و پیغام ہی اپنا کرشمہ دکھاتے ہیں۔ اگر عوام کی جانب سے القاعدہ کی فکر مسترد کی جاتی تو امریکہ کے خلاف پروپیگنڈہ مہم میں القاعدہ کو اتنی کامیابی حاصل نہ ہوتی۔

القاعدہ کے حوالے سے باخبر افراد جانتے ہیں کہ القاعدہ نے حالیہ عرصہ میں الیکٹرانک میڈیا کے استعمال میں تیزی پیدا کر دی ہے۔ بالخصوص القاعدہ کے اہم قائد ابو مصعب زرقاوی کی شہادت کے بعد القاعدہ میڈیا کے استعمال پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ ''الوطن العربی'' کے نمائندے کا کہنا ہے کہ گزشتہ چند ہفتوں کے دوران ہمیں القاعدہ کی ویڈیو کیسٹ اور القاعدہ سے

متعلق خبروں اور رپورٹوں کا خاصا مواد حاصل ہوا ہے۔ حالیہ دنوں میں ''الوطن العربی'' کو موصولہ
مواد میں سے ایمن الظواہری کا ویڈیو ٹیپ ہے جس میں ظواہری کو مصر کی الجماعۃ الاسلامیہ کے قائد
حلیل الحکایمۃ کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔ ایک ویڈیو ٹیپ میں 11 ستمبر کے حملوں کی تصدیق کے بعد
ایمن الظواہری کا باتصویر انٹرویو دیا گیا ہے جو 11 ستمبر 2006ء کو نشر کیا گیا تھا۔ القاعدہ کی ان
ساری سرگرمیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ القاعدہ کے اندر اب بھی امن عالم اور عالمی ذرائع ابلاغ پر
اثر انداز ہونے کی صلاحیت ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میڈیا کے ذریعہ ذہن سازی کر کے القاعدہ
امریکہ اور مغربی مما لک کے خلاف ایک نئی نسل تیار کر رہی ہے،، امریکہ کے خلاف صف آراء
ہونے والی القاعدہ کی نئی ٹیم القاعدہ کے ان قدیم جنگجوؤں کی طرح نہیں ہوگی جن سے امریکہ اچھی
طرح مانوس ہے۔ یہ مشرق سے تعلق رکھنے والے عربوں یا ایشیائی باشندوں کا گروپ نہ ہوگا بلکہ یہ
وہ نسل ہوگی جو یورپ میں پیدا ہوئی اور یورپین اور نصرانی ماں باپ کی آغوش میں پروان چڑھی حتیٰ
کہ یورپ کے خاص ماحول میں شراب اور خنزیر کا گوشت استعمال کرتی رہی اور مسلمانوں پر مظالم
ڈھاتی رہی لیکن پھر اسے اسلام کی توفیق ملی اور عرصہ تک اس نے والدین سے اپنا اسلام چھپائے
رکھا۔ اس دوران ذرائع ابلاغ کے راستہ سے اس کے اندر القاعدہ کی فکر رچ بس گئی اور اس نے
اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ وہ القاعدہ سے تعلق رکھنے والے اپنے بھائیوں کے دنیا سے رخصت ہونے
کے بعد القاعدہ کے جھنڈے کو تھامے گی اور بدترین انسانوں سے انتقام لے کر رہے گی۔

یہ نسل یورپ اور امریکہ کی سڑکوں پر گھومتی پھرتی ان کے خلاف منصوبہ بندی اور
سازشیں تیار کرے گی پھر پوری ہوشیاری اور قوت کے ساتھ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنائے گی۔
ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں اب مستقبل میں القاعدہ کی مربوط میڈیا وار دیکھنے کے لئے زیادہ انتظار
نہیں کرنا پڑے گا۔ اب وہ وقت بالکل قریب آ چکا ہے۔

نیوز ویک نے بھی اپنی حالیہ رپورٹ میں کہا ہے کہ القاعدہ نے برطانیہ سمیت کئی یورپی
مما لک کے حوالے سے بھی خاص منصوبہ بندی کر لی ہے۔ جریدہ لکھتا ہے کہ گزشتہ سال افغانستان
میں طالبان کمانڈروں کے درمیان ایک خبر پھیلنے لگی کہ پاکستان میں 12 مغربی لوگوں کے ایک
گروپ نے القاعدہ سے ایک خصوصی مشن کے لئے تربیت حاصل کر لی ہے۔ ان کو ''انگریز
بھائیوں'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایک عینی شاہد جو گوانتانامو میں قید کاٹ کے آیا ہے اور

طالبان کے بہت قریب سمجھا جاتا ہے نے ''نیوز ویک'' کے نمائندے کو بتایا کہ ان میں سے کوئی بھی
امریکی نہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ اس نے نومبر 2005ء میں ان 12 ریکروٹس سے ملاقات کی۔ وہ
شمالی وزیرستان میں میر علی کے مقام پر مٹی سے بنے ہوئے ایک مکان میں مقیم تھے۔ جبکہ ایک
امریکی نوجوان یحییٰ آدم بھی ان کے ساتھ ایک ترجمان کے طور پر مقیم تھا۔

ایک دوسرے افغان نے اس موضوع پر مزید معلومات بھی فراہم کیں۔ عمر فاروقی
(جعلی نام) ایک افغان صوبے میں طالبان کے انٹیلی جنس چیف رہے ہیں۔ اب وہ افغان صوبے
غزنی میں طالبان اور القاعدہ کے درمیان چیف کو آرڈی نیٹر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ انہوں
نے بتایا کہ وہ بھی پاکستانی سرحد کے قریب قبائلی وزیرستان میں پانچ ہفتے گزار کے آئے ہیں۔
انہوں نے وہاں غیر ملکی افراد کو تربیت دی۔ ان میں سے زیادہ تر ''انگریز بھائی'' تھے۔ یعنی نو
برطانوی، دو ناروے سے تعلق رکھتے تھے اور ایک آسٹریلین بھائی تھا۔ فاروقی کے مطابق ان کا
مشن اپنے اپنے مما لک میں القاعدہ کا زیر زمین نیٹ ورک تیار کرنا اور اسے منظم انداز میں چلانا
تھا۔ ابھی حال ہی میں ایک سال پر محیط ان کا تربیتی کورس ختم ہوا ہے۔

امریکہ اور برطانیہ کے سلامتی کے ادارے جانتے تھے کہ انہیں اس خطرے کا جلد یا بدیر
سامنا کرنا ہی تھا۔ برطانوی وزارت خارجہ کے ایک اہلکار نے بھی بتایا کہ انہیں خبر ہے کہ برطانوی
نوجوان تربیت کے لئے برطانیہ سے پاکستان جاتے رہتے ہیں۔ 7 جولائی 2005ء کے روز
برطانیہ میں ہونے والے واقعے کے بعد برطانیہ سے پاکستان جانے والی القاعدہ کی پائپ لائن
کے متعلق نت نئی کہانیاں سامنے آ رہی ہیں۔ نیوز ویک کے مطابق ہر کہانی کی ایک دو کرداروں کا
تعلق پاکستان کے ساتھ ضرور نکلتا ہے۔ اس سے پہلے نائن الیون کے واقعات کے چند کرداروں کا
تعلق بھی پاکستان کے ساتھ تھا۔

برطانوی خفیہ ادارے ایم 5 کے سربراہ ڈیم ایلیز امیننگ ہیم بلر نے بھی چند ہفتے قبل
انکشاف کیا تھا کہ برطانوی حکام برطانیہ میں القاعدہ کے 200 کے قریب نیٹ ورکس کو نظر میں
رکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تقریباً 1600 افراد بھی ہماری نظروں میں ہیں۔ یہ لوگ اس ملک
(برطانیہ) میں اور یہاں سے باہر دہشت گردی کی کارروائیوں کی منصوبہ بندی کرتے رہتے ہیں یا
پھر دہشت گردوں کی معاونت کرتے ہیں۔ ان 1600 افراد میں سے بھی کسی نہ کسی کا تعلق

پاکستان سے جانکلتا ہے۔ جب ان سے ان افراد کے نام پوچھے گئے تو انہوں نے ان کے نام بتانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ ایک خفیہ معاملہ ہے۔ ایم 5 کی چیف کا کہنا تھا کہ ان کی خفیہ ایجنسی کے اہلکاروں نے اب تک تقریباً 30 سے زائد دہشت گردی کے منصوبوں کا پتہ چلایا ہے۔ ان میں سے اکثر منصوبوں کا تعلق ان افراد سے تھا جو پاکستان میں القاعدہ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ پاکستان سے ان کو نہ صرف رہنمائی ملتی ہے بلکہ ان کی تربیت بھی ہوتی ہے۔

اگرچہ پوری دنیا میں جہادیوں کی تربیت میں بہت سے نظریات کارفرما ہیں۔ تاہم القاعدہ افغانستان اور پاکستان کے درمیان واقع اس علاقے (قبائلی) ہی سے طاقت حاصل کرتی ہے گزشتہ سال کے دوران ایم فائیو نے تفصیلی رپورٹس جاری کیں کہ پاکستانی نژاد برطانوی سعودی عرب، شام اور افغانستان کے راستے کیسے پاکستان تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے تربیت حاصل کرتے ہیں۔ نیوز ویک کا کہنا ہے کہ اصل بات کا تو ایم فائیو کو علم ہی نہیں ہے ہر سال برطانیہ سے 4 لاکھ افراد پاکستان جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قدر بڑی تعداد پر نظر رکھنا ایم فائیو کے بس کی بات نہیں ہے۔

امریکی سلامتی کے ادارے بھی کم متفکر نہیں ہیں۔ امریکی خفیہ اداروں کے اہلکاروں کے مطابق ان کے شہری اس صورتحال میں خاصے فکرمند ہیں کیونکہ برطانوی شہریوں کی ایک بڑی تعداد برطانیہ سے امریکہ آتی جاتی رہتی ہے اور ان کو امریکہ آنے جانے میں بہت سی سہولتیں میسر ہیں۔ برطانوی شہریوں کو امریکہ میں شک کی نگاہ سے دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ عارضی ویزے کے لئے انہیں پہلے سے درخواست نہیں دینا پڑتی۔ دوسرے الفاظ میں برطانوی جہادیوں کے لئے امریکہ کے دروازے پوری طرح کھلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ اب وہ برطانوی نوجوان بھی امریکہ کا بلا روک ٹوک سفر کریں گے جو القاعدہ کے ٹریننگ کیمپوں میں تربیت حاصل کر چکے ہیں اور خفیہ ایجنسیاں ان سے آگاہ نہیں ہیں۔ اب امریکی حکام سر جوڑے بیٹھے ہیں کہ ویزا سسٹم کو کس طرح سخت کیا جائے۔ اس کے لئے مسافروں کے بارے میں اس ملک سے مکمل معلومات حاصل کرنا ہوں گی جہاں کے یہ رہائشی ہیں۔ ہوم لینڈ سکیورٹی ڈیپارٹمنٹ کے مطابق مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح کی معلومات حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ ہو اور ایک معمول کے مطابق یہ سلسلہ چلے۔

جہاں تک امریکیوں کا تعلق ہے القاعدہ منصوبے بنا رہی ہے کہ کس طرح امریکی

مسلمانوں کو بھی ان تربیتی کیمپوں میں لایا جائے۔ فاروقی کا کہنا ہے کہ تربیت حاصل کرنے والے انگریز بھائی اب مغربی مسلمانوں کے لئے ایک مثال ثابت ہوں گے۔ فاروقی افغانستان کے علاقے پکتیا کے ایک مکان میں بیٹھ کر نیوز ویک کے نمائندے کو یہ معلومات فراہم کر رہا تھا اس کے گرد پہرہ دینے والوں کے چہروں پر نقاب چڑھے ہوئے تھے۔ ان میں سے بعض کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ افغانی نہیں ہیں بلکہ یورپی ہیں بعد ازاں فاروقی نے بھی تصدیق کر دی کہ پہرہ دینے والوں میں یورپی افراد بھی موجود ہیں۔ جس قالین پر فاروقی بیٹھے ہوئے تھے وہاں ایک نوٹ بک بھی کھلی ہوئی پڑی تھی اس میں کچھ نام لکھے ہوئے تھے جن کے ساتھ ان کے فون نمبر بھی تھے ان فون نمبروں کا کوڈ 44 تھا۔ یاد رہے کہ 44 کا کوڈ برطانیہ کا ہے۔

فاروقی کا کہنا ہے کہ وزیرستان میں اس کی جس غیر ملکی بھائی سے ملاقات ہوئی اس کا نام موسیٰ تھا جس کا کہنا تھا کہ 7/7 کے واقعات دراصل بڑی کارروائیوں کی ریہرسل تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ ان غیر ملکیوں میں سے چند ایک تو باقاعدہ ہوائی سفر کرتے ہوئے پاکستان پہنچے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ ان کی تعداد کتنی تھی تو انہوں نے کوئی جواب دینے سے انکار کر دیا البتہ انہوں نے یہ بتایا کہ زیادہ تر زمینی سفر کرتے ہوئے یہاں تک پہنچی تھی۔ ان کا روٹ ترکی، ایران اور افغانستان کا تھا۔ ان کو یہاں تک پہنچانے میں پیشہ ور سمگلروں کا بڑا کردار تھا۔

فاروقی نے بتایا کہ ان غیر ملکی بھائیوں کو یہاں تک پہنچانے کے سارے انتظامات ایک عراقی عبدالہادی کے سپرد تھے۔ عبدالہادی عراق میں القاعدہ کے چوٹی کے کمانڈروں میں سے ایک ہے۔ عبدالہادی کا نام برطانیہ میں ہونے والی دہشت گردی کے چند واقعات میں بھی آتا ہے۔ اس نے غیر ملکی بھائیوں کے سفر کے انتظامات اس قدر بہترین کئے کہ کہیں بھی کوئی نشان راہ باقی نہ چھوڑا۔ یہ لوگ اپنے وطن واپس جا چکے ہیں لیکن دنیا کی کوئی خفیہ ایجنسی معلوم نہیں کر سکتی کہ انہوں نے پاکستان کا سفر بھی کیا تھا۔

یہی وہ معاملہ ہے کہ جو برطانوی القاعدہ راز میں رکھنا چاہتی تھی۔ انٹرنیشنل کرائسز گروپ نے حال ہی میں ایک رپورٹ جاری کی ہے جس میں کہا ہے کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں ایک چھوٹی سی طالبان ریاست قائم کر لی گئی ہے یہاں وہ طالبان اور ان کے غیر ملکی اتحادیوں کو محفوظ ٹھکانے فراہم کرتے ہیں۔ اسلام آباد کی ایک سینئر سفارت کار کے مطابق پاکستان ان

علاقوں کو صحیح معنوں میں کنٹرول نہیں کر رہا ہے۔ گیارہ ستمبر سے پہلے پاکستان میں القاعدہ کا کوئی نیٹ ورک نہیں تھا پاکستان میں موجود عسکریت پسندوں کے ساتھ ان کے زیادہ روابط نہیں تھے لیکن اب القاعدہ کو دونوں اطراف سے مکمل حمایت مل رہی ہے۔

افغانستان کے اندر طالبان کمانڈروں کو القاعدہ کی طرف سے باقاعدہ رقوم حاصل ہو رہی ہیں۔ مشرقی غزنی میں موجود عسکریت پسندوں کے مطابق ان کو جو لوگ رقوم فراہم کرتے ہیں وہ پاکستان کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ ہر مقامی کمانڈر سے پوچھتے رہتے ہیں کہ ان کو رقم اور اسلحہ کتنی مقدار میں اور کہاں کہاں چاہئے۔ وہ ان کو ہر قسم کی تکنیکی مدد بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ مدد کمانڈروں کو فوراً فراہم ہو جاتی ہے۔ ایک سینئر طالبان اہلکار زبیب اللہ کے بقول القاعدہ کے پاس 100 سے زائد ماہرین ہیں جو اس وقت افغانستان میں طالبان کی مدد کر رہے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کا تعلق عرب سے ہے۔

القاعدہ اس وقت غیر ملکیوں کو تربیت دیتے ہوئے کوئی بظاہر حفاظتی انتظامات نہیں کرتی۔ ان کو مٹی سے بنے ہوئے مکانوں کے اندر ہی تربیت دی جاتی ہے۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں اس قسم کے مکانات ہی ہوتے ہیں۔ ان مکانات میں تربیت دینے کا مقصد یہ ہے کہ پاکستانی اور امریکی طیاروں کی نظروں سے بچا جا سکے۔ فاروقی کا کہنا ہے کہ تربیت ہمہ پہلو ہوتی ہے۔ اس دوران ان کو مختلف موضوعات کے متعلق تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ موضوعات مذہبی، نظریاتی اور عسکری ہوتے ہیں۔ ان کو سکھایا جاتا ہے کہ کیسے خودکش حملے کرنے ہیں اور ان کا سامان کیسے تیار کرنا ہوتا ہے۔ کار بم دھماکے کیسے کئے جاتے ہیں؟ اس کے علاوہ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے کیسے تیار کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے ساتھ جڑے ہوئے علاقوں میں موجود القاعدہ کے کمانڈروں کے ساتھ کیسے رابطہ کرنا ہے۔ یاد رہے کہ القاعدہ ان لوگوں کو پابند بناتی ہے کہ وہ خودکش حملے نہیں کریں گے کیونکہ یہ لوگ اس قدر قیمتی ہیں کہ ان کو ضائع نہیں کیا جا سکتا۔

ماہرین کے مطابق القاعدہ کی تنظیم اب بہت مضبوط ہو گئی ہے۔ مقامی سیلوں کو کنٹرول کرنے کے لئے اسے کسی خاص انتظام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انگریز بھائیوں کی تربیت اور پاکستانی پائپ لائن اس بات کی عکاس ہے کہ القاعدہ اب بھی پوری طرح متحرک ہے۔ فاروقی کا

کہنا ہے کہ اس کو جو معلومات حاصل ہیں ان کے مطابق القاعدہ ایک طویل المدتی منصوبے پر کام کر رہی ہے۔ یہ منصوبہ کم از کم دس سال پر محیط ہے۔ اس نے بتایا کہ القاعدہ اگلے دس برسوں میں کم از کم ایک ہزار کمانڈر تیار کر کے یورپ میں داخل کرنا چاہتی ہے۔ اب تک وہ اپنے ہدف کا دس فیصد وہاں بھیج سکی ہے۔ ایم فائیو کی انفارمیشن کی بنیاد پر برطانوی سیکرٹری داخلہ جان ریڈ نے حال ہی میں بتایا ہے کہ دہشت گرد ان چھٹیوں میں انگلینڈ میں حملے کر سکتے ہیں۔

انگریز بھائیوں نے اکتوبر میں وزیرستان میں اپنی تربیت مکمل کی۔ اپنے ممالک میں جانے سے پہلے ان کو ایک خاص اسائنمنٹ دی گئی ان کے عرب کمانڈروں نے ان کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر کے افغانستان میں بھیجا تاکہ وہ وہاں پر جہاد ہوتے دیکھیں۔ انہوں نے خوست سے لے کر پکتیا تک جہاد کا مشاہدہ کیا۔ کمانڈروں نے ان کو خبردار کیا کہ وہ افغانستان میں اپنے آپ کو کسی قسم کے خطرے میں نہ ڈالیں۔ اس کے بعد وہ جس راستے سے پاکستان آئے تھے اسی راستے سے واپس اپنے اپنے ملکوں کو روانہ ہو گئے۔

القاعدہ اپنے اس نئے مرحلے میں انٹرنیٹ کا بھرپور استعمال کر رہی ہے۔ انٹرنیٹ پر دو اوراق پر مشتمل القاعدہ کے دو ماہنامے بھی نشر کئے جا رہے ہیں۔ ایک ''صوت الجہاد'' اور دوسرا ''معسکر البتار'' کے نام سے نشر کیا جا رہا ہے۔ معسکر البتار خاص فوجی میگزین ہے جس میں اسلحہ کے استعمال اور عسکری کارروائیوں کو عملی جامہ پہنانے کے مختلف طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔ جہاں تک القاعدہ کے تنظیمی ڈھانچہ کا سوال ہے تو وہ ایک تجارتی کمپنی کے مماثل ہے۔ تنظیم میں مجاہدین مجلس شوریٰ کی حیثیت باب الداخلہ کی سی ہے۔ اس مجلس شوریٰ کے تحت کئی کمپنیاں ہیں جن کے کاموں کا خاکہ مجلس شوریٰ کی جانب سے تیار کیا جاتا ہے چنانچہ ان مختلف کمیٹیوں میں ایک عسکری کمیٹی ہے جو عملی کارروائیاں سرانجام دیتی ہے اور ایک شرعی کمیٹی ہے جو عسکری کمیٹی کی فوجی کارروائیوں کے لئے شرعی جواز پیدا کرتی ہے چاہے کسی کی ہلاکت کا معاملہ ہو یا خودکش مسئلہ، ہر طرح کی کارروائیوں کی شرعی نگرانی اس کمیٹی کی ذمہ داری ہے۔ ان کے علاوہ تنظیم کی دیگر کمیٹیاں بھی ہیں جو مختلف تنظیمی امور انجام دیتی ہیں مثلاً ایک کمیٹی ایسی ہے جو قانونی کاغذات اور سرکاری دستاویزات تیار کرتی ہے۔ تنظیم کے کاموں کو عملی رخ دینے کے لئے مال فراہم کرتی ہے۔ اس طرح ایک کمیٹی ذرائع ابلاغ کے مسائل حل کرتی ہے۔ القاعدہ اپنے قیام کے روز اول سے اپنی

سرگرمیوں کا پچاس فیصد ذرائع ابلاغ سے پورا کرتی ہے اور پچاس فیصد عسکری اقدامات کے ذریعہ مختصراً یہ کہ القاعدہ دو پہلوؤں پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ (۱)۔ انٹرنیٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا موثر استعمال (۲)۔ فکری مسائل کی موثر انداز میں پیشکش۔

ان دونوں پہلوؤں پر القاعدہ کی خصوصی وجہ کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ گزشتہ دنوں ایک شخص نے القاعدہ کی ویب سائٹ پر کفار کے خلاف عام تباہی کے ہتھیار استعمال کرنے سے متعلق استفسار کیا۔ القاعدہ سے متعلقہ ویب سائٹ پر اس سوال کا جواب 32 صفحات میں دیا گیا۔ جس میں دلائل کے ذریعہ کفار کے خلاف ان ہتھیاروں کے استعمال کو درست قرار دیا گیا۔

امریکہ اور عالمی طاقتوں کی جانب سے القاعدہ کے مالی ذرائع پر پابندی سے جہاں اس تنظیم کو مالی بحران سے دوچار ہونا پڑا وہیں تنظیم کے اعلیٰ قائدین اور مرکزی قیادت کو اپنے ارکان سے رابطہ میں دشواریاں بھی درپیش ہیں۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ارکان سے مرکزی قیادت کے براہ راست رابطہ نہ ہونے سے تنظیم کی سرگرمیوں میں لامرکزیت کی کیفیت پیدا ہوتی جارہی ہے۔

اس کا ایک نقصان مختلف نئی قیادتوں کے ظہور کی شکل میں رونما ہو رہا ہے چنانچہ مختلف مقامات پر نام نہاد افراد تنظیم کے قائدین بن بیٹھے ہیں۔ اس صورتحال کی وجہ سے القاعدہ کے ارکان کو مختلف کارروائیوں میں ٹھوکر کھانی پڑ رہی ہے۔ ان سے غلط اقدامات بھی ہونے لگے ہیں چنانچہ عمان دھماکہ اور عراق کی بعض کارروائیوں کا تعلق غلط فیصلوں ہی سے ہے اگر یہ صورتحال القاعدہ کے منفی پہلو کو ظاہر کرتی ہے تو دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ حالیہ عرصہ میں القاعدہ نے سیاست اور پروپیگنڈہ کے میدانوں میں بہت زیادہ پختگی کا مظاہرہ کیا ہے گزشتہ پانچ سالوں کے دوران القاعدہ کو ذرائع ابلاغ اور سیاسی اقدامات میں بہت زیادہ پیش رفت ہوئی ہے۔ الوطن العربی کے مطابق القاعدہ اب سیاسی معاملات میں معقولیت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ القاعدہ نے مسئلہ فلسطین کو ایک عالمی مسئلہ کے طور پر اپنے منشور میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح عالم اسلام میں انتخابات کے مسئلہ میں القاعدہ خصوصی دلچسپی لے رہی ہے۔ القاعدہ کو ایک تنظیم سے نکال کر فکر اور نظریہ بنانے میں حالات و واقعات کا اہم کردار ہے۔ اب القاعدہ ایسا نظریہ بن گئی ہے جو فوجی کارروائیوں کی خاطر کبھی بھی القاعدہ کی شاخ کا روپ دھار سکتی ہے۔ القاعدہ کا نظریہ ایسا طاقتور ہو چکا ہے کہ قائدین اور ارکان خود بخود جنم لیتے رہیں گے مزید برآں القاعدہ کے ارکان دباؤ کے

ماحول میں کام کرنے کی بھرپور مہارت حاصل کر چکے ہیں۔ امریکہ کے خفیہ ذرائع اس بات پر متفق ہیں کہ امریکہ نے القاعدہ قیادت کو زبردست نقصان سے دوچار کیا ہے لیکن القاعدہ کے نظریہ کے حامل اسلامی ویب سائٹ عام ہو چکی ہیں جو القاعدہ نظریہ کی ترویج کرتی رہیں گی۔

گیارہ ستمبر کے بعد کے پانچ سال کا مشکل ترین دور القاعدہ نے فارغ بیٹھ کر نہیں گزارا بلکہ اس اثنا میں جس طرح بھرپور منصوبہ بندی کے ذریعے پوری دنیا میں بالخصوص مغرب میں اپنے لئے خصوصی گوشے پیدا کئے ہیں وہ اس کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔



طالبان اور قابض افواج

اکتوبر 2006ء میں افغانستان میں موجود نیٹو افواج اور طالبان کے درمیان باقاعدہ معاہدہ طے پا گیا۔ جس کے بعد نیٹو کے فوجیوں نے علاقہ خالی کر دیا اور ہلمند صوبے کے ضلع موسیٰ قلعہ کا انتظام مقامی طالبان نے سنبھال لیا۔ نیٹو کے ترجمان کے مطابق برطانوی فوج نے قبائلی عمائدین کے ساتھ طے پانے والے معاہدے کے تحت اور ہلمند کے گورنر محمد داؤد کی درخواست پر علاقے سے انخلا شروع کیا تاہم گورنر محمد داؤد کا کہنا تھا کہ ''طالبان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کیا گیا اور طالبان کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ضلع موسیٰ قلعہ میں افغانستان کا جھنڈا نہیں لہرایا جائے گا۔ قبائلی عمائدین کی درخواست پر ضلعی حکومت بھی تبدیل کر دی گئی ہے اور نیا ضلعی سربراہ اور پولیس چیف تعینات کیا گیا ہے۔ تاہم یہ طالبان کے مطالبے پر نہیں کیا گیا۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے اپنے دورہ امریکہ کے دوران امریکی صدر بش اور برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے طالبان سے مزاحمت کی پالیسی اپنانے کی بجائے مفاہمت کی پالیسی اختیار کریں اور وزیرستان کی طرح معاہدہ کریں۔ افغانستان میں طالبان کی مزاحمت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شدت اختیار کرتی جا رہی ہے اور اخباری رپوٹوں کے مطابق بہت سے علاقوں پر طالبان نے پھر سے کنٹرول سنبھال لیا ہے۔

امریکی جریدے ٹائم نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ پہلے طالبان رات کی تاریکی میں چھپتے ہوئے نکلتے تھے لیکن اب وہ دن کے اجالے میں گھومتے پھر رہے ہیں اور قبائلی ان کی اطاعت کرتے نظر آتے ہیں۔ افغانستان میں نیٹو اور افغان فوجیوں کو نشانہ بنانے کے واقعات میں بھی اضافہ ہو گیا ہے اور افغان صدر حامد کرزئی حکومت کابل میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ پختونوں کی اکثریت نہ تو حامد کرزئی پر اعتماد کرتی ہے اور نہ ان کی کوئی بات ماننے کے لئے تیار ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ افغانستان میں نیٹو کی افواج بری طرح ناکام ہو چکی ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ نے اپنی تمام تر فوجی قوت، وسائل اور جاسوسی نیٹ ورک استعمال کر لیا ہے لیکن طالبان کو ختم نہیں کر سکے۔ طالبان تحریک پھر سے مقبول ہو رہی ہے حامد کرزئی بھارت کے ایما پر افغانستان میں بدامنی اور اپنی ناکامی کا ذمہ دار پاکستان کو قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ الزام بھی عائد کر چکے ہیں کہ آئی ایس آئی افغانستان کے اندر مداخلت کر رہی ہے، طالبان کو تربیت اور اسلحہ دے کر افغانستان میں داخل کیا جا رہا ہے لیکن وقت نے ثابت کیا کہ یہ تمام الزامات محض پروپیگنڈہ تھے۔ حامد کرزئی اپنی ناکامیوں اور عدم مقبولیت سے توجہ ہٹانے کے لئے پاکستان پر مداخلت کا الزام لگا رہے ہیں۔ پاکستان کا پہلے دن سے یہ موقف رہا ہے کہ افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے ذمہ دار مقامی افغان ہیں جو حامد کرزئی کی پالیسیوں سے مطمئن نہیں اور افغان حکومت میں آبادی کے مطابق اپنا حق چاہتے ہیں۔ بھارت کی مداخلت بھی اب بڑھنے لگی ہے۔

افغانیوں نے سابق سوویت یونین کے خلاف پاکستان کے شانہ بشانہ لڑائی کی اور جان و مال کی قربانیاں پیش کیں۔ اس وقت بھارت روس کے ساتھ تھا اور کابل پر قابض روسی کٹھ پتلی حکومتوں کا حامی رہا لیکن جب مجاہدین کو فتح ہوئی تو انڈیا سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شمالی اتحاد کی پشت پر آ گیا اور شمالی اتحاد کی حمایت شروع کر دی۔ اس وقت کابل میں شمالی اتحاد میں شامل رہنماؤں ہی کی حکومت قائم ہے۔ پاکستان نے حامد کرزئی کو ہمیشہ یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ مسائل کو طاقت کے ذریعے حل کرنے کی بجائے بات چیت کے ذریعے حل کریں۔ طاقت کے ذریعے تو سابق سوویت یونین بھی مجاہدین کو جھکنے پر مجبور نہ کر سکا حامد کرزئی کیا چیز ہیں لیکن حامد کرزئی کسی اور کی زبان بول رہے تھے اور اب بھی اہم فیصلے دلی کے اشاروں پر کئے جا رہے ہیں تاہم امریکہ

اور برطانیہ میں یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ طاقت کے ذریعے افغانستان اور عراق پر فوجی قبضے کو مستحکم نہیں بنایا جا سکتا بلکہ بات چیت اور مفاہمت کا راستہ ہی اختیار کرنا پڑے گا۔ امریکی دباؤ پر پاکستان بھی اپنے ہی علاقوں جنوبی شمالی وزیرستان میں طالبان اور القاعدہ کے ارکان اور حامیوں کے خلاف طاقت کا استعمال کر کے دیکھ چکا ہے۔ جس کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا جس کے بعد بالآخر مقامی رہنماؤں اور عمائدین کے ساتھ امن معاہدہ کر لیا گیا۔ افغانستان میں طالبان کو جو مقبولیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ افغان اکثریت امریکی فوج کے جلد از جلد انخلا کی حامی ہے۔ جس وقت امریکہ نے نیٹو فوج کی مدد سے افغانستان پر کارپٹ بمباری کی افغانستان کی ہر عمارت کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ امریکیوں کو یقین تھا کہ اب طالبان ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے ہیں لیکن پانچ سال بعد بھی طالبان کی مزاحمت نہ صرف جاری ہے بلکہ طالبان تحریک تیزی سے عوام میں مقبول ہو رہی ہے۔ افغانستان اور عراق میں تعینات امریکی و برطانوی جرنیل اپنے اخباری بیانات میں اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ دلدل میں دھنس چکے ہیں۔

ان جرنیلوں، کمانڈروں اور فوجیوں کا اپنی اپنی حکومتوں سے مطالبہ ہے کہ انہیں وطن واپس بلایا جائے جبکہ امریکی صدر بش اور برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر ابھی تک دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے ہیں اور اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر افغانستان اور عراق پر اپنے قبضے کو مستحکم کر لیں گے لیکن حالات و واقعات بتا رہے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں نیٹو افواج کو جلد از جلد عراق اور افغانستان خالی کرنا پڑے گا غلط اور خودسر فیصلوں کے باعث صدر بش اور وزیراعظم ٹونی بلیئر کا اقتدار بھی خطرے میں ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کے عوام کی اکثریت بھی افغانستان اور عراق سے اپنے فوجیوں کی واپسی چاہتی ہے۔ اب اپنے فوجیوں کو بچانے کے لئے نیٹو کمانڈرز مقامی طالبان کے ساتھ امن معاہدے کر رہے ہیں پہلے پہل افغان صدر حامد کرزئی نے کہا تھا کہ مقامی طالبان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہوگا اور ان کے خلاف طاقت کا استعمال جاری رہے گا۔ تاہم نیٹو افواج کے کمانڈرز اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ محض بے گناہ لوگوں کے قتل عام سے مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ انہیں مقامی طالبان راہنماؤں کے ساتھ مفاہمت پر مبنی سمجھوتہ کرنا پڑے گا تاکہ افغانستان کی دلدل سے جلد از جلد نکل سکیں۔ مغربی اخبارات و جرائد اپنی رپورٹوں میں تسلیم کر

رہے ہیں کہ افغانستان اور عراق اتحادی فوجوں کیلئے ویت نام بنتے جا رہے ہیں۔ مسلم ممالک میں جاری مزاحمت نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلم ممالک کے وسائل پر قبضہ کرنا اور وہاں اپنی کٹھ پتلی حکومتیں قائم کرنا اتنا آسان نہیں افغانستان اور عراق کے بعد کہا جا رہا تھا کہ اب پاکستان اور ایران کی باری ہے لیکن شمالی کوریا کے ایٹمی دھماکوں اور امریکہ کے خلاف بڑھتی ہوئی مزاحمت سے اسے مزید کوئی نیا محاذ کھولنے کی جرات نہیں ہوگی۔

افغان صدر کرزئی بوکھلاہٹ کا شکار ہو چکے ہیں کیونکہ انہیں صاف دکھائی دے رہا ہے کہ افغانستان پر طالبان کی گرفت مضبوط ہو رہی ہے اور امریکہ کے تمام دعوے باطل ثابت ہو رہے ہیں۔ ایک افغان ہونے کے ناطے صدر حامد کرزئی سے زیادہ اور کون اس تلخ حقیقت کا ادراک کرے گا کہ اب افغانستان میں الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔ اس صورتحال کا واحد حل ان کے نزدیک یہی ہے کہ پاکستان پر الزامات لگاتے رہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے وہ افغانستان میں ہونے والی ہر کارروائی کے لئے پاکستان کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ امریکہ میں صدر بش کی موجودگی میں ان کے اور جنرل مشرف کے درمیان تلخ کلامی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔

امریکہ، نیٹو اور صدر حامد کرزئی ان سب کو آج کے اس سب سے بڑے سچ کو جان لینا چاہئے کہ افغانستان میں بھی امریکی پالیسی مکمل طور پر ناکام ہو گئی ہے تمام تر کوششوں کے باوجود حامد کرزئی کی حکومت کابل سے باہر نہیں نکل سکی جبکہ طالبان پھر سے عوامی مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔ امریکہ اور نیٹو افواج کے کمانڈرز اس بات کا ادراک نہیں کر پا رہے کہ سابق سوویت یونین کی فوجوں کی طرح افغانیوں نے امریکہ اور نیٹو کی فوج کو بھی تسلیم نہیں کیا اور وہ افغانستان سے غیر ملکی افواج کا انخلاء چاہتے ہیں جس کے لئے انہوں نے مزاحمت کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ افغان حکومت میں شامل بہت سے وزراء مشیروں اور گورنروں کا افغان عوام سے کوئی رابطہ نہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ عام افغانیوں کے مزاج سے بھی ناآشنا ہیں جس کی وجہ سے افغان عوام کے درمیان اختلافات بڑھ رہے ہیں۔ افغان صدر حامد کرزئی اپنی ناکامیوں کا الزام پاکستان اور آئی ایس آئی پر لگا کر اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ تو بہت کامیاب اور باصلاحیت حکمران ہیں لیکن پاکستان ان کو نہیں چلنے دے رہا جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

حامد کرزئی تمام سفارتی آداب پھلانگ گئے اور الزام عائد کر دیا کہ "حکومت پاکستان افغان عوام کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہے۔ پاکستان نے ہمیں اپنا غلام بنانے کی امید ابھی ترک نہیں کی مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ میں وہ واحد شخص ہوں جس نے "مزاحمت" پر مشتمل افغانیوں کو پاکستانی صدر پرویز مشرف کا پیچھا کرنے سے روک رکھا ہے اگر وہ ڈھائی کروڑ افغانیوں کو ہلاک کر دیں تب بھی میں ان کا غلام نہیں بنوں گا"۔ معلوم نہیں حامد کرزئی کس کی زبان بول رہے ہیں، پاکستانی عوام اور حکومت تو افغانستان کو اپنا برادر اسلامی ملک سمجھتے ہیں، افغانیوں اور پاکستانیوں کے درمیان پرانے رشتے ہیں۔ پاک افغان بارڈر کے قریب رہنے والے قبائلی سالوں سے اکٹھے رہ رہے ہیں۔ ان کا کلچر اور زبان بھی ایک ہے۔ اسلامی بھائی چارے کے باعث پاکستانیوں نے افغان جنگ کے دوران 30 لاکھ سے 40 لاکھ تک افغان مہاجرین کی مہمان نوازی کی۔ افغان مہاجرین اور افغان مجاہدین کو سپورٹ کرنے کے باعث روس پاکستان کا دشمن بن گیا لیکن پاکستان نے آزمائش اور مشکل میں افغانیوں کی مدد جاری رکھی اس وقت حامد کرزئی بھی سوویت یونین کے خلاف جہاد میں شریک تھے لیکن امریکہ کی جانب سے منصب صدارت ملتے ہی ان کی سوچ اور آنکھیں بدل گئی ہیں۔ پاکستان جس کا انہیں احسان مند ہونا چاہئے تھا وہ انہیں اپنا دشمن نظر آ رہا ہے اور وہ سمجھنے لگے ہیں کہ پاکستان انہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ پاکستان ایسا کیوں کرے گا؟ حکومت پاکستان ہر سطح پر افغانستان کے ساتھ برابری کا تعلق قائم رکھے ہوئے ہے۔

حامد کرزئی یہ بات بھی اچھی جانتے ہیں کہ اگر صدر مشرف انہیں سپورٹ نہ کرتے اور ان کی حمایت کیلئے افغان مہاجرین کے ووٹ نہ بھجواتے تو حامد کرزئی کیلئے صدر بننا ممکن نہیں تھا۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ حامد کرزئی پاکستان کے دشمن بھارت کے پروپیگنڈے میں آ چکے ہیں، جس نے پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لئے پورے افغانستان میں سازشوں کا جال بن دیا ہے، را کے ایجنٹ، سفارتکاروں کے روپ میں بھارتی سفارت خانے اور قونصل خانوں میں ڈیوٹیاں دے رہے ہیں اور ان کا ایک ہی مقصد ہے کہ افغان عوام کو پاکستان کے خلاف کیا جائے۔ آج افغانستان میں ہر طرف بھارتی اثر ورسوخ نظر آ رہا ہے۔ افغان عوام کی اکثریت اس صورتحال سے خائف ہے اور ان کی ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ ہیں لیکن افغان حکومت میں شنوائی نہ

ہونے کے باعث وہ بے بس نظر آتے ہیں۔ افغان صدر پاکستان پر یہ الزام بھی عائد کر چکے ہیں کہ طالبان پاکستان کے راستے افغانستان میں داخل ہو رہے ہیں اور پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی طالبان کو تربیت فراہم کر رہی ہے جبکہ سب جانتے ہیں کہ ایک نہیں متعدد بار امریکیوں کی اطلاع پر پاکستان نے اپنے ہی علاقے میں لوگوں پر بمباری کی ہے، اس کی سب سے بڑی مثال باجوڑ ایجنسی کا واقعہ ہے، جبکہ شمالی وجنوبی وزیرستان میں سکیورٹی فورسز اور مقامی لوگوں کے درمیان مسلح جھڑپوں میں سینکڑوں قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں لیکن اس کا صلہ یوں مل رہا ہے کہ افغان صدر پاکستان پر ہی الزام عائد کر رہے ہیں، جو افسوسناک ہے۔ پاکستان، افغانستان کو تجویز دے چکا ہے کہ پاک افغان بارڈر پر باڑ لگا دی جائے لیکن افغانستان نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ افغان صدر کو چاہئے کہ وہ اپنے محسن اور برادر ملک پاکستان پر الزام لگانے کی بجائے اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو درست کرنے کی کوشش کریں اور اس بات کو سمجھیں کہ افغانستان میں ان کے اور نیٹو فوج کے خلاف جو مزاحمت ہو رہی ہے اس کی جڑیں پاکستان میں نہیں بلکہ افغانستان میں ہیں۔ طالبان جو اسلحہ استعمال کر رہے ہیں وہ مجاہدین سابق سوویت یونین کے خلاف استعمال کرتے رہے ہیں۔ پاکستان، طالبان کو نہ تو اسلحہ فراہم کر رہا ہے، نہ پیسہ اور نہ تربیت اس قسم کے الزام انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور پاک افغان تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش ہیں۔ افغان صدر حامد کرزئی کو یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ پاکستان میں اس وقت 25 سے 30 لاکھ افغان مہاجرین موجود ہیں۔ یہ مہاجرین اپنی مرضی سے افغانستان آتے جاتے رہتے ہیں تنہا پاکستان کے لئے انہیں روکنا نہ تو ممکن ہے اور نہ مناسب، پاکستان کسی دوسرے ملک کے شہریوں کو کیسے روک سکتا ہے کہ وہ اپنے وطن واپس نہ جائیں۔ پاکستان ان افغان مہاجرین کی واپسی کے لئے اقوام متحدہ اور افغان حکومت سے مطالبہ کر چکا ہے کہ اس کے انتظامات کئے جائیں لیکن افغانستان کے اندر عدم استحکام کے باعث اتنی بڑی تعداد میں افغان مہاجرین کی وطن واپسی فوری طور پر ممکن نظر نہیں آ رہی۔ یہ مہاجرین افغان حکومت کی پالیسیوں اور افغانستان میں غیر ملکی فوجوں کی موجودگی سے بھی خوش نہیں۔ افغانستان میں امن کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ غیر ملکی افواج افغانستان سے نکل جائیں اور افغان عوام کو اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے دیا جائے۔ جب تک تمام

افغانیوں کو برابری کی سطح پر حکومت میں نمائندگی نہیں دی جائے گی افغانستان میں امن کا قیام ممکن نہیں۔ عراق کی طرح افغانستان میں بھی امریکی پالیسی مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ امریکہ کو چاہئے کہ وہ افغانستان سے اپنی فوجوں کے انخلاء کا شیڈول دے اور افغانستان کے معاملات اپنے کٹھ پتلی حکمرانوں کی بجائے افغان عوام کے سپرد کر دیئے جائیں تا کہ افغانستان میں امن قائم ہو سکے۔

اسے ہماری ملی بدبختی کہا جائے کہ حالات کو نہ سمجھنے کی جہالت کا نام دیا جائے پاکستانی حکمرانوں نے ہمیشہ امریکی مفادات کو تقویت پہنچائی اور اس چکر میں ملکی اقتدار اعلیٰ کو بھی داؤ پر لگائے رکھا۔ سینیٹر خورشید احمد موجودہ صورتحال کا ذمہ دار پاکستان کے موجودہ سیٹ اپ کو قرار دیتے ہوئے ترجمان القرآن کے ''اشارات'' میں لکھتے ہیں۔

اس جرنیلی آمریت کا پہلا جرم یہ ہے کہ اس نے ملک کی آزادی، حاکمیت اور خود مختاری پر کاری ضرب لگائی ہے اور گزشتہ پانچ سال میں ملک امریکہ کی ایک ذیلی ریاست (Satellite state) بن کر رہ گیا ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے خود اپنے تازہ ترین انٹرویو میں جو سی این این کو 21 ستمبر 2006ء کو دیا گیا ہے، اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ 11 ستمبر 2001ء کے بعد امریکی نائب وزیر خارجہ نے پاکستان کو دھمکی دی تھی کہ

Be prepared to be bombed: be prepared to go back to the stone age.

اور ہمارے بہادر جرنیل نے جو ایٹمی صلاحیت رکھنے والی فوج کے سربراہ تھے اس مطالبے کو جسے وہ خود ناشائستہ قرار دے رہے ہیں اور جس کے ساتھ بقول ان کے بہت سے دوسرے مضحکہ خیز مطالبات تھے یعنی اپنی فضائی حدود کو ہمارے لئے کھول دو، فوجی اڈے فی الفور مہیا کرو، امریکی فوجوں کو ایک برادر ملک پر حملہ کرنے کے لئے اپنی زمین فراہم کرو، اس وقت کی افغان حکومت سے تعلق توڑ لو حتیٰ کہ پاکستان میں امریکہ کے خلاف اور افغانستان پر حملے کے خلاف بے چینی کی جو لہر اور مزاحمت کی تحریک ہے اسے دبانے کی کارروائی کرو...... سب مطالبات پر سر تسلیم خم کر دیا۔ ستم یہ ہے کہ جناب جرنیل صاحب امریکہ کی اس ظالمانہ کارروائی میں نہ صرف

اس تمام دباؤ، خوف اور دھمکیوں کے تحت شریک ہو گئے بلکہ اسے اپنی جنگ بنا لیا اور پھر وہ ''کارنامے'' انجام دیئے کہ بش صاحب بھی جھوم جھوم گئے۔ غلامی کی زنجیر پہننا ہی کم ستم نہ تھا کہ اسے زیور سمجھ کر نازاں ہونے کی ایکٹنگ بھی کی جانے لگی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہر ''خدمت'' کے بعد ''مزید'' کے مطالبات ہو رہے ہیں اور ذلت کے تمغوں میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہے۔

ہم نے اپنی آزادی ہی کو داؤ پر نہیں لگایا، اپنی عزت اور اپنی روایات کو بھی خاک میں ملا دیا جس کی بدترین مثال ان 600 سے زائد بے گناہ افراد کو امریکہ کی تحویل میں دینا ہے جن میں سے کسی کے خلاف کوئی جرم آج تک ثابت نہیں ہوا لیکن ان کی جانوں اور عزتوں سے امریکہ کے گھناؤنے کھیل میں شریک ہو کر ہم خدا اور خلق کے سامنے مجرم بنے اور اسلام کی تعلیمات اور مسلمانوں کی روایات کو پامال کیا۔ اس سلسلے کی بدترین مثال پاکستان میں اس وقت کے افغانی سفیر عبدالسلام ضعیف کی ہے جن کو سفارتی تحفظ حاصل تھا لیکن اس جرنیلی قیادت نے بین الاقوامی قانون اور اسلامی احکام کی شرمناک خلاف ورزی کرتے ہوئے جنوری 2002ء میں اس سفارتی تحفظ یافتہ فرشتہ صفت بھائی کو امریکہ کی تحویل میں دے دیا جو انہیں بگرام اور گوانتانامو لے گیا، بدترین تعذیب کا نشانہ بنایا اور چار سال ٹارچر کرنے کے بعد بھی ان کا کوئی جرم ثابت نہ کر سکا اور بالآخر 2005ء میں انہیں رہا کرنے پر مجبور ہوا۔ عبدالسلام ضعیف نے اپنی روداد اسیری رقم کی ہے جس کا ایک ایک لفظ اس جرنیلی آمریت کے خلاف فرد جرم ہے جسے پڑھ کر پوری پاکستانی قوم کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ دل اللہ کے غضب کے خطرے سے کانپ اٹھتا ہے اور بے تاب روح سے یہ صدا بلند ہوتی ہے کہ خدایا! ایسے ظلم میں شریک ہونے اور اس کا آلہ کار رہنے والوں کا احتساب کب ہوگا؟ ہم دل کڑا کر کے ان کی آپ بیتی سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں تا کہ جرنیلی آمریت کا اصل چہرہ قوم کے سامنے آ سکے۔

''یہ 2 جنوری 2002ء کی صبح تھی۔ پاکستان میں سال نو کی تقریبات اختتام پذیر ہو چکی تھیں۔ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ معمول کی زندگی گزار رہا تھا اور ہر وقت افغانستان میں رہنے والے اپنے گمشدہ بھائیوں اور شہیدوں کی فکر میں مبتلا رہتا تھا۔ میں ان کی قسمت پر کڑھتا تھا مگر اپنی تقدیر سے لاعلم تھا۔ تقریباً 8 بجے کا وقت تھا گھر کے محافظوں نے اطلاع دی کہ چند پاکستانی

سرکاری اہلکار آپ سے ملنے آئے ہیں۔ مہمانوں کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھایا، یہ تین افراد تھے۔ ان میں ایک پختون اور باقی دو اردو بولنے والے تھے۔ میں نے افغان روایات کے تحت مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ چائے بسکٹ سے تواضع کی۔ میں متجسس تھا کہ وہ کیا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اردو بولنے والے ایک سیاہ رنگ کے موٹے کلین شیو شخص نے جس کے چہرے سے نفرت اور تعصب ٹپکتا تھا اور وہ کسی دوزخی کا ایلچی لگتا تھا، بظاہر بڑے مودبانہ انداز میں بات شروع کی اور پہلا جملہ ادا کیا: Your excellency, you are no more excellency پھر وہ بولا: آپ جانتے ہیں کہ امریکہ بڑی طاقت ہے اور کوئی اس کے مقابلے کی ہمت نہیں رکھتا نہ ہی کوئی اس کا حکم ماننے سے انکار کی جرأت رکھتا ہے۔ امریکہ کو آپ کی ضرورت ہے تاکہ آپ سے پوچھ گچھ کر سکے۔ ہم آپ کو امریکہ کے حوالے کرنے آئے ہیں تاکہ اس کا مقصد پورا ہو اور پاکستان کو بہت بڑے خطرات سے بچایا جا سکے۔ میں نے بحث شروع کر دی اور کہا کہ چلو مان لیا امریکہ ایک سپر طاقت ہے لیکن دنیا کے کچھ قوانین اور اصول بھی تو ہیں جن کے تحت لوگ زندگی گزار رہے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ آپ لوگ کن مروجہ یا غیر مروجہ یا اسلامی یا غیر اسلامی قوانین کے تحت مجبور ہیں؟ آپ کا اخلاقی فرض ہے کہ مجھے میرے سوالوں کا جواب دیں اور مجھے اتنی مہلت دیں کہ میں آپ کا ملک پاکستان چھوڑ دوں۔

لگ بھگ 12 بجے کا وقت تھا جب تین گاڑیاں آئیں اور مسلح اہلکاروں نے گھر کا محاصرہ کر کے راستے اور لوگوں کی آمد و رفت بند کر دی مجھے باہر نکلنے کو کہا گیا۔ میں ایسے حال میں گھر سے نکلا جب میرے بیوی بچے چیخ و پکار کر رہے تھے۔ میں اپنے بچوں کی طرف مڑ کے نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ میرے پاس ان کے لئے تسلی کا ایک لفظ تک نہ تھا۔ ''اسلام کے محافظ'' پاکستانی حکام سے مجھے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ مجھے چند پیسوں کی خاطر ''تحفتاً'' امریکہ کو پیش کر دیا جائے گا۔ میں یہی سوچتا ہوا گھر سے نکلا کہ مجھ پر اتنا ظلم کیوں ہو رہا ہے؟ مقدس جہاد کی باتیں کرنے والوں کو کیا ہو گیا؟ مجھے ایک گاڑی میں درمیان میں بٹھا دیا گیا۔ گاڑی کے شیشے کالے تھے جن کے آر پار کچھ نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ آگے سکیورٹی کی گاڑی تھی جبکہ تیسری گاڑی ہمارے پیچھے تھی جس میں مسلح اہلکار تھے''۔

یہ تو تھا جرنیلی آمریت کے پاکستانی کارندوں کا سلوک۔ اب ذرا دنیا کی مہذب ترین امریکی حکومت کے نمائندوں کے کارنامے بھی ملاحظہ فرمالیں:

''تیسری رات 11 بجے کے لگ بھگ میں نے سونے کا ارادہ کیا کہ اچانک دروازہ کھلا اور شلوار قمیض میں ملبوس چھوٹی داڑھی والا ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اس نے کہا ہم آپ کو ایک دوسری جگہ منتقل کر رہے ہیں۔ میں نے یہ نہ پوچھا کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے کیونکہ مجھے سچ کی امید نہ تھی۔ مجھے واش روم استعمال کرنے کے لئے صرف پانچ منٹ دیئے گئے۔ رفتہ رفتہ گاڑی ہیلی کاپٹر کے قریب ہوتی گئی اور اس کی آواز کانوں کے پردے پھاڑنے لگی۔ اس دوران مجھے ایک ضرب پڑی اور میری کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی اس ضرب سے نیچے گر گئی یا مجھ سے لے لی گئی۔ مجھے دو افراد کی مدد سے گاڑی سے اتارا گیا اور ہیلی کاپٹر سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا کر دیا گیا۔ چند لمحوں بعد میں نے خدا حافظ کے الفاظ سنے۔ پھر میں نے کچھ لوگوں کی آوازیں سنیں جو انگریزی میں باتیں کر رہے تھے۔ اچانک وہ ریچھوں کی طرح مجھ پر پل پڑے اور لاتوں، گھونسوں اور مکوں کی بارش کرنے لگے۔ کبھی مجھے اوندھے منہ لٹا دیا جاتا، کبھی کھڑا کر کے دھکا دیا جاتا، میرے کپڑے چاقوؤں کی مدد سے پھاڑ دیئے گئے۔ اسی دوران میری آنکھوں سے پٹی اتر گئی۔ میں نے دیکھا کہ پاکستانی افسر قطار میں کھڑے تھے۔ ساتھ ہی افسروں کی گاڑیاں تھیں جن میں سے ایک پر جھنڈا لگا تھا۔ امریکیوں نے مجھے مارا پیٹا، بے لباس کر دیا مگر اسلام کے محافظ میرے سابقہ دوست تماشا دیکھتے رہے۔ یہ بات میں قبر میں بھی نہ بھول سکوں گا۔ میں کوئی قاتل، چور، ڈاکو یا قانون کا مجرم نہ تھا۔ مجھے بغیر کسی جرم کے امریکہ کے حوالے کیا جا رہا تھا۔ وہاں موجود افسر اتنا تو کہہ سکتے تھے کہ یہ ہمارا مہمان ہے۔ ہماری موجودگی میں اس کے ساتھ یہ سلوک نہ کرو۔ وحشی اور بے رحم امریکی فوجیوں نے ایسی حالت میں مجھے زمین پر پٹخ دیا کہ میرا جسم ننگا ہو گیا پھر مجھے ہیلی کاپٹر میں دھکیل دیا گیا میرے ہاتھ پاؤں کس کر زنجیروں سے باندھ دیئے گئے۔ آنکھوں پر پٹی پھر باندھ دی گئی۔ میرا چہرہ سیاہ تھیلے سے ڈھانپ دیا گیا۔ میرے جسم کے اردگرد سر سے پاؤں تک رسی لپیٹ کر ہیلی کاپٹر کے وسط میں زنجیر سے باندھ دیا گیا''۔

(روزنامہ نوائے وقت 22 ستمبر 2006ء)

پوری داستان دل خراش اور آبدیدہ کر دینے والی ہے لیکن یہ سب وہ خدمات ہیں جو اس جرنیلی آمریت نے امریکہ کی خوشنودی کے لئے انجام دی ہیں اور اس طرح اپنی آزادی اور خودمختاری کو اپنے ہی ہاتھوں تار تار کیا ہے۔ امریکہ پاکستان کے ہر شعبۂ زندگی میں مداخلت کر رہا ہے۔ فوجی مشقوں کے نام پر فوج کی قیادت کو دام اسیری میں لایا جا رہا ہے۔ تعلیم میں مداخلت ہے اور نصاب تعلیم تک میں تعلیمی اصلاحات کے نام پر یو ایس ایڈ کی دراندازیاں ہو رہی ہیں اور قرآن کی وہ آیات تراش وخراش سے محفوظ نہیں جو جہاد کے بارے میں ہیں۔ معیشت پر گرفت تو پہلے ہی کم نہ تھی مگر اب نجکاری اور بیرونی سرمایہ کاری کے ذریعے مزید مداخلت کی راہیں استوار ہو گئی ہیں۔ دینی مدارس کو لگام دینے کی خدمت بھی امریکی منصوبے کے تحت کی جا رہی ہے اور اب حدود قوانین، ناموس رسالت کا قانون اور احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے والی دستوری ترمیم سب نشانے پر ہیں۔ جرنیل صاحب چاہتے تھے کہ امریکہ کا دورہ کرنے سے پہلے اپنی وردی کے زعم پر حدود قوانین میں ترمیم کرالیں لیکن اللہ کی شان ہے کہ وردی کے باوجود ترمیم دھری کی دھری رہ گئی...... ان تمام خدمات اور سپردگیوں کے باوجود بلکہ ان کے نتیجے میں امریکہ اور بھی شیر ہوتا جا رہا ہے۔ جنرل پرویز مشرف کے دورے کے موقع پر اقوام متحدہ میں خطاب کے بعد صدر بش نے سی این این کے نمائندے وولف بلٹزر کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا صدر بش خفیہ ایجنسیوں کی قابل اعتماد معلومات پر القاعدہ کے قائدین کو پکڑنے یا ہلاک کرنے کیلئے پاکستان کی سرزمین پر امریکی فوج کے ذریعے بلاواسطہ کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، صاف الفاظ میں کہا: absolutely (بالکل یقیناً) یہ ہے اس جرنیلی آمریت کے زیر سایہ اب ہماری آزادی، خودمختاری اور اقتدار اعلیٰ کی اصل حقیقت۔

(بشکریہ ترجمان القرآن اکتوبر 2006ء)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر جنرل صاحب کی حکومت نے یہ تمام اقدامات اس خطے میں دہشت گردی کے خاتمے کے لئے امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی بن کر کئے ہیں تو بھی اس کا حاصل کیا ہے۔ آج مغربی دنیا پھر طالبان کے خوف سے لرزہ براندام ہے۔ امریکہ نے اپنی دانست میں انہیں ختم کر دیا تھا جبکہ طالبان اسلامی جمہوری افغانستان کا آئین جاری کر رہے ہیں

10 دسمبر 2006ء کو "آن لائن" کی یہ خبر ملک کے تمام اخبارات میں شائع ہوئی۔

"کابل (آن لائن) افغانستان میں غیر ملکی قابض افواج کے خلاف برسرپیکار طالبان نے اپنا آئین اور ضابطہ اخلاق جاری کر دیا ہے۔ بھارتی خبر رساں ادارے اے این آئی کے مطابق طالبان نے 66 صفحات پر مشتمل یہ مسودہ پشتو اور دری زبان میں جاری کیا۔ اس میں افغانستان کو آزاد متحد اور ناقابل تقسیم ملک قرار دیا گیا اور اس کا سرکاری نام اسلامی جمہوریہ افغانستان رکھا گیا ہے۔ آئین کا مسودہ طالبان میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا کہ اسلامی ریاست کے سربراہ کو امیر المومنین کہا جائے گا اور اس کے لئے قابل فہم افغان شہری ہونا لازم ہے۔ افغانستان کے تمام قوانین شریعت کے مطابق بنائے جائیں گے۔

مسودے میں کہا گیا ہے کہ بنیادی قوانین امریکی حمایت یافتہ افغان حکومت کے خاتمے اور غیر ملکی افواج کو ملک سے نکالنے کے بعد نافذ کئے جائیں گے۔ طالبان نے اس مسودے کو اسلامی ممالک اور تنظیموں کو بھی بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے طالبان قیادت نے اپنے جنگی کمانڈروں اور مجاہدین کیلئے 30 نکاتی ضابطہ اخلاق بھی جاری کیا ہے ضابطہ اخلاق میں افغان شہریوں کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ غیر ملکی افواج کے خلاف جہاد میں شریک ہوں ضابطہ اخلاق کے رول ون میں طالبان کمانڈروں کو زیادہ مجاہدین بھرتی کرنے کا کہا گیا ہے۔ رول 5 میں کہا گیا ہے کہ نو بھرتی شدہ مجاہدین کو تحفظ فراہم کیا جائے جو طالبان ان کو مارے گا اسے سزا دی جائے گی رول 7 میں کہا گیا ہے کہ غیر ملکی قیدیوں کو اپنے قیدی کی رہائی یا پیسے کے بدلے رہا نہیں کیا جائے گا رول 9 میں جہادی سامان یا پراپرٹی کو ذاتی استعمال کی ممانعت کی گئی ہے۔ رول 10 میں کہا گیا ہے کہ ہر طالبان رقم کے خرچ اور ساز وسامان کے استعمال بارے اپنے سینئرز کو جواب دہ ہوگا۔ رول 24 میں طالبان سے کہا گیا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف تعلیم دینے والے اساتذہ کو سزا دیں۔

(10 دسمبر 2006ء آن لائن + اے این آئی)

5 جنوری 2007ء کو طالبان کمانڈر ملا داداللہ کے حوالے سے شائع بیان میں کہا گیا ہے کہ 2007ء غیر ملکی افواج کے لئے موت کا سال ہوگا۔ افغانستان کو فتح کرنے کے لئے آنے

والے مجاہدین کے ہاتھوں عبرتناک شکست سے دوچار ہوں گے۔ مجاہدین قابض افواج کو نکالنے تک جدوجہد جاری رکھیں گے۔ انہوں نے کہا 2007ء کے دوران ملک میں بیرونی افواج کے خلاف حملوں میں مزید شدت پیدا کردی جائے گی اور کٹھ پتلی حکومت سے مذاکرات کرنے والے ہر شخص کو قتل کردیا جائے گا۔ واضح رہے کہ 2001ء میں امریکہ کے زیر قیادت اتحادی افواج کے ہاتھوں اپنی بدترین شکست کے بعد گزشتہ سال طالبان حیرت انگیز طور پر طاقتور موقف کے ساتھ ابھرے چنانچہ 2006ء کے دوران انتہائی خونریز جھڑپوں میں دونوں طرف سے کم سے کم چار ہزار افراد ہلاک ہوئے جن میں 170 بیرونی سپاہی بھی شامل ہیں۔ طالبان کے اعلیٰ کمانڈر ملا داد اللہ نے کہا کہ امریکی افواج کو مزید حملوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ نیٹو امریکہ اور اس کے اتحادی افواج پر خودکش اور چھاپہ مار حملے مزید اضافے کے ساتھ جاری رہیں گے۔ طالبان ان افواج کو بھاری ہلاکتوں سے دوچار کریں گے۔ ملا داداللہ نے کہا کہ موسم سرما میں اپنی خاموشی کو نئے جنگی منصوبے بنانے کے لئے استعمال کیا تھا تاکہ بیرونی افواج کو زیادہ سے زیادہ خونریزی اور ہلاکتوں کا نشانہ بنایا جاسکے۔

(ثانیوز 5 جنوری 2007ء)

اور 5 جنوری 2007ء کو ملا محمد عمر مجاہد کا پہلا ای میل انٹرویو ساری دنیا نے نیٹ پر دیکھ لیا ہے۔ ملا محمد عمر مجاہد کہتے ہیں:

''حامد کرزئی حکومت کے ساتھ کسی بھی قسم کے مذاکرات نہیں ہونگے اور قابض افواج کی پسپائی تک جہاد جاری رہے گا۔ انہوں نے خبردار کیا کہ جنگ میں مزید شدت لائی جائے گی اور قابض افواج کو بھاگنے پر مجبور کردیا جائے گا۔ انہوں نے قابض افواج سے کہا ہے کہ اگر وہ سلامتی چاہتے ہیں تو فوری طور پر افغانستان سے نکل جائیں اور انہوں نے جو ادارے قائم کئے ہیں انہیں ختم کیا جائے اور جب تک ایسا نہیں کیا جاتا تو جنگ مزید گرم ہوجائے گی۔ یہ ملا عمر کا 2001ء میں طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد پہلا ای میل انٹرویو تھا۔ ملا عمر نے پاکستان کی طالبان کے بارے میں اپنائی جانے والی پالیسی کی مذمت نہ کرتے ہوئے اور محتاط ردعمل میں کہا کہ طالبان تحریک پشتون تحریک نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ القاعدہ اور طالبان کے مقاصد میں کافی فرق ہے

القاعدہ کا مقصد جہاد ہے اور طالبان کا مقصد افغانستان سے امریکی فوجیوں کو نکالنے کا عزم ہے۔ انہوں نے کہا کہ طالبان نے کبھی بھی القاعدہ کے ساتھ مستقل تعلق کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ ملا عمر نے واضح کیا کہ طالبان افغانستان اور پاکستان کی منصوبہ بندی سے چلنے والے جرگوں کے خلاف ہیں اور ان جرگوں کا مقصد افغانستان میں تشدد کا خاتمہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ صرف حکومتی عہدیدار اور غداران جرگوں میں شرکت کرتے ہیں۔ طالبان کے ترجمان ڈاکٹر محمد حنیف نے اس انٹرویو کیلئے مدد کی تھی۔ ترجمان نے انٹرویو کے دوران کہا کہ ملا عمر نے خود اخبار کی طرف سے بھیجے گئے سوالات کو پڑھا اور ان پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا۔ ملا عمر نے کہا کہ طالبان تحریک اس وقت وجود میں آئی جب افغانستان میں جنگی حالات تھے اور طالبان نے جن علاقوں پر حکومت کی اس پر حکومتی رٹ بھی قائم کی لیکن وہ آج بھی اپنے دشمن شمالی اتحاد کا افغانستان کے دیگر علاقوں میں مقابلہ کررہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر طالبان نے پورے افغانستان پر مکمل کنٹرول قائم کرلیا ہوتا تو انہوں نے ایک حقیقی حکومت تشکیل دی ہوتی اور ملک میں شریعتی نظام اور اللہ تعالیٰ کے قانون نافذ کرلئے ہوتے لیکن منافقوں اور غیر ملکی دشمنوں کی سازشوں کی وجہ سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور طالبان کے خلاف پابندیاں عائد کی گئیں طالبان مخالف فورسز کو مضبوط کیا گیا اور انہیں مجاہدین کے خلاف لڑنے کے لئے تیار کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس طرح کی مشکلات پیدا نہ کی جاتیں تو وہ کامیاب ہوجاتے اور آج وہ اعتماد سے یہ بات کہتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے پرامن حکومت قائم کی اس طرح کی حکومت کوئی نہیں کرسکتا تھا اسامہ بن لادن کو افغانستان میں پناہ دینے کا موقف اصولوں پر مبنی تھا جو لوگ اس پناہ کے خلاف بات کرتے تھے ان کے پاس کوئی دلیل یا وجہ نہ تھی اور ان کے پاس اگر ایسا ہوتا تو وہ دھمکیوں کا سہارا نہ لیتے۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے کبھی بھی اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کرنے پر رضامندی ظاہر نہ کی اور اگر کوئی اس طرح کی بات کرتا ہے تو وہ خواب دیکھ رہا ہے۔ اگر ہم نے اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کرنے پر رضامندی دکھائی ہوتی تو ہمیں اتنی بڑی قربانی نہیں دینی پڑتی۔ بامیان میں بدھا کے مجسموں کو تباہ کرنے سے متعلق سوال پر ملا عمر نے کہا کہ شریعت شریعت ہے لاتعداد مسلمان دوسروں کی تہذیبوں سے متاثر ہورہے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اسلام پر قائم رہنا اپنے لئے مشکل

سمجھتے ہیں لڑکیوں کے سکول یا تو کم تھے یا ہماری حکومت سے پہلے ان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا انہوں نے کہا کہ طالبان خواتین کی تعلیم سے متعلق شریعت کے مطابق ایک سٹریٹجی بنا رہے تھے۔خودکش بمباری سے متعلق پوچھے گئے سوال پر ملا عمر نے کہا کہ مجاہدین اسلامی فتویٰ کے برخلاف کوئی کام نہیں کرتے اور وہ کوئی کارروائی کرنے سے قبل فتویٰ حاصل کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ 2001ء میں طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد انہوں نے کبھی بھی اسامہ بن لادن کو نہیں دیکھا اور نہ انہوں نے کبھی دیکھنے کی خواہش کی اور میں اسامہ کی صحت اور تندرستی کیلئے دعا گو ہوں۔ملا عمر نے کہا کہ طالبان نے ابھی تک پاکستان سے کوئی مدد وصول نہیں کی اور نہ ہی کوئی اسے ثابت کر سکتا ہے مغربی میڈیا کا پروپیگنڈہ ہمیشہ کسی ثبوت کے بغیر ہوتا ہے جس کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اور وہ میڈیا کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں ملا عمر نے کہا کہ طالبان کی لیڈر شپ مزاحمت اور شوریٰ افغانستان میں موجود ہے۔ملا عمر نے کہا کہ افغان عوام ہمارے ساتھ ہیں اور وہ کسی قبائلی یا دیگر وجہ سے نہیں بلکہ قومی اور اسلامی جذبے کے تحت ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔

(این این آئی 5 جنوری 2007ء)

2006ء جب طلوع ہو رہا تھا تو امریکی جنگجو قیادت کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والے سال میں اسے ایسی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو اس کے منہ پر شرمناک شکست کے داغ چھوڑ جائیں گی۔بش انتظامیہ جو اہداف لے کر افغانستان اور عراق میں اتری تھی، حاصل کرنے میں اسے گزشتہ کئی برسوں ہی سے ناکامی کا سامنا تھا لیکن 2006ء میں ناکامیوں کا یہ سفر زیادہ تیزی سے طے ہوا افغانستان اور عراق میں قائم کردہ کٹھ پتلی حکومتیں تمام تر تدابیر کے باوجود حالات پر کنٹرول حاصل کرنے میں ذرہ برابر کامیاب نہ ہو سکیں۔ساری کی ساری کامیابیاں یہاں جاری مزاحمتی تحریکوں ہی کے حصے میں آئیں۔عراق میں القاعدہ کو البتہ ایک بڑا نقصان اٹھانا پڑا کہ اس کے عراقی قائد ابو مصعب الزرقاوی ایک امریکی حملے میں شہید ہو گئے۔اگرچہ قائد سے محرومی ایک بڑا نقصان ہوتا ہے لیکن القاعدہ کا عراقی سیٹ اپ بھی اس قدر مضبوط ہے کہ وہاں زرقاوی کے بعد بھی پہلے کی طرح متحرک، فعال اور جاندار کردار ادا ہو رہا ہے۔

افغانستان کی نسبت عراق میں القاعدہ کو زیادہ سخت چیلنجز کا سامنا ہے۔وہاں امریکی

منصوبہ سازوں نے خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا کر رکھی ہے۔وہ پوری کوشش کر رہے ہیں کہ سنی اور شیعہ کشمکش شروع کر دی جائے۔

جب سامراج کو کامیابی کی بجائے ناکامی کا سامنا ہو تو وہ عموماً ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر گامزن ہو جاتا ہے۔حکمران طبقے اور عوام کے درمیان کشمکش پیدا کی جاتی ہے یا پھر معاشرے کے مختلف طبقات کو آپس میں الجھا دیا جاتا ہے۔یہی حکمت عملی مسلم ممالک کے حکمرانوں نے اپنے ہاں اسلامی تحریکوں کے حوالے سے اختیار کر رکھی ہے اولاً ایسا جوڑ توڑ کیا جاتا ہے کہ وہ برسر اقتدار ہی نہ آسکیں اگر اس کے باوجود وہ آگے آجائیں تو ان کی راہ میں ایسی رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں جو نہ صرف جمہوریت کے منافی ہوتی ہیں بلکہ دنیا کا کوئی ریاستی اصول ان کی اجازت نہیں دیتا۔ماضی قریب میں جس مسلمان ملک میں بھی اسلامی تحریکوں نے کامیابی حاصل کر کے حکومت سازی کی وہاں عالمی طاقتوں اور ان کے اتحادی ملکی حکمرانوں نے ان کی حکومتوں کو سرے سے تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا۔اس کی واضح مثال فلسطین میں اسلامی تحریک حماس کی حکومت ہے جس کے قیام کے ساتھ ہی فلسطینی ریاست کے فنڈز بند کر دیئے گئے۔وہاں کے صدر محمود عباس کو حماس حکومت ختم کرنے کے لئے فنڈز فراہم کئے گئے۔ان کی جماعت الفتح نے مفاہمت کے لئے حماس حکومت کی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا حتیٰ کہ وزیر اعظم اسماعیل ہانیہ کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔

یہ ایک ایسا رویہ ہے جس کی دنیا کے کسی ضابطہ اخلاق میں گنجائش موجود نہیں ہے لیکن جمہوریت کے علمبرداروں نے نظریہ ضرورت کے تحت یہ رویہ اختیار کرنے میں بھی شرم محسوس نہ کی۔اس سے مستقبل قریب میں پیش آنے والے حالات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اب اس میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ افغانستان اور عراق میں امریکہ اور اس کے اتحادی اپنی افواج نکالنے پر ہر صورت میں مجبور ہو جائیں گے۔افغانستان میں حالات اس نہج تک پہنچ چکے ہیں کہ اب واضح طور پر محسوس ہو رہا ہے کہ 2007ء کا سال امریکہ کا یہاں آخری سال ہوگا۔اس وقت وہاں مزاحمت کار چھپ کر جنگ کرنے کی بجائے کھلے عام لڑ رہے ہیں۔غیر ملکی فوجیں اپنی چھاؤنیوں میں محصور ہو چکی ہیں۔ان چھاؤنیوں سے باہر ہر طرف مجاہدین کی عملداری قائم ہو چکی

ہے۔ان حالات میں غیر ملکی فوجیں وہاں مزید قیام کرنے کی ہمت نہیں رکھتیں۔آنے والے برس میں افغانستان اور عراق میں مزاحمت کاروں کی مزید اور تیز تر پیش قدمی کے نتیجے میں امریکہ کو ناقابل تصور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔وہ ان دونوں ممالک میں مزید قیام کی غلطی کرے یا یہاں سے انخلا کی حکمت عملی اختیار کرے اسے ہر دو صورتوں میں ان پریشانیوں کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔عالمی معاملات میں اس کی ڈھیلی پڑتی ہوئی گرفت کا اثر مسلم ممالک پر یوں پڑے گا کہ وہاں کی اسلامی تحریکوں کی راہ میں رکاوٹیں دور ہوتی چلی جائیں گی اور مسلم حکمران جور و جفا کے سارے طریقے آزما کر بھی دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔2006ء میں عالمی سامراج اور اس کے اتحادیوں کے خلاف حالات نے جس تیزی سے سفر کیا۔2007ء اس میں مزید تیزی لائے گا۔

امریکی استعمار آنے والی تباہی سے بے پروا اپنے شیطانی منصوبے پر عمل پیرا ہے۔

اس حساس خطے، اس جرنیلی آمریت نے یہ سب کچھ ایک ایسے پس منظر میں کیا جب اس حساس علاقے کے بارے میں بین الاقوامی سازشوں اور شرارتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ بھارت، ایران، افغانستان اور سب سے بڑھ کر امریکہ اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں اور مقامی عناصر میں سے کچھ اس میں آلہ کار بن رہے ہیں۔پاکستان کے نقشے کو تبدیل کرنے کے منصوبے نئے نہیں۔ سابقہ امریکی صدر کے ایک یہودی مشیر پروفیسر برنارڈ لیوس کئی سال پہلے شرق اوسط کے لئے نیا نقشہ پیش کر چکے ہیں اور اس میں بلوچستان کو ایک آزاد ملک کے طور پر دکھایا گیا ہے عین نواب بگٹی کی ہلاکت سے دو ماہ قبل کولن پاول کے ایک سابق اسسٹنٹ رالف پیٹر نے امریکہ کے نیم سرکاری مجلے Armed Forces Journal میں ایک زہر آلود مضمون لکھا ہے جس کا عنوان Blood Borders ہے اور اس دعوے کے ساتھ لکھا ہے کہ How a Better Middle East Would Look (ایک بہتر شرق اوسط کیسا نظر آئے گا)۔اس میں پورے شرق اوسط کی تقسیم در تقسیم کا منصوبہ پیش کیا ہے جس سے امریکہ اور اسرائیل کے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔اس وقت اس منصوبے کے تمام پہلوؤں پر کلام مقصود نہیں صرف پاکستان اور بلوچستان کے سلسلے میں اس شرانگیز تجویز پر توجہ مبذول کرانا پیش نظر ہے۔موصوف پاکستان کو ایک

غیر فطری ریاست (an unnatural state) قرار دیتے ہیں اور بلوچستان اور پشتونستان کو اس سے الگ کرتے ہیں اور اس دعوے کے ساتھ کہ یہ سب کچھ موصوف کے اپنے عزائم کے مطابق نقشے کی نئی صورت گری نہیں بلکہ وہاں کے لوگوں کی خواہش کا اظہار ہے۔

اس لئے اس تجویز میں ان کا مرکزی خیال یہ ہے کہ نئی حد بندی علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر ہونی چاہئے۔ ہر معاملے میں، یہ نئی مفروضہ حد بندیاں نسلی تعلقات اور فرقہ بندی، بعض صورتوں میں دونوں کی عکاسی کرتی ہیں۔

اگر ہم دونوں نقشوں پر نظر ڈالیں جغرافیائی سرحدوں کی ساری تبدیلی مسلم ممالک کے لئے مخصوص ہے۔اتنا بڑا بھارت اس نقشے پر موجود ہے جس میں درجنوں لسانی، مذہبی، ثقافتی اور نسلی آبادیاں موجود ہیں۔16، 17 آزادی کی تحریکیں سرگرم ہیں، وہاں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی ہے۔جبکہ پاکستان اور ایران کے ٹکڑے (خاکم بدہن) کیے گئے ہیں۔

ایک طرف یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے اور دوسری طرف جرنیلی آمریت بعینہٖ وہ فضا پیدا کر رہی ہے جس میں کچھ عناصر حقیقی مسائل اور محرومیوں کے ساتھ نفرت کی آگ کی آمیزش کر کے حالات کو ایسا رخ دے سکیں جن کے جلو میں سامراجی مقاصد حاصل ہو سکیں۔ بلوچستان کے مسائل کو جس طرح بگاڑا جا رہا ہے وہ حد درجہ خطرناک ہے۔صوبے کے حقیقی مسائل آج بھی آسانی سے حل ہو سکتے ہیں اس کے لئے سیاسی عمل افہام و تفہیم اور عدل و احسان کا راستہ ہی صحیح راستہ ہے۔فوج کشی اور عزت سے کھیلنے سے مسائل لازماً بگڑیں گے اور حل سے دور ہوتے جائیں گے۔ جرنیلی آمریت نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ صرف تباہی کا راستہ ہے۔حالات کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ حکمت عملی کو یکسر بدلا جائے۔ بلوچ عوام کا غم پاکستان کے ہر شہری کا غم ہے اور وہاں کے مسائل ہمارے مشترکہ مسائل ہیں۔سب کے ساتھ انصاف ہونا چاہئے اور جو انصاف سے جتنا محروم رہا ہے، اس کا اتنا ہی زیادہ حق ہے۔سیاسی عمل کے ساتھ ساتھ ان دستوری، قانونی اور انتظامی اصلاحات کی بھی ضرورت ہے جو حقیقی صوبائی خود مختاری اور صوبے کے وسائل پر اہل صوبہ کے حق کو یقینی بنا سکے بلکہ جن صوبوں اور علاقوں کی حالت زیادہ خراب ہے، ان کو ملکی اوسط کی سطح تک لانے کے لئے صرف اس صوبے کے نہیں بلکہ متمول صوبوں اور علاقوں کے وسائل

کو بھی پسماندہ علاقوں کی ترقی کے لئے استعمال ہونا چاہئے تاکہ سب کے ساتھ انصاف ہو سکے۔ اس مقصد کا حصول حقیقی جمہوری عمل کے قیام اور انصاف اور حق کے اصولوں کی پاسداری کے بغیر ممکن نہیں۔ مسئلہ طاقت کے استعمال کا نہیں، عقل کے استعمال اور انصاف اور دردمندی کے ساتھ حقیقی مسائل اور مشکلات کو دور کرنے کا ہے۔ یہ تصور کہ مرکز مضبوط ہوگا تو پاکستان مضبوط ہوگا ایک فاسد نظریہ ہے۔ پاکستان کی مضبوطی کے لئے صوبوں اور علاقوں کی مضبوطی ضروری ہے۔ دیوار اتنی ہی مضبوط ہوگی جتنی وہ اینٹیں مضبوط ہوں گی جس سے یہ دیوار بنی ہے۔ آمریت کا مزاج ہی مرکزیت کا مزاج ہے اور جب وہ آمریت جرنیلی آمریت ہو تو پھر اختیارات کے ارتکاز کا عالم اور بھی گھمبیر ہو جاتا ہے اور سیاسی عمل نام نہاد کمانڈ اسٹرکچر تلے دم توڑ دیتا ہے۔ آج بلوچستان کے مسائل شعلہ فشاں ہو گئے ہیں اور قومی سطح پر ان کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ نواب بگٹی کی ہلاکت سے جو بحرانی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اسے قومی سطح پر موثر سیاسی حکمت عملی بنا کر اور اس پر سب کی شرکت سے عمل کر کے حالات کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی سامنے رہنی چاہئے کہ مسائل اور محرومیاں بلوچستان تک محدود نہیں۔ دوسرے صوبوں اور خود پنجاب کے کچھ پسماندہ علاقوں میں بھی مسائل سلگ رہے ہیں۔ ان کے شعلہ بننے سے پہلے ان کے حل کی ضرورت ہے جو موجودہ حکومت کے لئے شاید ممکن نہیں۔

بلوچستان کی بدامنی بھارت کے لیے تائید غیبی بن چکی ہے۔ افغانستان کی ملحقہ سرحدوں میں ''را'' کے تربیتی مراکز ناراض بلوچی نوجوانوں کی پناہ گاہیں بن رہے ہیں۔ اگر ہم نے آج اس طوفان کی تباہ کاریوں کا تدارک نہ کیا جو اس خطے میں امریکی افواج کی موجودگی کے بطن سے جنم لے چکا ہے تو پھر شاید......

ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

طارق اسمٰعیل ساگر

فروری 2007ء